مقامات

منزل ما کبریاست

ظفراللہ خان

مقامات

منزل ما کبریاست

مقامات

منزلِ ما کبریاست

ظفر اللہ خان

ایمل مطبوعات
www.emel.com.pk

Maqamaat

Author: Zafarullah Khan

Publisher: Emel Publications

نام کتاب : مقامات

مصنف : ظفراللہ خان

ایڈیشن : اوّل ۲۰۱۵

ناشر : ایمل پبلیکیشنز۔اسلام آباد www.emel.com.pk

مطبوعہ : انڈسٹری پرائیویٹ لمیٹڈ،اسلام آباد www.industree.com.pk

ISBN : 978-969-9556-15-9

تقسیم کنندہ : ایمل پبلیکیشنز۔ ۱۲،سیکنڈ فلور،مجاہد پلازہ،بلیو ایریا،اسلام آباد۔فون: 92-51-2803096

قیمت : =/740 روپے US$ 22

پاکستان بھر سے براہ راست منگوانے کے لیے 0342-5548690 پر کال یا SMS کریں۔

اس کتاب کی اشاعت کے لیے ہم سلسلہ عالیہ ٹرسٹ،اسلام آباد کے شکر گزار ہیں

297.4 خ۔ا۔ن	خان،ظفراللہ مقامات: منزل ما کبریاست/ظفراللہ خان۔اسلام آباد: ایمل مطبوعات، 2015۔ 388،xx ص۔ کتابیات 978-969-9556-15-9: 740 روپے 1.تصوف۔2.قرآن۔3.حدیث۔4.اسلام۔5.مصنف۔6.عنوان

خود ز فلک برتریم، وز مَلکَ افزوں تریم
زین دو چرا نگذریم، منزل ما کبریاست

(ہم آسمان سے بھی برتر ہیں اور فرشتے سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔

کیوں نہ ان دونوں سے آگے نکل جائیں، ہماری منزل ذاتِ کبریا ہے)

(رومی)

انتساب

میں اپنی اس عاجزانہ کوشش کو اس ذات پاک کی خدمت عالی میں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں جو میرے وجود کی بنیاد ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ

(سورۃ رحمٰن: آیت 46)

(اور جو کوئی اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے
سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں)

فہرست

فہرست عنوانات

حرفِ ناشر

تصوف اور صوفیا کے حوالے سے میری پہلی یادداشت بچپن میں شاہ عبداللطیف بھٹائی کے مزار کا دورہ تھا۔ شعور کے تشکیلی دور میں مرحوم سلیم احمد سے متاثر ہوا اور بابا ذہین شاہ تاجی کی شرح فصوص الحکم پر ان کا لکھا ہوا مقدمہ پڑھا تو تصوف سے ایک سنجیدہ علمی اشتغال پیدا ہونا شروع ہوا۔ بعد کو مکتبِ روایت کی شاندار علمی کاوشوں کے ذریعہ اس میں اضافہ ہوتا رہا اور جدید مغربی ذہن کی پیدا کردہ گمراہیوں سے مقابلے کا حوصلہ اور ہتھیار خود مغرب کے نومسلم صوفیا کے ہاں سے فراہم ہونے لگے۔ روایتی تصوف کے بنیادی تصورات کی مضبوطی کا اندازہ ہوا تو موجودہ زمانے تک اس میں درآنے والے الحاقی واضافی تصورات کو جاننے اور چھاننے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔

پیرِ رومی کے مزار (قونیہ) پہ حاضری اور وہاں ہمہ وقت موجود "صدائے نے" کے ذریعے پیدا ہونے والی کیفیت سے اس نظری دلچسپی نے واردات قلبی کا رنگ اختیار کرنا شروع کر دیا۔ تصوف کو "متوازی دین" قرار دینے والوں کی دیگر بہت سی آراء سے اتفاق کے باوجود اس رائے سے اتفاق نہ کرنے کی وجہ علمی سے زیادہ خون میں دوڑتی محسوس ہوتی رہی، دل خدا شناسی کی اس فطری اور سکینت آمیز راہ کی جانب لپکتا رہا، ہمکتا رہا، پیرانِ کلیسا سے الجھتا رہا۔

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیران کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو

یوں دلیل کی سختی کو کیفیت کی نرمی سے معتدل کرتا رہا۔ پاسبانِ عقل کو چھوڑ کے، دل کو گاہے تنہا کرتا اور پھر اس تنہائی کو خدا کی حضوری سے دور کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس عمل کا حاصل وہ کیفیت اور وہ ہمہمہ ہے جس کا اظہار الفاظ کی پہنائی سے ممکن ہی نہیں، مگر اک یقین، کہ ایمان کا مترادف جانتا ہوں۔

محبّی ظفر اللہ خان نے "سلسلہ عالیہ" کیلئے کتب نویسی شروع کی تو ان کی اشاعت کو توشہء آخرت جان کر ساتھ ہو لیا۔ یہ کتاب اس سلسلے کا چوتھا "مقام" ہے، بلکہ مقام خاص ہے۔ خصوصیت اس کی یہ، کہ اب تک کے ذخیرہء علمی میں اس موضوع پر اتنی شرح و بسط کے ساتھ نہیں لکھا گیا۔ یہ کتاب عام فہم اسلوب میں عوام کے لیے لکھی گئی مگر تخاطب خواص سے بھی ہے کہ صوفیا کے حلقوں میں یہ تقسیم روا نہیں رکھی جاتی۔ ایک سالک ان مقامات سے گزرتا ہے تو مالک کے حضور پہنچتا ہے

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے، منزل نہیں ہے

مصنف نے اس کتاب میں تصوف کے بارے میں رہبانیت اور قناعتی جبر کے روایتی تاثر کو دور کرتے ہوئے الوہی آفاقیت کے

پہلو کو اجاگر کیا ہے۔مجاہدہ اور جہاد کی دوئی ختم کرتا "مجاہد صوفیا" کا تذکرہ گویا حقیقی تصوف کی نشاۃ ثانیہ کی سعی ہے۔

ظفراللہ خان جیسے یکے از کار پردازانِ دنیا اور عمّالِ ریاست کا اس موضوع پہ بات کرنا' لکھنا اور عامل ہونا بجائے خود انقلابی قدم ہے اور امت کا اپنے اساسی اثاثے کو پھر سے پانے کی تڑپ کا اظہار ہے۔گویا دنیائے دُوں کے ساتھ اس درُوں بینی سے معاملہ کرنا کہ دنیا کا فاتح ٹھہرے، نہ کہ عاشق۔

چشم منتظر نگراں ہے کہ سالک کا قدم ان "مقامات" سے آگے بڑھ کر کہاں ٹھہرتا ہے۔منزل ما کبریا است۔

مرحبا کہ ظفرمند باشد۔

شاہد اعوان

0321-5168572

دیباچہ

اسلامی معاشرے کی بقا ایسے افراد پر منحصر ہے جو اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل ہوں اور اخلاقی جدو جہد کرنے والے ہوں۔ ایسے عالی صفت افراد صرف اسی صورت میں میسر آ سکتے ہیں اگر انسان شعوری طور پر تمام نفسانی خواہشات کے منفی میلانات سے بہت حد تک پاک ہو یا تزکیہ حاصل کرے۔

انسانی نفس کا تزکیہ کرنے سے تعمیری قوت، نیکی کی استعداد اور روحانیت کی نشوونما حاصل ہوتی ہے، جس سے انسانی سیرت پر عمومی طور پر خوشگوار اثر پڑتا ہے۔ تزکیہ نفس سے رفتہ رفتہ نفس امارہ، نفس لوامہ میں بدل جاتا ہے، پھر نفس لوامہ، نفس مطمئنہ میں بدل جاتا ہے۔ جب ایک فرد انفرادی طور پر تزکیہ کا محتاج ہے تو پھر اسلامی معاشرے کو کیسے تزکیہ واحسان سے بے نیاز قرار دیا جا سکتا ہے؟ اس لیے ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی فلاحی معاشرہ اجتماعی طور پر افراد کے تزکیہ واحسان کا مطالبہ کرتا ہے۔ تصوف، سلوک یا احسان اسی تزکیہ نفس کا دوسرا نام ہے۔

ایک اسلامی معاشرہ اپنی اعلیٰ اخلاقی اقدار، اپنے وجود، بقا اور ترقی کے لیے تزکیہ واحسان کا محتاج ہے۔ اسلامی معاشرے کے اسی مطالبے کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس موضوع پر قرآن وحدیث اور سلف الصالحینؒ کے ارشادات کی روشنی میں کام شروع کیا گیا اس ضمن میں یہ چوتھی کتاب ہے۔ اس سے پہلے (i)۔ کتاب الزہد (ii)۔ بہترین انسان (iii)۔ اللھم چھپ چکی ہیں۔

مقامات کا تصور تصوف میں بہت اہم ہے۔ میں نے پینتیس سال اس پر غور وفکر کیا جس کا نچوڑ یہ کتاب ہے۔ تصوف کی کتب میں مقامات پر مختصر بحث ملتی ہے اور کہیں افراط وتفریط بھی ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ

(i)۔ قرآن اور صحیح احادیث سے ہر مقام کی بنیاد تلاش کی جائے۔

(ii)۔ ہر مقام کے مختلف علمی پہلوؤں پر گفتگو کی جائے۔

(iii)۔ اس ضمن میں صوفیائے کرامؒ کے اقوال بھی درج کئے جائیں۔

(iv)۔ کچھ واقعات بھی درج کئے جائیں تا کہ ہم ان عملی مثالوں سے سبق حاصل کر سکیں اور

(v)۔ تمام بحث میں افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کو پیش نظر رکھا جائے۔

یہ کتاب مقدمہ اور گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ (۱)۔ مقام توبہ (۲)۔ مقام تقویٰ (۳)۔ مقام زہد (۴)۔ مقام صبر (۵)۔ مقام رضا (۶)۔ مقام توکل (۷)۔ مقام صدق (۸)۔ مقام شکر (۹)۔ مقام تواضع (۱۰)۔ مقام سخاوت اور (۱۱)۔ مقام اخلاص

خدائے عزوجل سے امید ہے کہ یہ کتاب انسانیت کے تزکیہ نفس میں مددگار ثابت ہوگی اور مصنف کے لیے بہانہ مغفرت ہوگی۔

ظفر اللہ خان

خانقاہ سلسلہ عالیہ، اسلام آباد

اگست 2015

تصوف کا تعارف

۱۔ اسلام کا مفہوم

(۱)۔ لفظ اسلام لغوی اعتبار سے سلم سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی اطاعت اور امن کے ہیں۔ عربی زبان میں اعراب کے معمولی ردو بدل سے معنی میں نہایت فرق آجاتا ہے۔ اصل لفظ جس سے اسلام کا لفظ ماخوذ ہے، یعنی 'سلم'، اپنے 'س' پر زبر یا پھر زیر لگا کر دو انداز میں پڑھا جاتا ہے۔

(i)۔ سَلم (salm): جس کے معنی امن وسلامتی کے ہیں۔

(ii)۔ سِلم (silm): جس کے معنی اطاعت، داخل ہوجانے اور بندگی کے ہیں۔

(۲)۔ اسلام امن وسلامتی کے معنوں میں قرآن کی سورت الانفال کی آیت 61 میں ان الفاظ میں آیا ہے:

وَإِن جَنَحُواْ لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّهِ

(اور اگر جھکیں وہ صلح (امن) کی طرف تو تم بھی جھک جاؤ اس کی طرف اور اللہ پر بھروسہ کرو)

(۳)۔ اسلام اطاعت وفرمانبرداری کے معنوں میں قرآن کی سورت البقرہ کی آیت 208 میں ان الفاظ میں آیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ ادْخُلُواْ فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلاَ تَتَّبِعُواْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ

(اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے)

(۴)۔ اسلام کی بنیاد ایمانیات پر ہے۔ دراصل ایمانیات سے مراد وہ عقائد ہیں جن پر کامل اعتقاد (زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق) رکھنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ ان عقائد کو مانے بغیر کوئی بھی آدمی اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا۔ ایمانیات کو ایک حدیث پاک میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا، جس کا لباس نہایت صاف ستھرے اور سفید کپڑوں پر مشتمل تھا اور جس کے بال نہایت سیاہ تھے۔ اس آدمی پر نہ تو سفر کی کوئی علامت تھی اور نہ ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا۔ وہ آدمی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتنے قریب آکر بیٹھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے ملا لئے اور پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر رکھ لئے۔

اس کے بعد اس نے عرض کیا، اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھ کو اسلام کی حقیقت سے آگاہ فرمایئے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم اس حقیقت کا اعتراف کرو اور گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور پھر تم پابندی سے نماز پڑھو زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور زادراہ میسر ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔

اس آدمی نے یہ سن کر کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر ہمیں تعجب ہوا کہ یہ آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرتا ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ پھر وہ آدمی بولا، اے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اب ایمان کی حقیقت بیان فرمائیے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو، اس کے رسولوں کو اور قیامت کے دن کو دل سے مانو اور اس بات پر یقین رکھو کہ برا بھلا جو کچھ پیش آتا ہے وہ تقدیر کے مطابق ہے۔

اس آدمی نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا۔ پھر بولا اچھا اب مجھے یہ بتائیے کہ احسان کیا ہے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر (یہ دھیان میں رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

پھر اس آدمی نے عرض کیا قیامت کے بارے میں مجھے بتائیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس بارے میں جواب دینے والا، سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ اس کے بعد اس آدمی نے کہا اچھا اس کی کچھ نشانیاں ہی مجھے بتا دیجئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لونڈی اپنے آقا کو جنے گی اور برہنہ پا، برہنہ جسم مفلس وفقیر اور بکریاں چرانے والوں کو تم عالی شان مکانات میں فخر وغرور کی زندگی بسر کرتے دیکھو گے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ آدمی چلا گیا اور میں نے کچھ دیر توقف کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی مجھ سے پوچھا، اے عمر (رضی اللہ عنہ)! جانتے ہو سوالات کرنے والا آدمی کون تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے[۱]۔

(۵)۔ اس حدیث مبارکہ میں سب سے پہلے ایمان اور اسلام کی حقیقت بیان ہوئی ہے۔ جس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کا تعلق باطن سے ہے اور اسلام کا تعلق ظاہر سے ہے۔ اس حدیث پاک کی روشنی میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایمانیات حسب ذیل ہیں:

(i)۔ اللہ پر ایمان: اللہ کو ماننے کا مطلب اس بات پر یقین رکھنا ہے کہ اس کی ذات اور اس کی صفات برحق ہیں۔ عبادت کے لائق صرف اسی کی ذات ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کوئی اس کا ہمسر وشریک نہیں۔

(ii)۔ فرشتوں پر ایمان: فرشتوں کو ماننے کا مطلب اس بات میں یقین رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق فرشتوں کے نام سے موجود ہے یہ فرشتے لطیف اور نورانی اجسام ہیں۔ ان کا کام ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی تعمیل کرنا ہے۔

۱۔ صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم: ۴۹ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ؛ صحیح بخاری۔ جلد دوم: رقم: ۱۹۸۲ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ؛ صحیح مسلم۔ جلد اول: رقم: ۹۶ بروایت حضرت یحیی بن یعمر رضی اللہ عنہ؛ صحیح مسلم۔ جلد اول: رقم: ۱۰۰ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ؛ صحیح مسلم۔ جلد اول: رقم: ۱۰۲ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ؛ سنن ابوداؤد۔ جلد سوم: رقم: ۱۲۹۱ بروایت حضرت یحیی بن یعمر رضی اللہ عنہ؛ سنن نسائی۔ جلد سوم: رقم: ۱۲۹۹ بروایت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ؛ سنن نسائی۔ جلد سوم: رقم: ۱۳۰۰ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ؛ جامع ترمذی۔ جلد دوم: رقم: ۵۱۸ بروایت حضرت یحیی بن یعمر رضی اللہ عنہ؛ سنن ابن ماجہ۔ جلد اول: رقم: ۶۳ بروایت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ؛ سنن ابن ماجہ۔ جلد اول: رقم: ۶۴ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ؛ مسند احمد۔ جلد اول: رقم: ۱۷۹ بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ؛ مسند احمد۔ جلد اول: رقم: ۳۴۶ بروایت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

(iii)۔ الہامی کتابوں پر ایمان: کتابوں کو ماننے کا مطلب اس بات پر یقین رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں اور وقتاً فوقتاً اپنے پیغمبروں پر جو کتابیں نازل فرمائی ہیں، وہ سب کلام الٰہی اور احکام الٰہی کا مجموعہ ہیں۔ البتہ ان میں سے کوئی بھی اب اپنی اصل حالت میں موجود نہیں سوائے قرآن پاک کے۔ اس لئے عمل صرف اور صرف قرآن پاک پر ہی کیا جائے گا۔

(iv)۔ رسولوں پر ایمان: رسولوں پر ایمان کا مطلب اس بات پر یقین رکھنا ہے کہ اول الانبیاء حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام نبی اور رسول اللہ تعالیٰ کے سب سے سچے، سب سے پیارے اور سب سے افضل بندے ہیں۔ جن کو اس نے اپنے احکام دے کر مختلف زمانوں، مختلف قوموں میں مبعوث کیا اور انہوں نے ان خدائی ہدایات کے تحت دنیا والوں کو ابدی نجات کا راستہ دکھانے اور بھلائی پھیلانے کا اپنا فریضہ مکمل طور پر ادا کیا۔ ان تمام نبیوں اور رسولوں کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو کسی خاص زمانہ، کسی خاص علاقہ اور کسی خاص قوم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے بلکہ اللہ کا ابدی دین اسلام لے کر تمام دنیا کی طرف مبعوث ہوئے اور تا قیامت ان ہی کی نبوت اور انہی کی شریعت جاری و نافذ رہے گی۔

(v)۔ یوم آخرت پر ایمان: یوم آخرت (قیامت) کے دن کو ماننے کا مطلب اس بات پر یقین رکھنا ہے کہ شریعت نے آخرت کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے یعنی موت کے بعد پیش آنے والے احوال (مثلاً قبر اور برزخ کے احوال، نفخ صور، قیامت، حشر ونشر، حساب و کتاب اور پھر جزاء وسزا کا فیصلہ اور جنت و دوزخ) سب اٹل حقائق ہیں اور جن کا وقوع پذیر ہونا اور پیش آنا لازمی امر ہے۔ اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں۔

(vi)۔ تقدیر پر ایمان: تقدیر پر یقین رکھنے کا مطلب اس حقیقت کو دل سے تسلیم کرنا ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب تقدیر کے مطابق اپنے اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوتا ہے۔ آج جو بھی علم واضح ہوتا ہے خواہ وہ نیکی کا ہو یا بدی کا، خالق کائنات کے علم اور تقدیر میں وہ ازل سے موجود ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بندہ مجبور ہے۔ کاتب تقدیر نے انسان کو مختار بنایا ہے۔ یعنی اس کے سامنے نیکی و بدی کے دونوں راستے کھول کر اس کو اختیار دے دیا ہے کہ چاہے وہ نیکی کے راستہ پر چلے، چاہے بدی کے راستہ پر اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ نیکی کے راستہ پر چلو گے تو جزاء وانعام سے نوازے جاؤ گے جو اللہ کا فضل و کرم ہوگا اور اگر بدی کے راستہ پر چلو گے تو سزا اور عذاب کے حقدار بنو گے اور دوزخ میں ڈالے جاؤ گے جو عدل الٰہی کے عین مطابق ہوگا۔

(٦)۔ ارکانِ اسلام: حدیث جبرئیل علیہ السلام میں جو دوسری چیز بیان فرمائی گئی ہے وہ اسلام کے ارکان ہیں۔ جب کوئی انسان ایمانیات کو صدق دل سے مان لیتا ہے اور زبان سے اس کا اقرار کرتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے ارکان کو پابندی سے ادا کرے۔ ارکان اسلام حسب ذیل ہیں:

(i)۔ شہادتین: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ پاک ہی ہمارا خالق، مالک، رازق اور معبود ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔

(ii)۔ نماز: ہر عاقل و بالغ مرد وعورت پر مقررہ اوقات میں دن میں پانچ وقت کی نماز فرض ہے۔ جسے انسان اجتماعی یا انفرادی طور پر ادا کرسکتا ہے البتہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا اجر انفرادی طور پر ادا کی گئی نماز سے زیادہ ہے۔

(iii)۔ زکوٰۃ: ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرض ہے کہ وہ صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں اڑھائی فیصد کے اعتبار سے اپنے مال کی سالانہ زکوٰۃ ادا کرے اور اسے اس کے صحیح مصارف تک پہنچائے۔

(iv)۔ روزہ: ہر عاقل و بالغ مسلمان پر یہ بھی فرض ہے کہ رمضان کے پورے مہینے کے روزے رکھے۔

(v)۔ حج: ہر عاقل و بالغ مسلمان پر صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں زندگی میں ایک دفعہ بیت اللہ شریف کا حج کرنا فرض ہے۔ حج کے لئے صاحب استطاعت ہونے سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی تمام ضروریات زندگی سے فراغت کے بعد اتنا سرمایہ رکھتا ہو کہ وہ بغیر کسی تنگی و پریشانی کے آمدورفت اور سفر کے دوسرے تمام اخراجات برداشت کرسکتا ہو۔ علاوہ ازیں سفر حج کی پوری مدت کے لئے اہل وعیال اور لواحقین کے تمام ضروری اخراجات کے بقدر رقم یا سامان ان کو دے کر جاسکتا ہو۔ زادراہ اور فرضیت حج کی اس طرح کی دوسری شرائط پوری ہو جائیں تو باقی دشواریاں جیسے سفر کا طویل اور مشکل ہونا، درمیان میں سمندر یا دریا کا حائل ہونا وغیرہ، حج کی فرضیت کو ساقط نہیں کرتیں۔

(۷)۔ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں تیسری چیز جس کی وضاحت کی گئی ہے وہ احسان ہے۔ احسان کو اخلاص، تزکیہ نفس اور تصوف و سلوک سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ دراصل احسان اس کیفیت کا نام ہے جو صحیح عقائد سے وابستگی اور شریعت کی اتباع و فرمانبرداری کے بعد توجہ الی اللہ کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے اور بندے کو اپنے معبود کا قرب عطا کرتی ہے۔ اس سے ایمان و اسلام کی ظاہری صورت (یعنی عبادت الٰہی اور حقوق انسانی) کا صحیح معیار اور حسن قائم ہوتا ہے۔ عبادات کا یہی صحیح معیار اور حسن درحقیقت بندے کو معبود کا کامل تقرب اور عبدیت کا حقیقی مقام عطا کرتا ہے۔ بندہ اپنی عبادتوں کو اس جوہر سے کس طرح آراستہ ومزین کر سکتا ہے؟ اس کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ انسان اللہ عزوجل کی عبادت اس طرح کرے جس طرح کوئی ملازم یا خادم اپنے آقا اور مالک کی خدمت اس کو اپنے سامنے دیکھ کر کرتا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے کہ اگر شفیق آقا نظر کے سامنے ہو اور غلام اس کو دیکھ رہا ہو تو اس کے فرض کی انجام دہی کی کیفیت ہی دوسری ہوتی ہے۔ اس وقت غلام نہ صرف یہ کہ پوری طرح چاق وچوبند اور مؤدب ہوتا ہے بلکہ کام کرنے کا اس کا انداز بھی پوری طرح والہانہ اور مخلصانہ ہوتا ہے۔

(۸)۔ اسی نکتہ کے پیش نظر اگر بندہ عبادت کے وقت ایسی کیفیت وحالات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے تو خشوع وخضوع اور تضرع کی تمام تر کیفیات خود بخود اس کی عبادت میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس طرح عبادت حقیقی عبادت کا درجہ پا جاتی ہے اور اس عبادت کا بنیادی مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ عبادت کے اس مرتبہ کو احسان کہا گیا ہے۔ اس کو ارباب تصوف مشاہدہ اور استغراق سے تعبیر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عبادت کا یہ سب سے اونچا مرتبہ ومقام ہے جہاں تک رسائی اتنی آسان نہیں ہے۔ اس لئے

نسبتاً آسان طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب انسان عبادت کرتے وقت یہ دھیان میں رکھے کہ اللہ عزوجل اسے دیکھ رہا ہے تو اس یقین سے بھی عبادت میں خشوع وخضوع اور تضرع بڑی حد تک پیدا ہوتا ہے اور عبادت میں درجہ احسان حاصل ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں عبادت کی اس کیفیت کو بھی احسان سے تعبیر کیا گیا ہے جو حقیقی احسان یعنی مشاہدہ واستغراق کا ثانوی درجہ ہے۔

(۹)۔ درحقیقت یہ تینوں چیزیں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی خوشنودی اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے جاری کیے ہوئے احکام پر پوری طرح عمل نہ کیا جائے اور عمل اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک اس وقت تک قبولیت کا درجہ نہیں پا سکتے جب تک اللہ کی طرف کامل توجہ نہ ہو اور پورے داخلی وخارجی وجود پر محبت الٰہی، خشیت الٰہی اور حضور قلب کی کیفیت طاری نہ ہو۔ ان دونوں کا اس وقت تک کوئی اعتبار نہیں ہوگا جب تک عقیدہ صحیح نہ ہو اور دل ودماغ ایمان ویقین سے روشن نہ ہوں۔ کامل مومن یا کامل مسلمان وہی آدمی مانا جاتا ہے جس کے دل ودماغ میں صحیح اسلامی عقائد کا نور موجود ہو۔ پھر وہ ان فرائض کو پوری طرح ادا کرے اور ان احکام کی کامل اطاعت کرے جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ نافذ کیے اور پھر ریاضت کے ذریعہ اخلاص، توجہ الی اللہ اور رضائے مولیٰ کے حصول کی جدوجہد کرے جس سے ایمان واسلام میں حسن وکمال اور بلند قدری ملتی ہے۔

۲۔ تصوف کا تعارف

(۱)۔ لفظ صوفی یا تصوف کے بارے میں محققین کی مختلف آرا ہیں: حضرت سراج الدین طوسیؒ نے اللمع فی التصوف میں، حضرت ابوبکر محمد کلاباذیؒ نے التعرف میں، حضرت امام قشیریؒ نے رسالہ قشیریہ میں، حضرت سید علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں اور علامہ ابن جوزیؒ نے تلبیسِ ابلیس میں یوں بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ صوفی کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ صوفی صوف (اون) کے کپڑے پہنتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز کی صف اول میں ہونے کی وجہ سے انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اصحاب صفہ سے نسبت کی وجہ سے صوفی کہا جاتا ہے اور بعض کی رائے میں لفظ صوفی صفا (پاک پاز) سے ہے[۱]۔ سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ صفا مسلمہ طور پر قابل قبول ہے، اس کی ضد میل ہے چونکہ اہل تصوف اپنے اخلاق اور معاملات کو صاف رکھتے ہیں اور قلبی آفات سے بری ہوتے ہیں اس لئے صوفی کہلاتے ہیں۔

(۲)۔ صفا کی دو صورتیں ہیں:

(i)۔ پہلی صورت یہ ہے کہ دل غیر اللہ سے خالی ہو۔

(ii)۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دل دنیاداری سے دور ہو۔

۱۔ بقول امام قشیریؒ اور سید علی ہجویریؒ لغت کے اعتبار سے ان مذکورہ الفاظ میں سے کسی سے لفظ صوفی کا اشتقاق درست نہیں۔ البتہ سید علی ہجویریؒ صفا کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۳)۔ اردشیر عبادیؒ کا خیال ہے کہ صوفی کی اصل صفوت ہے اور تصوف کی اصل صوف ہے۔صفوت کے معنی کدورت سے پاک ہونا ہے۔وہ پگھلا ہوا سونا جس سے کھوٹ علیحدہ کر دیا جائے اسے صافی کہتے ہیں اسی طرح جو دل خواہشاتِ نفسانی سے پاک ہوا سے بھی صافی کہتے ہیں۔اس پاک صاف دل کے مالک کو صوفی کہا جاتا ہے۔پس ضروری ہے کہ انسان پہلے اپنے باطن کو پاک و صاف کرے پھر سادہ لباس پہنے[۱]۔

(۴)۔ ابوالفتح بستیؒ کا خیال ہے کہ صوفی اسے کہتے ہیں کہ جس نے صفا اختیار کی اور خواہشاتِ نفسانی سے پاک وصاف بنا دیا یہاں تک کہ اس کا لقب صوفی ہو گیا[۲]۔

(۵)۔ بعض کا خیال ہے کہ لفظ صوفی صوفہ سے لیا گیا ہے،صوفہ ایک قبیلہ تھا جو کعبہ کے خدام تھے[۳]۔

(۶)۔ اسلام میں صوف کا لباس،زہد وفقر اور قناعت کی علامت رہا ہے۔اسی نسبت سے صوفی کا لفظ اسلام میں مشہور ہو گیا اور کچھ لوگوں نے اس لباس میں دھوکہ بازی بھی کی۔ویسے بھی صوفیاء کرامؒ کو اون کا لباس پہننے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

(i)۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں[۴]:

حرف درویشاں بدزدد مرد دوں
تا بخواند بر سلیمے زان فسوں
کار مرداں روشنی و گرمی ست
کار دوناں حیلہ و بے شرمی ست
شیر پشمیں از برای گد کنند
بو مسیلم را لقب احمد کنند

(کمینہ انسان درویشوں کی بات کو چرا لیتا ہے تا کہ کسی سادہ انسان کو پھانس لے۔مردوں کا کام روشنی اور حرارت پہنچانا ہے اور کمینوں کا کام دھوکا دینا اور بے شرمی ہے۔یہ بہروپیے اون کے کپڑے دھوکے بازی اور حصول دنیا کے لئے پہنتے ہیں اور ابو مسلم کذاب کو احمد کا لقب دے دیتے ہیں)

(ii)۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں[۵]:

۱۔التحقیق ماللہند از ابوریحان البیرونی۔صفحہ نمبر ۲۲-۲۳

۲۔تلبیسِ ابلیس از ابن جوزی،صفحہ نمبر ۱۳۵

۳۔تلبیسِ ابلیس از ابن جوزی،صفحہ نمبر ۱۳۵

۴۔مثنوی معنوی از مولانا جلال الدین رومیؒ۔دفتر اول: ۱۱۔حکایت مرد بقال وطوطی و روغن ریختن طوطی در دکان

۵۔مواعظ سعدی از شیخ سعدیؒ۔غزلیات،شمارہ ۲۹۔گناہ کردن پنہان بہ از عبادت فاش

مراد اہل طریقت لباس ظاہر نیست
کمر بہ خدمتِ سلطان بہند و صوفی باش

(صوفی ظاہری لباس سے یا ترک دنیا سے نہیں بنتا۔ بیشک بادشاہ کی ملازمت کرو لیکن دل میں صوفی رہو)

دوسری جگہ فرماتے ہیں[۱]:

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

(تصوف صرف خدمت خلق کا نام ہے۔ یہ نہ تسبیح ہے، نہ جائے نماز ہے اور نہ ہی گدڑی ہے)

۳۔ تصوف کے بارے میں اقوال

(۱)۔ حضرت ابوالحسین محمد بن احمد فارسی فرماتے ہیں کہ تصوف کے حسب ذیل ارکان ہیں[۲]:

(i)۔ تجرید توحید: توحید میں شک یا کمی کا خیال تک نہ پایا جائے۔

(ii)۔ سماع کا سمجھنا: سماع کو صرف علم کی طاقت سے نہ سنے بلکہ اپنے حال کے ذریعے سنے۔

(iii)۔ ایثار الایثار: ایثار کرنے میں اوروں کو اپنے او پر ترجیح دے تا کہ ایثار کرنے کی فضیلت دوسرے کو ملے۔

(iv)۔ سرعت وجد: باطن ایسے امور سے خالی نہ ہو جو وجد کو بھڑکاتے ہیں اور نہ ہی باطن ان امور سے بھرا ہوا ہو جو اسے حق سے باز رکھیں۔

(v)۔ دلوں کی باتوں کا ظاہر کرنا: اس سے مراد یہ ہے کہ سالک ہر اس خیال کی تفتیش کرے جو اس کے دل میں پیدا ہو، پھر اس خیال کی تابعداری کرے جو حق تعالیٰ کی طرف سے ہو اور غیر حق کی طرف سے پیدا ہونے والے خیال کو چھوڑ دے۔

(vi)۔ کثرت سے سفر کرنا: کثرت سے سفر کرنے کا حکم اس لئے کہ صوفی دنیا میں عبرت کے مقامات کا مشاہدہ کر سکے۔

(۲)۔ حضرت محمد بن علی قصابؒ نے فرمایا کہ نیک لوگوں میں، نیک وقت میں نیک عادات کے ظاہر ہو جانے کو تصوف کہتے ہیں[۳]۔

(۳)۔ حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں کہ حق اور حلال لینا اور لوگوں کے مال سے امید نہ رکھنا، تصوف کہلاتا ہے[۴]۔

۱۔ بوستان سعدی از شیخ سعدیؒ۔ باب اول در عدل و تدبیر و رای۔ حکایت اتابک تکلہ

۲۔ تعرف از ابی بکر بن ابی اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری الکلاباذیؒ۔ صفحہ نمبر ۱۳۵

۳۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۳۴

۴۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۳۴

(۴)۔ حضرت رویم بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ تصوف میں تین خصلتیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں [1]:

(i)۔ محتاجی اختیار کیے رکھنا اور صرف اللہ سے غرض رکھنا

(ii)۔ خرچ کرنا اور دوسروں سے ترجیحی سلوک کرنا

(iii)۔ کسی چیز کے پیچھے پڑ نا نہ ہی کسی دنیاوی چیز کے لئے شدید خواہش کرنا

(۵)۔ حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ صوفی کی پہچان یہ ہے کہ خالی ہاتھ ہو تو سکون سے ہوتا ہے اور کچھ پاس ہو تو پہلے دوسروں پر خرچ کرتا ہے [۲]۔

(۶)۔ حضرت ابوبکر کتانیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف اچھی عادات کو کہتے ہیں چنانچہ جس کی اچھی خصلتیں تم سے بڑھ کر ہوں گی وہ تم سے آگے نکل جائے گا [۳]۔

(۷)۔ حضرت ابوعلی احمد روذباریؒ فرماتے ہیں، تصوف یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے محبوب کے در پر دھرنا دے کر بیٹھ جائے خواہ اسے دھکے ہی کیوں نہ پڑیں [۴]۔ پھر فرمایا کہ دوری کے کھوٹ سے نکل کر قرب جیسے صاف مقام پر آنے کو تصوف کہتے ہیں [۵]۔

(۸)۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں دل میں کسی بھی چیز کا غم رکھے بغیر اللہ سے لو لگانا تصوف کہلاتا ہے [۶]۔

(۹)۔ حضرت ابومحمد جریریؒ فرماتے ہیں کہ ادب و آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے حال پر نظر رکھنا تصوف کہلاتا ہے [۷]۔

(۱۰)۔ حضرت مزینؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا فرمانبردار ہو جانا تصوف کہلاتا ہے [۸]۔

(۱۱)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسا گروہ ہوتا ہے جس نے ہر شے سے توجہ ہٹا کر صرف اللہ کو پسند کیا ہوتا ہے چنانچہ اللہ بھی اسے اپنی ہر مخلوق سے زیادہ پسند کرتا ہے [۹]۔

(۱۲)۔ حضرت ابن جلاؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص فقیر کے مرتبہ پر ہوتا ہے وہ اللہ کے سوا کسی سبب پر نظر نہیں رکھتا، چنانچہ ایسے کو صوفی کہتے ہیں [۱۰]۔

۱۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۳۴

۲۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۳۵

۳۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۳۵

۴۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۳۵

۵۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۳۵

۶۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۳۵

۷۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۳۶

۸۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۳۶

۹۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۳۶

۱۰۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۳۶

(۱۳)۔ حضرت ابوسہل صعلوکیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف شکوہ شکایت کرنے سے ہٹ جانے کو کہتے ہیں[۱]۔

(۱۴)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف اوقات کی محافظت کرنے کا نام ہے اور حفظ اوقات یہ ہے کہ بندہ اپنی حدود کے سوا کسی اور چیز کی طرف نگاہ نہ رکھے اور اپنے رب کے سوا کسی اور کے ساتھ موافقت نہ کرے اور اپنے وقت کے سوا کسی اور کا ساتھ نہ دے[۲]۔

(۱۵)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ باطن کا حق تعالیٰ سے پیوست ہو جانا تصوف ہے۔ یہ کیفیت صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب حق کے ساتھ قائم رہنے کی وجہ سے اسباب سے بے تعلق ہو چکا ہو[۳]۔

(۱۶)۔ حضرت ابوالعباس ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا مطیع وفرمانبردار رہنے کا نام تصوف ہے[۴]۔

(۱۷)۔ ابویعقوب سوسیؒ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو کسی چیز کے چھن جانے سے بے قرار نہ ہو اور نہ کسی چیز کی تلاش میں خود کو تھکائے[۵]۔

۴۔ تصوف کی حقیقت

(۱)۔ اصطلاحات نے بعض اوقات حقائق کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ دنیا کے ہر علم میں اس زیادتی کی ایک لمبی کہانی ہے۔ ان اصطلاحات کے بارے میں نئے نئے سوالات اور اعتراضات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ ان کی وجہ سے مختلف مکتبہ فکر وجود میں آ جاتے ہیں اور لوگ مختلف گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اگر ان اصطلاحات کو چھوڑ دیا جائے اور ماضی میں ان حقائق کے بارے استعمال ہونے والے سادہ الفاظ کو اپنا لیا جائے تو بڑی آسانی کے ساتھ ان کیفیات کی ترجمانی کی جا سکتی ہے۔ انہی اصطلاحات میں سے ایک تصوف کی اصطلاح ہے جو لوگوں میں بہت رائج ہے۔ اس سلسلہ میں طرح طرح کے سوال کھڑے ہوئے اور مباحثوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ قائم ہو گیا۔

(۲)۔ اگر ہم تصوف کے لفظ کو چھوڑ کر جو دوسری صدی میں استعمال ہونا شروع ہوا[۶]، براہِ راست قرآن وحدیث اور صحابہ اکرام رضوان اللہ اجمعین کی طرف رجوع کریں اور کتاب وسنت کا اس نقطہ نظر سے مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن دین کے ایک شعبہ اور نبوت کے ایک اہم رکن کی طرف خاص طور پر توجہ دلاتا ہے اور اس کو تزکیہ نفس سے تعبیر کرتا ہے اور ان چار ارکان میں اس کو شامل کرتا ہے، جن کی تکمیل حضور اکرم ﷺ کے منصب نبوت میں شامل تھی۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی تعالیٰ ہے:

---

[۱] تعرف از ابی بکر بن ابی اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری الکلاباذیؒ۔ صفحہ نمبر ۱۳۸

[۲] تعرف از ابی بکر بن ابی اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری الکلاباذیؒ۔ صفحہ نمبر ۱۳۸

[۳] تعرف از ابی بکر بن ابی اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری الکلاباذیؒ۔ صفحہ نمبر ۱۳۸

[۴] تعرف از ابی بکر بن ابی اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری الکلاباذیؒ۔ صفحہ نمبر ۱۳۸

[۵] تعرف از ابی بکر بن ابی اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری الکلاباذیؒ۔ صفحہ نمبر ۱۳۸

[۶] کشف الظنون از علامہ ملا کاتب چلپیؒ۔ جلد اول، صفحہ ۲۸۰

هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیۡهِمۡ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَةَ ٭ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ [1]

(وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا، جوان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بیشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے)

(۳)۔ پاک کرنے سے مراد یہ ہے کہ انسانی نفس کو اعلیٰ اخلاق سے آراستہ کیا جائے اور بُرے اخلاق (رذائل) سے پاک کیا جائے۔ جس کے شاندار نمونے اور مثالیں ہمیں صحابہ اکرام رضوان اللہ اجمعین کی زندگیوں میں نظر آتی ہیں اور جس کے نتیجے کو طور پر ایسا صالح، پاکیزہ اور مثالی معاشرہ وجود میں آیا، دنیا جس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے، جسے مرتبہ احسان بھی کہتے ہیں۔

(۴)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک شخص آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور (آخرت میں) اللہ کے ملنے پر اور اللہ کے پیغمبروں پر ایمان لاؤ اور قیامت کا یقین کرو۔ پھر اس شخص نے کہا کہ اسلام کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ شرک نہ کرو اور نماز پڑھو اور زکوۃ ادا کیا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ اس شخص نے کہا کہ احسان کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس خشوع اور خلوص سے کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ حالت نہ حاصل ہو کہ تم اس کو دیکھتے ہو تو خیال رہے کہ وہ تمہیں دیکھتا ہے [2]۔

(۵)۔ ہم جب دین پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو حصوں میں منقسم ہے:

(i)۔ ایک کا تعلق افعال سے ہے، مثلاً قیام وقعود، رکوع وسجود، تلاوت وتسبیح، اذکار ودعائیں، احکام ومناسک۔

(ii)۔ دوسرے حصہ کا تعلق ان باطنی کیفیات سے ہے جو ان افعال وحرکات کے ساتھ لازم وملزوم ہیں اور جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں افعال کے ساتھ نمایاں نظر آتی ہیں۔ ان کیفیات کی تعبیر ہم اخلاص واحتساب، صبر وتوکل، زہد واستغناء، ایثار وسخاوت، ادب وحیاء، خشوع وخضوع، انابت وتضرع، دعاء کے وقت دل شکستگی، دنیا پر آخرت کو ترجیح، رضائے الٰہی اور دیدار الٰہی کا شوق اور اس طرح کی اور دوسری باطنی کیفیات اور ایمانی اخلاق سے کر سکتے ہیں۔

(۶)۔ احسان کے مسلمہ اصول ہیں، جو کتاب وسنت سے ثابت ہیں۔ اگر اہل تصوف اس مقصد کے حصول کے لئے کسی خاص اور متعین راستے یا شکل پر اصرار نہ کرتے تو شاید اس مسئلہ میں آج سب یک زبان ہوتے اور اختلاف ہی باقی نہ رہتا۔

(۷)۔ ہر زمانہ میں ایسی طاقت ور شخصیتوں اور جامع کمالات داعیوں کی ضرورت رہی ہے جو مسلمانوں میں قرآن پاک کی تلاوت، کتاب

۱۔ سورۃ الجمعہ: آیت: ۲

۲۔ صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم: ۴۹

وحکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفوس کا کام کریں۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت کا فرض انجام دیں اور امت مسلمہ کا رشتہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جوڑ سکیں اور اس میثاق وعہد کی تجدید کریں جو کلمہ اور ایمان کے ذریعہ ہر مسلمان نے کیا ہے اور اطاعت وفرمانبرداری، نفس اور شیطان کی مخالفت، اپنے معاملات میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدالت سے فیصلہ کرانے، طاغوت کے انکار اور اللہ کی راہ میں مجاہدہ اور اس عہد کی تجدید اپنا شعار بنائیں جو انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تھا۔اللہ تعالیٰ نے ہر دور اور ہر ملک میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جو دین کو افراط وتفریط سے پاک کرتے رہے۔

(۸)۔ تزکیہ کی کوئی خاص لگی بندی اور متعین شکل نہیں، جس کا رواج عام ہے اور جس کا نام آخری دور میں تصوف پڑ گیا ہے۔اہل تصوف ہر طرح کی غلط روی وغلط فہمی سے بری اور معصوم نہیں ہیں۔یہ ضروری ہے کہ اس خلا کو جو ہماری زندگی اور ہمارے معاشرے میں واقع ہوگیا ہے کو جلد از جلد پر کیا جائے اور تزکیہ واحسان کو پھر سے تازہ کیا جائے۔جس طرح ہمارے اسلاف نے اس کو اپنے اپنے زمانہ میں تازہ کیا تھا اور یہ سب منہاج نبوت اور کتاب اور سنت کی روشنی میں ہونا چاہیے۔بہرحال ہر دور اور ہر جگہ جہاں بھی مسلمان بستے ہیں یہ کام انتہائی ضروری ہے۔دراصل یہ خلا ایک عظیم خلا ہے اور ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس کے اثرات اور نتائج بہت دوررس ہیں۔

(۹)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں علمِ قرآن، علم حدیث وفقہ وغیرہ جدا جدا نہ تھے بلکہ بعد کے زمانے میں قرآن اور حدیث سے استنباط کر کے بہت سے علوم نکالے گئے اور ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ نام سے پکارا جانے لگا۔ان علوم کے بنانے والوں کو سب نے امام مانا۔بالکل اسی طرح تزکیہ نفس کی تعلیم دینے والے ایسے بزرگانِ دین گزرے ہیں کہ ان کو سب نے پیشوا مانا ہے، جیسے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ، خواجہ معین الدین چشتی، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت جنید بغدادی، شیخ ابوبکر شبلیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ وغیرہ۔

(۱۰)۔ جس طرح دیگر علوم کا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک خاص نام ہوگیا جیسا کہ علم فقہ اور علم حدیث، اسی طرح مشائخ کرامؒ کے تزکیہ نفس کے طریقہ کا نام تصوف ہوگیا۔اسی طرح جب کوئی مشائخ کرامؒ کے بتلائے طریقہ پر چلتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ تصوف سیکھتا ہے یا صوفی ہے۔صرف نماز روزہ ادا کرنے والے کو صوفی نہیں کہتے حالانکہ تزکیہ نفس میں یہ سب شامل ہیں۔لہٰذا جیسا کہ علم تفسیر، علم حدیث اور فقہ پڑھنا ضروری ہے اسی طرح تزکیہ نفس یعنی تصوف کی بنیادی کتابیں بھی پڑھنی چاہییں۔آج کل تصوف کو اسلام کے خلاف کہنا ایک فیشن سمجھا جانے لگا ہے حالانکہ تصوف کی اصل اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھانا ہے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھائے بغیر کامیابی کامرانی نہیں مل سکتی۔

۵۔ تصوف اکابرین امت کی نظر میں

(۱)۔ تصوف کے انکار اور اس کی تنقید کے سلسلے میں بعض حلقوں کی طرف سے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ کا نام بکثرت لیا

جا تا ہے۔ بے شک ان کی کتابوں میں تصوف کے بعض مسائل پر سخت تنقید ملتی ہے۔ اسی طرح وہ صوفیاء کا سخت محاسبہ بھی کرتے ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تنقید کن صوفیا اور کس تصوف پر کی گئی ہے؟ کیا اس تصوف پر جو کتاب وسنت کا اصل ہے؟ جس کی منزل رضائے حق ہے؟ جس میں قدم قدم پر کتاب وسنت پر عمل کرنے کی تاکید ہے؟ جس کی تعلیم حضرت حسن بصریؒ، حضرت ابراہیم بن ادہمؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت بشر حافیؒ، حضرت شفیق بلخیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت سہل تستریؒ، حضرت ابوطالب مکیؒ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے دی ہے؟ جبکہ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ ان صوفیاء کرامؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ اسلام کے مشائخ ہیں، ائمہ ہدایت ہیں اور خدا نے ان کے حق میں امت کے اندر لسان صدق رکھ دیا ہے[۱]۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت ابوسلیمان دارانیؒ، حضرت احمد بن الحواریؒ اور حضرت سری سقطیؒ کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: واکابر شیوخ الصالحین[۲]

(۲)۔ حقیقت میں ناقدین کی غلط فہمی ہے کہ ابنِ تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ تصوف کے خلاف تھے بلکہ ان کو فلسفیانہ تصوف سے اختلاف تھا۔ فلسفیانہ تصوف کے بارے میں سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ فلسفیانہ تصوف کا مقصد الٰہیات کے متعلق حکیمانہ خیالات رکھنا اور فلاسفہ کی طرح خشک زندگی اختیار کر کے ان کی اخلاقی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔ اس فلسفیانہ تصوف کا ماخذ یونان کا اشراقی اور اسکندریہ کا افلاطونی سکول ہونا بعض قدیم مسلمان حکماء کے نزدیک بھی مسلّم تھا[۳]۔

(۳)۔ ان حوالوں سے واضح ہوتا ہے کہ فلسفیانہ تصوف، فلسفہ اشراق، جدید افلاطونی الٰہیات وغیرہ ایک ہی سرچشمہ کی دھاریں ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کو اسی فلسفیانہ تصوف سے اختلاف تھا اور اسی تصوف سے پیدا شدہ مسائل پر وہ تنقید کرتے تھے۔ خود ابنِ تیمیہؒ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے تصوف میں مسلمانوں کے طریقے کے مطابق گفتگو نہیں کی[۴]۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اہل طریقت میں سے رہزن زنادقہ اور ملاحدہ صرف وہ ہیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو طریقت میں ضروری نہیں سمجھتے[۵]۔ تمام علمائے حق نے اسی بدعتی طبقہ کی مخالفت کی ہے ورنہ جہاں تک صحیح تصوف اور اہل حق صوفیا کا معاملہ ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ ان کا اعتراف اور پورا پورا احترام کرتے ہیں۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ صوفیا میں بعض اہل فلسفہ کے طریق پر ہیں اور ایک جماعت وہ ہے جو اہل حق کے مسلک پر اور سنت پر ہے۔ جیسے حضرت فضیل بن عیاضؒ اور تمام وہ لوگ جن کا ذکر امام ابوالقاسم قشیریؒ نے رسالہ قشیریہ میں کیا ہے[۶]۔

۱۔ جلاء العینین از شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ۔ صفحہ نمبر ۵۹
۲۔ فی السماع والرقص از شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ۔ صفحہ نمبر ۱۲۰
۳۔ جلاء العینین از شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ۔ صفحہ نمبر ۵۹
۴۔ جلاء العینین از شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ۔ صفحہ نمبر ۳۴
۵۔ مدارج السالکین از ابن قیمؒ
۶۔ جلاء العینین از شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ۔ صفحہ نمبر ۳۵

(۴)۔ رسالہ قشیریہ میں ان صوفیاء کرامؒ کی تفصیل بڑی آسانی سے دیکھی جا سکتی ہے۔ ابن تیمیہؒ ان کو مسلک اہل سنت پر مانتے ہیں اور یہی وہ حضرات ہیں کہ محققین صوفیا آج بھی انہی کی راہ پر چلتے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے مدارج السالکین میں صوفیا کرامؒ کی ان کے احوال کے اعتبار سے چار اقسام بیان فرمائی ہیں اور صوفیاء کرامؒ کی مدح سرائی فرمائی ہے۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور امت کے دوسرے کاملین علم اور حال دونوں کے جامع تھے۔ جب اہل علم اور اہل حال میں تفریق ہوگئی اسی وقت سے تصوف میں نقص اور خلل پیدا ہوگیا[1]۔ حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر احسان فرمائے اور اس کے علم کو اس کا حال بنا دے اور اس اوصاف کا متصف بنا دے[2]۔

(۵)۔ مدارج السالکین کے باب الذوق میں حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے ایمان کا دعویٰ کیا لیکن وہ صاحب ذوق نہ تھے، حق تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اپنے کو مومن نہ کہو، مسلم کہو! پس یہ لوگ مسلمان ہیں، مومن نہیں۔ اس لئے کہ ایمان ان کے دل کے اندر رچا نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ صاحب ذوق نہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں یا ان کے اعمال کے اجر میں کمی ہوگئی البتہ صاحب ذوق کا معاملہ ہی دوسرا ہے۔ ذوق ایک باطنی امر ہے اور عمل اس کا نشان ہے۔ پس اعمال علوم و عقائد کے ثمرات ہیں اور یقین سے جہاد اور احسان (تصوف) کے مقامات پیدا ہوتے ہیں[3]۔

(۶)۔ حافظ ابن قیمؒ صاحب امام شافعیؒ کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے صوفیا کرامؒ کی صحبت اختیار کی اور ان کی دو باتوں سے بڑا نفع اٹھایا:

(i)۔ وقت ایک تلوار ہے اگر اس کو نہ کاٹو گے تو وہ تم کو کاٹ دے گا۔

(ii)۔ اگر تم اپنے نفس کو حق میں مشغول نہ کرو گے تو وہ تم کو باطل میں مشغول کر دے گا۔

حافظ ابن قیم صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کتنے قیمتی فقرے ہیں اور اپنے کہنے والے کی عالی ہمتی پر دلالت کرتے ہیں اور امام شافعیؒ کی یہ منقبت اس طبقہ صوفیا کی شان کے لئے کافی ہے[4]۔

(۷)۔ حقیقت حال یہ ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کا حوالہ دے کر صحیح تصوف کی مخالفت کرنا ہرگز انصاف نہیں ہے۔ ان بزرگان دین کی کتابوں کو پڑھنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ وہ مسائل تصوف پر کیسی عالمانہ بحث فرماتے ہیں۔ مشائخ کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ درست اور غلط میں امتیاز کرتے ہیں۔ اگر فلسفیانہ تصوف کے سوا صحیح تصوف میں بھی کسی موقع پر انہوں نے اختلاف رائے ظاہر کیا ہے تو اس پر غور کرنا چاہیے کہ یہ اختلافات تصوف کے اصول و مقاصد سے ہیں یا فروع میں۔ اس لئے

---

[1]۔ مدارج السالکین از حافظ ابن قیمؒ۔ جلد سوم، صفحہ نمبر ۸۴

[2]۔ مدارج السالکین از حافظ ابن قیمؒ۔ جلد سوم، صفحہ نمبر ۸۴

[3]۔ مدارج السالکین از حافظ ابن قیمؒ۔ جلد سوم، صفحہ نمبر ۵۸

[4]۔ مدارج السالکین از حافظ ابن قیمؒ۔ جلد سوم، صفحہ نمبر ۸۰

تصوف کے نام پر آج بہت سی خانقاہوں اور مزاروں پر جو کچھ ہو رہا ہے، اس کی بنا پر تصوف کو رد نہیں کیا جا سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صحیح اور غلط کے فرق کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۶۔ تصوف کے بارے میں بعض شبہات

(۱)۔ تصوف اور اس کے اعمال و اشغال کے بارے میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، ان کی دو بڑی قسمیں ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(i)۔ پہلی قسم ان شکوک و شبہات کی ہے جو رسمی خانقاہوں اور رسمی سجادہ نشینوں کو دیکھ کر پیدا ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ جس شخص کو کتاب و سنت کی ادنیٰ واقفیت بھی ہے وہ معمولی غور و فکر کے بعد سمجھ لیتا ہے کہ یہ سب فریب اور حقیقت حق سے بہت دور ہے۔

(ii)۔ دوسری قسم ان شکوک و شبہات کی ہے جو علمی طور پر پیش آتے ہیں۔ اس قسم کے شبہات زیادہ تر ان لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جن کو محققین صوفیاء کرامؒ کی کتابیں پڑھنے کا کبھی موقع ملا ہے نہ اپنے زمانہ کے محققین سے سابقہ پڑا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تصوف فلسفہ اشراق، جدید افلاطونی الہیات اور ہندو جوگ سے اخذ کیا گیا ہے حالانکہ امر واقعہ یہ نہیں ہے۔

(۲)۔ فلسفہ اشراق اور ہندو جوگ میں چند ریاضتوں اور مجاہدوں کے علاوہ کیا ہے؟ وہ انہی مجاہدوں اور محنتوں کو اصل مقصد جانتے ہیں اور اس کے برعکس ہمارے صوفیاء کرامؒ ان ریاضتوں اور مجاہدوں کو جن کے ساتھ اتباعِ شریعت نہ ہو کوئی وقعت نہیں دیتے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ (شیخ احمد سرہندی) فرماتے ہیں: وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سنت پیروی سے الگ ہو کر اختیار کئے جائیں، معتبر نہیں ہیں۔ اس لئے کہ جوگی اور ہندوستان کے براہمہ اور یونان کے فلسفی بھی ان کو اختیار کرتے ہیں اور یہ ریاضتیں ان کی گمراہی میں اضافہ کے سوا اور کچھ نہیں کرتیں[۱]۔

(۳)۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ اپنی کم فہمی کی بنا پر خیال کرتے ہیں کہ شریعت اور طریقت مختلف ہیں۔ جبکہ حقیقت میں طریقت شریعت پر پابندی کے بغیر خدا کے ہاں مقبول نہیں اور جہاں تک صفائی قلب کا سوال ہے تو وہ کفار کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ قلب کی مثال آئینہ کی سی ہے۔ گدلے آئینہ کو عرقِ گلاب سے بھی صاف کیا جا سکتا ہے اور ناپاک پانی سے بھی۔ لیکن فرق صرف نجاست اور طہارت کا ہے۔ ولی اللہ کو پہچاننے کے لئے اتباعِ سنت کسوٹی ہے، جو سنت کی پیروی کرنے والا ہے وہ اللہ کا دوست ہے اور اگر سنت کے خلاف کرنے والا ہے تو فضول و بیہودہ ہے۔ جہاں تک خرق عادات (خلافِ عقل

---

[۱] مکتوباتِ امام ربانی از مجدد الف ثانیؒ۔ جلد اول۔ مکتوب نمبر ۲۲۱

واقعات) کا تعلق ہے تو وہ تو دجال سے بھی ظاہر ہوں گے [1]۔

(۴)۔ تصوف کی اولین اور مشہور کتابوں پر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کتابوں میں توحید اور اس کے احوال، اتباعِ سنت، عبادات کی خشوع وخضوع کے ساتھ ادائیگی، معاملات کی صفائی اور تصفیہ اخلاق کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ بے شک تصوف کی بعض کتابوں میں کچھ ایسے مضامین بھی آ گئے ہیں جن سے طبیعت کو وحشت ہوتی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ مضامین تصوف کے اصول ومقاصد سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ اگر کسی کو کوئی خلافِ شریعت بات نظر آئے تو ان کی وہی حیثیت سمجھنی چاہیے جو کتب تفسیر میں اسرائیلیات یا کتبِ احادیث میں موضوعات کی ہے۔

(۵)۔ تصوف اور اس کے اعمال واشغال کے متعلق جو شکوک وشبہات ہیں ان کا سب سے آسان حل یہ ہے کہ خود صوفیاء کرامؒ سے ہی انہیں حل کر لیا جائے اور پھر سوچا جائے کہ تصوف شریعت پر اخلاص کے ساتھ عمل کے سوا اور کیا چاہتی ہے؟

(۶)۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ ملا محمد لاہوریؒ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ شریعت کے تین حصے ہیں: علم، عمل اور اخلاص۔ جب تک یہ تینوں اجزاء درست نہ ہوں، شریعت درست نہیں ہو سکتی۔ جب شریعت درست ہو جاتی ہے، حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جاتی ہے جو کہ دنیاوی اور اخروی سعادتوں سے بالاتر ہے۔ طریقت وحقیقت جس سے صوفیاء کرامؒ سرفراز ہوئے ہیں، دونوں (شریعت کے تیسرے حصے) یعنی اخلاص کی تکمیل میں شریعت کے خادم ہیں۔ پس شریعت وحقیقت کی تحصیل صرف شریعت کی تکمیل کے لئے کی جاتی ہے۔ طریقت وحقیقت کی منزلوں کے طے کرنے کا مقصد تحصیل اخلاص کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اخلاص ہی سے مقام رضا حاصل ہوتا ہے۔

(۷)۔ مندرجہ بالا ارشادات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ تصوف اخلاص ویقین کے سوا اور دوسری کوئی چیز نہیں ہے اور اخلاص ویقین کے مطالبہ سے قرآن مجید اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھرے پڑے ہیں۔ تصوف کے اعمال واشغال اس اخلاص ویقین کی تحصیل کے ذرائع ووسائل کے متعلق ہیں۔ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض صحبت کی وجہ سے ان وسائل وذرائع کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی جو بعد کے لوگوں کو پیش آئی۔ وہاں نبوت کا آفتابِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود تھا۔ وہ شمع کی فکر میں کیوں پڑتے؟

(۸)۔ اب تصوف کے ان اعمال واشغال کا مسئلہ باقی رہ جاتا ہے جن کی ضرورت عہدِ نبوت سے دوری اور ماحول کی ناسازگاری کے باعث متاخرین کو پیش آئی۔ اس سلسلہ میں اصولی بات یہ ہے کہ ان اعمال واشغال میں ذکر وفکر یہ دو چیزیں بنیادی ہیں اور یہ دونوں چیزیں شرعی ہیں۔ بحث جو کچھ ہے وہ ذکر وفکر کے طریقوں اور قیود میں ہے؛ تو سمجھ لینا چاہیے کہ ذکر وفکر کے یہ طریقے صرف تدبیر کی حیثیت رکھتے ہیں [2]۔ حضرت سید احمد شہیدؒ فرماتے ہیں کہ صوفیا کے نفع بخش اشغال کی حیثیت دوا اور معالجہ کی سی

۱۔ رجوم المزنبین از حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ۔ صفحہ نمبر ۱۲۹

۲۔ ایضاح الحق الصریح از شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

ہے کہ ضرورت کے وقت سالک ان سے کام لے اور بعد کو پھر اپنے کام میں مشغول ہو جائے[1]۔

(۹)۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تصوف کی اگر واقعتاً اتنی اہمیت ہے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق اور اس کے اعمال و اشغال کے متعلق صاف صاف احکام کیوں نہیں دیئے؟ یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آتی کہ کوئی چیز دین میں اس قدر ضروری ہو کہ ایمان و اسلام کی تکمیل اس پر موقوف ہو اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو اس کی تعلیم نہ دی ہو؟ بات دراصل یہ ہے کہ تصوف کا جو مقصد ہے اور جو اس کی غایت اور غرض ہے یعنی اللہ کی محبت وخشیت اور یقین واستحضار اور اخلاص واحسان جیسی کیفیات کا حاصل کرنا سو اس کی تو دین میں اہمیت ہے اور یقیناً ایمان واسلام کی تکمیل اس پر موقوف ہے اور بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ اپنی امت کو اس کی تعلیم اور ترغیب بھی دی ہے۔ جہاں تک تصوف کے خاص اعمال واشغال کا تعلق ہے تو یہ اس کے صرف وسائل اور ذرائع ہیں اور اس قسم کے ذرائع اور وسائل کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ تعلیم اور شریعت کا تقاضا یہی ہے کہ ان کی تصریح اور تعین نہ کیا جائے تا کہ ہر زمانہ کے حالات کے مطابق جو جائز ذرائع اور وسائل مناسب سمجھے جائیں انہیں اختیار کیا جا سکے اور اس میں تصوف کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ دین کے دوسرے شعبوں کا بھی یہی حال ہے۔

(۱۰)۔ جب ہم تصوف کی بات کرتے ہیں تو عام طور پر ذہن میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت وخشیت اور اخلاص و احسان وغیرہ ایمانی کیفیات پیدا کرنے کے لئے تصوف میں جن اعمال واشغال مثلاً صحبتِ شیخ اور اذکار ومراقبات پر زور دیا جاتا ہے، کیا کتاب وسنت میں کہیں اس کا اشارہ ملتا ہے کہ ان چیزوں سے یہ کیفیات پیدا ہو سکتی ہیں؟ صحبتِ شیخ اور ذکر وفکر کا قلوب پر اثر انداز ہونا قرآن و سنت سے صراحتاً ثابت ہے۔ حضرت حنظلہ اسیدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اے حنظلہ رضی اللہ عنہ تم کیسے ہو میں نے کہا حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا سُبحَانَ اللہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے کہا ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے رہتے ہیں گویا کہ ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو ہم بیویوں اور اولاد اور زمینوں وغیرہ کے معاملات میں مشغول ہو جاتے ہیں اور ہم بہت ساری چیزوں کو بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم ہمارے ساتھ بھی اسی طرح معاملہ پیش آتا ہے۔ حضرت حنظلہ اسدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چلے یہاں تک کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو منافق ہو گیا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا وجہ ہے میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ آنکھوں دیکھے ہو جاتے ہیں۔ جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو ہم اپنی بیویوں اور اولاد

---

[1]۔ صراطِ مستقیم از سید احمد شہیدؒ۔ صفحہ نمبر ۷۸

اور زمین کے معاملات وغیرہ میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے بہت ساری چیزوں کو بھول جاتے ہیں تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم اسی کیفیت پر ہمیشہ رہو جس حالت میں میرے پاس ہوتے ہو، ذکر میں مشغول ہوتے ہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر تم سے مصافحہ کریں اور راستوں میں بھی۔ لیکن اے حنظلہ (رضی اللہ عنہ) ایک ساعت یاد کی ہوتی ہے اور دوسری غفلت کی اور آپ ﷺ نے تین بار یہی فرمایا[1]۔

(۱۱)۔ ایک عام خیال یہ ہے کہ تصوف دراصل رہبانیت اور گوشہ نشینی کا نام ہے اور اس کی تائید کرنا دراصل رہبانیت کو اسلام میں داخل کرنا ہے۔ یہ بھی ان ہی باتوں میں سے ایک ہے جو اس سلسلہ میں بے سوچے سمجھے کی جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں دراصل خود ان کے دل میں تصوف کے ایک غلط معنی بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ اپنی اسی غلط فہمی کی بنا پر صوفی صرف ان ہی لوگوں کو سمجھتے ہیں جو رہبانیت پسند اور گوشہ نشینی اختیار کیے ہوتے ہیں اور پھر اپنے اسی تصور کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ تصوف رہبانیت کا نام ہے اور ہر صوفی راہب ہی ہوتا ہے۔ اگر ہم خود اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں اور تصوف کے لئے رہبانیت اور گوشہ نشینی کو ضروری نہ سمجھیں تو اس دور میں بھی ایسے بہت سے بندگانِ خدا دیکھے جا سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سچے صوفی بھی ہیں اور مردِ میدان بھی۔ مگر بات وہی ہے کہ جو گوشہ نشین نہ ہو، ہم انہیں صوفی مان ہی نہیں سکتے۔ اس کا علاج تو خود اپنے علم اور تصوف کی تصحیح سے ہی ہو سکتا ہے۔

۷۔ اہل تصوف اور دینی جدوجہد

(۱)۔ حضرت شیخ ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں[2]: یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سرفروشی و جاں بازی، جہاد و قربانی اور تجدید و انقلاب و فتح و تسخیر کے لئے جس روحانی و قلبی قوت، جس وجاہت و شخصیت، جس اخلاق و للّٰہیت، جس جذب و کشش اور جس حوصلہ و ہمت کی ضرورت ہے، وہ بسا اوقات روحانی ترقی، صفائی باطن، تہذیب نفس، ریاضت و عبادت کے بغیر نہیں پیدا ہوتی اس لئے آپ دیکھیں گے کہ جنھوں نے اسلام میں مجددانہ یا مجاہدانہ کارنامے سرانجام دیئے ہیں، ان میں سے اکثر افراد روحانی حیثیت سے بلند مقام رکھتے تھے۔ ان آخری صدیوں پر نظر ڈالیے، امیر عبدالقادر الجزائری، سید احمد شریف السنوسیؒ (امام سنوسی) اور امام شامل کو آپ اس میدان کا مرد پائیں گے۔

(۲)۔ اس لئے اگر غیر جانبداری سے اسلام کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو ہر مجاہدانہ تحریک کے سرے پر ایک ایسی شخصیت نظر آتی ہے، جس نے اپنے حلقہ مجاہدین میں یقین و محبت کی روح پھونک دی تھی۔ اپنے یقین و محبت کو ہزاروں انسانوں تک منتقل کر کے ان کے لئے آسانی اور راحت طلبی کی زندگی دشوار اور پامردی و شہادت کی موت آسان اور خوشگوار بنا دی تھی۔ اس لئے انہوں نے

۱۔ صحیح مسلم۔ جلد سوم: رقم: ۲۴۶۵؛ جامع ترمذی۔ جلد دوم: رقم: ۴۱۴؛ سنن ابن ماجہ۔ جلد سوم: رقم: ۱۱۱۹؛ مشکوۃ شریف۔ جلد دوم: رقم: ۷۸۹
۲۔ تزکیہ و احسان از شیخ ابوالحسن علی ندویؒ۔ صفحہ نمبر ۱۱۰

اتنی جدوجہد کی جتنی کوئی مرنے والا زندہ رہنے کے لئے کرتا ہے، یہی گروہ وہ امام وقت ہے، جس کے متعلق ڈاکٹر محمد اقبال نے کہا ہے۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضروموجود سے بیزار کرے
موت کے آئینہ میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست
زندگی اور بھی تیرے لئے دشوار کرے

(۳)۔ خوشگوار حالات میں قوموں کی قیادت کرنے والے، فتح وکامیابی کی حالت میں لشکروں کو لڑانے والے ہر زمانے میں ہوتے ہیں، اس کے لئے کسی غیر معمولی یقین وشخصیت کی ضرورت نہیں لیکن مایوس کن اور انتہائی مشکل حالات میں صرف وہی مردِ میدان حالات سے کشمکش کی طاقت رکھتے ہیں جو اپنے خصوصی تعلق باللہ اور قوت ایمانی وروحانی کی وجہ سے خاص یقین وکیفیت عشق کے مالک ہوں، چنانچہ جب بھی مسلمانوں کی تاریخ میں ایسے تاریک دن آئے کہ ظاہری علم وحواس وقوت مقابلہ نے جواب دے دیا اور حالات کی تبدیلی ناممکن معلوم ہونے لگی تو کوئی صاحبِ یقین وصاحب عشق میدان میں آیا۔ اس نے اپنی جرات رندانہ اور کیفیت عاشقانہ سے زمانے کا بہتا ہوا دھارا بدل دیا۔

(۴)۔ تاتاریوں کا ایک سال کے عرصہ میں وسیع اسلامی دنیا پر چھا جانا اور عالم اسلام کو بزور طاقت فتح کر لینا کوئی عجیب واقعہ نہیں۔ اس لئے کہ ساتویں صدی میں عالم اسلام ان بیماریوں اور کمزوریوں کا شکار تھا جو عام طور پر تہذیب تمدن اور سلطنت کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ اس کے مقابلہ پر تاتاری تازہ دم، جفاکش، دیہاتی زندگی کے عادی اور قتل وغارت گری کے عادی تھے۔ لیکن عجیب واقعہ اور تاریخ کا معمہ یہ ہے کہ اپنے انتہائی عروج کے زمانے میں یہ وحشی قوم اپنے مفتوح اور بے دست وپا مسلمان کے دین کی حلقہ بگوش بن گئی۔ جو ہر قسم کی مادی وسیاسی طاقت کھو چکا تھا اور جن کو تاتاری سخت ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ پروفیسر آرنلڈ تعجب کا اظہار کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ اسلام اپنی گذشتہ شان وشوکت کے خاکستر سے پھر اٹھا اور واعظینِ اسلام نے انہی وحشی مغلوں کو جنہوں نے مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھایا تھا کو مسلمان کر لیا۔ یہ ایسا کام تھا جس میں مسلمانوں کو سخت مشکلیں پیش آئیں کیونکہ دو بڑے مذہب اس کوشش میں تھے کہ تاتاری ان کے حلقہ بگوش بن جائیں۔ وہ حالت بھی عجیب وغریب اور دنیا کا بے مثل واقعہ ہوگی جس وقت بدھ مذہب اور عیسائی مذہب اور اسلام اس جدوجہد میں ہوں گے کہ ان وحشی اور ظالم مغلوں کو اپنا حلقہ بگوش بنائیں[1]۔

(۵)۔ تاتاریوں نے جب کم وبیش تمام عالم اسلام کو پامال کر کے رکھ دیا اور جلال الدین خوارزم شاہ کی واحد اسلامی سلطنت اور عباسی خلافت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا تو تمام عالم اسلام پر مایوسی چھا گئی۔ تاتاریوں کی شکست ناممکن چیز سمجھی جانے لگی اور یہ

---

[1]۔ Preaching of Islam by T. W. Arnold اردو ترجمہ دعوت اسلام از مولوی عنایت اللہ، صفحہ نمبر ۲۴۰-۲۴۱

مثال زبان وادب کا جز بن گئی کہ اگر کوئی کہے کہ تاتاریوں نے شکست کھائی تو کبھی یقین نہ کرنا۔ اس وقت کچھ صاحب یقین مردان خدا تھے جو مایوس نہیں ہوئے اور اپنے کام میں لگے رہے، یہاں تک کہ تاتاری سلاطین کو مسلمان کر کے صنم خانہ سے کعبہ کے لئے پاسباں مہیا کر دیئے۔ ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں:

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

(۶)۔ خوارزم میں تاتاریوں کے خلاف جدوجہد کرنے والوں میں نجم الدین کبریٰؒ کے نام کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا جو ایک صوفی بزرگ تھے۔ آپؒ حضرت عمار یاسر بدلیسیؒ کے شاگرد تھے۔ آپ خوارزم میں رہتے تھے۔ آپؒ سلسلہ کبرویہ کے بانی تھے۔ آپؒ نے تاتاریوں کے خلاف ایک لمبے عرصے تک جدوجہد جاری رکھی اور بالآخر ایک جنگ میں آپؒ شہید ہو گئے۔

(۷)۔ ہندوستان میں اکبر کے دور میں ساری سلطنت کا رخ الحاد و لادینیت کی طرف ہو گیا۔ ہندوستان کا عظیم ترین بادشاہ ایک وسیع وطاقتور سلطنت کے پورے وسائل وذخائر کے ساتھ اسلام کا امتیازی رنگ مٹانا چاہتا تھا۔ اس کو اپنے وقت کے لائق ترین افراد اس مقصد کی تکمیل کے لئے حاصل تھے۔ سلطنت میں ضعف و بڑھاپے کے کوئی آثار نہ تھے کہ کسی فوجی انقلاب کی امید کی جا سکے، علم وظاہری قیاسات کسی خوشگوار تبدیلی کے امکان کی تائید نہیں کرتے تھے۔ اس وقت ایک درویش بے نوا نے تن تنہا اس انقلاب کا بیڑا اٹھایا اور اپنے یقین و ایمان، عزم وتوکل اور روحانیت وللّٰہیت سے سلطنت کے اندر ایک ایسا اندرونی انقلاب شروع کیا کہ سلطنت مغلیہ کا ہر جانشین اپنے سے پہلے کی نسبت بہتر ہونے لگا، یہاں تک کہ اکبر کے تخت سلطنت پر محی الدین اورنگ زیبؒ نظر آیا۔ اس انقلاب کے بانی امام طریقت حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی تھے۔

(۸)۔ 1813ء میں جب داغستان پر روسیوں کا قبضہ ہوا تو ان کا مقابلہ کرنے والے نقشبندی شیوخ تھے، جنہوں نے علم جہاد بلند کیا اور اس کا مطالبہ اور جدوجہد کی کہ معاملات شریعت کے مطابق ہوں اور قوم کی جاہلی عادات کو ترک کر دیا جائے۔ امیر شکیب ارسلان لکھتے ہیں کہ اس جہاد کے علمبردار داغستان کے علماء اور طریقہ نقشبندیہ کے شیوخ تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حقیقت کو عام مسلمانوں سے پہلے سمجھ لیا تھا کہ اصل نقصان حکام سے پہنچتا ہے، جو خطبات، عہدہ واقتدار، جھوٹی قیادت و سرداری، عیش ولذت اور تمغوں اور مرتبوں کے لالچ میں قوم فروشی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ سمجھ کر انہوں نے ملکی حکام اور ان کے حامی روسیوں کے خلاف علم آزادی بلند کیا۔ اس تحریک کے قائد غازی محمدؒ تھے جن کو روسی غازی ملّا کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ 1832ء میں غازی محمد شہید ہوئے تو ان کے جانشین حمزہ بے ہوئے۔ اس کے بعد امام شاملؒ نے مجاہدین کی قیادت سنبھالی، جو بقول امیر شکیب امیر عبدالقادر الجزائری کے طرز پر تھے۔ امام شاملؒ نے 25 برس تک روس سے مقابلہ جاری رکھا اور مختلف معرکوں میں ان پر زبردست فتح حاصل کی۔ روسی ان کی شوکت اور شجاعت سے مرعوب تھے۔ امام شاملؒ نے اس کے باوجود بھی مزید دس برس تک جنگ جاری رکھی۔

(۹)۔ انیسویں صدی عیسوی میں جب عالم اسلام پر انگریزوں نے یورش کی تو ان کے مقابلہ میں عالم اسلام کے ہر علاقہ سے جو مجاہد سر پر کفن باندھ کر میدان میں آئے وہ اکثر و بیشتر شیوخِ طریقت اور اصحاب سلسلہ بزرگ تھے، جن کے تزکیہ نفس اور سلوک نے ان میں دین کی حمیت، کفر کی نفرت، دنیا کی حقارت اور شہادت کی موت کی قیمت دوسروں سے زیادہ پیدا کردی تھی۔ الجزائر میں امیر عبدالقادر نے فرانسیسیوں کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا اور 1832ء سے لے کر 1847ء تک نہ خود چین سے بیٹھے اور نہ فرانسیسیوں کو چین سے بیٹھنے دیا۔ مغربی مؤرخین نے ان کی بہادری، عدل وانصاف، نرمی ومہربانی اور علمی قابلیت کی تعریف کی ہے۔ یہ مجاہد عملاً صوفی تھا اور امیر شکیب ارسلان نے ان الفاظ میں اسے خراجِ عقیدت پیش کیا ہے: امیر عبدالقادر پورے عالم و ادیب عالی دماغ اور بلند پایہ صوفی تھے، صرف نظری طور پر نہیں بلکہ عملاً اور ذوقاً بھی صوفی تھے، تصوف میں ان کی ایک کتاب المواقف ہے۔ وہ اس سلسلہ کے یکتائے روزگار لوگوں میں سے تھے اور ممکن ہے کہ متاخرین میں ان کا متبادل دستیاب نہ ہوسکے[۱]۔ وہ اپنے قیام دمشق کے دوران روزانہ فجر کو اٹھتے صبح کی نماز اپنے گھر کے قریب کی مسجد میں پڑھتے، سوائے بیماری کی حالت کے کبھی اس میں ناغہ نہ ہوتا، تہجد کے عادی تھے اور رمضان میں حضرات صوفیہ کے طریقہ پر ریاضت کرتے، برابر سلوک وتقویٰ اور اخلاق فاضلانہ پر قائم رہتے ہوئے، 1883ء میں انتقال کیا[۲]۔

(۱۰)۔ تصوف و جہاد کی جامعیت کی درخشاں مثال سید احمد الشریف السنوسیؒ کی ہے۔ اطالیوں نے طرابلس کی فتح کے لئے پندرہ دن کا اندازہ لگایا تھا۔ نوآبادیاتی جنگ کا تجربہ رکھنے والے انگریز قائدین نے اس پر تنقید کی اور کہا کہ یہ اطالویوں کی ناتجربہ کاری ہے اس مہم میں ممکن ہے تین مہینے لگ جائیں لیکن نہ پندرہ دن نہ تین مہینے، اس جنگ میں پورے تیرہ سال لگ گئے اور اطالوی پھر بھی اس علاقہ کو مکمل طور پر سر نہ کرسکے۔ یہ سنوسی درویشوں اور ان کے شیخ طریقت سید احمد الشریف السنوسی کی مجاہدانہ جدوجہد تھی، جس نے اطالیہ کو پندرہ سال تک اس علاقے میں قدم نہیں جمانے دیا۔ امیر شکیب ارسلان نے لکھا ہے کہ سنوسیوں کے کارنامہ نے ثابت کردیا کہ طریقہ سنوسیہ ایک پوری حکومت کا نام ہے بلکہ بہت سی حکومتیں بھی ان خصوصیات کی مالک نہیں ہیں جو سنوسی رکھتے ہیں۔ خود سید احمد الشریف السنوسی کے متعلق ان کے الفاظ ہیں: مجھے سید سنوسی میں غیر معمولی صبر وثابت قدمی دکھائی دی جو کم لوگوں میں دیکھی۔ ایک طرف اپنے تقویٰ اور عبادت کے لحاظ سے اگر وہ اپنے زمانے کے ابدال میں شمار ہونے کے قابل ہیں تو دوسری طرف شجاعت کے لحاظ سے دلیرانِ زمانہ کی صف میں شامل ہونے کے مستحق ہیں۔ امیر شکیب ارسلان نے صحرائے اعظم افریقہ کی سنوسی خانقاہ کی جو تصویر کھینچی ہے وہ بڑی دل آویز اور سبق آموز ہے، یہ خانقاہ واحۃ الکفرہ میں واقع تھی اور سید احمد الشریف کے چچا اور شیخ المہدی کے انتظام میں تھی۔ افریقہ کا سب سے بڑا روحانی مرکز تھی اور جہاد کا دارالتربیت تھی۔ امیر شکیب لکھتے ہیں: سید مہدی صحابہ وتابعین کے نقشِ قدم پر تھے۔ وہ عبادت کے ساتھ بڑے عملی آدمی تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ

۱۔ حاضر العالم الاسلامی از شکیب ارسلان۔ جلد دوم: صفحہ نمبر ۱۷۳

۲۔ حاضر العالم الاسلامی از شکیب ارسلان۔ جلد دوم: صفحہ نمبر ۱۷۲

قرآنی احکام حکومت و اقتدار کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتے اس لئے وہ اپنے برادران طریقت اور مریدین کو ہمیشہ شہسواری، نشانہ بازی کی مشق کی تاکید کرتے رہتے۔ جمعرات کا دن دستکاری اور اپنے ہاتھ سے کام کرنے کے لئے مقرر تھا۔ اس دن اسباق بند ہو جاتے، مختلف پیشوں اور صنعتوں میں لوگ مشغول ہوتے، کہیں تعمیراتی کام ہو رہا ہوتا، کہیں نجاری، کہیں لوہاری، کہیں پارچہ بافی، کہیں وراقی کا مشغلہ نظر آتا۔ اس دن جو شخص نظر آتا وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتا دکھائی دیتا۔ خود سید مہدی بھی پورے مشغول رہتے تاکہ لوگوں کو عمل کا شوق ہو۔ سید مہدی اور ان سے پہلے ان کے والد ماجد کو زراعت اور درخت لگانے کا بڑا اہتمام تھا۔ اس کا ثبوت ان کی خانقاہوں میں موجود باغات ہیں۔ وہ طلباء اور مریدین کو پیشوں اور صنعتوں کا شوق دلاتے اور ایسے جملے فرماتے جن سے ان کی حوصلہ افزائی ہوتی اور وہ اپنے پیشوں اور صنعتوں کو حقیر نہ سمجھتے اور نہ ان میں علماء کے مقابلہ میں احساس کمتری پیدا ہوتا، فرماتے! کیا یہ کاغذوں والے (یعنی علما) اور تسبیحوں والے (یعنی ذاکرین صوفیا) سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے یہاں سبقت لے جائیں گے، نہیں بلکہ خدا کی قسم وہ ہم سے کبھی سبقت نہیں لے جا سکتے[1]۔

(۱۱)۔ عالم اسلام پر سید جمال الدین افغانیؒ کی شخصیت و دعوت نے جو اثر ڈالا ہے وہ کسی صاحب نظر سے مخفی نہیں بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ نئی دنیائے اسلام کے معماروں میں ہیں۔ سید جمال الدین افغانیؒ سرتا پا دعوت و عمل اور ایک شعلہ جوالہ تھے۔ انہوں نے افغانستان سے لے کر ترکی تک تمام عالم اسلام میں حمیت اسلامی کی روح اور اتحاد اسلامی کا صور پھونکا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان کا سوز دروں اور گرمی نفس میں اور ان کی بے چین طبیعت اور مسلسل جدوجہد میں ان کے ذکر قلبی اور باطنی بیداری کو بھی دخل ہے۔ جس کے بغیر اکثر آدمی مسلسل محنت اور مخالفتوں میں مایوس کن حالات کا ہمیشہ مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہی حال ان کے شاگرد رشید اور دست راست شیخ محمد عبدہ کا ہے، جو تصوف کے لذت آشنا اور اس کوچہ سے واقف تھے[2]۔

(۱۲)۔ محمد احمد بن سید عبداللہ مہدی سوڈانیؒ، سوڈان کی ایک معروف شخصیت ہیں جنہیں ملک میں تحریک اسلامی کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہ انگریزوں اور مصریوں کی جارحیت کے خلاف جہاد اور شریعت اسلامی کے نفاذ کے باعث دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ مہدی سوڈانی تاریخ اسلام کی ممتاز شخصیت ہیں۔ وہ صرف ایک سیاسی رہنما اور ایک حکومت کے بانی ہی نہیں تھے بلکہ ایک مصلح بھی تھے۔ انہوں نے جامع ازہر میں تعلیم پائی اور وہیں ان کی ملاقات جمال الدین افغانیؒ سے ہوئی۔ آپؒ نے باقاعدہ تصوف کی منزلیں طے کیں اور تمام زندگی اسلامی احکامات کی سختی سے پابندی کرتے رہے۔ 1880ء میں اپنے شیخ کی وفات کے بعد آپؒ سلسلہ سمانیہ کے سربراہ منتخب ہوئے۔ آپؒ نے کئی سال دریائے نیل کے ایک جزیرے آبا میں رہائش اختیار کی اور یہیں سے اپنی تحریک چلائی۔ یہ تحریک 29 جون 1881ء میں اس وقت شروع ہوئی جب مہدی نے سوڈان کے ممتاز لوگوں کو کتاب و سنت کی

۱۔ حاضر العالم الاسلامی از شکیب ارسلان۔ جلد دوم: صفحہ نمبر ۱۶۳-۱۶۴

۲۔ شیخ ابوالحسن علی ندویؒ اپنی کتاب تزکیہ و احسان کے صفحہ نمبر ۱۲۱ پر فرماتے ہیں کہ مجھ سے قاہرہ میں مصر کے مشہور فاضل و مصنف ڈاکٹر احمد امین بے نے خود اس کا تذکرہ کیا، جنہوں سید جمال الدین افغانیؒ کا زمانہ پایا تھا اور شیخ محمد عبدہؒ کے درس میں شریک ہوئے تھے۔

بالادستی قائم کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اس پر زور دیا کہ اس مقصد کے لئے لوگوں کو جان و مال کی قربانی کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ پس اس کے بعد سوڈان کے مصری حکام اور مہدی کے حامیوں میں جھڑپیں شروع ہو گئیں جو بالآخر مہدی کی فتح پر ختم ہوئیں۔ مہدی سوڈانیؒ کے پیروکار درویشوں نے دو سال کے اندر اندر تقریباً پورے سوڈان پر قبضہ کر کے انگریز حکمرانوں کو بے دخل کر دیا۔

مہدی سوڈانیؒ نے کامیابی حاصل کر کے نیل کے مغربی کنارے پر خرطوم کے بالمقابل ام درمان کے شہر کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ حکومت سنبھالتے ہی انہوں نے اصلاحات نافذ کرنا شروع کر دیں۔ نئے سکے ڈھالے گئے اور جن لوگوں کو سابق حکومت نے ناجائز طور پر زمینوں سے بے دخل کر دیا تھا انہیں ان کی زمینیں واپس کر دی گئیں۔ مہدی سوڈانیؒ نے اسلامی تعلیمات کے خلاف پھیلنے والی رسوم کو ختم کرنے کی کوشش کی اور شراب و نشہ آور اشیا کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا۔ عورتوں کو پردے کی ہدایت کی گئی، شادی بیاہ پر فضول اخراجات سے روکا گیا اور جہیز پر پابندیاں عائد کی گئیں۔ آپؒ کو سوڈان کی تحریک بیداری کا پیشرو مانا جاتا ہے۔ ام درمان میں آپؒ کا مزار آج بھی سوڈانی مسلمانوں کی جائے عقیدت ہے۔

(۱۳)۔ برصغیر میں تصوف اور جدوجہد کا ایسا عجیب امتزاج و اجتماع ملتا ہے، جس کی نظیر دور دور تک ملنی مشکل ہے۔ اس سلسلہ میں سید احمد شہیدؒ کی جامعیت مسلمات میں سے ہے۔ ان کے رفقاء جہاد اور ان کے تربیت یافتہ اشخاص کے جوش جہاد، شوق شہادت، محبت دینی کے واقعات قرون اولیٰ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ جب کبھی ان کے مفصل حالات سامنے آئیں گے تو اندازہ ہوگا کہ یہ صدی اول کا ایک بچا ہوا ایمانی جھونکا تھا جو تیرھویں صدی ہجری میں چلا تھا[۱] اور جس نے دکھا دیا کہ ایمان، توحید اور صحیح تعلق باللہ اور راہ نبوت کی تربیت و سلوک میں کتنی قوت اور کیسی تاثیر ہے اور بغیر صحیح روحانیت اور اصلاح کے جاں نثاری کی امید غلط ہے۔ سید صاحب کے جانشینوں میں مولانا سید نصیر الدین اور مولانا ولایت علی عظیم آبادی، سید صاحبؒ کی یاد تازہ کرتے تھے۔ مولانا یحییٰ علی اور مولانا احمد اللہ صادق پوری دینی جدوجہد اور مصائب پر صبر کرنے میں امام احمد بن حنبلؒ کی یاد تازہ کرتے تھے۔ وہ کبھی گھوڑے کی پیٹھ پر، کبھی انبالہ کے پھانسی گھر میں، کبھی جزیرہ انڈمان میں محبوس نظر آتے ہیں۔ دوسرے وقت وہ سلسلہ مجددیہ و سلسلہ محمدیہ میں لوگوں کی تربیت و تعلیم میں مشغول دکھائی دیتے ہیں۔

(۱۴)۔ ہندوستان کی پوری اسلامی تاریخ کی قربانیاں اگر ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور اہل صادق پور کی جدوجہد اور قربانیاں دوسرے پلڑے میں رکھی جائیں تو شاید اہل صادق پور کا پلڑہ بھاری رہے۔ ان حضرات کے بعد بھی اہل سلسلہ اور اصحاب ارشاد دینی جدوجہد اور جہاد فی سبیل اللہ کے کام سے فارغ اور گوشہ گیر نظر نہیں آتے۔ شاملی کے میدان میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت حافظ ضامنؒ، مولانا محمد قاسمؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ انگریزوں کے خلاف صف آراء نظر آتے ہیں۔ حضرت حافظ ضامنؒ شاملی کے میدان میں ہی شہید ہو گئے، حاجی صاحبؒ کو ہندوستان سے ہجرت کرنی پڑی، مولانا نانوتویؒ اور مولانا گنگوہیؒ کو

۱۔ تزکیہ و احسان از شیخ ابوالحسن علی ندویؒ: صفحہ نمبر ۱۲۲

عرصہ تک گوشہ نشین رہنا پڑا۔ مولانا محمود حسنؒ انگریزوں کے خلاف جہاد کی تیاری کرتے ہیں اور ہندوستان کو ان کے وجود سے پاک کر کے ایک ایسی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں خدا تعالیٰ کی حاکمیت ہو۔ ان کی بلند ہمتی ان کو ترکی سے تعلقات قائم کرنے اور ہندوستان وافغانستان وترکی کو ایک سلسلہ جدوجہد میں منسلک کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ ریشمی خطوط اور انور پاشا کی ملاقات، مالٹا کی اسیری ان کی عالی ہمتی اور قوت عمل کا ثبوت ہے۔

(۱۵)۔ معاصر دینی تحریکوں میں الاخوان المسلمون کی تحریک سب سے زیادہ طاقتور اور منظم تحریک ہے اور عرب دنیا کے لئے وہ احیائے دین اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی واحد تحریک ہے۔ اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا زندگی سے پورا ربط ہے اور ممالک عربیہ کی عمومی زندگی پر اس نے بڑا گہرا اور محسوس اثر ڈالا ہے۔ اس کے بانی شیخ حسن البناء مرحوم کی شخصیت بڑی مؤثر، دل آویز اور ہمہ گیر تھی۔ وہ سرتاپا عمل اور مجسم جدوجہد تھے، نہ تھکنے والے، نہ مایوس ہونے والے، نہ پست ہونے والے سپاہی اور داعی تھے۔ ان کی ان خصوصیات میں ان کی روحانی نشوونما اور سلوک کو بڑا عمل دخل تھا۔ انہوں نے اپنی خودنوشت سوانح میں لکھا ہے کہ طریقہ حصافیہ شاذلیہ میں بیعت تھے اور باقاعدہ اس کے ازکار واشغال کی تربیت کی تھی۔ ان کے خواص اور معتمدین نے بیان کیا کہ وہ زندگی کے آخری مصروف ترین دنوں میں بھی اپنے اذکار کے معمول کے مطابق پابند رہے۔ اخوان کی پانچویں موتمر میں انہوں نے اخوان کی تحریک کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی تعریف میں حسب ذیل جملے کہے تھے: ایک ایسی جماعت جس میں سلف کی دعوت، اہل سنت کا طریقہ، تصوف کی حقیقت، سیاست، ورزش، علم وثقافت، اقتصادی تعاون اور اجتماعی فکر جمع ہیں[۱]۔

(۱۶)۔ ترکی میں دینی جدوجہد کرنے والے صوفی برزگ سعید نورسی کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے بروقت مسلمانوں کو سیکولر اور مادیت کے خطرے سے باخبر کیا اور اس کے خلاف پوری زندگی اپنی کوشش جاری رکھی۔ ان کوششوں کے دوران آپؒ کو کئی دفعہ قید وبند اور جلاوطنی کی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔

۸۔ تصوف کی اصلاح

(۱)۔ عصر حاضر میں اسلام کے روحانی پہلوؤں کو نمایاں کرنے کی ضرورت ہے۔ انسانیت روحانیت کی تلاش میں ہے۔ نئی مسلم نسل اسلام کی ظاہرداری سے نالاں ہے۔ وہ اسلام کی روح چاہتی ہے۔ عام طور پر اسلام کے روحانی پہلو کو تزکیہ نفس یا تصوف کہتے ہیں۔

(۲)۔ اسلام کا اصل مقصد بندے کو اس کے رب سے جوڑنا ہے اس کا کچھ حصہ ظاہری شریعت (قانون) سے متعلق ہے اور کچھ حصہ باطنی اخلاقیات یا روحانیات سے جسے تصوف بھی کہا جاتا ہے۔ شریعت بنیادی فریم ورک عطا کرتی ہے تاکہ انسان بھٹکنے سے بچ جائے لیکن زیادہ اخلاقی ترقی کا دارومدار انسان کی اپنی روحانی طلب پر ہے۔ جتنی طلب ہوگی اتنی ہی زیادہ ترقی ہوگی تصوف روحانی طلب وترقی سے بحث کرتا ہے۔

۱۔ شیخ ابوالحسن علی ندویؒ اپنی کتاب تزکیہ واحسان کے صفحہ نمبر ۱۲۱ پر فرماتے ہیں کہ مجھ سے قاہرہ میں مصر کے مشہور فاضل ومصنف ڈاکٹر احمد امین بے نے خود اس کا تذکرہ کیا، جنہوں سید جمال الدین افغانیؒ کا زمانہ پایا تھا اور شیخ محمد عبدہؒ کے درس میں شریک ہوئے تھے۔

(۳)۔ صوفیا نے خدا سے خوف کی بجائے محبت کا درس دیا ہے۔ ان کے نزدیک سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 54 مشعل راہ ہے کہ "خدا ان کو محبوب رکھتا ہے اور وہ خدا کو محبوب رکھتے ہیں"۔ خدا سے محبت پر زور دینے کی وجہ سے انہوں نے خدا کی مخلوق سے بھی محبت کا درس دیا۔ بابا فرید گنج شکرؒ کا مشہور قصہ علامتی طور پر مفید ہے۔ ان کے ایک مرید کہیں سفر سے آئے تو وہاں کی سوغات کے طور پر قینچی لائے۔ آپؒ نے فرمایا کہ تم میرے لئے کاٹنے کی چیز لائے ہو۔ اگر تحفہ لانا ہی تھا تو سوئی دھاگہ لاتے کہ وہ جوڑنے کے کام آتا ہے۔ صوفیا کی یہی خصوصیت جو دین کی اشاعت کا سبب بنی۔ اس محبت کے درس کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں رقابت کم ہوگئی۔ اس میل جول سے لوگ اسلام سے متاثر ہوئے اور اسلام میں داخل ہوئے۔

(۴)۔ مشہور انگریزی شاعر Hunt نے 1834 میں حضرت ابو بن ادھمؒ کے حوالے سے اس مسئلہ پر خوبصورت نظم لکھی ہے۔ جس میں اس بات کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی مخلوق سے محبت کرنے والوں سے اللہ عزوجل محبت کرتا ہے۔

Abou Ben Adhem

Abou Ben Adhem - may his tribe increase-
Awoke one night from a deep dream of peace,
And saw, within the moonlight in his room,
Making it rich, and like a lily in bloom,
An Angel writing in a book of gold.
Exceeding peace had made Ben Adhem bold,
And to the presence in the room he said:
What writest thou? The vision raised its head
And with a look made all of sweet accord,
Answered, The names of those who love the Lord.
And is mine one? said Abou. Nay, not so,
Replied the Angel. Abou spoke more low,
But cheerly still, and said, I pray thee, then,
write me as one who loves his fellow men.
The Angel wrote, and vanished, The next night
It came again, with a great wakening light,
And showed the names whom love of God had blest,
And lo! Ben Adhem's name led all the rest.

(۵)۔ ہمارے ہاں تصوف اللہ عزوجل کی محبت کے لئے اللہ پاک کی کائنات وانسانیت سے تعلق بڑھانے کی بجائے ترک دنیا کا سبق دینے لگا۔ حالانکہ اصل تصوف دنیا کے بے اعتدالانہ استعمال کے ترک کی تعلیم دیتا تھا۔ اس غلط تصوف کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم دنیا پر اضمحلال طاری ہونے لگا۔ اقبال کے بقول مسلمانوں کے زوال کے اسباب میں سقوطِ بغداد کے بعد غلط تصوف کا حصہ ہے۔

(۶)۔ جس زمانے میں مغرب میں علوم فطرت سے ترقی ہو رہی تھی ہم لذت سکر میں رہتے رہے۔ ہم مجموعی طور پر عالمی عمل سے بیگانہ رہے۔ ہمارے تصوف نے کائنات میں غور وفکر کی بجائے خواب اور کشف پر زور دیا۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ صوفیوں نے براہ راست لوگوں سے کہا کہ تم سائنس سے دور رہو بلکہ غلط صوفیانہ تصورات سے ہمارے اندر جو مزاج پیدا ہوا وہ غیر سائنسی تھا بلکہ ضد

سائنس تھا۔ سائنس انسان کو خارجی مظاہر قدرت کی طرف مائل کرتی ہے۔ ہم نے ساری توانائیاں باطن کی طرف موڑ دیں اور باطن کا سفر کہیں ختم نہ کیا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ کچھ سفر طے کر کے باہر کی طرف رخ کر لیتے اور تسخیر ذات کے بعد تسخیر کائنات میں لگ جاتے۔ جس طرح بوعلی سینا ایک بلند پایا صوفی تھے اور اس کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کے طبیب اور سائنسدان بھی تھے۔

(۷)۔ یونان کی اشراقیت (Plotinus کا فلسفہ) اور ہندو رہبانیت کے زیر اثر تصوف نے ایک فکر و عمل کا گورکھ دھندا بنا لیا جو بہت حد تک اسلام کی سادہ روحانی تعلیمات سے مطابقت نہ رکھتا تھا۔ دین و دنیا اور روح و مادہ کے اس حسین توازن کے خلاف تھا جو اسلام کا مقصود تھا۔ میری رائے میں ان غلط تعلیمات کے دو بہت بڑے نقصان ہوئے۔ ایک تو اسلام متحرک و عملی دین کی بجائے چلہ کشی و مردم بیزاری کی طرف چلا گیا۔ دین کی سماجی، سیاسی و معاشی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ خدا کی ذات کی بجائے شیخ کی طرف بلایا جانے لگا۔ دین کی عطا کردہ اجتماعیت کی بجائے ذاتی عرفان، کشف، مراقبہ جیسے انفرادی اعمال کئے جائے لگے۔ دین نے تو عبادت و دعا کو بھی اجتماعی عمل بنایا تھا۔ ہم نے اس کو حجرہ تک بلکہ جنگلوں تک محدود کر دیا اس سے سماج ٹوٹنے لگا۔ اجتماعیت کمزور پڑ گئی۔ روحانیت ذاتی فعل بن گیا۔ اس کی اجتماعیت ختم ہوگئی۔ اجتماعیت کی قوت نہ ہونے کی وجہ سے روحانی و نفسی مسائل بڑھنے لگے۔ عبادت کا مقصد اس وقت صحیح طور پر پورا ہوتا ہے جب اس کو اجتماعی طور پر کیا جائے۔ اس لئے نماز باجماعت، جمعہ کی نماز، عیدین اور سالانہ حج پر زور دیا ہے۔

(۸)۔ اقبال نے صحیح کہا ہے کہ عبادت اجتماعی شکل میں زیادہ بہتر نتائج دیتی ہے۔ اصل عبادت ایک سماجی عمل ہے۔ اسلام انفرادی نماز کی بجائے نماز باجماعت اور سالانہ حج پر اس لئے زور دیتا ہے کہ عبادت ایک عالمگیر عمل بنتا جائے۔

The real object of prayer, however, is better achieved when the act of prayer becomes congregational. The spirit of all true prayer is social. With Islam, however, this socialization of spiritual illumination through associative prayer is a special point of interest. As we pass from the daily congregational prayer to the annual ceremony round the central mosque of Mecca, You can easily see how the Islamic institution of worship gradually enlarges the sphere of human association[1].

انفرادی سطح پر عجیب وغریب نفسیاتی مسائل سامنے آنے لگے۔ مست ملنگ، ننگ دھڑنگ ولایت کا دعویٰ کرنے لگے۔ لوگ انہیں غیر معمولی قوتوں کا حامل سمجھنے لگے۔ جذب و کیف (Spiritual Intoxication) میں صوفی لوگ عجیب و غریب ارشادات فرمانے لگے۔ زندگی سے عملی حقائق سے کٹ کر ذاتی عمودی (Vertical) ترقی کے غلط تصور میں پڑ گئے۔ حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کا قول قابل توجہ ہے کہ

محمد عربی بر فلک الافلاک رفت و باز آمد
واللہ گرمن رفتمے، ہرگز باز نیامدے

---

[1]- The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam by Dr. Iqbal. P. 72

(حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ معراج میں آسمانوں پر گئے اور واپس آ گئے۔ خدا کی قسم اگر میں وہاں جاتا تو ہرگز واپس نہ آتا)

اقبال کے بقول نبی اور صوفی کے شعور میں یہی فرق ہے۔ صوفی روحانی تجربے کے بعد پھر عام حالت میں واپس نہیں آنا چاہتا مگر نبی واپس آتے ہیں اور انسانیت کے لئے فلاح لاتے ہیں۔ وہ اس تجربے سے واپس آ کر تاریخ کی قوتوں کو اپنے قابو میں کرتے ہیں اور فکرونظر کی ایک نئی دنیا تخلیق کرتے ہیں۔ صوفی کے لئے روحانی تجربہ اس کی معراج ہے۔ انتہا ہے۔ نبی کے لئے صرف ایک سیکھنے کا عمل ہے۔ بیداری کا عمل ہے۔

Muhammad of Arabia ascended the highest Heaven and returned. I swear by God that if I had reached that point, I should never have returned. These are the words of a great Muslim saint, Abd al-Quddus of Gangoh. In the whole range of Sufi literature it will be probably difficult to find words which, in a single sentence, disclose such an acute perception of the psychological difference between the prophetic and the mystic types of consciousness. The mystic does not wish to return from the repose of Unitary experience; and even when he does return, as he must his return does not mean much for mankind at large. The prophet's return is creative. He returns to forces of history, and thereby to create a fresh world of ideals. For the mystic the repose of unitary experience is something final; for the prophet it is the awakening, within him, of world-shaking psychological forces, calculated to completely transform the human world. The desire to see his religious experience transformed into a living world-force is supreme in the prophet[1].

(۹)۔ ہمارے ہاں صوفیا عام طور پر روحانی تجربے میں مصروف ہو گئے۔ بہت کم لوگوں نے نبوت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس دنیا میں واپس آ کر تخلیق و تعمیر کی۔ ان کی عمودی ترقی سے انسانیت کو عمومی طور پر فائدہ نہ ہوا۔ وہ اپنی عمودی ترقی کو افق اثر (Horizental Effect) نہ دے سکے۔ اس لئے انسانی صلاحیتوں کا تاریک غار (Black Hole) بن گئے۔ معتزلہ کی غیر ضروری عقلیت کے جواب میں ہم نے صوفیت کے وجدان کو لا کھڑا کیا جس سے ایک غیر عقلی اور توہماتی رویے نے جنم لیا۔

(۱۰)۔ عقل علم کا واحد ذریعہ نہ تھا لیکن وحی کے ساتھ ساتھ عقل لازم ہے۔ وحی بھی عقل کو خطاب کرتی ہے۔ ہم نے عقلیت کے خلاف روحانی تجربے کو لا کھڑا کیا۔ کشف، الہام اور وجدان کو علم کا اصل ذریعہ سمجھ لیا۔ عقل اور علم کے خلاف باتیں کرنے لگے۔ صوفیا نے جو بات ایک خاص انداز میں ایک خاص وجہ سے کہی وہ ہم نے عمومی اصول بنا لیا۔ عطا نے کہا۔

صد ورق و صد کتاب را در نار کن
روئے دل را جانب دلدار کن

(سینکڑوں صفحے اور سینکڑوں کتابیں آگ میں ڈال دیں اور اپنے دل کا رخ اپنے محبوب کی طرف کر لیں)

اس طرح کی عارفانہ گفتگو سے ہم نے غلط نتیجہ نکالا۔ ہم نے ایک غیر عقلی رویہ اپنا لیا۔ علم سے دور رہنے لگے جس کے نتیجے میں تصوف نے ایک غیر علمی اور غیر عقلی شکل اختیار کر لی جس کے سبب کم علم صوفیا غیر اسلامی نظریات کا شکار ہو گئے۔ وہ

[1] The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam by Dr. Iqbal. P. 99-

جاہلیت کے حملوں کو نہ سمجھ سکے۔ رام اور رحیم کو، کرما اور کریم کو ایک سمجھنے لگے۔

اس صوفیانہ سوچ سے ایک بہت بڑا نقصان ذات کی نفی (Negation of Self) کی صورت میں سامنے آیا جس سے شخصی آزادی اور ارتقاء رک گیا۔ صوفی نے اپنی ذات کو شیخ میں فنا (فنا فی الشیخ) کرنا تھا۔ پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں فنا (فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور پھر خدا کی ذات میں فنا (فنا فی اللہ) کرنا تھا۔ اس نفسیاتی سوچ نے وحدت الوجود (Pantheism) کو جنم دیا کہ آپ اللہ کی ذات کا حصہ بن جائیں گے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس فنا کی سوچ کے مضمرات کو سمجھا۔ اس فنا کے بعد بقا کو اپنایا۔ خدا کی ذات میں اپنی ذات کو گم کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ خدا کے رحم وکرم پر ہوتے ہوئے اپنی ذات کا تشخص قائم رکھا۔ ذات کا یہ قیام (Affirmation) انسانی ترقی کا بنیادی لازمہ ہیں۔ جب تک انسان اپنی ذات کو آگے نہیں لائے گا۔ وہ کوئی بھی تخلیقی عمل نہیں کرسکتا۔ یہی ہمارے ساتھ ہوا۔ بڑے بڑے ذہن تصوف کی اس غلط تعبیر کی نذر ہوگئے۔ حیوانی صفات کو ضبط کرنے کی بجائے ان کو فنا کرنے پر تل گئے۔ غیر ضروری عاجزی نے اعتماد ذات ہی ختم کر دیا۔ خودی میں ڈوب کر باہر نہ نکل سکے۔

یہ ذکر نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور
تیری خودی کے نگہبان نہیں تو کچھ بھی نہیں

(۱۱)۔ میرے ایک پیارے دوست نے ایک بار مجھے پورے اعتماد میں لے کر بتایا کہ ان کے پیر صاحب بہت عبادت گزار تھے۔ انہوں نے ایک ٹہنی پکڑ کر کئی سال ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر عبادت کی۔ مجھ سے برداشت نہ ہوا اور میں نے عرض کیا کہ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام بھی فرماتے تھے۔ کام بھی کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری رات عبادت سے منع فرمایا ہے۔ سارے سال روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ہمیں اعتدال کا سبق دیا ہے۔

(۱۲)۔ ہمیں اس تصوف کو غیر اسلامی اور غیر انسانی نظریات سے پاک کرنا ہوگا۔ روحانیت اللہ پاک کی ذات عالی کی حضوری اور حضور نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا نام ہے۔ ہمیں نبوی مزاج اپنانا ہوگا۔ انسانوں میں رہتے ہوئے اعلیٰ اخلاق و روحانی واردات رکھتے ہوئے عمومی فلاح کے لئے کام کرنا ہوگا۔ روحانی تجربے اور نفسیاتی بیماریوں میں فرق کرنا ہوگا۔ انسانیت سے محبت کرنا ہوگی۔ عاجزی پیدا کرنا ہوگی۔ دین کی اشاعت کے لئے اپنے آپ کو گھولنا ہوگا۔ اجتماعیت میں انفرادیت ڈھونڈنا ہوگی۔ نیلے پیلے رنگوں اور نفسیات خوابوں سے نجات پانا ہوگی۔ طریقت کو شریعت کے تابع کرنا ہوگا۔

۹۔ مقامات کا مفہوم

(۱)۔ مقامات مقام کی جمع ہے۔ لفظ مقام اقامت کے معنی میں ہے۔ مقام سے مراد سالک کا وہ درجہ ہے جو اسے عبادات اور

مجاہدات کی وجہ سے خدا کے ہاں حاصل ہوتا ہے۔قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامِیۡ وَخَافَ وَعِیۡدِ[1]

(یہ اس کے لئے ہے جو میرے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اور میں نے عذاب کا جو حکم سنایا ہے اس سے خوف کرے)

(۲)۔ متقین کے دلوں پر اللہ عزوجل کی طرف سے مختلف قسم کی کیفیات کا ورود ہوتا رہتا ہے۔اصحاب تصوف ان میں سے بعض کو احوال کا نام دیتے ہیں اور بعض کو مقامات کا۔دراصل جب کوئی حال ثابت ہوجائے اور سالک کی زندگی کا لازمی جز بن جائے تو اس کو مقام کہتے ہیں۔ان مقامات کے حصول کے لئے انسان کو نفسانی خواہشات اور شیطان کے وسواس سے بچنے کے لئے مجاہدات کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۳)۔ نفس کو بدکرداری اور پرہیزگاری دونوں باتوں کا القا کیا گیا ہے اور نفس کی یہ حالت ہمیشہ برقرار رہتی ہے یعنی اس کا بدی کا جذبہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔جس پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہوجائے، اس پر نور ایمان قابض ہوتا ہے، وہ انسان نفس کو زیر کر لیتا ہے اور اللہ عزوجل اس کے گھٹیا احوال کو عمدہ احوال سے بدل دیتا ہے۔نفس کو اس طرح سے جو کمالات حاصل ہوتے ہیں وہ اس کے مقامات کہلاتے ہیں۔

(۴)۔ مقام صوفی کے آداب کی وہ منزل ہوتی ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے حاصل کرتا ہے، جسے وہ تلاش کرکے اور مشقت سے حاصل کرتا ہے۔ ہر ایک کا مقام وہی جگہ ہوتی ہے جہاں اس وقت اس کا قیام ہوتا ہے اور جس کی ریاضت میں وہ مشغول ہے۔ جب تک وہ اس مقام کے احکام حاصل نہیں کر لیتا، وہ اس مقام سے دوسرے مقام پر نہ پہنچے گا۔اس لئے کہ جسے قناعت حاصل نہیں، اس کے لئے توکل کر لینا صحیح نہیں اور جو توکل نہیں کر سکتا اس کی تسلیم و رضا درست نہیں ہوگی۔جس کی توبہ ثابت نہیں، اس کے لئے اللہ کی طرف رجوع ممکن نہیں اور جو رجوع سے خالی ہے، اس کے زہد کا اعتبار نہیں ہوگا۔

(۵)۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اعمال علوم وعقائد کے ثمرات ہیں اور یقین سے جہاد اور احسان (تصوف) کے مقامات پیدا ہوتے ہیں[2]۔امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ مقام سے مراد ادب کی وہ منزل ہے جو محنت، مشقت اور برداشت کرنے سے حاصل ہوتی ہے[3]۔ امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ مقام انسان کو زہد، توبہ، تقویٰ اور ورع سے حاصل ہوتا ہے اور حال کا درجہ مقام سے پہلے ہے۔حال رفتہ رفتہ مقام کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔بندہ مقام کو اس وقت حاصل کرتا ہے جب حال دوام حاصل کر لے[4]۔شیخ ابونصر طوسیؒ

---

[1]۔سورۃ ابراہیم: آیت: ۱۴

[2]۔مدارج السالکین از حافظ ابن قیمؒ۔جلد سوم: صفحہ نمبر ۵۸

[3]۔مقامات سلوک از ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن عمیرہ المصریؒ۔صفحہ نمبر ۵۸

[4]۔ مقامات سلوک از ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن عمیرہ المصریؒ۔صفحہ نمبر ۵۸

فرماتے ہیں کہ مقام کا معنی بندے کا اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عبادات، مجاہدات اور ریاضت کا بجالانا ہے[1]۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ مقامات محنت اور کوشش سے حاصل ہوتے ہیں اور احوال عطاء خداوندی سے[2]۔

(۲)۔ دراصل جب انسان اپنے اختیار و ارادہ سے کوئی اچھا یا برا کام کرتا ہے تو وہ عمل وجود میں آنے کے بعد ختم نہیں ہوتا بلکہ انسان کے نفس کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ یعنی دل اس سے اثر پذیر ہوتا ہے۔ اسے انسان کے نفس کی کیفیت کہتے ہیں۔ پھر جب وہ کیفیات عارضی ہوتی ہیں تو انہیں احوال اور جب دل میں قرار پکڑتی اور راسخ ہو جاتی ہیں تو انہیں مقامات کہتے ہیں۔ یوں تو سالک کے بے شمار مقامات ہیں البتہ کچھ مقامات معروف اور انتہائی اہمیت کے حامل ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(i)۔ مقام توبہ: توبہ گناہ کے کاموں سے اللہ عزوجل کی اطاعت کی طرف پلٹنے کا نام ہے۔

(ii)۔ مقام تقویٰ: تقویٰ گناہوں کے ساتھ ساتھ شک وشبہ والے کاموں سے بچنا ہے۔

(iii)۔ مقام زہد: انسان کا خود کو نفسانی خواہشات سے پاک کر کے عبادت الٰہی کے لئے خاص کر لینا زہد کہلاتا ہے۔

(iv)۔ مقام صبر: صبر کا مطلب ہے کہ انسان اپنے نفس کو شریعت کی حرام کردہ چیزوں سے باز رکھے اور مشکلات میں ثابت قدم رہے۔

(v)۔ مقام رضا: رضا کا مطلب ہے کہ انسان اپنی کوشش کے بعد تقدیر کے جاری ہونے پر زبان یا دل سے اعتراض نہ کرے۔

(vi)۔ مقام توکل: توکل سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی روزمرہ زندگی کے معاملات میں اپنی طرف سے پوری کوشش کرنے کے بعد نتائج کے حوالے سے اللہ عزوجل پر بھروسہ رکھے۔

(vii)۔ مقام صدق: سالک کے مقام صدق سے مراد گفتگو، کردار اور احوال میں سچ بولنا ہے۔

(viii)۔ مقام شکر: جب بندہ محسوس کرتا ہے کہ وہ تمام مادی اور روحانی نعمتیں جو اس کو حاصل ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو اس کے دل میں اللہ عزوجل کی حمد وثنا کا جذبہ ابھرتا ہے، یہی شکر گزاری ہے۔

(ix)۔ مقام تواضع: تواضع سے مراد انسان کا اپنے آپ کو دوسروں سے چھوٹا یا عاجز سمجھنا، دوسروں کی تعظیم وتکریم کرنا، حقوق العباد کا خیال رکھنا، دوسروں کے حقوق کو اپنے حقوق پر مقدم رکھنا اور تکبر کو ترک کرنا ہے۔

(x)۔ مقام سخاوت: سخاوت کا مطلب ہے کہ انسان اپنے مال کو اللہ پاک کی رضا وخوشنودی کے لئے خرچ کرے۔

(xi)۔ مقام اخلاص: اخلاص سے مراد یہ ہے کہ انسان زندگی میں جو بھی عمل کرے اور جس سطح اور جس شکل کی بھی عبادت کرے، اس کا دل اس بات پر مطمئن ہو کہ میں یہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کر رہا ہوں۔

---

[1]۔ مقامات سلوک از ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن عمیرہ المصریؒ۔ صفحہ نمبر ۵۷

[2]۔ مقامات سلوک از ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن عمیرہ المصریؒ۔ صفحہ نمبر ۵۸

(۷)۔ احوال، حال کی جمع ہے۔صوفیا کرامؒ کے نزدیک حال ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو سالک کے دل پر چھا جاتی ہے یا نفس میں پیدا ہوتی ہے اور اس میں انسانی ارادہ اور کوشش کا دخل نہیں ہوتا مثلاً کیفیت خوشی، غم، دل کی بندش، شوق، بے قراری، ہیبت اور احتیاج وغیرہ۔سالک جب ذکر وفکر کے ذریعہ اللہ پاک کی طرف سفر شروع کرتا ہے تو اسے کچھ عارضی کیفیات پیش آتی ہیں جو احوال کہلاتی ہیں۔ یوں تو سالک کے بے شمار احوال ہیں البتہ کچھ احوال معروف اور انتہائی اہمیت کے حامل ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(i)۔قبض وبسط (ii)۔خوف ورجا (iii)۔جذب وشوق (iv)۔فناء وبقاء (v)۔غیبت وحضور (vi)۔صحو وسکر (vii)۔مشاہدہ (viii)۔قرب وبعد (ix)۔یقین (x)۔تصرف وتاثیر (xi)۔کشف (xii)۔مراقبہ

(۸)۔ مقامات اگرچہ روحانی کیفیات اور اعمال ہیں مگر ان میں کمی وبیشی سے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ مقامات اصل نہیں ہیں بلکہ اللہ عزوجل اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت واطاعت کے حصول کے ذرائع ہیں۔ یہ ذرائع انسان کو وہ ذہنی وعملی کیفیت حاصل کرنے میں مدد دیتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے انسان سے تقاضا کیا ہے۔مقامات کی غلط تفہیم مسائل پیدا کرتی ہے۔حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد
محبت میں یکتا، حمیت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا

۱

مقامِ توبہ

۱۔ توبہ کا مفہوم

(۱)۔ توبہ کے معنی رجوع کرنا ہے۔ جن کاموں سے شریعت نے منع فرمایا ہے اور جن کاموں کا شریعت نے حکم دیا ہے، کی طرف پلٹ آنا توبہ ہے، یعنی گناہ کے راستے سے خدا کی اطاعت کی طرف پلٹنے کا نام توبہ ہے۔

انسان اگر اپنے پروردگار سے محبت کرتا ہے تو پھر وہ اس کی پسند و ناپسند کے معاملے میں بے پروا نہیں ہوسکتا۔ توبہ دراصل کسی کمزوری کی وجہ سے خدا کی پسند سے ہٹ جانے کے بعد شدید پشیمانی کا احساس، اپنے رب کے حضور معافی کی درخواست اور اس ارادے کا اظہار ہے کہ وہ پھر کبھی خدا تعالیٰ کے ناپسندیدہ کاموں کو نہیں کرے گا۔

(۲)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے توبہ کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

(i)۔ گناہ سے توبہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے گناہ پر پشیمان ہو اور ان کے لیے اللہ سے معافی مانگے[۱]۔

(ii)۔ گناہ سے توبہ یہ ہے کہ انسان اس سے پلٹ آئے اور پھر اس میں نہ پڑے[۲]۔

(۳)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ان ارشادات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کچھ خاص الفاظ کے ورد کا نام نہیں ہے بلکہ اس کی اصل اللہ کی نافرمانی پر شدید پشیمانی اور پروردگار عالم کی ناراضگی کا خوف ہے۔ انسان جس سے جتنی زیادہ محبت کرتا ہے، اس کے دل میں اس کو خوش کرنے کی اتنی ہی زیادہ تمنا ہوتی ہے اور اس کی ناراضگی مول لے لینے پر وہ اتنا ہی زیادہ پشیمان اور شرمندہ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے توبہ خدا تعالیٰ کے ساتھ انسان کے تعلق کی تجدید کا اظہار ہے۔

(۴)۔ اس دنیا میں انسان کی آزمائش کے لیے جو قانون کارفرما ہے، اس میں یہ تو بہت مشکل ہے کہ انسان غلطیوں اور خطاؤں سے اپنے آپ کو پوری طرح سے پاک کرلے۔ بہرحال انسان سے کبھی جانتے ہوئے یا کبھی انجانے میں غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کی کامیابی کے لیے یہ ضروری قرار نہیں دیا کہ وہ غلطی نہ کرے بلکہ انسان کی کامیابی کے لیے جو بات اس نے لازم ٹھہرائی ہے، وہ یہ ہے کہ جب کبھی وہ کسی غلطی، کسی گناہ یا خطا کا مرتکب ہوجائے اور اسے اپنی اس غلطی کا شعور ہوجائے تو وہ توبہ کا راستہ اختیار کرے۔

(۵)۔ توبہ کرنے والوں کی تین اقسام ہیں

(i)۔ وہ جو گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔

(ii)۔ وہ جو غفلتوں سے تائب ہوتے ہیں۔

(iii)۔ وہ جو اپنی طاعتوں اور نیکیوں پر نگاہ رکھنے سے توبہ کرتے ہیں۔

(۶)۔ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان جب خطا کو یاد کرے تو اس کا دل نادم ہوجائے، گناہ چھوڑ دے، آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے اور حال میں بری خواہشات کو قابو میں رکھے۔ بعض علما کہتے ہیں کہ توبہ کے لیے ضروری ہے کہ پھر گناہ نہ کرنے کا عزم ہو

۱۔ مسند احمد۔ رقم: ۲۵۰۷۷

۲۔ مسند احمد۔ رقم: ۴۰۴۳

لیکن بعض کا کہنا یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں۔ ہمارے خیال میں آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم لازم ہے کیونکہ عزم توبہ کا مقدمہ ہے اور توبہ کے قبول ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس گناہ کا نقش بالکلیہ ذہن سے ختم ہو جائے۔

۲۔ قرآن پاک میں توبہ کا بیان

توبہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خدائے پاک نے اپنی کتاب میں توبہ کرنے کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے اور توبہ نہ کرنے والوں کو ظالم قرار دیا ہے کیوں کہ وہ اللہ پاک کی صفت رحمان سے روگردانی کرکے اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہر وقت معاف کرنے اور بخش دینے پر تیار رہتا ہے۔ توبہ کی اہمیت کے پیشِ نظر درج ذیل قرآنی آیات کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیے:

(۱)۔ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ[۱]

(اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو۔ وہ تم کو ایک وقت مقرر تک متاع نیک سے بہرہ مند کرے گا اور صاحب بزرگی کو اس کی بزرگی دے گا اور اگر روگردانی کرو گے تو مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب سے ڈر ہے)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ بھی ہدایات فرمائی ہیں کہ

(i)۔ وہ اپنے رب سے مغفرت اور معافی مانگا کریں اور توبہ کیا کریں۔ مغفرت کا تعلق پچھلے گناہوں سے ہے اور توبہ کا تعلق آئندہ گناہ نہ کرنے سے ہے۔ درحقیقت صحیح توبہ یہی ہے کہ پچھلے گناہوں پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی طلب کی جائے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کیا جائے۔

(ii)۔ توبہ و استغفار کرنے والوں کو دنیا و آخرت کی فلاح اور عیش و راحت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ جن لوگوں نے صحیح طور پر اپنے پچھلے گناہوں سے استغفار کیا اور آئندہ ان سے بچنے کا پختہ عزم اور پورا اہتمام کیا تو نہ صرف ان کی خطائیں بخش دی جائیں گی بلکہ ان کو دنیا اور آخرت کی دائمی زندگی میں عیش و راحت کا سامان بھی مہیا کیا جائے گا۔

(iii)۔ استغفار و توبہ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ رزق کی وسعت اور سہولت عطا فرماتا ہے۔ مشکلات اور عذابوں سے حفاظت کرتا ہے۔ اللہ عزوجل اپنا کرم کرتا ہے، فضل کرتا ہے، انعام عطا فرماتا ہے۔

(iv)۔ توبہ نہ کرنے والوں کو قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ قیامت کا دن اپنی وسعت کے اعتبار سے ایک بڑا دن (ایک ہزار سال کا) ہوگا۔ اس دن پیش آنے والے حالات و واقعات کے اعتبار سے بھی قیامت کا دن سب دنوں سے سخت ہوگا۔

(v)۔ انسان کے اعمال انعام کے شوق اور سزا کے خوف سے متاثر ہوتے ہیں۔ توبہ کے باب میں دنیا میں اللہ کے فضل اور

۱۔ سورۃ ہود: آیت نمبر ۳

آخرت کے عذاب کو اسی لیے بیان کیا گیا ہے کہ یہ فضل اور عذاب توبہ کرنے کا جذبہ محرکہ بنتے ہیں۔

(۲)۔ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [۱]

(اے مومنو! تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو تا کہ کامیاب ہو جاؤ)

اس آیت کریمہ میں ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی ہدایت کی گئی ہے۔انسان ضعیف ہے اور خطا و تقصیر کا پتلا ہے۔اس لئے کوتاہیوں سے بچنا اس کے لئے بہت مشکل ہے۔توبہ واستغفار سے گناہوں کے ازالہ وصفائی کا سامان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اللہ پاک سے قبولیت اور کامیابی کی امید کے ساتھ توبہ کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی کرم کرنے والا ہے۔یہی راستہ اور طریقہ کار حقیقی کامیابی اور سرفرازی کا راستہ ہے۔

(۳)۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا [۲]

(اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو)

اس آیت کریمہ میں انسان کو ایسی خالص توبہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس میں ریا اور نفاق کا شائبہ تک نہ ہو۔انسان خود اپنے نفس کے ساتھ خیر خواہی کرے اور گناہ سے توبہ کر کے اپنے آپ کو برے انجام سے بچالے۔گناہ سے اس کے دین میں جو شگاف پڑ گیا ہے، توبہ کے ذریعہ سے اس کی اصلاح کر لے۔سچی توبہ کر کے اپنی زندگی کو اتنا سنوار لے کہ دوسروں کے لیے وہ نصیحت کا موجب ہو اور اس کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اس کی طرح اپنی اصلاح کر لیں۔جب انسان سے کوئی گناہ ہو جائے تو اپنے گناہ پر نادم ہو، پھر شرمندگی کے ساتھ اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔آئندہ کبھی اس فعل کا ارتکاب نہ کرے۔انسان کی سچی اور خالص توبہ میں درج ذیل چیزیں ہونی چاہیں

(i)۔ جو گناہ کیا ہے اس پر شرمندہ ہو۔

(ii)۔ جن فرائض سے غفلت برتی ہو، ان کو ادا کیا جائے۔

(iii)۔ جس کا حق مارا ہو اس کو واپس کیا جائے۔

(iv)۔ جس کو تکلیف پہنچی ہو اس سے معافی مانگی جائے۔

(v)۔ آئندہ کے لیے پکا ارادہ کیا جائے کہ اس گناہ کا اعادہ نہ کرے گا۔

(vi)۔ اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں لگا دیا جائے تا کہ اللہ عزوجل کی اطاعت وفرمانبرداری عادت بن جائے۔

(۴)۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ [۳]

۱۔سورۃ النور: آیت نمبر ۳۱

۲۔سورۃ التحریم: آیت نمبر ۸

۳۔سورۃ البقرہ: آیت: ۱۶۰

(البتہ جولوگ توبہ کرلیں اوراپنی اصلاح کرلیں اورظاہر کردیں (جواب تک چھپاتے رہے) توایسے لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہوں)

اس آیت کریمہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اتنا بڑا کہ سچی توبہ پر وہ زندگی بھر کے گناہوں کو یکسر معاف کر دیتا ہے، خواہ وہ کتنے ہی بڑے اور کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ انسان کے گناہ آسمان کی بلندیوں کو بھی چھور ہے ہوں تو سچے دل سے توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔ اگر انسان کے گناہ روئے زمین کے برابر بھی ہوں (مگر اللہ سبحان وتعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو) تو سچی توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ گناہ معاف فرما دیتا ہے بلکہ اجروثواب سے بھی نوازتا ہے۔ توبہ کی دولت کتنی عظیم ہے، جس سے رب نے اپنے بندوں کو اپنے کرم بے پایاں سے نوازا ہے۔

(۵)۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [1]

(مگر وہ لوگ جنھوں نے (سچے دل سے) توبہ کرلی اس کے بعد اوراپنی اصلاح کرلی تو بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے)

اس آیت کریمہ میں دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سچے دل سے توبہ کرنے اور رجوع کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ سچے دل سے ایمان لانے والوں، اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں اور سچی توبہ کرنے والوں کیلئے بخشش اور مہربانی کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بیکراں مغفرت اور بے پناہ رحمت سے توبہ کرنے والوں کے گناہوں کی میل کو بالکل صاف فرما دیتا ہے۔ ایسے صاف کر دیتا ہے گویا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ جولوگ اپنے گناہوں پر ہی اڑے رہیں اوراسی حال میں فوت ہوجائیں ان کے لئے توبہ کی امید کے سب دروازے بند ہوجائیں گے۔ اس لیے توبہ کرنے میں جلدی کرنی چاہیے۔

(٦)۔ الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [2]

(جولوگ برے عمل کریں پھر توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں تو یقیناً اس توبہ وایمان کے بعد تیرا رب درگزر اور رحم فرمانے والا ہے)

(i)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے گناہ اور کفر کرنے والوں کو توبہ کرنے اور ایمان لانے کی ترغیب دی ہے۔ جن لوگوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا، پھرانہوں نے اس کے بعد صدق دل سے توبہ کرلی، سوایسی سچی اور حقیقی توبہ کرنے والوں کیلئے مغفرت وبخشش کا اعلان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرمادے گا اس لیے کہ اللہ عزوجل بڑا معاف فرمانے والا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کرم واحسان اور شان مغفرت وبخشش ہی کا ایک ثبوت ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لیے توبہ واستغفار (انابت الی اللہ[3]) کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔

(ii)۔ بے شک اللہ بڑا ہی غفور ورحیم ہے۔ اس کی مغفرت اور رحمت بے حد وبے حساب ہے۔ انسان کے گناہ جتنے بھی زیادہ

---

[1]۔ سورۃ آلِ عمران: آیت ۸۹

[2]۔ سورۃ اعراف: آیت: ۱۵۳

[3]۔ انابت کا مطلب ہے رخ کرنا اور رجوع الی اللہ کا مطلب ہے اللہ کی طرف منہ پھیرنا

ہوں صدق دل سے توبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بخش دیتا ہے۔ وہ صرف بخشتا ہی نہیں بلکہ رحم بھی فرماتا ہے کہ وہ غفور کے ساتھ رحیم بھی ہے۔

(iii)۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ توبہ کے لیے ایمان شرط ہے۔ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ انسان کا ایمان بھی سلب ہوجاتا ہے۔ اس لئے توبہ کے ساتھ تجدید ایمان کی شرط لگادی گئی۔ اگر گناہ کی نوعیت یہ نہ ہوتو اس میں سچی توبہ کے ساتھ انسان کے اپنے رویئے کی اصلاح کافی ہے۔

(۷)۔ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَيَاۡخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ [۱]

(کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی خیرات کو قبولیت عطا فرماتا ہے، اور یہ کہ اللہ بہت معاف کرنے والا اور رحیم ہے)

(i)۔ اس آیت میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ توبہ اور صدقات کو قبول کرنا صرف اور صرف خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ ہی جانتا ہے کہ کس نے خلوصِ دل سے اور شرائط قبولیت کا خیال کرتے ہوئے توبہ کی ہے یا صدقہ دیا ہے۔ اللہ عزوجل کا یہ انسان پر خصوصی فضل وکرم ہے کہ وہ اپنے بندے کی سچی توبہ کو قبول فرماتے ہوئے گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے۔ صدقِ دل سے دیئے ہوئے صدقہ کو قبول فرمالیتا ہے۔ اسے اپنے بندے کے لیے بڑھادیتا ہے۔ مغفرت کا ذریعہ بنادیتا ہے۔

(ii)۔ اگر بندہ اپنے رب کی طرف سچے دل سے رجوع کرتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اگر بندہ اپنے رب کی طرف چلتا ہے تو خدا اپنے بندے کی طرف دوڑتے ہوئے آتا ہے۔

(iii)۔ خدا تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ کا انتظار کرتا ہے۔ جب بندہ سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ پاک معاف فرمادیتا ہے۔ صدقِ دل اور خلوصِ نیت کے ساتھ توبہ کرنے سے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ بے شک اللہ عزوجل بہت زیادہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اس کی رحمت اور بخشش بے حدوشمار ہے۔

(۸)۔ مَنۡ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوۡبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا [۲]

(جو شخص توبہ کرکے نیک عملی اختیار کرتا ہے، وہ تو اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے۔ جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے)

(i)۔ اس آیت میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ فطری اعتبار سے بندے کا اصلی مرجع اللہ تعالیٰ کی بارگاہ ہے۔ اخلاقی حیثیت سے بھی وہی ایک ذات پاک ہے جس کی طرف انسان کو پلٹنا چاہیے۔ نتیجے کے اعتبار سے بھی اس بارگاہ کی طرف رجوع کرنا انسان کے لیے مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی ایسی ذات نہیں جس کی طرف رجوع کرکے وہ اپنے گناہ کی معافی کرواسکے یا پھر سزا سے بچ سکے۔ اس لیے انسان گناہ کرنے کے بعد ہمیشہ اپنے پروردگار کی طرف ہی

۱۔ سورۃ التوبہ: آیت: ۱۰۴

۲۔ سورۃ الفرقان: آیت: ۷۱

توبہ کے لیے رجوع کرتا ہے۔

(ii)۔ انسان جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہی کی بارگاہ کی طرف اسے رجوع کرنا چاہیے، جہاں سے تمام بھلائیاں ملتی ہیں۔ گناہ گار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دھتکارے نہیں جاتے، بلکہ معافی اور انعام سے نوازے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ معافی مانگنے والے کے جرم نہیں گنتا۔ اللہ عزوجل انتقام لینے یا سزا دینے کی بجائے ہر وقت شرمسار گناہ گاروں کو معاف کرنے کے لیے اپنی رحمت کا دامن کھولے رکھتا ہے اور انہیں بلاتا رہتا ہے۔

(۹)۔ هُوَ الَّذِیۡ یَقۡبَلُ التَّوۡبَۃَ عَنۡ عِبَادِہٖ وَیَعۡفُوۡا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَیَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ [1]

(وہی ہے جو اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے اور برائیوں سے درگزر کرتا ہے۔ حالانکہ تم لوگوں کے سب افعال کا اسے علم ہے)

(i)۔ اس آیت کریمہ میں انسان کو توبہ کرنے اور اصلاح احوال کی ترغیب دی گئی ہے۔ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اپنے بندے کی برائیوں سے درگزر فرماتا ہے۔ کسی بھی انسان کو اپنے پروردگار کی بارگاہ سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ سچے دل اور صحیح طریقے سے اس کی طرف توبہ ورجوع کی ضرورت ہے۔ انسان توبہ اور رجوع الی اللہ کے ذریعے اب بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب سے بچا سکتا ہے۔ اللہ بڑا ہی مہربان ہے اور اپنے بندوں کے گناہوں سے درگزر فرمانے والا ہے۔ اس کے یہاں کسی کے لیے بھی محرومی نہیں ہے۔

(ii)۔ اللہ تعالیٰ انسان کے سارے اعمال کا بخوبی علم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کے گناہوں کو جاننے کے باوجود سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ انتظار فرماتا ہے کہ اس کا بندہ توبہ کرلے، رجوع کرلے۔ انسان اپنا کوئی جرم اور کوئی قول وفعل اللہ سے پوشیدہ نہیں رکھ سکتا۔ لیکن وہ اپنی رحمت وعنایت اور مہربانی سے اپنے بندوں کے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہی درگزر فرمانا ہے۔ پس ضرورت سچے دل سے اپنے اعمال کا محاسبہ کرنے کی ہے، اس کی طرف توبہ کرنے اور رجوع کرنے کی ہے۔

(۱۰)۔ اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا [2]

(مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو خدا تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے)

(i)۔ اس آیت پاک میں سچی توبہ کرنے پر ملنے والی عظیم الشان بخشش اور نیکیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سچی توبہ کرنے پر اللہ پاک نہ صرف انسان کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں بلکہ برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں۔ جب انسان اپنے گناہوں پر ندامت اور شرمندگی کا اظہار کرتا ہے اور سچے دل سے بار بار توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت وعنایت سے

۱۔ سورۃ الشوریٰ: آیت: ۲۵

۲۔ سورۃ الفرقان: آیت: ۷۰

اس کی برائیوں کونیکیوں سے بدل دیتا ہے۔اس طرح کہ گذشتہ گناہ توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں اور آئندہ نیکیوں کی توفیق مل جاتی ہے۔نیکیوں کا سرمایہ جمع ہوتا جاتا ہے۔ جب انسان کبھی اپنی گذشتہ خطاؤں کو یاد کر کے معافی مانگتا ہے تو وہ ہر گناہ کی جگہ نیکی کماتا ہے۔اس طرح اللہ تعالیٰ انسان کے توبہ کے خلوص کو دیکھتے ہوئے اپنی رحمت سے انسان کے تمام گناہوں کونیکیوں سے بدل دیتا ہے۔

(ii)۔ قیامت کے روز ایک آدمی کو اس کے صغیرہ گناہ دکھائے جائیں گے تو وہ اپنے کبیرہ گناہوں کے حوالے سے ڈر رہا ہوگا۔ اتنے میں حکم ہوگا کہ اس کے گناہوں کونیکیوں سے بدل دو تو اس پر وہ شخص کہے گا، اے میرے رب! میں نے کچھ اور گناہ بھی کئے تھے جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا[1]۔

(iii)۔ اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔اس کی بخشش کا یہ عالم ہے کہ عمر بھر کا گناہ گار جب ایک مرتبہ سچے دل سے توبہ کر لے تو وہ اپنے ربِّ غفور و رحیم کے کرم سے گناہوں کی میل سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے گویا اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔اللہ عزوجل کی وسعتِ رحمت کی شان یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔سو وہ ہر کسی کو اپنی رحمت کی آغوش میں لینے کے لئے تیار رہتی ہے۔ پس سچے اور پکے مومن کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے اس ربِّ غفور و رحیم کے حضور صدق دل سے جھک جائے اور سچی توبہ واستغفار کے ذریعے گناہوں کے داغ دھبوں کو اپنے دامن سے اتار دے۔ وہ غفور و رحیم سچی توبہ پر گناہوں کو بھی معاف فرما دیتا ہے خواہ وہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں اور عظیم الشان اجر و ثواب سے بھی نوازتا ہے کہ اس کی شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے ظاہر و باطن کا تعلق صحیح رکھنے کی ضرورت ہے۔

(۱۱)۔ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ○ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ[2]

(جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرداگرد (حلقہ باندھے ہوئے) ہیں وہ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور مومنوں کیلئے بخشش مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے، تو جن لوگوں نے توبہ کی اور تیرے راستے پر چلے ان کو بخش دے اور دوزخ سے بچا لے۔اے ہمارے پروردگار! ان کو ہمیشہ رہنے کی جگہ بہشت میں داخل کر، جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جو ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیک ہوں ان کو بھی۔ بیشک تو غالب حکمت والا ہے)

۱۔بحوالہ تفسیر سورۃ الفرقان: آیت: ۷۰

۲۔سورۃ المومن: آیت: ۷-۹

(i)۔ ان آیات کریمہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دولت توبہ بہت بڑی نعمت ہے۔ایمان کے ساتھ سچی توبہ اتنی عظیم ہے کہ اس کی بنا پر زمین پر بسنے والا انسان اس قدر اونچا مقام حاصل کر لیتا ہے کہ حاملین عرش (عرش کو اٹھانے والے) جیسے عظیم الشان فرشتے بھی اس کے لئے دعا گو بن جاتے ہیں۔ حاملین عرش التجا کرتے ہیں کہ اے خدائے عزوجل ایمان والوں میں سے جو اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں سے توبہ کر لیں، اپنے حال کی اصلاح کر لیں اور تیرے راستے کے پیرو بن جائیں تو ان کی بخشش فرما دے۔

(ii)۔ پس گناہوں سے توبہ کے لیے پہلے اللہ عزوجل پر ایمان لانا شرط ہے۔ جو انسان اللہ تعالیٰ کا باغی اور اس کے دین کا دشمن ہو، وہ اس کی مغفرت اور بخشش کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

(iii)۔ فرشتے توبہ کرنے والے مومنین کے لیے استغفار کے ساتھ ساتھ خدائے پاک کے حضور مزید عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! توبہ کرنے والوں کو جنت میں داخل فرما۔ ان کے ساتھ ان کے آبا و اجداد، اور ان کی بیویوں اور اولادوں میں سے جو بھی اپنے ایمان اور توبہ کی بنا پر اس کی اہلیت رکھتے ہوں، ان سب کو بھی ہمیشہ رہنے والی جنت میں جگہ عطا فرما۔ اس جنت میں جس کا تو سبحان و تعالیٰ نے مومنین سے وعدہ فرمایا ہے۔

(۱۲)۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ [۱]

(بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)

(i)۔ اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ عزوجل توبہ کرنے والوں اور اس کی طرف رجوع کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو گناہوں پر اصرار نہیں کرتے۔

(ii)۔ اللہ تعالیٰ کا انسان سے محبت کرنا انسان کی عظیم ترین کامیابی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان سے محبت کرتا ہے تو فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ بھی اس سے محبت کریں۔ چنانچہ سب فرشتے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ جب فرشتے توبہ کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ زمین پر بسنے والی ساری نیک مخلوقات کے دلوں کو ان لوگوں کی محبت کی طرف مائل کر دیتے ہیں۔

(iii)۔ ایسے لوگ جن سے اللہ محبت کرتا ہے وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ ان کی تمام خواہشات اللہ کی رضا کے تابع ہو جاتی ہیں۔ وہ وہی چاہتے ہیں جو اللہ پاک چاہتا ہے اور وہی کام کرتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ایسے تمام کاموں سے رک جاتے ہیں جن سے اللہ عزوجل نے منع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے خوش اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش اور خدا تعالیٰ کی خوشی انسان کی عظیم کامیابی ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے شاملِ حال ہونے سے ہی ہوتا ہے۔

۱۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۲۲

(۱۳)۔ اَنَّهٗ مَنۡ عَمِلَ مِنۡكُمۡ سُوۡٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَاَصۡلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ [1]

(تم میں سے جس نے جہالت کی بنا پر کسی برائی کا ارتکاب کر لیا، پھر اس کے بعد اس نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی، تو بلاشبہ وہ (رب کریم) بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے)

اس آیت کریمہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ توبہ و استغفار ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ جس انسان سے بھی برائی کا ارتکاب ہو اور پھر وہ توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ نہایت مہربان ہیں اپنی رحمت کی وجہ سے اس انسان کو معاف فرما دیتے ہیں۔ اسی طرح برائی کے بعد توبہ کرنے اور نیک اعمال کرنے سے گناہ کا داغ ڈھل جاتا ہے۔ سچی توبہ سے اس برائی کا نام ونشان تک مٹ جاتا ہے۔ سو توبہ واستغفار کا دروازہ ایک عظیم الشان دروازہ ہے جو قدرت نے اپنی رحمت وعنایت سے اپنے بندوں کیلئے کھولا ہے۔

(۱۴)۔ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيۡنَ عَمِلُوا السُّوۡٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ وَاَصۡلَحُوۡۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنۡۢ بَعۡدِهَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ [2]

(جو کوئی جہالت سے برے عمل کرے پھر توبہ کر لے اور اصلاح بھی کر لے تو پھر آپ کا رب بلاشک وشبہ بڑی بخشش کرنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے)

(i)۔ اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ سچی توبہ سرفرازی وکامیابی کا باعث بنتی ہے۔ جنہوں نے صحیح معنوں میں توبہ کر لی، اپنے جرم وگناہ کی روش کو ترک کر دیا اور آئندہ کبھی ایسا نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا، دل میں اپنی غلطی پر نادم بھی ہوئے اور جو کوئی حقوق ذمے تھے ان کو بھی انہوں نے ادا کر دیا تو ایسے شخص کی توبہ سچی توبہ ہوگی۔ ایسے لوگوں کی توبہ صحیح معنوں میں توبہ قرار پائے گی۔ ایسے ہی لوگ سچی توبہ کے فوائد وثمرات سے مستفید ہوں گے۔

(ii)۔ رب تعالیٰ کی رحمت اور بخشش عظیم الشان ہے۔ بے شک ہمارا رب سچی توبہ کے بعد بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔ سچی توبہ پر وہ گناہ گاروں کو معاف فرماتا ہے اور ان کو اپنی رحمت سے بھی نوازتا ہے کہ وہ غفور (معاف کرنے والا) بھی ہے اور رحیم (رحم کرنے والا) بھی۔ اس کے یہاں کسی کے لئے بھی کوئی محرومی اور مایوسی نہیں۔ پس اصل ضرورت سچے دل سے اس کی طرف انابت کی ہے، اس کے یہاں تو کرم ہی کرم اور عطا ہی عطا ہے۔

(iii)۔ جو بھی کوئی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ جہالت اور نادانی ہی کی بنا پر کرتا ہے۔ وگرنہ انسان گناہ کے عواقب ونتائج پر غور کرے اور ان کو سامنے رکھے تو کبھی اس کا ارتکاب ہی نہ کرے۔ مگر وہ غلبہء شہوت اور جوش جنون کی بنا پر ادھر توجہ ہی نہیں کرتا۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ کوئی بات نہیں، غلطی ہو جاتی ہے، مگر اس کے بعد توبہ کر لو۔ اصلاح کر لو، تو اس کے بعد رب تعالیٰ کی عظیم الشان بخشش اور رحمت حاصل ہو جائے گی۔

۱۔ سورۃ انعام: آیت: ۵۴

۲۔ سورۃ النحل: آیت: ۱۱۹

(۱۵)۔ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ [۱]
(پھر جو شخص ایسا ظلم کرنے کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے وہ یقینا بہت بخشنے والا رحم کرنے والا ہے)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ گناہ کرنا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے اور اس معافی کی دو شرائط ہیں

(i)۔ اپنے غلط رویے سے توبہ کی جائے۔

(ii)۔ اپنے احوال کی اصلاح کی جائے۔

اگر یہ دو کام کرلئے جائیں تو اللہ عزوجل توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ اس لئے کہ وہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

(۱۶)۔ مَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ [۲]
(توبہ نہ کرنے والے ہی ظالم ہیں)

انسان سے غلطی ہوجاتی ہے۔ غلطی کے بعد دو رویئے ہو سکتے ہیں

(i)۔ ایک یہ کہ انسان غلطی کا احساس کرلے اور توبہ کرکے اصلاح کرلے۔ ایسا آدمی اللہ عزوجل کی رحمت کا مستحق ہوجاتا ہے۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کا رویہ ہے۔ آپؑ سے غلطی ہوگئی تو آپؑ نے فوراً اس کا احساس کیا اور فرمایا کہ اے اللہ! مجھ سے غلطی ہو گئی ہے، ظلم ہوگیا ہے، مجھے معاف فرمادے۔ تو اللہ عزوجل نے ان کو معاف کردیا اور ان پر اپنی رحمت فرمائی۔

(ii)۔ دوسرا یہ کہ انسان اپنی غلطی کا احساس نہ کرے۔ توبہ اور اصلاح نہ کرے۔ ایسا انسان ظالم ہے اور شیطان کی راہ پر چلنے والا ہے۔ شیطان نے غلطی کی مگر اس کو تسلیم نہ کیا اور اکڑ گیا، اللہ کی رحمت سے دور ہوا۔

(۱۷)۔ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ [۳]
(اللہ سے معافی مانگو بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے)

(i)۔ اس آیت پاک میں اللہ عزوجل سے معافی مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ گناہ کا ارتکاب کرنے پر مایوس نہ ہوں بلکہ فوراً توبہ کرلیں کیوں کہ اللہ عزوجل معاف فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

(ii)۔ اس آیت کریمہ میں یہ بھی تلقین کی گئی ہے کہ ہم سب کو اللہ تعالیٰ ہی سے بخشش کی دعا مانگنی چاہیے۔ جب بھی کوئی غلطی، گناہ، خطا سرزد ہوجائے تو فوراً اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ انسان کو اپنی توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف کرنے، بخش دینے، مہربانی کرنے پر ذرا برابر بھی شک نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ پاک ذات بہت

۱۔ سورۃ المائدہ: آیت: ۳۵

۲۔ سورۃ الحجرات: آیت: ۱۱

۳۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۱۹۹، سورۃ النسا: آیت: ۱۰۶

ہی مہربان اور بخشش کرنے والی ہے۔ پس اسی بخشش اور مہربانی کو مدنظر رکھتے ہوئے اللہ کی پاک ذات سے انسان کو اپنی بخشش ومغفرت کا طلب گار رہنا چاہیے۔

(۱۸)۔ رَّبِّ اغۡفِرۡ وَارۡحَمۡ وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ [1]

(میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور (مجھ پر) رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے)

اس آیت کریمہ میں درس دیا گیا ہے کہ اس پوری کائنات میں انسان کا سب سے زیادہ ہمدرد اس کا پروردگا ہی ہے۔ انسان اس کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ نہ صرف معاف فرما دیتا ہے بلکہ اپنی پاک کتاب میں معافی مانگنے کا احسن طریقہ بھی خود ہی بتاتا ہے۔ یہ ہدایت دیتا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ ہر حال میں اللہ سے رحم اور مغفرت کی دعا مانگتا رہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ سب سے بڑھ کر اور سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، پس انسان کو اس بات کا کامل یقین ہونا چاہیے کہ وہ رحم کرتے ہوئے ہمارے گناہوں اور ہماری خطاؤں کو معاف فرما دے گا۔

(۱۹)۔ رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ٚ وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ [2]

(اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا، یقیناً ہم خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے)

(i)۔ اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام سے غلطی ہو گئی تو انہوں نے اپنے خدا کے حضور توبہ کی اور نہایت عاجزی اور شرمساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنی غلطی کی معافی مانگنے لگے کہ اے ہمارے رب! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم نقصان پانے والوں میں سے ہوں گے۔ آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام اپنی خطا پر معذرت خواہ ہوئے، تو ان کی معذرت قبول کر لی گئی اور اللہ عزوجل نے انہیں معاف فرما دیا اور ان پر اپنی رحمت فرمائی۔

(ii)۔ حضرت آدم علیہ السلام کی فطرت کا تذکرہ کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمام انسان خطا کار ہیں اور ان میں سب سے بہترین توبہ کرنے والے ہیں [3]۔

(iii)۔ اس آیت مبارکہ سے ہمیں یہ بھی پتا چلتا ہے کہ

(i)۔ اللہ پاک توبہ قبول کرنے والا ہے۔

(ii)۔ اللہ تعالیٰ غفور ہے۔

---

[1] ۔سورۃ المومنون: آیت: ۱۱۸

[2] ۔سورۃ اعراف: آیت: ۲۳

[3] ۔جامع ترمذی۔ جلد دوم: رقم: ۳۹۷

(iii)۔ اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے۔

(iv)۔ اللہ عزوجل بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

(v)۔ اللہ پاک بخشنے اور رحمت کرنے والا ہے۔

(vi)۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔

(vii)۔ اللہ عزوجل کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

(viii)۔ صرف گمراہ ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں۔

(ix)۔ اللہ تعالیٰ کی مومنوں پر خاص رحمت ہوتی ہے۔

(x)۔ غلطی و گناہ ہو جانے کے بعد اللہ عزوجل کی طرف رجوع کر لینا چاہیے۔اللہ پاک اپنی رحمت سے معاف فرمادے گا۔

(۲۰)۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ [۱]

(الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔تو اکیلا ہے۔میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں۔بے شک میں قصوروار ہوں)

اس آیت پاک سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ جب اللہ عزوجل کے جلیل القدر نبی حضرت یونس علیہ السلام سے غلطی ہوئی تو انہوں نے خدائے پاک سے معافی مانگی اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی دعا قبول کی اور انھیں اس عظیم پریشانی سے نجات دی۔پس جو شخص بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیتا ہے۔

۳۔ توبہ احادیث کی روشنی میں

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بار بار توبہ کی ترغیب دلائی ہے، درج ذیل احادیث سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے:

(۱)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سورج گرہن ہوا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس طرح گھبرائے ہوئے کھڑے ہوئے جیسے قیامت آ گئی ہو۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجد میں آئے اور طویل قیام و رکوع اور سجود کے ساتھ نماز پڑھی کہ اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: یہ نشانیاں ہیں جو اللہ بزرگ و برتر بھیجتا ہے، یہ کسی کی موت اور حیات کے سبب سے نہیں ہوتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔جب تم اس کو دیکھو تو ذکر الٰہی اور دعا و استغفار کی طرف دوڑو[۲]۔

(۲)۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور نبی پاک کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سید الاستغفار یہ ہے:

۱۔سورۃ الانبیا: آیت نمبر: ۸۷

۲۔صحیح بخاری۔جلد اول: رقم: ۱۰۱۷

اَللّٰھُمَّ أَنْتَ رَبِّی لَا إِلٰہَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِی وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلٰی عَھْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ أَبُوءُلَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَأَبُوءُلَكَ بِذَنْبِی فَاغْفِرْ لِی فَإِنَّهُ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوبَ[1]

(یعنی اے میرے اللہ! تو میرا رب ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور تیرا ہی میں بندہ ہوں اور میں اپنی استطاعت کے مطابق تیرے عہد اور تیرے وعدہ پر ہوں۔ میں ہر شے کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور ان نعمتوں کا میں اقرار کرتا ہوں جو تو نے مجھ پر کی ہیں اور اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہوں۔ مجھے بخش دے۔ تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے یہ کلمات صدق دل سے کہے اور شام ہونے سے پہلے اسی دن مر گیا تو وہ جنتی ہے اور جس نے یہ کلمات صدق دل سے رات میں کہے اور صبح ہونے سے پہلے وہ مر جائے تو جنتی ہے۔

(۳)۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تھے تو تین مرتبہ استغفار فرماتے اور یہ دعا مانگتے:

اَللّٰھُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ[2]

(اے اللہ! تو سلامتی والا ہے۔ سلامتی تجھ سے ہے۔ اے جلال والے اور عزت واکرام والے رب! تو برکت والا ہے)

(۴)۔ حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استغفار اس طرح فرماتے تھے

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ[3]

(اے اللہ! مجھے معاف فرما، اے اللہ! مجھے معاف فرما)

(۵)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے نوافل اس طرح شروع فرماتے تھے: جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوتے تو دس مرتبہ تکبیر کہتے، دس مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہتے، دس مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ کہتے، دس مرتبہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہتے اور دس مرتبہ استغفار پڑھتے اور پھر فرماتے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِی وَاھْدِنِی وَارْزُقْنِی وَعَافِنِی (اے اللہ! مجھے معاف فرما دے، مجھے ہدایت دے، مجھے رزق عطا فرما اور مجھے عافیت دے) اور پھر قیامت کے دن کھڑے ہونے کی تنگی سے پناہ مانگتے تھے[4]۔

(۶)۔ حضرت شریک الھوزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک بار حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا اور ان سے سوال کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو جاگتے تو کس دعا سے آغاز کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تو نے مجھ سے ایسا سوال کیا ہے کہ تجھ سے قبل کسی نے نہیں کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات میں بیدار ہوتے تو دس بار اللہ اکبر، دس بار الحمد للہ، دس بار سبحان اللہ وبحمدہ دس بار سبحان الملك القدوس، دس بار استغفار، دس بار لا الہ الا اللہ پڑھتے۔ پھر دس بار یہ

۱۔ صحیح بخاری۔ جلد سوم: رقم: ۱۲۵۶
۲۔ سنن ابن ماجہ۔ جلد اول: رقم: ۹۲۸
۳۔ صحیح مسلم۔ جلد اول: رقم: ۱۳۲۹
۴۔ سنن ابوداؤد۔ جلد اول: رقم: ۷۶۳

دعا پڑھتے۔ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ ضِيقِ الدُّنْيَا وَضِيقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ
(اے اللہ! میں دنیا کی تنگی سے اور قیامت کے دن کی تنگی سے تیری پناہ پکڑتا ہوں) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی رات کی نماز کا آغاز فرمادیتے[1]۔

(۷)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ کی قسم میں اللہ تعالیٰ سے دن میں ستر بار سے بھی زائد استغفار کرتا ہوں[2]۔

(۸)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو استغفار کرنے کو اپنے اوپر لازم کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کا ایک راستہ پیدا فرمائے گا اور ہر غم سے نجات دے گا اور ایسی جگہ سے روزی عطا فرمائے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا[3]۔

(۹)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: جب کوئی بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگا دیا جاتا ہے۔ پھر وہ اگر اسے ترک کردے یا استغفار کرے اور توبہ کرے تو اس کا دل صاف ہوجاتا ہے۔ اگر دوبارہ گناہ کرے تو سیاہی بڑھادی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ سیاہی اس کے دل پر چھا جاتی ہے[4]۔

(۱۰)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: جس نے گناہ کے بعد استغفار کیا اس نے گناہ پر اصرار نہیں کیا اگرچہ اس نے ایک دن میں ستر مرتبہ ایسا کیا ہو[5]۔

(۱۱)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنے اہل خانہ سے بات کرنے میں میری زبان بے قابو تھی۔ لیکن اہل خانہ کے علاوہ کسی اور کی طرف تجاوز نہ کرتی تھی۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: تم استغفار کیوں نہیں کرتے۔ روزانہ ستر مرتبہ استغفار کیا کرو[6]۔

(۱۲)۔ حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جو اپنے نامہ اعمال میں بکثرت استغفار پائے[7]۔

(۱۳)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: اللہ تعالیٰ جنت میں ایک نیک آدمی کے درجات کو

۱۔ سنن ابوداؤد۔ جلد سوم: رقم: ۱۶۷۵
۲۔ صحیح بخاری۔ جلد سوم: رقم: ۱۲۵۷
۳۔ سنن ابوداؤد۔ جلد اول: رقم: ۱۵۱۴
۴۔ جامع ترمذی۔ جلد دوم: رقم: ۱۲۸۵
۵۔ جامع ترمذی۔ جلد دوم: رقم: ۱۵۱۵
۶۔ سنن ابن ماجہ۔ جلد سوم: رقم: ۶۹۷
۷۔ سنن ابن ماجہ۔ جلد سوم: رقم: ۶۹۸

بلند کرتا ہے تو وہ پوچھتا ہے کہ پروردگار! میرے یہ درجات کیوں بلند کیے گئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ تیرے حق میں تیری اولاد کے استغفار کی برکت سے تمہارے درجات بڑھائے گئے ہیں[1]۔

(۱۴)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسلمانوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور باسعادت میں دو طرح کی امان تھی جن میں سے ایک اٹھ چکی ہے اور دوسری باقی ہے:

(i)۔ اللہ تعالیٰ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں عذاب نہیں دے گا۔

(ii)۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس وقت تک عذاب نہیں دے گا جب تک یہ استغفار کرتے رہیں گے[2]۔

(۱۵)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسی امت میں سے یا گذشتہ امتوں میں سے ایک بندے نے گناہ کیا اور پھر کہنے لگا اے میرے پروردگار! میں نے گناہ کیا ہے، تو میرے اس گناہ کو بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا، کیا میرا یہ بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو جس کے چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے گناہ بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کے گناہ پر مواخذہ کرتا ہے، تو جان لو میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔

وہ بندہ اس مدت تک کہ اللہ نے چاہا، گناہ کرنے سے باز رہا۔ اس کے بعد اس نے پھر گناہ کیا اور عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میں نے گناہ کیا ہے، تو میرے اس گناہ کو بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا، یہ میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ کو بخشتا ہے اور اس پر مواخذہ کرتا ہے۔ میں نے اس بندے کو بخش دیا۔

وہ بندہ اس مدت تک کہ اللہ نے چاہا، گناہ سے باز رہا اور اس کے بعد پھر اس نے گناہ کیا اور اس کے بعد پھر اس نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میں نے گناہ کیا ہے، تو میرے اس گناہ کو بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس پر مواخذہ کرتا ہے۔ میں نے اس بندے کو بخش دیا۔ پس جب تک وہ استغفار کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرماتا رہتا ہے[3]۔

اس حدیث پاک سے یہ سبق ملا کہ اس بات کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے کہ توبہ ٹوٹ جائے گی، جب توبہ ٹوٹ جائے فوراً دوبارہ پھر کرلیں مگر شرط یہ ہے کہ توبہ دل سے ہو۔ یعنی توبہ کے وقت یہ عزم پختہ ہو کہ اب یہ گناہ نہ کریں گے۔ اس طرح توبہ کرکے اگر سو مرتبہ بھی ٹوٹے، کچھ پرواہ نہیں۔ ہر دفعہ پھر توبہ کرتے رہیں۔ خدا کے مقبول اور اطاعت کرنے والوں میں شمار ہوں گے۔

(۱۶)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گناہوں سے صحیح اور پختہ توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو[4]۔

۱۔ مسند احمد۔ جلد چہارم: رقم: ۳۳۸۱

۲۔ مسند احمد۔ جلد ہشتم: رقم: ۱۲۹۲

۳۔ مشکوۃ شریف۔ جلد دوم: رقم: ۸۲۶

۴۔ مشکوۃ شریف۔ جلد دوم: رقم: ۸۹۵

(۱۷)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم اتنے گناہ کرو کہ آسمان تک پہنچ جائیں، پھر تم توبہ کرو، تو اللہ تعالیٰ تم کو معاف کر دے گا۔ اس کی رحمت وسیع ہے[۱]۔

(۱۸)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ عزوجل تمہاری توبہ پر ایسا ہی خوش ہوتا ہے، جیسے کوئی اپنی گم شدہ چیز پانے سے خوش ہوتا ہے[۲]۔

(۱۹)۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے توبہ کرنے سے اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے جس کا ایک اونٹ بے آب ودانہ جنگل میں کھو جائے وہ اس کو ڈھونڈتا رہے یہاں تک کہ تھک کر اپنا کپڑا اوڑھ لے اور لیٹ جائے یہ سمجھ کر کہ اب مرنے میں کوئی شک نہیں، پانی سب اسی اونٹ پر تھا اور اس جنگل میں پانی تک نہیں۔ اتنے میں وہ اونٹ کی آواز سنے اور کپڑا اپنے منہ سے اٹھا کر دیکھے، تو اسی کا اونٹ آتا ہو[۳]۔

(۲۰)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: اللہ رب العزت رات کے وقت اپنا ہاتھ پھیلاتا رہتا ہے تاکہ دن کے گناہ گار کی توبہ قبول کرے اور اپنا ہاتھ دن کو پھیلاتا رہتا ہے تاکہ رات کے گناہ گار کی توبہ قبول کرے۔ یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو (قیامت کا دن)[۴]۔

۴۔ توبہ کی اقسام

توبہ کی تین اقسام ہیں:

(۱) توبہ (۲) انابہ (۳) اوبہ

(۱)۔ توبہ: جو شخص اللہ عزوجل کے عذاب کے ڈر سے توبہ کرے، وہ صاحب توبہ ہے اور یہ سالک کا ابتدائی مقام اور مومنین کی صفت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[۵]

(اے مومنو! سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ)۔

(۲)۔ انابہ: جو شخص ثواب کی وجہ سے توبہ کرے، وہ صاحب انابہ ہے۔ انابت، اولیائے کرام اور مقرب لوگوں کی صفت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۲۴۸

۲۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۲۴۷

۳۔ سنن ابن ماجہ۔ جلد سوم: رقم ۱۱۲۹

۴۔ صحیح مسلم۔ جلد سوم: رقم: ۲۴۸۸

۵۔ سورہ النور: آیت: ۳۱

فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ [1]

(وہ اپنے رب سے معافی مانگنے لگے، سجدے میں گر پڑے اور توبہ کی)

(۳)۔ اوبہ: جو شخص حکم خداوندی کی بجا آوری کرتے ہوئے توبہ کرے، ثواب کی رغبت یا عذاب کا خوف پیش نظر نہ ہو، وہ صاحب اوبہ ہے۔ اوبہ، انبیا کرام علیہم السلام اور مرسلین علیہم السلام کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ [2]

(اور ہم نے داؤد کو سلیمان (نامی فرزند) عطا فرمایا، جو بڑا اچھا بندہ تھا اور بہت زیادہ توبہ کرنے والا تھا)

۵۔ توبہ کے ارکان

توبہ کے تین ارکان ہیں

(۱)۔ دل میں نادم ہونا

(۲)۔ زبان پر معذرت کا اظہار کرنا

(۳)۔ برائی اور برائی کرنے والوں کی صحبت کو چھوڑ دینا

۶۔ ایسے اعمال جن سے توبہ کرنی چاہیے

(۱)۔ بندگی کو بڑا سمجھنے سے

(۲)۔ گناہ کو معمولی خیال کرنے سے

(۳)۔ احسان فراموشی سے

(۱)۔ انسان کا اپنی بندگی کو بڑا سمجھنے کی تین علامات ہوتی ہیں

(i)۔ خود کو اپنے عمل کے باعث نجات یافتہ سمجھنا

(ii)۔ عمل کے مقصد کو حقارت کی نظر سے دیکھنا

(iii)۔ اپنے کردار کے عیوب تلاش نہ کرنا

(۲)۔ گناہوں کو معمولی سمجھنے کی بھی تین علامتیں ہیں

(i)۔ خود کو بخشش کا مستحق سمجھنا

(ii)۔ دوسرے کو تکلیف پہنچا کر بھی اطمینان کا اظہار کرنا

۱۔ سورۃ ص: آیت: ۲۴

۲۔ سورۃ ص: آیت: ۳۰

(iii)۔ برے لوگوں کی صحبت اختیار کرنا

(۳)۔ احسان فراموشی کی بھی تین نشانیاں ہیں

(i)۔ خود پسندی میں مبتلا ہو جانا

(ii)۔ اپنے نیک اعمال کی قدر و قیمت لگانا

(ii)۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کی خوشی کے باعث نیک اعمال کرنے سے رک جانا

۷۔ توبہ کے اسباب

(۱)۔ توبہ کا خیال اس وقت دل میں پیدا ہوتا ہے جب کہ انسان کا دل غفلت کی نیند سے بیدار ہو جائے اور آدمی اپنی موجودہ حالت کو ناپسند اور برا جان لے۔

(۲)۔ توبہ کا خیال اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ اللہ عزوجل اپنے بندے کی طرف مائل ہے۔ اس پر کرم کرنا چاہتا ہے۔ اس کو توفیق دے رہا ہے کہ اس کا خطا کار بندہ اس کی ذات پاک کی طرف مائل ہو جائے۔

(۳)۔ اللہ پاک کی طرف سے موجود واعظ بھی انسان کی توجہ توبہ کی طرف دلاتا ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے واعظ موجود ہے[۱]۔

(۴)۔ توبہ کا خیال سب سے پہلے انسان کے دل و دماغ میں پیدا ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ بے شک بدن میں ایک لوتھڑا ہے، جب وہ ٹھیک ہوتا ہے تو تمام بدن ٹھیک ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہو جائے تو تمام بدن خراب ہو جاتا ہے۔ سنو! وہ دل ہے[۲]۔

(۵)۔ جب انسان دل سے اپنے عمل کی برائی کے بارے میں سوچتا ہے اور اپنے برے افعال کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں توبہ کا ارادہ پیدا ہوتا ہے اور وہ جب برے معاملات سے نکلنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتے ہوئے اس کے ارادے کو درست کرتا ہے۔ اسے رجوع کی توفیق دیتا ہے اور توبہ کے اسباب مہیا فرماتا ہے۔

(۶)۔ جب کبھی انسان کسی حادثے سے گذرتا ہے تو بعض اوقات اس کے خیالات میں مثبت تبدیلی آتی ہے۔ کبھی کبھار خوف سے اور کبھی کبھار اس بات سے کہ اللہ عزوجل نے اس پر خاص انعام کیا ہے اور اسے اس مشکل سے نکالا ہے۔

(۷)۔ نیک و صالح لوگوں کی صحبت میں انسان میں برائی سے نفرت اور بھلائی کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

۱۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۲۸۵۹

۲۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۵۲، صحیح مسلم۔ رقم: ۴۰۷۰، سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۳۹۸۴

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند[۱]

(نیک لوگوں کی صحبت نیک بنا دیتی ہے۔ بُرے لوگوں کی صحبت بُرا بنا دیتی ہے)

(۸)۔ برے لوگوں کی صحبت چھوڑنا بھی انسان کو برائی سے دور کرتا ہے۔ انسان گندے ماحول سے الگ ہو کر بعض اوقات اپنی اصل فطرت پر آجاتا ہے اور توبہ پر آمادہ ہوجاتا ہے۔

۸۔ توبہ کی شرائط

(۱)۔ انسان سے جانے یا انجانے میں گناہ ہو ہی جاتا ہے، اس لیے توبہ ضروری ہے۔ اگر گناہ اللہ اور بندے کے مابین معاملات سے متعلق ہے، جس میں کسی انسان کی کوئی حق تلفی نہیں ہوئی، تو اس کی توبہ کے لیے تین لازمی شرائط ہیں

(i)۔ انسان گناہ کا وہ کام چھوڑ دے جس سے توبہ کر رہا ہے۔

(ii)۔ انسان اس گناہ میں ملوث ہونے پر شرمندہ ہو۔

(iii)۔ انسان اس بات کا پختہ عزم کرے کہ وہ اس گناہ میں دوبارہ ملوث نہیں ہوگا۔

(۲)۔ اگر انسان سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہوجائے جو کسی انسانی حقوق سے متعلق ہو تو توبہ کرنے والے پر لازم ہے کہ:

(i)۔ وہ پہلے اس انسان کے حق سے اپنے آپ کو بری کرے جس کی حق تلفی ہوئی ہو۔ چنانچہ اگر کسی کو کوئی مالی نقصان پہنچا ہے تو اس کا یہ نقصان پورا کیا جائے یا اس سے اس نقصان کی معافی مانگی جائے۔ اس کے بعد باقی شرائط پوری کرے۔

(ii)۔ انسان گناہ کا وہ کام چھوڑ دے جس سے توبہ کر رہا ہے۔

(iii)۔ انسان اس گناہ میں ملوث ہونے پر شرمندہ ہو۔

(iv)۔ انسان اس بات کا پختہ عزم کرے کہ وہ اس گناہ میں دوبارہ ملوث نہیں ہوگا۔

(۳)۔ عام طور پر توبہ کی قبولیت کی شرائط یہی ہیں۔ البتہ اگر انسان سے غلطی سے کوئی قتل ہوجائے تو توبہ کی شرائط مختلف ہیں۔ قتل خطا کی توبہ کے لیے ضروری ہے کہ باقی شرائط کے ساتھ ساتھ ایک غلام آزاد کیا جائے اور اگر غلام موجود نہ ہو تو لگاتار دو ماہ کے روزے رکھے جائیں، مقتول کے ورثا کو دیت ادا کی جائے۔ قتل خطا پر توبہ کا طریقہ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے متعین فرما دیا ہے لہٰذا اس جرم کی توبہ کے طور پر یہ شرائط بھی لازمی طور پر پوری کرنی ہوں گی[۲]۔

(۴)۔ اگر کوئی مومن کافر ہوجائے تو اس کی توبہ کی بنیادی شرائط یہ ہیں کہ وہ کفر سے توبہ کرے، اپنے اعمال کو شریعت کے مطابق درست کرے

۱۔ مثنوی معنوی از مولانا جلال دین رومیؒ۔ جلد اول۔ باب: ۳۵: منازعت کردن امرا با یکدیگر در ولیعہدی

۲۔ تفسیر بحوالہ سورۃ النسا: آیت: ۹۲

اور سچے دل سے اپنے ایمان کی تجدید کرے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [1]

(بے شک، جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا، ان کو ان کے رب کی طرف سے غضب لاحق ہوگا اور اس دنیا کی زندگی میں ذلت لاحق ہوگی۔ اور ہم بہتان طرازی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ اور جنھوں نے برے کام کیے، پھر اس کے بعد انھوں نے توبہ کر لی اور ایمان لائے، تو اس کے بعد تیرا رب بخشنے والا مہربان ہے)

(۵)۔ یہ توبہ کی لازمی شراط ہیں اگر انسان کی توبہ میں ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو وہ توبہ صحیح نہیں ہوگی۔ اس لیے ان شرائط پر مکمل توجہ دینی چاہیے تاکہ توبہ اللہ عزوجل کے ہاں قبول ہو۔

۹۔ توبہ کا قبول نہ ہونا

قرآن مجید میں بعض ایسے لوگوں کا ذکر بھی ہوا ہے جن کا جرم اتنا شدید ہے کہ پروردگار رحمان ورحیم ہونے کے باوجود ان کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا:

(۱)۔ جو لوگ ساری زندگی اپنے رب کو بھول کر اس کی پسند اور ناپسند سے بے اعتنائی کرتے ہوئے گناہوں میں پڑے رہیں اور پھر موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں تو توبہ واستغفار کرنے لگیں، ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

(۲)۔ جو لوگ کفر ہی کی حالت میں مر گئے، ان کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ آخرت کے دن ان کی توبہ واستغفار کو ہرگز قبول نہ کرے گا۔

(۳)۔ ایسے لوگ جو ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہو جائیں اور کفر کی ہی حالت میں مر جائیں، ان کی بھی توبہ قبول نہ ہوگی۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ [2]

(جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا اور پھر اپنے کفر میں آگے بڑھتے چلے گئے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی)

۱۰۔ توبہ کا طریقِ کار

توبہ کا طریقہ کار مختلف گناہوں کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں جن سے توبہ کرنے سے پہلے ان گناہوں کا تدارک ضروری ہوتا ہے اور کچھ گناہوں کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کے حضور ندامت، شرمندگی اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم ہی توبہ ہوتا ہے۔ اعلانیہ گناہوں کے لیے توبہ بھی اعلانیہ کرنی ہوتی ہے۔ پس توبہ کا طریقہ کار حسب ذیل ہے

۱۔ سورۃ الاعراف: آیت: ۱۵۳

۲۔ سورۃ آل عمران: آیت: ۹۰

(۱)۔ گناہ ہوجانے پر فوراً دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھنی چاہیے اور پھر توبہ کرنی چاہیے۔اس طرح توبہ کرنے میں متعدد مصلحتیں ہیں

(i)۔ نیکیاں گناہوں کو زائل کرتی ہیں۔

(ii)۔ نماز میں توبہ کرنے میں دل حاضر ہوگا اور قبول توبہ کے لیے حضورِ قلب ضروری ہے۔

(iii)۔ چونکہ نماز پڑھنا انسانی نفس کو ناگوار ہوتا ہے،اس لئے نفس گناہوں سے گھبرائے گا۔

(iv)۔ گناہ توبہ سے معاف ہوجائیں گے اور نماز توبہ کی نیکیاں نفع میں رہیں گی۔

(۲)۔ ترک نماز سے توبہ کے لیے قضا نمازیں ادا کرنی چاہییں اور آئندہ نماز نہ چھوڑنے کا عزم کرنا چاہیے۔

(۳)۔ ترک روزہ سے توبہ کے لیے قضا روزے ادا کرنے چاہییں اور پھر اللہ عزوجل کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔

(۴)۔ اگر گناہ اللہ اور بندے کے مابین معاملات سے متعلق ہے۔جس میں کسی انسان کی کوئی حق تلفی نہیں ہوئی،تو چاہیے کہ:

(i)۔ انسان گناہ کا وہ کام چھوڑ دے جس سے توبہ کر رہا ہے۔

(ii)۔ انسان اس گناہ میں ملوث ہونے پر شرمندہ ہو۔

(iii)۔ انسان اس بات کا پختہ عزم کرے کہ وہ اس گناہ میں دوبارہ ملوث نہیں ہوگا۔

(۵)۔ اگر انسان سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہوجائے جو کسی انسانی حقوق سے متعلق ہو،تو پہلے اس انسانی حقوق کو ادا کرنا چاہیے یا پھر معاف کروانا چاہیے اور پھر اللہ کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔

(۶)۔ اگر انسان سے غلطی سے کوئی قتل ہوجائے،تو توبہ کرنے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا چاہیے۔اگر غلام موجود نہ ہو،تو لگاتار دو ماہ کے روزے رکھنے چاہیں،مقتول کے ورثا کو دیت ادا کرنی چاہیے [۱]۔

(۷)۔ توبہ کے لیے گناہوں کو یاد کرکے جی بھر کر توبہ کرنی چاہیے۔

(۸)۔ انسان کی طبیعت نیک اور بد صحبت کا اثر قبول کرتی ہے۔پس نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے اور برے لوگوں کی صحبت کو ترک کر دینا چاہیے۔

(۹)۔ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں گناہ کرنے پر جو سزائیں بیان کی گئی ہیں،ان کو یاد کرنا چاہیے۔

(۱۰)۔ ہمیں آخرت کی نعمتوں کے بارے میں سوچنا چاہیے،جو گناہوں سے بچنے اور توبہ کرنے پر ملتی ہیں۔

(۱۱)۔ موت کا بکثرت تذکرہ کرنا گناہوں کی لذتوں کو ختم کر دیتا ہے اور انسانی طبیعت کو توبہ کی طرف مائل کرتا ہے۔پس ہمیں ہر وقت اپنی موت کو یاد رکھنا چاہیے۔

(۱۲)۔ ہمیں فوت ہوجانے والوں کے بارے میں سوچنا چاہیے کہ ہمارے پاس نیکی کرنے اور گناہوں سے توبہ کرنے کا ابھی بھی موقع ہے،جو فوت ہوجانے والے کے پاس نہیں رہا۔

۱۔تفسیر بحوالہ سورۃ النساء: آیت:۹۲

(۱۳)۔ گناہ کی یاد کو مقصود بالذات نہیں بنانا چاہیے، کیونکہ اس سے یہ خیال ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ مجھ سے ناراض ہے اور یہ خیال خطرناک ہے۔

(۱۴)۔ ہمیں اپنے شب و روز کا جائزہ لے کر اپنی نافرمانیوں، کوتاہیوں اور خطاؤں کی نشاندہی کرنی چاہیے اور پھر ان خطاؤں پر توبہ اور آئندہ یہ خطائیں نہ کرنے کا پکا عزم کرنا چاہیے۔

(۱۵)۔ تمام گناہوں پر ندامت محسوس کرتے ہوئے اجمالی طور پر توبہ کرنی چاہیے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرنا چاہیے۔

(۱۶)۔ ہمیں انفرادی طور پر ہر گناہ کا سبب معلوم کرنا چاہیے اور پھر ان اسباب کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(۱۷)۔ اسباب کی بنیاد پر گناہ کو دور کرنے کی عملی کوشش کرنی چاہیے۔

(۱۸)۔ نفسانی خواہشات انسان کو گناہ کی طرف مائل کرتی ہیں۔ پس ہمیں اپنے نفس کی تربیت کرتے رہنا چاہیے۔

(۱۹)۔ ہمیں کبھی بھی خدا عزوجل کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ ساری انسانیت کے مجموعی گناہ مل کر بھی خدا کی وسیع رحمت سے کم ہیں۔

(۲۰)۔ ہمیں توبہ و استغفار کرنے کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لینا چاہیے۔ جیسا کہ ملازمت، بزنس یا شادی کو مسئلہ سمجھتے، پس ان کے لئے منصوبہ بندی کرتے اور مشکلات کے باوجود ان مقاصد کو حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

(۲۱)۔ ہمیں زبانی توبہ و استغفار کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے، کیونکہ ہر عمل کی ابتدا قول سے ہوتی ہے۔ لیکن زبانی استغفار کو کافی بھی نہیں سمجھنا چاہیے۔ بلکہ جسم کے ہر عضو کو توبہ اور رجوع میں شریک کر لینا چاہیے۔ پھر یہ ممکن نہ ہوگا کہ پاؤں غلط جگہ کے لئے اٹھیں، نگاہیں نافرمانی کا ارتکاب کریں اور دماغ میں معصیت کی سوچیں بسنے لگیں۔

۱۱۔ توبہ کے بارے میں اقوال

توبہ کے بارے میں مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہ سے بہت اچھے اقوال منسوب ہیں جو سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں:

(۱)۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ کے تین معانی ہیں[۱]:

(i)۔ اپنی غلطی پر ندامت

(ii)۔ جس کام سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، اس کی عادت ترک کرنا

(iii)۔ دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرنا

(۲)۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا تو ان کی حالت بدلی ہوئی دیکھی۔ میں نے ان سے پوچھا آپ کو کیا ہوا؟ تو انہوں نے فرمایا میرے پاس ایک نوجوان آیا اور اس نے مجھ سے توبہ کے بارے میں سوال کیا۔ میں نے کہا، توبہ یہ ہے کہ تو اپنے گناہوں کو نہ بھولے۔ اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا کہ توبہ اپنے گناہوں کو

---

[۱]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۲

بھولنے کا نام ہے۔ میں نے عرض کیا، درحقیقت میرے نزدیک وہی بات ہے جو اس نوجوان نے کہی[1]۔

(۳)۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے گناہ کو بھولنا (یعنی گناہ کو ترک کرنا) توبہ ہے[2]۔

(۴)۔ حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ ٹال مٹول کو ترک کرنے کا نام ہے[3]۔

(۵)۔ حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، توبہ یہ ہے کہ اپنے گناہوں کو نہ بھولا جائے[4]۔

(۶)۔ حضرت حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ الفاظ: اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے توبہ کا سوال کرتا ہوں کبھی نہیں کہے، بلکہ میں ہمیشہ یہ کہتا ہوں کہ اے میرے پروردگار! میں تجھ سے توبہ کی خواہش کا سوال کرتا ہوں[5]۔

(۷)۔ حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ توبہ کے بارے فرماتے ہیں کہ توبہ سے توبہ کرنے کا نام توبہ ہے[6]۔

(۸)۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی توبہ غفلت سے ہوتی ہے[7]۔

(۹)۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گناہ سے باز آئے بغیر توبہ کرنا، جھوٹے لوگوں کی توبہ ہے[8]۔

(۱۰)۔ حضرت ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے توبہ کر لی جائے (صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا جائے)[9]۔

(۱۱)۔ حضرت عبداللہ بن علی بن محمد تمیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص گناہوں سے توبہ کرتا ہے اس میں اور جو شخص غفلت سے توبہ کرتا ہے اس میں اور جو شخص نیکیوں کو دیکھنے سے توبہ کرتا ہے، ان میں بہت فرق ہے[10]۔

(۱۲)۔ حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبۃ النصوح کرنے والے پر گناہ کا ظاہری اور باطنی اثر باقی نہیں رہتا اور جس شخص کی توبۃ النصوح ہو، اسے اس بات کی پرواہ نہیں کہ وہ شام کیسے کرتا ہے اور صبح کیسے کرتا ہے[11]۔

---

[1]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۲

[2]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۲

[3]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۲

[4]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۲

[5]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۲

[6]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۲

[7]۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراجؒ۔ صفحہ نمبر ۸۰

[8]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۲

[9]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۲

[10]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۲

[11]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۲

(۱۳)۔ حضرت ابن یز دانیار رحمۃ اللہ علیہ [۱] سے پوچھا گیا؟ کہ کوئی شخص اللہ کی طرف نکل آئے تو کن اصولوں کی بنیاد پر نکلے گا؟ تو آپؒ نے فرمایا! اس طرح نکلے کہ

(i)۔ وہ جس گناہ سے نکلا ہے اس کی طرف دوبارہ نہیں جائے گا۔

(ii)۔ جس کی طرف نکل گیا ہے اس کے غیر کا خیال نہیں کرے گا۔

(iii)۔ جس چیز سے وہ بیزار ہوا، اس کی طرف نظر کرنے سے اپنے دل کو محفوظ رکھے گا[۲]۔

(۱۴)۔ ایک شخص نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ مجھ سے بہت سے گناہ ہوئے ہیں اگر میں توبہ کروں تو میری توبہ قبول ہوگی؟ تو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ اگر اللہ تعالیٰ تجھے توبہ کرنے کی توفیق دے گا تب ہی تو توبہ کرے گا[۳]۔

(۱۵)۔ حضرت بوشنجی رحمۃ اللہ علیہ [۴] فرماتے ہیں کہ جب انسان گناہ کا ذکر کرے اور اس گناہ کے کام میں دلچسپی نہ پائے۔ یہی حقیقتاً توبہ ہے[۵]۔

(۱۶)۔ حضرت ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ کی دو قسمیں ہیں[۶]

(i)۔ توبہ انابت: توبہ انابت یہ ہے کہ بندہ عذاب خداوندی کے خوف سے توبہ کرے۔

(ii) توبہ استجابت: توبہ استجابت یہ ہے کہ خداوند جل جلال کے کرم سے حیا کرتے ہوئے توبہ کرے۔

(۱۷)۔ خواجہ عبداللہ انصاری ہروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ حق تعالیٰ کی طرف لوٹنے کا نام ہے[۷]۔

(۱۸)۔ شیخ ضیاء الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ انسان کا گناہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف ندامت اور کثرت استغفار کے ساتھ رجوع کرنا ہے[۸]۔

(۱۹)۔ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ اللہ عزوجل کی بغاوت ونافرمانی سے آئندہ باز رہنے اور سابق نافرمانیوں کی تلافی کا خلوص دل سے عہد کرنا ہے[۹]۔

(۲۰)۔ حسین مغازلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ یہ ہے کہ

۱۔ ابوبکر حسین بن علی بن یز دانیار ارمویؒ

۲۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۲

۳۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۴

۴۔ عبدالرحمان بن محمد داؤدی بوشنجی خراسانیؒ

۵۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۳

۶۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۳

۷۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۳

۸۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۳

۹۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۳

(i)۔ اللہ عزوجل سے اس لیے ڈرنا کہ وہ ہم پر قادر ہے۔

(ii)۔ اللہ عزوجل سے اس لیے حیا کرنا کہ وہ ہمارے قریب ہے[۱]۔

(۲۱)۔ حضرت ابراہیم دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ یہ ہے کہ جس طرح انسان پہلے اللہ عزوجل کی طرف پشت کیے ہوئے تھا اور ادھر توجہ نہیں دیتا تھا، اب ہمہ تن توجہ بن جائے اور پھر اس کی طرف پشت نہ کرے[۲]۔

(۲۲)۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ چار ستونوں پر قائم ہے:

(i)۔ زبان سے بخشش مانگنا

(ii)۔ دل سے نادم ہونا

(iii)۔ اعضا سے گناہ چھوڑنا

(iv)۔ دل میں دوبارہ گناہ نہ کرنے کا ارادہ کرنا۔

خالص توبہ یہ ہے کہ توبہ کرنے کے بعد وہ گناہ نہ کیا جائے جس سے توبہ کی ہو[۳]۔

۱۲۔ چند نصیحت آموز واقعات

(۱)۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو اللہ عزوجل نے پیدا فرمانے کے بعد حکم دیا کہ جنت میں جہاں چاہو رہو اور جس چیز کو دل چاہے کھاؤ، لیکن اس درخت کا پھل نہ کھانا۔ حضرت آدم و حوا علیہم السلام ایک عرصہ تک جنت میں رہے اور اس درخت کے پاس نہ گئے۔ آخر کار شیطان کے بہکانے سے اس درخت کا پھل کھا لیا۔ اس درخت کا پھل کھانے سے ان کی عریانی ان پر واضح ہو گئی تو وہ جنت کے درختوں کے پتوں سے اپنے جسم کو چھپانے لگے۔ جیسے ہی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، فوراً ہی اللہ عزوجل سے معافی مانگنے لگے۔ قرآنِ پاک میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کی اس توبہ کی دعا کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ[۴]

(اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے)

جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام سے غلطی ہو گئی تو انہوں نے اپنے خدا کے حضور توبہ کی اور نہایت عاجزی اور شرمساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنی غلطی کی معافی مانگنے لگے کہ اے ہمارے رب! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے اپنے آپ

۱۔ تعرف از ابی بکر بن ابی اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب الکلاباذیؒ۔ صفحہ نمبر ۱۴۱

۲۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۳

۳۔ غنیۃ الطالبین از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ صفحہ نمبر ۳۶۷

۴۔ سورۃ اعراف: آیت: ۲۳

پر ہی ظلم کیا ہے۔ اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم نقصان پانے والوں میں ہوں گے۔ آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام اپنی خطا پر معذرت خواہ ہوئے تو ان کی معذرت قبول کر لی گئی اور اللہ عزوجل نے انہیں معاف فرما دیا اور ان پر اپنی رحمت فرمائی۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابی حیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ پانچ چیزیں آدم علیہ السلام کی نجات کا باعث بنیں:

(i)۔ اپنی غلطی کا اعتراف کرنا۔

(ii)۔ غلطی پر نادم ہونا۔

(iii)۔ اپنے آپ کو غلطی پر ملامت کرنا۔

(iv)۔ توبہ کرنا۔

(v)۔ رحمت الٰہی کی امید رکھنا۔

اور پانچ چیزیں شیطان کی تباہی کا باعث بنیں:

(i)۔ اپنے جرم کو تسلیم نہ کرنا۔

(ii)۔ غلطی پر نادم نہ ہونا۔

(iii)۔ ارتکاب جرم پر اپنے آپ کو ملامت نہ کرنا۔

(iv)۔ توبہ نہ کرنا۔

(v)۔ رحمت الٰہی سے مایوس ہو جانا۔

پس انسان کو اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے فوراً خدائے عزوجل کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔ ہمیں حضرت آدم علیہ السلام کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ شیطان کے راستہ پر نہیں چلنا چاہیے۔

(۲)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے پہلے لوگوں میں ایک آدمی نے ننانوے جانوں کو قتل کیا۔ پھر اس نے اہل علاقہ میں سے سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا؟ پس اس کی ایک راہب کی طرف راہنمائی کی گئی۔ وہ اس راہب کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے ننانوے جانوں کو قتل کیا ہے۔ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ راہب نے جواب دیا کہ تمہاری توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔ پس اس نے اس راہب کو بھی قتل کر دیا۔ پھر اہل علاقہ سے سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا؟ تو ایک عالم کی طرف اس کی راہنمائی کی گئی۔ اس شخص نے اس عالم سے کہا کہ میں نے سو آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ عالم نے جواب دیا جی ہاں! تمہاری توبہ ضرور قبول ہو گی۔ تم فلاں جگہ چلے جاؤ۔ وہاں پر موجود لوگ اللہ کی عبادت کر رہے ہیں۔ تم بھی ان کے ساتھ عبادت الٰہی میں مصروف ہو جاؤ اور اپنے علاقے کی طرف لوٹ کر نہ جانا کیونکہ وہ بری جگہ ہے۔ پس وہ اس علاقہ کی طرف چل دیا۔ جب وہ آدھے راستے پر پہنچا، تو اس کی موت واقع ہو گئی۔ پس اس کے بارے میں رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے جھگڑ پڑے۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا

کہ یہ توبہ کرتا ہوا اور اپنے دل کو اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہوا وفات پا گیا ہے۔ عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ اس نے زندگی بھر کوئی بھی نیک کام نہیں کیا۔ پس پھر ان کے پاس ایک فرشتہ آیا، جسے انہوں نے اپنے درمیان ثالث مقرر کر لیا، تو اس نے کہا کہ دونوں بستیوں کے درمیاں فاصلے کی پیمائش کر لو۔ پس وہ دونوں میں سے جس بستی کے زیادہ قریب ہو، اسی بستی والوں میں شمار کیا جائے۔ پس فرشتوں نے فاصلے کی پیمائش کی، تو نیک بستی کے قریب پایا۔ پس پھر رحمت کے فرشتے اسے جنت میں لے گئے[1]۔

(۳)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک آدمی تھا۔ وہ اپنی توبہ پر قائم نہیں رہتا تھا۔ اللہ پاک نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اس نوجوان کو کہہ دو اپنی توبہ کو نہیں توڑنا، اگر تو اپنے گناہ کی طرف لوٹا تو میں تجھے سزا دوں گا اور تیری توبہ بھی قبول نہیں کروں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیغام پہنچا دیا۔ اس نوجوان نے کچھ دن تو صبر کیا لیکن پھر گناہ کر بیٹھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اسے کہہ دو کہ میں اس سے ناراض ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیغام پہنچا دیا۔ وہ بندہ صحرا کی طرف نکل گیا اور کہنے لگا، یا الٰہی! تو نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کیسا پیغام بھیجا ہے؟ کیا تیرے مغفرت کے خزانے ختم ہو گئے؟ میرے مولا! کون سا میرا گناہ تیری رحمت سے بڑا ہے، جو معاف ہونے کے قابل نہیں۔ تو نے فرمایا ہے کہ تو میری مغفرت نہیں فرمائے گا۔ اے اللہ! تو کیسے میری مغفرت نہیں کرے گا کہ تیری صفات میں ایک صفت ہے کہ تو بڑا کریم ہے۔ اے اللہ! تو اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے مایوس کرے گا تو وہ کون سے دروازے پر جائیں گے؟ اے اللہ! اگر تو انھیں دھکے دے گا تو وہ کہاں جائیں گے؟ اے اللہ! اگر تیری رحمت ختم ہو گئی ہے تو اے اللہ! مجھے عذاب دے دے۔ اے اللہ! اپنے باقی سارے بندوں کے گناہ بھی میرے سر ڈال دے۔ اے اللہ! میں سب کی طرف سے فدیہ بن جاوں گا۔ مجھ کو عذاب دے دے باقی سب کو معاف فرما دے۔

اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی، اس بندے کو کہہ دیجیے اگر تیرے گناہ آسمان اور زمین کے درمیانی فاصلے کو بھر دیتے تو پھر بھی میں تیری اس دعا کے بعد تیرے سارے گناہ معاف کر دیتا۔ اس لیے کہ تو نے میرے عفو اور میری رحمت کو سمجھ لیا ہے۔

حضرت ابو سعید بن ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک رباعی میں لکھتے ہیں

باز آ باز آ، ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
این درگہ ما درگہ نو میدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی، باز آ[2]

(واپس آ جاؤ، واپس آ جاؤ، تم جو بھی ہو، واپس آ جاؤ، تم چاہے کافر ہو، مجوسی ہو یا بت پرست ہو، واپس آ جاؤ، یہ ہماری درگاہ ناامیدی

۱۔ صحیح مسلم۔ جلد سوم: رقم: ۲۵۰۷

۲۔ رباعیات از ابو سعید فضل اللہ بن ابو الخیر احمد بن محمد بن ابراہیمؒ۔ صفحہ نمبر ۱۴

کی درگاہ نہیں ہے، اگر سو بار توبہ توڑ چکے ہو تو بھی واپس آ جاؤ)

(۴)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی چل رہے تھے کہ انہیں بارش نے گھیر لیا۔ انہوں نے پہاڑ میں ایک غار میں پناہ لی۔ غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک پتھر آ کر گر گیا۔ اس سے اس غار کا منہ بند ہو گیا۔ ان میں سے ایک نے کہا، اپنے اپنے نیک اعمال کو دیکھو، جو خالص اللہ کی رضا کے لیے کئے ہوں اور اس کے ذریعہ اللہ سے دعا مانگو، شاید اللہ تم سے اس مصیبت کو ٹال دے۔ ان میں سے ایک نے عرض کیا، اے اللہ! میرے والدین بہت بوڑھے تھے اور میری بیوی بھی تھی اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے اور میں جانور چرایا کرتا تھا۔ جب میں ان کے پاس شام کو واپس آتا دودھ نکالتا، تو میں اپنے والدین سے ابتدا کرتا اور انہیں اپنے بچوں سے قبل پلاتا۔ ایک دن جنگل کے دور ہونے کی وجہ سے مجھے تاخیر ہو گئی اور میں رات کو آیا، تو میں نے اپنے والدین کو سویا ہوا پایا۔ میں نے پہلے کی طرح دودھ دوہا اور دودھ کا برتن لے کر والدین کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ میں انہیں ان کی نیند سے اٹھانا پسند نہیں کرتا تھا اور مجھے ان سے پہلے اپنے بچوں کو پلانا بھی پسند نہ تھا۔ بچے میرے قدموں کے پاس چلا رہے تھے، مگر میں نے انہیں دودھ نہیں دیا۔ صبح ہونے تک میرا معاملہ یونہی رہا۔ اے خدا! پس تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل صرف اور صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا۔ اے میرے پروردگار! ہمارے لیے کچھ کشادگی فرما دے، جس سے ہم آسمان کو دیکھ سکیں۔ پس اللہ نے ان کے لیے اتنی کشادگی فرما دی کہ انہوں نے آسمان دیکھا۔

دوسرے نے عرض کیا، اے اللہ! میری ایک چچازاد بہن تھی۔ اس سے میں محبت کرتا تھا۔ جس طرح مردوں کو عورتوں سے سخت محبت ہوتی ہے۔ میں نے اس سے اس کی ذات کو طلب کیا۔ بدکاری کا اظہار کیا، تو اس نے ایک سو دینار لانے تک انکار کر دیا۔ میں نے بڑی محنت کر کے سو دینار جمع کئے اور اس کے پاس لایا۔ پس جب میں اس کے قریب بیٹھ گیا، تو اس نے کہا، اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور مہر کے ساتھ رشتہ بنا۔ میں اس سے کھڑا ہو گیا۔ یا اللہ! تجھے یقیناً علم ہے کہ میں نے یہ عمل صرف اور صرف تیری رضا کے لیے کیا ہے۔ پس ہمارے لیے اس غار سے کچھ کشادگی فرما دے۔ پس ان کے لیے مزید کشادگی فرما دی گئی۔

تیسرے نے عرض کیا، اے اللہ! میں نے ایک مزدور کو ایک فرق چاول مزدوری پر رکھا۔ جب اس نے اپنا کام پورا کر لیا، تو کہا کہ میرا حق مجھے دے دو؟ میں نے اسے فرق دینا چاہا، تو وہ منہ پھیر کر چلا گیا۔ پس میں اس کے پیچھے زراعت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس سے گائے اور ان کے چرواہے میرے پاس جمع ہو گئے۔ پس وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا، اللہ سے ڈر اور میرے حق میں مجھ پر ظلم نہ کر۔ میں نے کہا، وہ گائے اور ان کے چرواہے لے جاؤ۔ اس نے کہا کہ اللہ سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے کہا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کر رہا۔ وہ بیل اور ان کے چرواہے لے جاؤ۔ اس نے انہیں لیا اور چلا گیا۔ اے میرے پروردگار! اگر تیرے علم میں میرا یہ عمل تیری رضامندی کے لیے تھا، تو ہمارے لیے باقی راستہ بھی کھول دے۔ اللہ نے باقی راستہ بھی کھول دیا اور وہ غار سے نکل کر چل دیئے[1]۔

---

[1] صحیح مسلم۔ رقم: ۲۷۴۳

(۵)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جنگ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک مقام پر اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ راستے میں ایک شخص ملے گا، جس نے تین دن سے شیطان کی مخالفت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ چنانچہ صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ابھی تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ اس بیابان میں ایک شخص کو دیکھا، جس کا گوشت ہڈیوں سے چپکا ہوا تھا، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں، ہونٹ جنگل کی گھاس کھانے کی وجہ سے سبز ہو چکے تھے۔ جیسے ہی وہ شخص آگے بڑھا، اس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں پوچھا؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعارف کرایا۔ چنانچہ اس شخص نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے اسلام کی تعلیم دی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کہو! اشهد ان لا اله الا الله، و انی رسول الله۔ چنانچہ اس نے ان دونوں شہادتوں کا اقرار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھنا، ماہ رمضان المبارک میں روزے رکھنا۔ اس نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں بیت اللہ شریف کا حج کرنا، صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ ادا کرنا اور غسل جنابت کرنا۔ اس شخص نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھ گئے، وہ شخص بھی ساتھ تھا، لیکن اس کا اونٹ پیچھے رہ گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹھہر گئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس شخص کو تلاش کرنے لگے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دیکھا کہ اس شخص کے اونٹ کا پاؤں جنگلی چوہوں کے بل میں دھنس گیا اور اونٹ گر گیا، گرنے کی وجہ سے اونٹ اور اس سوار کی گردن ٹوٹ گئی اور دونوں ہی ختم ہو گئے۔ چنانچہ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دی گئی۔

جیسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً حکم دیا کہ ایک خیمہ لگایا جائے اور اس سوار کو غسل دیا جائے۔ غسل کے بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیمہ میں تشریف لائے اور اس کو کفن پہنایا، خیمہ سے باھر نکلے اور صحابہ کرام سے فرمایا کہ یہ دیہاتی شخص بھوکا اس دنیا سے گیا ہے۔ یہ وہ شخص تھا جس نے توبہ کی اور ایمان لایا، اس نے ایمان کے بعد کسی پر ظلم وستم نہیں کیا، خود کو گناہوں سے آلودہ نہ کیا، جنت کی حوریں بہشتی پھلوں کے ساتھ اس کی طرف آئیں اور پھلوں سے اس کا منہ بھر دیا۔ ان میں ایک حور کہتی تھی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے اس کی زوجہ قرار دیں اور دوسری کہتی تھی کہ مجھے اس کی زوجہ قرار دیں [۱]۔

(۶)۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام لڑائیوں میں حاضر رہا، مگر غزوہ بدر اور غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گیا۔ غزوہ بدر میں پیچھے رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا عتاب نہیں ہوا۔ جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غرض یہ تھی کہ قافلہ قریش کا تعاقب کیا جائے، دشمنوں کو اللہ تعالیٰ نے اچانک حائل کر دیا اور جنگ ہو گئی۔ جنگ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے قبل کبھی بھی میرے پاس دو سواریاں جمع نہیں ہوئی تھیں مگر اس غزوہ کے وقت میرے پاس دو سواریاں تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ جب کہیں جنگ کا خیال کرتے تو صاف صاف پتہ نشان اور جگہ نہیں بتاتے تھے بلکہ کچھ گول مول الفاظ میں ظاہر کرتے تھے تاکہ کوئی دوسرا مقام سمجھتا رہے۔ جب غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہونے کا وقت آیا تو شدید

۱۔ بحار الانوار۔ صفحہ نمبر ۲۸۲

گرمی تھی، راستہ طویل اور بے آب و گیاہ تھا، دشمن کی تعداد زیادہ تھی۔ لہٰذا آپ ﷺ نے مسلمانوں کو پورے طور پر آگاہ کر دیا کہ ہم تبوک جا رہے ہیں تا کہ تیاری کر لیں۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ کثیر تعداد میں مسلمان موجود تھے مگر کوئی ایسا رجسٹر نہیں تھا کہ اس میں سب کے نام لکھے ہوئے ہوں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں تھا کہ جو اس لڑائی میں شریک ہونا نہ چاہتا ہو، مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی کرتے تھے کہ کسی کی غیر حاضری حضور نبی کریم ﷺ کو اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی جب تک کہ وحی نہ آئے۔

غرض پیارے نبی ﷺ نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور یہ وقت میوہ کے پکنے کا تھا اور سایہ میں بیٹھنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ سب تیاریاں کر رہے تھے مگر میں ہر صبح کو یہی سوچتا تھا کہ میں تیاری کر لوں گا کیا جلدی ہے، میں تو ہر وقت تیاری کر سکتا ہوں۔ اسی طرح دن گزرتے رہے، ایک روز صبح کو آنحضرت ﷺ روانہ ہو گئے۔ میں نے سوچا ان کو جانے دو اور میں ایک دو دن میں تیاری کر کے راستہ میں آپ ﷺ کے ساتھ شامل ہو جاؤں گا۔ غرض دوسری صبح کو میں نے تیاری کرنی چاہی مگر نہ ہو سکی اور میں یوں ہی رہ گیا۔ تیسرے روز بھی یہی ہوا اور پھر میرا برابر یہی حال ہوتا رہا۔ اب سب لوگ بہت دور نکل چکے تھے، میں نے کئی مرتبہ قصد کیا کہ آپ ﷺ سے جا کر مل جاؤں مگر تقدیر میں نہ تھا، کاش! ایسا کر لیتا۔

چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ کے چلے جانے کے بعد میں جب مدینہ میں چلتا پھرتا تو مجھ کو یا تو منافق نظر آتے یا وہ نظر آتے جو کمزور ضعیف اور بیمار تھے، مجھے بہت افسوس ہوتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے راستہ میں مجھے کہیں بھی یاد نہیں کیا، البتہ تبوک پہنچ کر جب سب لوگوں میں تشریف فرما ہوئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا! کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ بنی سلمہ کے ایک آدمی عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ تو اپنے حسن و جمال پر ناز کرنے کی وجہ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے اچھی بات نہیں کی۔ اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم تو انہیں اچھا آدمی جانتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر خاموش ہو رہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ واپس آ رہے ہیں تو میں سوچنے لگا کہ کوئی ایسا حیلہ بہانہ ہاتھ آ جائے جو آنحضرت ﷺ کے غصہ سے مجھے بچا سکے۔ میں اپنے گھر کے سمجھدار لوگوں سے مشورہ کرنے لگا کہ اس سلسلہ میں کچھ تم بھی سوچو، مگر جب یہ بات معلوم ہوئی کہ آنحضرت ﷺ مدینہ کے بالکل قریب آ گئے ہیں، تو میرے دل سے اس حیلہ کا خیال دور ہو گیا اور میں نے یقین کر لیا کہ جھوٹ آپ ﷺ کے غصہ سے نہیں بچا سکے گا۔ صبح کو آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لے آئے اور آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور دو رکعت نفل ادا فرماتے۔

غزوہ تبوک سے واپسی پر بھی رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لائے اور دو رکعت نفل ادا فرمائے۔ اب جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے آنا شروع کیا اور اپنے اپنے عذر بیان کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے۔ یہ لوگ اسی (۸۰) تھے یا اس سے کچھ زیادہ۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے ان کے عذر قبول کر لئے اور ان سے دوبارہ بیعت لی اور ان

کے لئے دعائے مغفرت فرمائی اور ان کے دلوں کے خیالات کو اللہ کے حوالے کر دیا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں بھی آیا اسلام علیکم کہا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی مسکراہٹ سے جس میں غصہ بھی جھلک رہا تھا جواب دیا اور فرمایا، آؤ! میں سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کعب (رضی اللہ عنہ) تم کیوں پیچھے رہ گئے تھے؟ حالانکہ تم نے تو سواری کا بھی انتظام کر لیا تھا۔ میں نے عرض کیا! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانا درست ہے، میں اگر کسی اور کے سامنے ہوتا تو ممکن تھا کہ اس سے بہانہ وغیرہ کر کے چھوٹ جاتا کیونکہ میں بول بھی خوب سکتا ہوں مگر اللہ گواہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ اگر آج میں نے جھوٹ بول کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کر لیا، تو کل اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعے بتا دے گا، اللہ کی قسم میں قصوروار ہوں حالانکہ مال و دولت میں کوئی بھی میرے برابر نہیں ہے، مگر میں یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی غزوہ میں شریک نہ ہو سکا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ کعب (رضی اللہ عنہ) نے صحیح بات بیان کر دی، اچھا جاؤ اور اللہ کے حکم کا اپنے حق میں انتظار کرو۔

میں اٹھ کر چلا تو بنی سلمہ کے آدمی بھی میرے ساتھ ہو لیے اور کہنے لگے کہ ہم نے تو اب تک تمہارا کوئی گناہ نہیں دیکھا ہے، تم نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کوئی بہانہ پیش کر دیا ہوتا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائے مغفرت آپ رضی اللہ عنہ کے لئے کافی ہوتی۔ وہ برابر مجھے یہی سمجھاتے رہے، یہاں تک کہ میرے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ واپس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤں اور پہلے والی بات کو غلط ثابت کر کے کوئی بہانہ پیش کر دوں۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی اور بھی ہے؟ جس نے میری طرح اپنے گناہ کا اعتراف کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں دو آدمی اور بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہ کا اقرار کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے بھی وہی فرمایا ہے جو کہ تم سے ارشاد کیا ہے۔ میں نے ان کے نام پوچھے؟ تو پتا چلا کہ ایک حضرت مرارہ بن ربیع عمروی رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت ہلال بن امیہ واقفی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ دونوں نیک آدمی تھے اور جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے۔ مجھے ان سے ملنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ غرض ان دو آدمیوں کا نام سن کر مجھے اطمینان ہو گیا اور میں چل دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو منع فرما دیا تھا کہ ان تین آدمیوں سے کوئی کلام نہ کرے مگر دوسرے رہ جانے والے اور جھوٹے بہانے کرنے والوں کے لئے یہ حکم نہیں دیا تھا۔ آخر لوگوں نے ہم سے الگ رہنا شروع کر دیا اور ہم ایسے ہو گئے جیسے ہمیں کوئی جانتا ہی نہیں ہے۔ گویا آسمان و زمین بدل گئے ہیں۔ پچاس راتیں اسی حال میں گزر گئیں۔ میرے دونوں ساتھی تو گھر میں بیٹھ گئے مگر میں ہمت والا تھا، گھر سے باہر نکلتا، نماز باجماعت میں شریک ہوتا، بازار وغیرہ جاتا، مگر کوئی بات نہیں کرتا تھا۔

میں آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھی آتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصلے پر رونق افروز ہوتے، میں سلام کرتا اور مجھے ایسا شبہ ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہونٹ ہل رہے ہیں، شاید سلام کا جواب دے رہے ہیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہی نماز پڑھنے لگتا مگر آنکھ چرا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی دیکھتا رہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ میں جب نماز میں ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دیکھتے رہتے اور جب میری نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منہ پھیر لیا کرتے تھے۔ اس حال میں مدت گزر گئی اور میں لوگوں کی خاموشی سے عاجز آ گیا اور پھر اپنے چچا زاد بھائی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس باغ میں آیا اور سلام

کیا اور اس سے مجھے بہت محبت تھی مگر اللہ کی قسم! اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا اے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ! تو مجھے اللہ اور اس کے رسول کا طرفدار جانتا ہے یا نہیں؟ مگر اس نے جواب نہ دیا۔ پھر میں نے قسم کھا کر یہی بات کہی، مگر جواب نہ ملا! میں نے تیسری مرتبہ یہی کہا، تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے صرف اتنا جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوب معلوم ہے۔ مجھ سے ضبط نہ ہوسکا آنسو جاری ہو گئے اور میں واپس چل دیا۔

میں ایک دن بازار میں جا رہا تھا کہ ایک نصرانی کسان جو ملک شام کا رہنے والا تھا اور اناج فروخت کرنے آیا تھا وہ میرا پتہ لوگوں سے معلوم کر رہا تھا۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا کہ یہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ میرے پاس آیا اور غسان کے نصرانی بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا، جس میں لکھا تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم پر بہت زیادتی کر رہے ہیں، حالانکہ اللہ نے تم کو ذلیل نہیں بنایا ہے۔ تم بہت کام کے آدمی ہو، تم میرے پاس آ جاؤ، ہم تم کو بہت آرام سے رکھیں گے۔ میں نے سوچا یہ دوہری آزمائش ہے اور پھر اس خط کو آگ کے تندور میں ڈال دیا۔

ابھی صرف چالیس راتیں گزری تھیں اور دس باقی تھیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد حضرت حزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مجھ سے آ کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے الگ رہو۔ میں نے کہا کیا مطلب ہے، طلاق دے دوں یا کچھ اور؟ حزیمہ رضی اللہ عنہ نے کہا، بس الگ رہو اور مباشرت وغیرہ مت کرو۔ ایسا ہی حکم میرے دونوں ساتھیوں کو بھی ملا تھا۔ میں نے بیوی سے کہا کہ تم اپنے رشتہ داروں میں جا کر رہو، جب تک اللہ تعالیٰ میرا فیصلہ نہ فرما دے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ میرا خاوند بہت بوڑھا ہے اگر میں اس کا کام کر دیا کروں تو کوئی برائی تو نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کچھ نہیں مگر وہ صحبت نہیں کر سکتا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں تو ایسی خواہش ہی نہیں ہے اور جب سے یہ بات ہوئی ہے روتا رہتا ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے کچھ میرے عزیزوں نے کہا کہ تم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر اپنی بیوی کے بارے میں ایسی ہی اجازت حاصل کر لو تاکہ وہ تمہاری خدمت کرتی رہے، جس طرح حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کی بیوی کو اجازت مل گئی ہے۔ میں نے کہا، اللہ کی قسم! میں کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔ معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا فرمائیں۔ میں نوجوان آدمی ہوں، حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کی مانند ضعیف نہیں ہوں۔

اس کے بعد وہ دس راتیں بھی گزر گئیں اور میں پچاسویں رات کی صبح کو نماز کے بعد اپنے گھر کے پاس بیٹھا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ زندگی اجیرن ہو چکی ہے اور زمین میرے لئے باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہو چکی ہے کہ اتنے میں کوہ سلع پر سے کسی پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ اے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ! تم کو بشارت دی جاتی ہے۔ اس آواز کے سنتے ہی میں خوشی سے سجدہ میں گر پڑا اور یقین کر لیا کہ اب یہ مشکل آسان ہو گئی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز فجر کے بعد لوگوں سے فرمایا کہ اللہ

تعالیٰ نے تم لوگوں کا قصور معاف کر دیا ہے۔اب لوگ میرے پاس اور میرے ان ساتھیوں کے پاس خوشخبری اور مبارکباد کے لئے جانے لگے۔حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے کو بھگاتے ہوئے میرے پاس آئے اور ایک دوسرا آدمی بنی سلمہ کا کوہِ سلع پہاڑ پر چڑھ گیا، اس کی آواز جلدی میرے کانوں تک پہنچ گئی۔اس وقت میں اس قدر خوش ہوا کہ اپنے کپڑے اس کو دے دیئے، حالانکہ میرے پاس ان کے سوا کوئی دوسرے کپڑے نہیں تھے۔میں نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے دو کپڑے لے کر پہنے۔

میں آنحضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جانے لگا، راستہ میں لوگوں کا ایک ہجوم تھا، جو مجھے مبارکباد دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام تمہیں مبارک ہو۔حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں گیا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے اور دوسرے لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ مجھے دیکھ کر دوڑے، مصافحہ کیا، پھر مبارکباد دی۔مہاجرین میں سے یہ کام صرف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کیا۔اللہ گواہ ہے کہ میں ان کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر جب میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے کعب رضی اللہ عنہ! یہ دن تمہیں مبارک ہو۔یہ دن تمہاری پیدائش سے لے کر آج تک سب دنوں سے اچھا ہے۔میں نے عرض کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ معافی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف کیا گیا ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اپنی اس نجات اور معافی کے شکر یہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خیرات نہ کر دوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھوڑا کرو اور کچھ اپنے لئے بھی رکھو کیونکہ یہ تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔میں نے عرض کیا ٹھیک ہے، میں اپنا خیبر کا حصہ روک لیتا ہوں۔پھر میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے سچ بولنے کی وجہ سے نجات پائی ہے۔اب میں تمام زندگی سچ ہی بولوں گا۔اللہ کی قسم! میں نہیں کہہ سکتا کہ سچ بولنے کی وجہ سے اللہ نے کسی پر ایسی مہربانی فرمائی ہو، جیسی مجھ پر کی ہے۔اس وقت سے جب کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی بات کہہ دی، پھر اس وقت سے اب تک میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور میں امید کرتا ہوں کہ زندگی بھر اللہ مجھے جھوٹ سے بچائے گا[۱]۔

(۷)۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ اسلامی تاریخ کا ایک بہت عجیب اور سبق آموز واقعہ ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوقریظہ کا محاصرہ کیا، جو یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا، تو بنوقریظہ نے یہ پیغام بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابی حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ہمارے پاس بھیج دیں، تاکہ ہم اپنے بارے میں ان سے مشورہ کریں۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پیغام کو منظور فرمالیا اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیج دیا۔جب بنوقریظہ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا، تو ان کے مرد وعورت اور بچے بوڑھے سب ہی ان کے آگے رونے اور گڑگڑانے لگے۔ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا دل پسیج گیا۔پھر انہوں نے

۱۔صحیح بخاری۔جلد دوم: رقم: ۱۶۰۵

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر ہم حکم محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مان لیں اور خود کو ان کے حوالہ کر دیں تو ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ اس کے جواب میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حلق پر ہاتھ پھیر کر ظاہر کیا کہ تم ذبح کر دیئے جاؤ گے۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات کہی اور ابھی وہاں سے قدم نہیں اٹھایا تھا کہ میں متنبہ ہوا اور اس بات پر سخت نادم ہوا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں خیانت کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْا اَمٰنٰتِكُمْ [1]

(اے ایمان والو! نہ تو اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو)

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ احساس ندامت و شرمندگی سے بے تاب ہو گئے اور دیوانہ وار مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچے۔ خود کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا اور یہ اعلان کیا کہ جب تک میں توبہ نہ کرلوں اور پھر جب تک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ کرلے مجھ پر کھانا پینا حرام ہے۔

جب نماز کا وقت آتا تو ان کے بیٹے آتے اور ان کو کھول دیتے، پھر جب وہ نماز پڑھ لیتے ان کے ہاتھ باندھ دیتے۔ لوگ ان کے پاس آتے تو کھولنے کے لئے کہتے تو انکار کر دیتے اور فرماتے کہ جب تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود آ کر نہ کھولیں گے میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا۔ چنانچہ مسلسل سات دن تک اسی طرح اس ستون سے بندھے کھڑے رہے، یہاں تک کہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔

آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی۔ اس کے بعد لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے، اب تو اپنے آپ کو کھول لو، انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! جب تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دست مبارک سے مجھے نہیں کھولیں گے میں خود اپنے آپ کو ہرگز نہیں کھولوں گا۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے انہیں کھولا۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا کہ اپنی توبہ کو کامل کرنے کے لئے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مجھے اپنے سارے مال کو خیرات کر دینا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ سارا مال خیرات کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اپنے سارے مال کا تہائی حصہ خیرات کرنا حصول مقصد کے لئے کافی ہے[2]۔

(۸)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کے بعد مسجد سے باہر نکلا تو راستے میں ایک عورت نے مجھ سے دریافت کیا کہ مجھ سے ایک گناہ کبیرہ سرزد ہو گیا ہے کیا میں توبہ کر سکتی ہوں؟ میں نے پوچھا، تم نے کیا گناہ کیا ہے؟ عوت نے جواب دیا کہ مجھ سے بدفعلی کا ارتکاب ہو گیا اور پھر جب اس کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہوا تو میں نے اسے ہلاک کر دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے کہا کہ تو تو برباد ہو گئی، تیرے لیے توبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ سنتے ہی وہ عوت بے ہوش ہو کر گر گئی اور میں اپنے رستے پر چل پڑا۔ پھر میرے دل میں خیال آیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغیر

۱۔ سورۃ الانفال: آیت نمبر ۲۷

۲۔ مشکوۃ شریف۔ جلد سوم: رقم: ۶۱۱

پوچھے کیوں یہ بات کہہ دی۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام واقعہ بتایا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم نے بہت برا کیا، کیا تم اس آیت کے بارے مین نہیں جانتے؟

إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا [1]

(جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو خدا نیکیوں سے بدل دے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سنتے ہی میں اس عورت کو ڈھونڈنے کی غرض سے باہر نکلا اور ہر ایک سے اس عورت کے بارے میں پوچھنا شروع کیا اور اس قدر پریشان ہوا کہ بچوں نے مجھے دیوانہ سمجھنا شروع کر دیا۔ آخر کار مجھے وہ عورت مل گئی۔ جب میں نے اسے قرآن پاک کی متعلقہ آیت سنائی تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور اسی خوشی میں اس نے اپنا باغ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے صدقہ کر دیا[2]۔

(۹)۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ پاک کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ اچانک آپ رضی اللہ عنہ کو ایک نوجوان دکھائی دیا، جو اپنے کپڑوں کے نیچے شراب کی بوتل چھپا کر چلا آ رہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس جوان سے پوچھا اس بوتل میں کیا لے جا رہے ہو؟ نوجوان شرم اور ڈر کی وجہ سے یہ نہ کہہ سکا کہ اس بوتل میں شراب ہے۔ مگر اس نے اپنے دل میں اسی وقت خدا عز وجل سے توبہ کر لی اور دعا مانگی۔ یا اللہ مجھے آج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے شرمندہ اور رسوا ہونے سے بچا لے، میرے عیب کی پردہ پوشی کر لے، میں آئندہ سے کبھی شراب نوشی نہیں کروں گا۔ اس کے بعد نوجوان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیا، امیر المومنین (رضی اللہ عنہ) اس میں سرکہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے دکھاؤ۔ جب بوتل کو کھول کر دیکھا گیا تو واقعتاً شراب سرکہ میں تبدیل ہو چکی تھی[3]۔

(۱۰)۔ عتبہ الغلام ایک ایسا جوان تھا جو اپنی بدفعلیوں کی وجہ سے کافی شہرت رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ قرآن پاک کی آیت

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ [4]

(کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے ڈریں) کی تفسیر فرما رہے تھے۔ اس جوان نے پوچھا کہ اے شیخ کیا مجھ بدبخت کی رب رحیم توبہ قبول کرے گا؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ہاں ضرور قبول کرے گا۔ اس نوجوان نے سر اٹھا کر اس وقت تین دعائیں مانگیں:

(i)۔ اے اللہ اگر تو نے میرے گناہوں کو معاف کر کے میری توبہ قبول کر لی ہے تو ایسے حافظے اور عقل سے میری عزت

۱۔ سورۃ الفرقان: آیت: ۷۰

۲۔ مکاشفۃ القلوب از ابو الحامد محمد الغزالیؒ۔ صفحہ نمبر ۸۶، ۸۷

۳۔ مکاشفۃ القلوب از ابو الحامد محمد الغزالیؒ۔ صفحہ نمبر ۸۶

۴۔ سورۃ الحدید: آیت نمبر: ۱۶

افزائی فرما کہ میں قرآن مجید اور علوم دین میں سے جو بھی سنوں وہ یاد ہو جائے۔

(ii)۔ اے اللہ مجھے ایسی آواز عطا فرما کہ میری قراءت سن کر سخت سے سخت دل بھی موم ہو جائے۔

(iii)۔ اے اللہ عزوجل مجھے رزق حلال ایسے طریقہ سے عطا فرما جس کا میں تصور بھی نہ کر سکوں۔

اللہ عزوجل نے عتبہ کی تینوں دعائیں قبول فرمائیں، اس کی فہم و فراست بڑھ گئی۔ اس کی تلاوت قرآن پاک سن کر ہر گناہ گار گناہوں سے توبہ کر لیتا تھا اور خدا تعالیٰ اسے عالمِ غیب سے رزق عطا فرماتا رہا [1]۔

(۱۱)۔ حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا! کہ میں ایک قصہ خواں کی مجلس میں جایا کرتا تھا۔ تو اس کے کلام نے میرے دل پر اثر کیا۔ جب میں اٹھا تو میرے دل میں کوئی چیز باقی نہ رہی۔ دوبارہ آیا تو اس کے کلام نے میرے دل میں اثر کیا۔ حتیٰ کہ میں اپنے گھر کی طرف لوٹا۔ پس میں نے مخالفت کے تمام آلات توڑ دیے اور طریقت کی راہ کو اختیار کر لیا۔ یہ واقعہ حضرت یحیٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک چڑیا نے کونج کا شکار کیا اور کئی مرتبہ یہی فرمایا۔ انہوں نے چڑیا سے قصہ گو مراد لیا اور کونج سے حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ مراد لیے [2]۔

(۱۲)۔ حضرت ابوعمرو نجید رحمۃ اللہ علیہ اپنے ابتدائی مراحل میں حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں جاتے تھے۔ ان کے کلام نے ان پر اثر کیا، چنانچہ انہوں نے توبہ کر لی۔ پھر ان سے سستی ہو گئی، چنانچہ جب وہ حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے تو ان سے بھاگ جاتے اور ان کی مجلس سے دور رہنے لگے۔ ایک دن وہ حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے آ گئے، تو دوسرے راستے پر چلے گئے۔ حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ ان کے پیچھے چلے اور چلتے رہے حتیٰ کہ ان تک پہنچ گئے اور فرمایا! کہ اے بیٹے! جو شخص تجھ سے معصوم ہونے کی وجہ سے محبت کرتا ہو، تو اس شخص کی صحبت اختیار نہ کر۔ ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ تجھے اس حالت میں بھی نفع پہنچا سکتا ہے۔ پس حضرت ابو عمرو نجید رحمۃ اللہ علیہ نے توبہ کی۔ دوبارہ ان کی ارادت اختیار کی اور اس پر قائم رہے [3]۔

(۱۳)۔ حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی مرید نے توبہ کی، پھر اس سے سستی ہو گئی۔ ایک دن وہ سوچ رہا تھا کہ اگر دوبارہ توبہ کرے تو اس کا حکم کیا ہو گا۔ غیبی آواز دینے والے نے آواز دی، اے فلاں! تم نے ہماری اطاعت کی تو ہم نے قبول کی، پھر تم نے چھوڑ دی تو ہم نے تمھیں مہلت دی اور اگر دوبارہ ہماری طرف آؤ گے تو ہم تمھیں قبول کریں گے۔ چنانچہ وہ نوجوان اپنے ارادے کی طرف لوٹ گیا اور اس پر قائم رہا [4]۔

(۱۴)۔ امت مسلمہ کے ابتدائی دور میں ایک مشہور ڈاکو ڈاکہ ڈالنے کی غرض سے کسی مکان کی دیوار پر چڑھ رہا تھا کہ اتفاقاً اس وقت مالک

---

[1]۔ مکاشفۃ القلوب از ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ صفحہ نمبر ۸۹

[2]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۰

[3]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۰

[4]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۰

مکان تلاوت قرآن مجید میں مشغول تھا۔اس نے یہ آیت پڑھی:

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ[1]

(کیا ایمان لانے والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں؟)

جونہی یہ آیت اس نے سنی تو اللہ عزوجل کے خوف سے کانپنے لگا اور پکارنے لگا، اے میرے رب! اب اس کا وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ روتا ہوا دیوار سے اتر پڑا اور ایک سنسان کھنڈر نما مکان میں جا بیٹھا۔ ساری رات روتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ پھر اس نے سچی توبہ کی اور توبہ کی پختگی کی خاطر ارادہ کیا کہ اب ساری زندگی بیت اللہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاروں گا۔ وہاں علم حدیث پڑھنا شروع کیا، یہاں تک کہ اپنے وقت کا بلند پایہ محدث بنا[2]۔

(۱۵)۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک گلی سے گزر رہا تھا۔ ایک دروازہ کھلا، میں نے دیکھا کہ کوئی آٹھ نو سال کا بچہ ہے اور اس کی ماں خفا ہو کر اس کو مار رہی ہے، اس کو دھکے دے رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ تو نافرمان بن گیا ہے، میری کوئی بات نہیں سنتا، کوئی کام نہیں کرتا، دفع ہو جا یہاں سے۔ یہ کہہ کر ماں نے جو دھکا دیا تو وہ بچہ گھر سے باہر آ گیا۔

ماں نے دروازے کی اندر سے کنڈی لگالی۔ میں وہیں کھڑا رہا کہ دیکھوں اب کیا ہوتا ہے؟ بچہ رو رہا تھا چونکہ مار پڑی تھی۔ خیر وہ اٹھا اور کچھ سوچتا سوچتا ایک طرف کو چلنے لگا، چلتے چلتے وہ گلی کے موڑ پر پہنچا، وہاں کھڑے ہو کر کچھ سوچتا رہا، پھر واپس آنا شروع کر دیا اور چلتے چلتے اپنے گھر کے دروازے پر آ کر بیٹھ گیا، تھکا ہوا تھا، رو بھی کافی دیر سے رہا تھا، دہلیز پر سر رکھا، نیند آ گئی، وہیں سو گیا۔

چنانچہ کافی دیر کے بعد اس کی والدہ نے کسی کام کیلئے دروازہ کھولا تو کیا دیکھتی ہے کہ بیٹا دہلیز پر سر رکھے پڑا ہوا ہے۔ والدہ کا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا، وہ پھر ناراض ہونے لگی اور کہنے لگی، چلا جا یہاں سے، دور ہو جا میری نگاہوں سے۔

جب ماں نے پھر اسے ڈانٹا تو وہ بچہ کھڑا ہو گیا، اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہنے لگا، اماں! جب مجھے تو نے گھر سے دھتکار دیا تھا، میں نے سوچا تھا میں چلا جاؤں گا، میں بازار جا کر بھیک بھی مانگ لوں گا، مجھے کچھ نہ کچھ کھانے کو بھی مل جائے گا۔ اماں میں نے سوچا تھا کہ میں کسی کے جوتے صاف کر لوں گا، کسی کے گھر کا نوکر بن جاؤں گا، مجھے رہنے کے لیے جگہ بھی مل جائے گی اور کھانا بھی مل جائے گا۔ اماں! یہ سوچ کر میں گلی کے موڑ تک چلا گیا تھا، مگر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ مجھے دنیا کی سب نعمتیں مل جائیں گی لیکن اماں جو محبت مجھے تو دے سکتی ہے یہ محبت مجھے کہیں نہیں مل سکتی۔ اماں میں یہ سوچ کر واپس آ گیا ہوں۔ اماں میں اسی در پر پڑا رہوں گا، تو مجھے دھکے دے یا مارے، میں کہیں نہیں جاؤں گا۔

جب ماں نے یہ بات سنی تو اس کی ممتا جوش میں آ گئی، اس نے بچے کو سینے سے لگایا اور کہا، اے میرے بیٹے! اگر

---

[1]۔ سورۃ الحدید: آیت: ۱۶

[2]۔ مکاشفۃ القلوب از ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ صفحہ نمبر ۸۹

تیرے دل میں یہ کیفیت ہے کہ جو محبت میں تجھے دے سکتی ہوں وہ کوئی نہیں دے سکتا، تو میرے بچے میرا دروازہ بھی تیرے لئے کھلا ہے۔ اس نے بیٹے کو معاف کر دیا اور محبت سے اپنی آغوش میں چھپا لیا۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب گناہ گار بندہ اس احساس کے ساتھ رب کے دروازے پر آتا ہے اور اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہے، اپنے ربّ سے معافی مانگتا ہے، اس سے رحم کی امید رکھتے ہوئے سچی توبہ کرتا ہے، تو پھر پروردگار عالم بھی اسی طرح اپنے بندے کو معاف فرما دیتا ہے اور اس کے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے[1]۔

(۱۶)۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ اپنے شاگردوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر دریائے نیل میں جا رہے تھے کہ سامنے سے ایک دوسری کشتی آئی جس میں لوگ خوب گا بجا رہے تھے۔ انہوں نے کشتی میں طرح طرح کی شرارتوں سے ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں نے عرض کیا کہ ان لوگوں کے لیے بددعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو غرق کر دے اور ان کی نحوست سے اپنی مخلوق کو پاک فرمائے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ اسی وقت اٹھے اور اللہ پاک سے یہ دعا فرمائی: اے میرے خدا! ان لوگوں کو تو نے جیسے اس دنیا میں خوشی عطا فرما رکھی ہے اسی طرح آخرت میں بھی ان کو خوش رکھنا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد یہ دعا سن کر حیران ہوئے۔ اتنے میں وہ کشتی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بالکل سامنے آ گئی۔ ان لوگوں نے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے ہی سخت ندامت و پشیمانی کا اظہار کیا۔ اپنے آلات لہو و لہب کو دریا میں پھینک دیا اور توبہ کر کے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ارادت مندوں میں شامل ہو گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ تم نے دیکھ لیا۔ سب کی مراد پوری ہو گئی۔ تمہاری مراد بھی پوری ہو گئی اور وہ بھی اپنی مراد کو پہنچ گئے[2]۔

(۱۷)۔ حضرت ابو علی شفیق بن ابراہیم ازدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بوڑھا آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے شیخ میں بہت زیادہ گناہ گار ہوں اور توبہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا کہ بابا بہت دیر سے آئے ہو۔ اس بوڑھے نے جواب دیا نہیں بلکہ بہت جلد آ گیا ہوں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ جلد کیسے آ گئے ہو؟ بوڑھے نے جواب دیا کہ جو شخص موت سے پہلے توبہ کے لیے آ جائے وہ جلدی آنے والا ہے اگرچہ کتنا ہی دیر لگا کر آئے[3]۔

---

[1]۔ گناہوں سے توبہ کیجئے از حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندیؒ۔ صفحہ نمبر ۷۹-۸۰

[2]۔ گناہوں سے توبہ کیجئے از حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندیؒ۔ صفحہ نمبر ۷۹-۸۰

[3]۔ گناہوں سے توبہ کیجئے از حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندیؒ۔ صفحہ نمبر ۷۹-۸۰

۲

مقامِ تقویٰ

۱۔ تقویٰ کا تعارف

(۱)۔ پرہیزگاری (تقویٰ) سلوک کا ایک بلند مقام ہے۔ جس کا مطلب گناہوں سے بچنا ہے۔ جب انسانی دل پر نورِ ایمان نازل ہوتا ہے، تو وہ انسان کو شک وشبہ میں ڈالنے والی چیزوں سے روکتا ہے۔ انہی شک وشبہ میں ڈالنے والے امور سے بچنا مقام تقویٰ ہے۔ اسے ورع بھی کہتے ہیں۔

(۲)۔ تقویٰ کا حکم اور اس کی اہمیت قرآن مجید میں جس قدر بیان ہوئی ہے، غالباً کسی اور چیز کا اتنا بیان نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کا مقام بہت بلند ہے۔ قرآن پاک کے مطابق تقویٰ کے دو معنی ہیں: ایک ڈرنا، دوسرا بچنا۔ غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود تو گناہ سے بچنا ہی ہے، مگر سبب اس کا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے۔ کیونکہ جب کسی چیز کا خوف دل میں ہوتا ہے، تب ہی اس سے بچا جاتا ہے۔

۲۔ تقویٰ کا قرآنی مفہوم

قرآن پاک میں تقویٰ کے بارے میں بہت کچھ بیان ہوا ہے۔ چند آیات یہ ہیں:

(۱)۔ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ [۱]

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے)

اس آیت کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ایسا تقویٰ (ورع) اختیار کرو، جو اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہو۔ لیکن اس سے یہ مراد نہیں ہے کیونکہ انسان اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ انسان کی طاقت کے مطابق جو تقوٰی خدا کی شان کے لائق ہے اس کو بجالاؤ۔ آیت میں یہی معنی مراد ہیں۔

(۲)۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ [۲]

(پس جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو)

جتنا تقویٰ تم سے اس وقت ہوسکتا ہے، اس کو اختیار کرو۔ پھر ترقی کرتے رہو، یہاں تک کہ حق تقویٰ حاصل ہوجائے۔ اس آیت نے پہلی آیت کی تفسیر کردی ہے اور واضح کردیا ہے کہ حقِ تقویٰ استطاعت کے مطابق ہے۔

(۳)۔ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

۱۔ سورۃ آلِ عمران: آیت: ۱۰۲

۲۔ سورۃ التغابن: آیت: ۱۶

وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ [1]

(نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق کی طرف کرلو یا مغرب کی طرف۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخرت اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے۔ نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں، تو اسے وفا کریں اور تنگدستی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہی راستباز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں)

اس آیت میں تقویٰ (ورع) کو اجمالاً بیان کر دیا گیا ہے کہ تقویٰ سے کیا مراد ہے:

(i)۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان

(ii)۔ قیامت پر ایمان

(iii)۔ فرشتوں پر ایمان

(iv)۔ آسمانی کتابوں پر ایمان

(v)۔ تمام انبیاء علیہ السلام پر ایمان۔ یہ سب اعتقادیات کے متعلق ہیں

(vi)۔ محبت الٰہی میں مال خرچ کرنا۔ یہ اصلاح قلب سے متعلق ہے

(vii)۔ نماز پابندی سے ادا کرنا۔ یہ جسمانی عبادت ہے

(viii)۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ یہ مالی عبادت ہے

(ix)۔ وعدہ پورا کرنا۔ یہ معاشرت سے متعلق ہے

(x)۔ صبر کرنا۔ یہ اخلاقیات اور سلوک سے متعلق ہے

(xi)۔ یہ کہ ظاہری عبادت کافی نہیں ہے۔ یہ تمام درج بالا باتیں ظاہری طور پر کافی نہیں ہیں بلکہ ان کو دل سے کرنا چاہیے۔ صدقِ دل سے کرنا چاہیے اور اللہ کی رضا کے لیے کرنا چاہیے۔

(۴)۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ [2]

(اور اللہ سے ڈرو اور خوب جان لو کہ ایک روز اس کے حضور تمہاری پیشی ہونے والی ہے)

تقویٰ کی بنیاد یہ ہے کہ انسان کو روزِ قیامت اللہ کے حضور پیش ہونے کا خوف ہو۔

۱۔ سورۃ بقرہ۔ آیت: ۱۷۷

۲۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۰۳

(۵)۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ [1]

(اور اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، سب اللہ کی نظر میں ہے)

اللہ عزوجل سب کچھ سے واقف ہے۔ وہ ہمارے ظاہری اعمال، بلکہ ہماری نیتیں بھی خوب جانتا ہے۔ اللہ عزوجل چونکہ ہر عمل کو دیکھ رہے ہیں، اس لیے ہمیں اللہ عزوجل کا حیا کرنا چاہیے۔

(۶)۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ [2]

(اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تمہارے دلوں کا حال تک جانتا ہے۔ لہٰذا اس سے ڈرو اور یہ بھی جان لو کہ اللہ بردبار ہے۔ چھوٹی باتوں سے درگزر فرماتا ہے)

(i)۔ ہم جو بھی عمل کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل خوب جانتا ہے کہ ہم یہ عمل کیوں کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنی نیتوں کی حفاظت کرنا ہے کہ ہر عمل صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے ہو۔ لیکن انسان سے خطا ممکن ہے۔ اس لیے ہمیں اللہ سے معافی بھی مانگتے رہنا چاہیے اور یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ عزوجل بہت بردبار ہے۔ ہماری چھوٹی موٹی غلطیاں معاف فرماتا رہتا ہے۔

(ii)۔ تقویٰ کی بنیاد اللہ عزوجل کی ذات کا شعور ہے۔ اس کا خوف ہے۔ اس کے سامنے کھڑے ہونے کا احساس ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی جاننا چاہیے کہ اگر ہم نے تقویٰ میں سخت کوتاہی کی، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، انسان کا حق مارا، تو پھر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے لیے ہمیں تیار رہنا چاہیے۔

(۷)۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ [3]

(اور اللہ سے ڈرو! اس کی سزا بہت سخت ہے)

اس ارشادِ ربانی میں اہل ایمان کو سخت تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہیں۔ اس حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ لیکن خطاؤں پر معاف فرمانے والا غفور و رحیم بھی ہے۔

(۸)۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ [4]

(اور اللہ کا قانون توڑنے سے ڈرو! اللہ کو حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی)

اللہ عزوجل کے انصاف میں کسی حکمت کے سبب تاخیر ہوسکتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ بردبار ہے۔ رحم کرنے والا ہے۔

۱۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۳۳

۲۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۳۵

۳۔ سورۃ المائدہ: آیت: ۲، سورۃ الحشر: آیت: ۷

۴۔ سورۃ المائدہ: آیت: ۴

(۹)۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[۱]

(پس اے لوگو! جو عقل رکھتے ہو، اللہ سے ڈرو! تا کہ فلاح پاو)

(i)۔ تقویٰ اختیار کرنا عقل کا تقاضا ہے۔ عقل تسلیم کرتی ہے کہ اللہ عز وجل عظیم ہے، رحیم ہے، خالق ہے، رب ہے۔ اس لیے اس کا حیا کرنا چاہیے اور یہ بہت بڑی بے عقلی کی بات ہے کہ انسان اللہ کی ذات کا شعور نہ رکھے۔ اس کی شان میں گستاخیاں کرے۔ نافرمانیاں کرے۔

(ii)۔ انسان کی فلاح بھی تبھی ممکن ہے، جبکہ انسان اللہ کے احکامات پر عمل کرے اور اللہ تعالیٰ سے محبت رکھے۔

(۱۰)۔ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ[۲]

((عیسیٰؑ نے) کہا، اللہ سے ڈرو! اگر تم مومن ہو)

اس آیت میں ایمان اور تقویٰ کا تعلق بیان کیا گیا ہے۔ ایمان لانے کا تقاضا ہے کہ اللہ کی ذات کا شعور ہمیں ہر لمحہ حاصل رہے۔ ایمان اللہ عز وجل کا حیا سکھاتا ہے اور یہی اصل میں تقویٰ ہے۔

(۱۱)۔ وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ[۳]

(اور میں تمہارا رب ہوں، پس مجھ ہی سے ڈرو!)

اللہ عز وجل پیار سے فرماتے ہیں کہ میں ہی تمہارا رب ہوں۔ تمہیں پالتا ہوں۔ اس لیے میرا حق ہے کہ میری ذات سے تمہارا تعلق ہو، محبت ہو، حیا ہو، اطاعت ہو۔

(۱۲)۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا[۴]

(اے لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس میں باپ اپنے بیٹے کے کام آئے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آئے گا)

اس آیت میں اللہ عز وجل حکم دے رہا ہے کہ اے انسان تجھے میرا خیال رکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ تم نے ایک دن میرے پاس آنا ہے۔ روز محشر میں میرے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ وہ بہت سخت دن ہوگا۔ وہاں کوئی محبت و تعلق کام نہیں آئے گا۔ حتیٰ کہ باپ اپنے بیٹے کو بھی نہیں بچا سکے گا اور نہ ہی بیٹا اپنے باپ کو بچا سکے گا۔

(۱۳)۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ[۵]

۱۔ سورۃ المائدہ: آیت:۱۰۰

۲۔ سورۃ المائدہ: آیت:۱۱۲

۳۔ سورۃ المومنون: آیت:۵۲

۴۔ سورۃ لقمٰن: آیت:۳۳

۵۔ سورۃ الحدید: آیت:۲۸

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لاؤ! اللہ تمھیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ عطا فرمائے گا اور تمھیں وہ نور بخشے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے اور تمہارے قصور معاف کر دے گا)

جو لوگ اللہ عزوجل کے بارے میں تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اللہ عزوجل ان کو دوگنا رحمت عطا کرتا ہے۔ اپنی ہدایت کا نور عطا فرماتا ہے۔ غلطیاں کوتاہیاں معاف فرما دیتا ہے۔ یہ تقویٰ کے فائدے ہیں، جو اللہ عزوجل انعام کے طور پر عطا کرتا ہے۔

(۱۴)۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ [۱]

(اللہ تو متقیوں ہی کے (اعمال) قبول کرتا ہے)

اعمال قبول کرنا اللہ عزوجل پر منحصر ہے۔ یہ اس کا فیصلہ ہے کہ وہ کس کے اعمال قبول کرتا ہے اور کس کے مردود کرتا ہے۔ تقویٰ اختیار کرنے والوں کے اعمال کی قبولیت کا اللہ عزوجل نے اس آیت مبارکہ میں خود اعلان فرمایا ہے۔

(۱۵)۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ [۲]

(اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے)

تقویٰ کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی مدد و نصرت حاصل ہوتی ہے۔

(۱۶)۔ وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ [۳]

(اللہ متقیوں کا دوست ہے)

اللہ کے فرمانبرداروں اور اس سے ڈرنے والوں کا حامی و ناصر اللہ پاک ہوتا ہے، جو انسانوں کے سب کام سیدھے کیے جاتا ہے اور اس کی یہ مدد ہمیشہ رہنے والی ہے، جو اس دنیا کے علاوہ آخرت میں بھی کام آئے گی۔

(۱۷)۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ [۴]

(بیشک اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے)

اس آیت میں واضح طور پر فرما دیا گیا ہے کہ تقویٰ و پرہیز گاری رب تعالیٰ کے ہاں محبوب و مقبول بننے کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ پس انسان تقویٰ و پرہیز گاری اور عدل و انصاف میں جتنا آگے بڑھتا اور ترقی کرتا جائے گا، اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے شرف سے مشرف ہوتا جائے گا۔

(۱۸)۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ [۵]

۱۔ سورۃ المائدہ: آیت: ۲۷

۲۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۱۹۴، سورۃ والتوبہ: آیت: ۳۶، ۱۲۳

۳۔ سورہ الجاثیہ: آیت: ۱۹

۴۔ سورۃ التوبہ: آیت: ۷

۵۔ سورۃ الحجرات: آیت: ۱۳

(بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے)

نسلی بنیادوں پر اپنی بڑائی جتانے کا کوئی جواز نہیں بنتا کیونکہ یہ چیز بندے کے اپنے اختیار میں نہیں۔ جو چیز کسی کے اختیار میں نہ ہو، وہ معیارِ فضیلت نہیں بن سکتی۔ اسی لئے یہاں پر فضیلت و بندگی کا معیار تقویٰ و پرہیزگاری کو قرار دیا گیا ہے، جو کہ انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔ انسان جتنا زیادہ پرہیزگار اور متقی ہوگا، خدا سے ڈرنے والا ہوگا، اتنا ہی زیادہ خدا کے ہاں معزز اور محبوب ہوگا۔

(۱۹)۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ[۱]

(اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ اجر اس کے لیے ہے، جو اپنے پروردگار سے ڈرا)

(i)۔ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا اور اس نے ہمیشہ اس کا پاس ولحاظ رکھا کہ میرا رب جو کہ میرا خالق و مالک بھی ہے اور منعم و وہاب بھی، وہ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔ مجھ سے ایسا کوئی کام نہ ہو جائے، جو اس کی رضا کے خلاف ہو۔ پس اللہ عزوجل ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

(ii)۔ یہی وہ سب سے بڑا مقصدِ حیات ہے جو ایک صالح انسان اپنے سامنے رکھتا ہے۔ جس کی تمنا و آرزو ہر بندہ مومن کرتا ہے کہ اسے اس سے نوازا جائے۔ یعنی کہ اس کا خالق و مالک اس سے راضی ہو جائے۔ رب کی رضا ہی اصل مقصود اور دارین کی سعادت و سرخروئی اور حقیقی کامیابی کی ضامن و کفیل ہے۔

(iii)۔ خوف وخشیت خداوندی وہ بنیادی چیز ہے، جس پر انسان کی حقیقی کامیابی اور دونوں جہانوں کی سعادت و سرخروئی کا دارومدار ہے۔

(۲۰)۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا[۲]

(جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے کام میں آسانی فرما دیتا ہے)

اس آیت میں خدائے عزوجل فرما رہا ہے کہ جو انسان مجھ سے ڈرتا ہے، میں اس کے کام میں آسانی فرما دیتا ہوں۔ پس جب خدا تعالیٰ کسی کے کام میں آسانی فرمانے کا اعلان فرما دیتا ہے، تو اس کی ہر تنگی کا کشادگی میں بدل جانا اور ہر مشکل کام میں کامیابی یقینی ہے۔ مگر افسوس کہ انسان اس کے باوجود اتنے آسان اور عظیم الشان نسخے سے ناواقف اور محروم ہے۔

(۲۱)۔ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ[۳]

۱۔ سورۃ البینۃ: آیت: ۸

۲۔ سورۃ الطلاق: آیت: ۴

۳۔ سورۃ ق: آیت: ۳۱

(اور بہشت پرہیزگاروں کے لیے قریب لائی جائے گی کہ کچھ فاصلہ نہ ہوگا)

خداعزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ قیامت کے دن متقی اور پرہیزگار لوگوں کے لئے ایک خاص اعزاز و اکرام کے طور پر جنت کو ان کے بالکل قریب کر دیا جائے گا، تاکہ انہیں اس سے دلی سکون میسر ہو۔ وہ اس کی نعمتوں سے آسانی سے فائدہ اٹھا سکیں۔

(۲۲)۔ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ [۱]

(بے شک پرہیزگار باغات اور چشموں میں ہوں گے)

اس آیت میں خدا تعالیٰ اس بات کا اعلان فرما رہا ہے کہ متقی اور پرہیزگار لوگ ہی آخر کار جنت کے حق دار ہوں گے۔ وہاں پر وہ باغات اور چشموں کے مالک ہوں گے۔

(۲۳)۔ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَعِیْمٍ [۲]

(بے شک پرہیزگار باغات اور نعمتوں میں ہوں گے)

متقی اور پرہیزگار لوگوں کے بہترین انجام کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ جنہوں نے زندگی اپنے رب سے ڈرتے ہوئے اور اس کے احکام کے مطابق گزاری ہوگی۔ زندگی بھر انہوں نے اس کی کوشش کی ہوگی کہ ہمارا رب ہم سے ناراض نہ ہو جائے۔ اسی وجہ سے انہوں نے حق بات کو غور سے سنا اور دل سے قبول کیا اور اپنی طاقت کے مطابق اس پر عمل کیا۔ پس یہ لوگ عظیم الشان باغوں اور طرح طرح کی نعمتوں میں ہوں گے۔ جن کو اس دنیاوی زندگی میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا اور انسان کی عقل ان کے تصور سے عاجز ہے۔

(۲۴)۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى [۳]

(اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور اس نے اپنے نفس کو بری خواہش سے روکا، سو بیشک اس کا ٹھکانا بہشت ہی ہے)

ان آیات کریمہ میں ارشاد ربانی ہے کہ جو اس بات کا خیال کر کے ڈرے کہ مجھے ایک روز اللہ کے سامنے حساب کے لئے کھڑا ہونا ہے اور اسی ڈر سے اپنے نفس کی خواہش پر نہ چلے بلکہ اسے روک کر، اپنے قابو میں رکھے اور احکام الٰہی کے تابع بنائے، تو اس کا ٹھکانا بہشت ہوگا۔

(۲۵)۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ [۴]

۱۔ سورۃ الذٰریٰت: آیت: ۱۵

۲۔ سورۃ الطور: آیت: ۱۷

۳۔ سورۃ النازعات: آیت: ۴۱ - ۴۰

۴۔ سورۃ الرحمٰن: آیت: ۴۶

(اور اس کے لیے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے، دو باغات ہوں گے)

(i)۔ اس ارشاد باری تعالیٰ میں صاف اور صریح طور پر یہ خوشخبری سنائی گئی کہ اپنے رب سے ڈرنے والوں کے لیے دو باغ ہوں گے۔ ایک قلبی و روحانی اور دوسرا ظاہری و مادی۔ دنیا میں وہ دل سے بھی اللہ پاک سے محبت رکھتا اور اس کے احکام بجالاتا تھا اور ظاہری طور پر بھی اس کی ناراضگی اور مخالفت کے کاموں سے بچتا رہتا تھا۔ ایک جنت اس کو نیک اعمال کرنے پر، اور دوسری برے اعمال چھوڑنے پر ملے گی۔

(ii)۔ پس خوف خداوندی حقیقی کامیابی کی اصل بنیاد ہے۔ خوف خداوندی ہی وہ واحد چیز ہے، جو انسان کو حق پر قائم اور مشکلات پر صابر رکھ سکتی ہے۔ ورنہ انسان کو بڑے سے بڑا جرم کرنے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔

(۲۶)۔ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ [۱]

(اور زادِ راہ لے لو، بیشک سب سے بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے اور اے عقل والو! میرا تقویٰ اختیار کرو)

اس آیت پاک میں تقویٰ کو اپنا زادِ راہ بنانے کی تلقین کی گئی ہے اور صحیح بات یہی ہے کہ انسان دو قسم کے سفروں کا مسافر ہے:

(i)۔ وہ سفر جو دنیا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے کرتا ہے

(ii)۔ وہ سفر جو دنیا سے آخرت کی طرف طے کرتا ہے

جس طرح دنیاوی سفر کے لیے زادِ راہ اور مال و متاع کا ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح آخرت کے سفر کے لیے بھی انسان کے پاس زادِ راہ کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔ دنیاوی سفر کا زادِ راہ کھانے، پینے، سواری اور مال و دولت پر مشتمل ہوتا ہے لیکن آخرت کا سفر اپنے خالق حقیقی اللہ تعالیٰ کی پہچان اور اس کی محبت پر مشتمل ہے۔

سفر آخرت کا زادِ راہ ذیل کی وجوہات کی بنا پر انتہائی ضروری ہے

(i)۔ آخرت کا زادِ راہ دل کے اندر رب ذوالجلال کی سزا کا خدشہ پیدا کرنے والا ہے۔

(ii)۔ دنیاوی سفر کا زادراہ تو مصائب و آلام کے ایک ختم ہو جانے والے سلسلے سے نجات کا باعث ہے، لیکن اخروی سفر کا زادراہ عذاب و مشکلات کے ایک دائمی سلسلے سے حفاظت کا ضامن ہے۔

(iii)۔ سفر آخرت کا زادِ راہ ہمیشہ باقی رہنے والا اور ہر قسم کی نقصان دہ چیزوں سے خلاصی دینے والا ہے۔

(iv)۔ سفر آخرت کا زادِ راہ ہمیشہ کے لیے ساتھ رہنے والا اور کبھی بھی جدا نہ ہونے والا ہے۔

(v)۔ آخرت کا سفر مصائب و آلام کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔

(v)۔ پس سفر آخرت کے لیے بہترین زادِ راہ تقویٰ ہی ہے۔

۱۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۱۹۷

۳۔ تقویٰ احادیث کی روشنی میں

(۱)۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اللھم إنی أعوذ بك من العجز والكسل والجبن والبخل والھرم وعذاب القبر اللھم آت نفسی تقواھا وزکھا أنت خیر من زکاھا أنت ولیھا ومولاھا اللھم إنی أعوذ بك من علم لا ینفع ومن قلب لا یخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعوۃ لا یستجاب لھا[1]

(اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں عجز سے، نامردی سے، بخل سے، بڑھاپے کے سبب اعضاء کے ناکارہ اور حواس باختہ ہونے سے اور قبر کے عذاب سے۔ اے اللہ میرے نفس کو اس کی پرہیزگاری عطا کر اور اس کو پاک کر کیونکہ اس کو پاک کرنے والوں میں تیری ہی ذات بہترین ہے تو ہی اس کا کارساز اور مالک ہے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع بخش نہ ہو، اس دل سے جو نہ ڈرے، اس نفس سے جو سیر نہ ہو)

(۲)۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان ایسے مشتبہ امور ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے، آیا وہ حلال ہیں یا حرام؟ پس جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے، وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو پاک کر لیتا ہے۔ جو شخص مشتبہ امور میں جا پڑتا ہے، وہ حرام میں بھی جا پڑتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مثال کے ذریعہ یہ حقیقت سمجھائی کہ سرکاری چراگاہ کی طرح ناجائز کاموں کے لیے بھی آڑ اور باڑ ہے۔ پس جو چرواہا باڑ سے دور اپنے جانور چرائے گا، اس کے جانور چراگاہ میں نہیں گھسیں گے۔ جو شخص اپنے جانور باڑ کے قریب چرائے گا تو ڈر ہے کہ اس کے جانور چراگاہ میں منہ ماریں۔ سنو! ہر بادشاہ کے لیے ایک مخصوص چراگاہ ہوتی ہے۔ سنو! اللہ تعالیٰ کا منع کیا گیا علاقہ اس کے حرام کیے ہوئے امور ہیں۔ سنو! جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ جب وہ سنور جاتا ہے، تو سارا جسم سنور جاتا ہے۔ جب وہ بگڑ جاتا ہے، تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ سنو! وہ دل ہے[2]۔

(۳)۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ چیز چھوڑ دو جو تجھے شک میں ڈالے اور وہ چیز اختیار کرو جو بے کھٹک ہو۔ پس بیشک سچ طمانیت ہے، اور جھوٹ کھٹک ہے[3]۔

(۴)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بندہ اس وقت تک مقامِ تقویٰ حاصل نہیں کر پاتا جب تک کہ وہ حرام سے بچنے کی خاطر شک وشبہ والی اشیا سے بھی پرہیز نہیں کر لیتا[4]۔

۱۔ مشکوٰۃ شریف۔ جلد دوم: رقم: ۹۹۲

۲۔ مشکوٰۃ شریف۔ رقم: ۲۷۶۲

۳۔ مشکوٰۃ شریف۔ رقم: ۲۷۷۳

۴۔ مشکوٰۃ شریف۔ رقم: ۲۷۷۵

(۵)۔ حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: بندہ اس وقت تک کامل پرہیزگاروں کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں کوئی قباحت نہیں ہے تاکہ اس طرح وہ ان چیزوں سے بچ سکے جن میں قباحت ہے[۱]۔

(۶)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی کے اسلام کی خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بے مقصد کاموں کو ترک کر دے[۲]۔

(۷)۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابوذر! جان لو عمل تدبیر کے برابر نہیں، پرہیزگاری اجتناب واحتیاط کے برابر نہیں اور حسب وفضیلت خوش خلقی کے برابر نہیں ہے[۳]۔

(۸)۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اللہ سے ڈرو تم جہاں کہیں بھی ہو اگر تم سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اس کے بعد نیک کام ضرور کرو تاکہ اس برائی کو مٹا دے اور لوگوں سے خوش خلقی کے ساتھ معاملہ کرو[۴]۔

(۹)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین چیزیں آخرت میں ہلاک کرنے والی ہیں۔

جو چیزیں نجات دینے والی ہیں وہ یہ ہیں:

(i)۔ جلوت وخلوت میں، ہر حال میں اور ہر عمل کے وقت اللہ سے ڈرنا

(ii)۔ خوشی وناخوشی (ہر حالت) میں حق بات کہنا

(iii)۔ دولت مندی وفقیری (دونوں حالتوں) میں میانہ روی اختیار کرنا

جو چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں وہ یہ ہیں:

(i)۔ خواہش نفس کہ جس کی پیروی کی جائے

(ii)۔ حرص وبخل کہ انسان جس کا غلام بن جائے

(iii)۔ مرد کا اپنے نفس پر گھمنڈ کرنا اور یہ تیسری چیز ان سب میں بدترین خصلت ہے[۵]

(۱۰)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جانتے ہو کہ لوگوں کو عام طور پر کون سی چیز جنت میں داخل

۱۔ مشکوٰۃ شریف۔ جلد اول: رقم: ۲۴۳

۲۔ سنن ابن ماجہ۔ جلد سوم: رقم: ۸۵۶

۳۔ مشکوٰۃ شریف۔ جلد چہارم: رقم: ۹۹۵

۴۔ مشکوٰۃ شریف۔ جلد چہارم: رقم: ۱۰۱۲

۵۔ مشکوٰۃ شریف۔ جلد چہارم: رقم: ۱۰۴۵

کرتی ہے؟ وہ تقویٰ یعنی اللہ سے ڈرنا اور حسن خلق ہے[۱]۔

(۱۱)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، ایک مرتبہ میں ایک مضبوط اونٹ پر سوار ہوئی تو اسے مارنے لگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عائشہ (رضی اللہ عنہا)! اللہ سے ڈرنا اور نرمی کرنا اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے اسے باعث زینت بنا دیتی ہے[۲]۔

(۱۲)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک شخص کی کثرتِ عبادت اور ریاضت کا تذکرہ کیا گیا جبکہ دوسرے شخص کے شبہات سے بچنے کا تذکرہ کیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی عبادت پرہیز گاری کا مقابلہ نہیں کرسکتی[۳]۔

(۱۳)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی بھیجی ہے کہ جو طلب علم کے لئے راستہ اختیار کرے، تو میں اس پر جنت کے راستے کو آسان کردوں گا۔ جس آدمی کی میں نے دونوں آنکھیں چھین لی ہوں، تو اس دنیاوی نعمت سے محرومی اور اس پر صبر وشکر کی بناء پر میں اس کا بدلہ اسے جنت دوں گا۔ علم کے اندر زیادتی عبادت میں زیادتی سے بہتر ہے اور دین کی جڑ پرہیز گاری ہے[۴]۔

(۱۴)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں سفر میں روانہ ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں، مجھے توشہ عنایت فرمایئے تا کہ اس کی برکت سفر میں توشہ کی مانند میرے ساتھ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تقویٰ کو تمہارا توشہ بنائے[۵]۔

(۱۵)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں قاضی یا عامل بنا کر یمن روانہ فرمایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الوداع کہنے کے لئے کچھ دور تک ان کے ساتھ گئے اور اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو تلقین ونصیحت کرتے رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نصائح وہدایت سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا: معاذ (رضی اللہ عنہ)! میری عمر کے اس سال کے بعد شاید تم مجھ سے ملاقات نہیں کرسکو گے اور ممکن ہے کہ تم جب یمن سے واپس لوٹو تو مجھ سے ملاقات کرنے کے بجائے میری اس مسجد اور میری قبر سے گزرو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یہ سن کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کے غم میں رونے لگے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف سے منہ پھیر کر مدینہ کی جانب اپنا رخ کرلیا اور پھر ارشاد فرمایا: میرے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو پرہیز گار ہیں۔ خواہ وہ کوئی ہوں اور کہیں ہوں[۶]۔

۱۔ مشکوٰۃ شریف۔ جلد چہارم: رقم: ۷۷۰
۲۔ مشکوٰۃ شریف۔ جلد اول: رقم: ۲۴۳
۳۔ جامع ترمذی۔ جلد دوم: رقم: ۴۱۹
۴۔ مشکوٰۃ شریف۔ جلد اول: رقم: ۲۴۳
۵۔ مشکوٰۃ شریف۔ جلد دوم: رقم: ۹۶۸
۶۔ مشکوٰۃ شریف۔ جلد چہارم: رقم: ۱۱۵۲

(۱۶)۔ حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تین چیزوں کے متعلق قسم کھاتا ہوں اور تم لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہوں، تم لوگ یاد رکھنا:

(i)۔ کسی صدقہ یا خیرات کرنے والے کا مال صدقے یا خیرات سے کبھی کم نہیں ہوتا۔

(ii)۔ کوئی مظلوم ایسا نہیں کہ اس نے ظلم پر صبر کیا ہو اور اللہ تعالیٰ اس کی عزت نہ بڑھائے۔

(iii)۔ جو شخص اپنے اوپر سوال (بھیک مانگنے) کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے فقر و محتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

چوتھی بات یاد رکھو کہ دنیا چار اقسام کے لوگوں پر مشتمل ہے:

(i)۔ ایسا شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال اور علم دونوں دولتوں سے نوازا ہو اور وہ اس میں تقویٰ اختیار کرتا ہو، صلہ رحمی کرتا اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہو وہ سب سے افضل ہے۔

(ii)۔ وہ شخص جسے علم تو عطا کیا گیا لیکن دولت سے نہیں نوازا گیا چنانچہ وہ صدق دل کے ساتھ اپنی اس تمنا کا اظہار کرے کہ کاش میرے پاس دولت ہوتی جس سے میں فلاں شخص کی طرح عمل کرتا۔ ان دونوں شخصوں (i) اور (ii) کے لیے برابر اجر و ثواب ہے۔

(iii)۔ ایسا مالدار جو علم کی دولت سے محروم ہو اور اپنی دولت کو ناجائز جگہوں پر خرچ کرے۔ نہ اس کے کمانے میں خدا کے خوف کو ملحوظ رکھے اور نہ اس سے صلہ رحمی کرے اور نہ ہی اس کی زکوٰۃ وغیرہ ادا کرے، وہ شخص سب سے بدتر ہے۔

(iv)۔ ایسا شخص جس کے پاس نہ دولت ہے اور نہ علم لیکن اس کی تمنا ہے کہ کاش میرے پاس دولت ہوتی تو میں فلاں کی طرح خرچ کرتا (مذکورہ تیسرا) وہ شخص بھی اپنی نیت کا مسئول ہے اور ان دونوں (یعنی تیسرے اور چوتھے) کا گناہ بھی برابر ہے[۱]۔

(۱۷)۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے اونٹوں میں موجود تھے کہ اسی دوران ان کا بیٹا عمر آیا۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا، تو فرمایا کہ میں سوار کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جب وہ اترا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ کیا آپ رضی اللہ عنہ اونٹوں اور بکریوں میں رہنے لگے ہیں اور لوگوں کو چھوڑ دیا ہے اور ملک کی خاطر جھگڑ رہے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: خاموش ہو جا! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ اپنے بندے سے پیار کرتا ہے جو پرہیزگار اور غنی ہے اور ایک کونے میں چھپ کر بیٹھا ہے[۲]۔

۱۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۲۱۴۲ (البتہ بعض احادیث میں وارد ہے کہ نیکی کی نیت کا ثواب ملتا ہے مگر برائی کی نیت کا گناہ نہیں ملتا اور گناہ تب ملتا ہے جبکہ گناہ کر لیا جائے)

۲۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۴۱۶۲ (یہ صورت حال صرف خاص حالات کے لیے ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دین و دنیا کے کاموں میں مشغول تھے صرف سیاسی معاملات سے خود کو علیحدہ کر لیا تھا)

(۱۸)۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(i)۔ تدبیر کے برابر کوئی عقل مندی نہیں

(ii)۔ کوئی پرہیزگاری اس کے مثل نہیں ہے کہ آدمی حرام سے باز رہے۔

(iii)۔ کوئی حسب (مال اور پرہیزگاری) اس کے برابر نہیں ہے کہ آدمی کے اخلاق اچھے ہوں[۱]۔

(۱۹)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگ اپنے ان آباؤ اجداد پر فخر کرنے سے باز رہیں، (جو زمانہ جاہلیت میں مر گئے) وہ جہنم کا کوئلہ ہیں اور جو ایسا کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گوبر کے کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائے گا جو اپنے ناک سے گوبر کی گولیاں بناتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے تکبر اور آباؤ اجداد کے فخر کو دور کر دیا ہے۔ اب لوگ یا تو مومن متقی ہیں یا فاجر بدبخت اور نسب کی حقیقت یہ ہے کہ سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے[۲]۔

(۲۰)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اپنے رب ذوالجلال کا تقویٰ اختیار کرو، اپنی پانچ نمازیں پڑھو، اپنے مہینے کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے امیر کی اطاعت کرو اور اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ[۳]۔

(۲۱)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، دھوکہ نہ دو، بغض نہ رکھو، قطع تعلقی نہ کرو اور تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر اپنی بیع نہ کرے اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، اس پر ظلم نہیں کرتا، اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا، اس کی تحقیر نہیں کرتا، تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا[۴]۔

(۲۲)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگو! تقویٰ کو اپنے اوپر لازم کر لو، شیطان تم پر حملہ نہ کر دے، میں صرف محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ ہوں، اللہ کا بندہ اور اس کا پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں، بخدا! مجھے یہ چیز پسند نہیں ہے کہ تم مجھے میرے مرتبے جو اللہ کے یہاں ہے، سے بڑھا چڑھا کر بیان کرو[۵]۔

(۲۳)۔ حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بندہ اس وقت تک پرہیزگار شمار نہیں ہوتا جب تک اپنے نفس کا محاسبہ نہ کرے،

۱۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۲۱۸

۲۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۴۱۶۲

۳۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۱۴۱۹

۴۔ مسند احمد۔ جلد چہارم: رقم: ۵۸۱

۵۔ مسند احمد۔ جلد چہارم: رقم: ۵۸۱

جس طرح اپنے شریک سے کرتا ہے کہ اس نے کہاں سے کھایا اور کہاں سے پہنا[1]۔

(۲۴)۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک روز مسجد نبوی کی طرف تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے ایک بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی اس کی وجہ سے رو رہا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک ہے اور جو اللہ کے کسی ولی سے دشمنی کرے، اس نے اللہ کو جنگ میں مقابلہ کے لئے پکارا اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں ایسے لوگوں کو جو نیک وفرماں بردار ہیں، متقی و پرہیزگار ہیں اور گمنام و پوشیدہ رہتے ہیں کہ اگر غائب ہوں تو ان کی تلاش نہ کی جائے، حاضر ہوں تو آؤ بھگت نہ کی جائے (ان کو بلایا نہ جائے) اور پہچانے نہ جائیں (کہ فلاں صاحب ہیں)۔ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔ وہ ہر تاریک فتنہ سے صاف بے غبار نکل جائیں گے[2]۔

(۲۵)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرا رب فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک متقی بندوں کے لئے ایسی ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جسے کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ ہی کسی کے دل میں اس کا خیال آیا ہے۔ وہ ایسی چیز ہے کہ بہشت کی وہ نعمتیں جن کو تم جانتے ہو ان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ہے[3]۔

۴۔ تقویٰ کی اقسام

تقویٰ کی کئی اقسام ہیں:

حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ دو طرح کا ہوتا ہے

(۱)۔ ظاہری تقویٰ یہ ہے کہ انسان کی حرکت جسمانی بھی صرف رضائے الٰہی کے لیے ہو

(۲)۔ باطنی تقویٰ یہ ہے کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور چیز داخل نہ ہو سکے

۵۔ تقویٰ کے درجے

تقویٰ کے کئی درجے ہیں:

(۱)۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان کفر اور شرک سے بچے۔ چنانچہ جو بندہ کفر وشرک سے بچتا ہے، وہ دائمی عذاب سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد مبارک ہے

---

[1]۔ جامع ترمذی۔ جلد دوم: رقم: ۳۵۷

[2]۔ سنن ابن ماجہ۔ جلد سوم: رقم: ۸۶۹

[3]۔ صحیح بخاری۔ جلد دوم: رقم: ۱۹۸۶

وَاَلۡزَمَهُمۡ كَلِمَةَ التَّقۡوٰى[1]

(اور اللہ نے ان مؤمنوں کو پرہیزگاری کی بات پر قائم کیا)

(۲)۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ تمام گناہوں حتیٰ کہ صغیرہ گناہوں سے بھی اجتناب کیا جائے۔ علمائے اسلام کے نزدیک قرآن پاک کی آیتِ مبارکہ

وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡقُرٰٓى اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا[2]

(اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور پرہیزگار ہو جاتے) میں اسی دوسرے درجہ کا ذکر ہے۔

(۳)۔ تقویٰ کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ ہر چیز میں پوری احتیاط ملحوظ رکھی جائے۔ یہاں تک کہ بعض مباح چیزوں کو بھی احتیاط اور مصلحت کے پیشِ نظر چھوڑ دیا جائے۔ اپنا دل غیر اللہ میں نہ لگایا جائے اور غیر اللہ سے اپنا دھیان ہٹا کر صرف اسی کی طرف متوجہ رکھا جائے۔ اچھے کاموں کو ترک نہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے حرام کئے گئے کاموں کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ پھر جیسے اعمال ہوں گے ویسا ہی تقویٰ پیدا ہوتا رہے گا اور اس تقویٰ کے کمال سے ایمان بھی کامل ہوتا رہے گا۔ حتیٰ کہ درجہ احسان حاصل ہو جائے گا، جو کہ ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے اور یہی تقویٰ کا بھی اعلیٰ درجہ ہے۔ یہی درجہ مطلوب ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں تقویٰ کے اس تیسرے درجے کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ[3]

(اے مؤمنو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے)

۶۔ اعمال کی اقسام

تقویٰ کے حوالے سے انسانی اعمال کی تین قسم کے ہیں:

(۱)۔ ایک وہ جو دین میں نفع دینے والے ہیں۔ ان کو کرنا لازم ہے، خواہ وہ فرض ہوں، واجب ہوں، سنت ہوں یا مستحب

(۲)۔ وہ جو دین میں مضر ہیں۔ ان کو چھوڑنا ضروری ہے، خواہ شریعت نے انہیں حرام قرار دیا ہو یا ناپسندیدہ (مکرہ)

(۳)۔ وہ جن کے کرنے یا ترک کرنے کا حکم نہیں، وہ مباحات ہیں۔ مباحات اپنے اثر کے لحاظ سے دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ دین کے لیے نفع دینے والے ہیں یا نفع دینے والے نہیں ہیں۔ اگر نفع دینے والے ہیں تو اس میں ثواب ملتا ہے۔ اگر وہ نفع نہیں دیتے تو فضول ہیں اور فضولیات کا ترک کر دینا مناسب ہے۔

---

[1]۔ سورۃ الفتاح: آیت: ۲۶

[2]۔ سورۃ اعراف: آیت: ۹۶

[3]۔ سورۃ آلِ عمران: آیت: ۱۰۲

۷۔ اہل تقویٰ کے طبقات

اہل تقویٰ کے تین طبقات ہیں:

(۱)۔ پہلا طبقہ شک و شبہ والے کاموں سے بچتا ہے۔ یہ شبہات حلال و حرام کے واضح احکامات یا مبہم احکامات سے تعلق رکھتے ہیں۔ابنِ سیرینؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میرے لیے تقویٰ سے بڑھ کر کوئی چیز آسان نہیں۔ جب بھی مجھے کسی چیز میں شک ہو جائے، تو بلا تردد اسے ترک کر دیتا ہوں۔ یہ عام تقویٰ ہے۔

(۲)۔ اہل تقویٰ کا دوسرا طبقہ ہر اس شے سے بچتا ہے، جس سے ان کا دل دوری چاہے اور جسے اختیار کرنا انہیں ناگوار ہو۔جیسا کہ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے۔ یہ خاص تقویٰ ہے۔

(۳)۔ اہلِ تقویٰ کا تیسرا طبقہ عارفین کا ہے۔ان کے تقویٰ کی کیفیت کے بارے میں ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ یہ ہے کہ تو ہر اس چیز کو برا سمجھے، جو تجھے اللہ سے دور کر دے۔ یہ خاص الخواص تقویٰ ہے۔

۸۔ نیز خیال رہے کہ ہر شے اور جسمانی اعضاء کا بھی تقویٰ ہے۔آنکھ کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ بُری نگاہ سے کسی شے کو نہ دیکھے۔ زبان کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ کرے، جھوٹ نہ بولے، کسی کو تنگ نہ کرے۔ ہاتھ کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرے، شہوت سے نہ چھوئے۔ پاؤں کا تقویٰ یہ ہے کہ بُری جگہ چل کر نہ جائے۔کان کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ سنے۔ وضع میں بھی تقویٰ ہے کہ خلاف شریعت وضع نہ رکھے۔ پیٹ کا تقویٰ یہ ہے کہ حرام مال نہ کھائے۔

۹۔ تقویٰ کے فوائد

(۱)۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت پانا: تقویٰ کی بدولت انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت والا ہو جاتا ہے۔جس قدر تقویٰ میں بلند ہوتا جاتا ہے، اسی قدر اللہ کریم کے ہاں اس کا مقام و مرتبہ اونچا ہوتا جاتا ہے۔قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ [1]

(اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں جماعتیں اور قبیلے بنا دیا تا کہ تم ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے)

(۲)۔ اللہ تعالیٰ کی دوستی: تقویٰ کے عظیم الشان فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے انسان اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ارشاد پاک ہے:

---

[1] سورۃ الحجرات: آیت: ۱۳

وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ [1]

(اللہ تعالیٰ متقیوں کے دوست ہیں)

(۳)۔ حضور نبی کریم ﷺ کی دوستی: تقویٰ کی جلیل القدر برکات میں سے ایک یہ ہے کہ متقی لوگ رسول کریم ﷺ کے دوست بننے کے عظیم اعزاز سے سرفراز ہوتے ہیں۔اس بارے میں ہمارے پیارے نبی پاک ﷺ کا ارشار مبارک ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا، بلاشبہ میرے یہ اہل بیت سمجھتے ہیں کہ وہ میرے ساتھ تمام لوگوں سے زیادہ تعلق رکھنے والے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ متقی لوگ مجھ سے سب سے زیادہ تعلق رکھنے والے ہیں۔وہ کوئی بھی ہوں اور جہاں سے بھی ہوں [2]۔

(۴)۔ محبوب الٰہی بننا: تقویٰ کے انتہائی بیش قیمت ثمرات میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے ذریعہ بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔یہ حقیقت قرآن پاک کی متعدد آیات مبارکہ میں بیان کی گئی ہے۔ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ [3]

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت کرتا ہے)

(۵)۔ اللہ تعالیٰ کی معاونت و مدد: تقویٰ کی برکات میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نصرت و تائید کے ذریعے اہل تقویٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ان کی حفاظت فرماتا ہے اور ان کے معاملات سدھارنے میں ان کی مدد فرماتا ہے۔قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

(i)۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ [4]

(اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور یقین کرلو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہیں)

(ii)۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ [5]

(یقیناً اللہ تعالیٰ متقی اور نیکی کرنے والے لوگوں کے ساتھ ہیں)

(۶)۔ رحمت خداوندی: اہل تقویٰ کی ایک صفت یہ ہے کہ ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت مخصوص کر رکھی ہے۔قرآن پاک میں ارشاد ہے

۱۔سورۃ الجاثیہ: آیت:۱۹

۲۔صحیح بخاری۔جلد دوم: رقم:۱۹۸۶

۳۔سورۃ التوبہ: آیت:۴

۴۔سورۃ البقرہ: آیت:۱۹۴

۵۔سورۃ النحل: آیت:۱۲۸

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ [1]

(میری رحمت تمام اشیا کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ پس میں اس کو ان لوگوں کے لیے ضرور لکھوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں)

(۷)۔ گناہوں سے معافی: تقویٰ کی بنا پر اللہ پاک بندے کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ [2]

(جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے گا وہ اس کے گناہ معاف فرما دے گا)

(۸)۔ اجر عظیم: تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرنے والوں کو اللہ عزوجل آخرت میں اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ [3]

(اگر تم ایمان لے آؤ اور متقی بن جاؤ تو تمہارے لیے اجر عظیم ہے)

(۹)۔ دشمن کے شر سے اللہ کی حفاظت: برکات تقویٰ میں سے ایک انتہائی قیمتی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کی دشمنوں کے شر سے حفاظت فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا [4]

(اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو ان (دشمن) کے فریب سے تمہارا کچھ نہ بگڑے گا)

(۱۰)۔ مشکل میں آسانی: جو لوگ اللہ عزوجل کا تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اللہ عزوجل ان کی مشکلات آسان فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا [5]

(اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی صورت نکال دیتا ہے)

(۱۱)۔ معاملات میں آسانی: اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کے معاملات میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا [6]

(اور جو اللہ سے ڈرے تو وہ اس کے لئے اس کے کام میں آسانی فرما دیتا ہے)

(۱۲)۔ کاموں کا درست ہونا: تقویٰ کی عظیم المرتبت برکات میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے کام درست

---

[1] سورۃ الاعراف: آیت: ۱۵۶

[2] سورۃ الطلاق: آیت: ۵

[3] سورۃ آل عمران: آیت: ۱۷۹

[4] سورۃ آل عمران: آیت: ۱۲۰

[5] سورۃ الطلاق: آیات: ۲

[6] سورۃ الطلاق: آیت: ۴

فرمادیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًاۙ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ [1]

(اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور بات ٹھیک کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کرے گا اور تمہاری غلطیوں سے درگزر فرمائے گا)

(۱۳)۔ جہنم سے نجات: تقویٰ کی عظیم ترین برکات میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو جہنم کی آگ سے نجات عطا فرمائے گا۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۚ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا [2]

(اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو جہنم پر سے نہ گزرے۔ یہ ایک طے شدہ فیصلہ ہے جسے پورا کرنا آپ کے رب کے ذمہ ہے۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو بچالیں گے اور ظالموں کو اس میں گرادیں گے)

(۱۴)۔ متقیوں کا ٹھکانا جنت: تقویٰ کا ایک عظیم القدر ثمرہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کو ابدی نعمتوں والی جنت کا وارث بنائے گا۔ قرآن پاک کی ذیل کی آیات میں اس بات کی خوشخبری دی گئی ہے:

(i)۔ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا [3]

(یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے پرہیزگاری اختیار کرنے والوں کو بنائیں گے)

(ii)۔ وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ [4]

(اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کی چوڑائی (وسعت) آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے)

(iii)۔ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ [5]

(لیکن جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ ان کے لئے وہ باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ خدا کی طرف سے یہ سامانِ ضیافت ہے اور جو کچھ اس کے پاس ہے سب نیک افراد کے لئے خیر ہی خیر ہے)

---

[1]۔ سورۃ الاحزاب: آیت: ۷۰، ۷۱

[2]۔ سورۃ مریم: آیت: ۷۱، ۷۲

[3]۔ سورۃ مریم: آیت: ۶۳

[4]۔ سورۃ آل عمران: آیت: ۱۳۳

[5]۔ سورۃ آل عمران: آیت: ۱۹۸

(iv)۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآىٕمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا[1]

(جس جنت کا صاحبان تقویٰ سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور اس کے پھل دائمی ہوں گے اور سایہ بھی ہمیشہ رہے گا۔ یہ صاحبان تقویٰ کی آخرت ہے)

(v)۔ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ[2]

(بے شک پرہیزگار لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ انہیں حکم ہوگا کہ تم ان باغات میں سلامتی اور حفاظت کے ساتھ داخل ہو جاؤ)

(۱۵)۔ غیبی رزق ملنا: تقویٰ اختیار کرنے سے اللہ عزوجل اپنے بندے کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴿۲﴾ وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ[3]

(اور صاحبان تقویٰ کے لیے اللہ تعالیٰ مشکل سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے کہ اس کا گمان بھی نہیں ہوتا)

(۱۶)۔ برکات کا حصول: تقویٰ اختیار کرنے کا ایک عظیم فائدہ اللہ رب العالمین کی جانب سے برکات کا حصول ہے۔ ارشاد خداوندی ہے

وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ[4]

(اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقوی اختیار کر لیتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین دونوں طرف سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے)

(۱۷)۔ خدا کے عرش کے سایہ میں جگہ ملنا: قیامت کے دن اللہ عزوجل کے عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ تقویٰ اختیار کرنے والے قیامت کے روز ان خوش نصیب لوگوں میں شمار ہوں گے، جنہیں اللہ پاک اپنے عرش کے سایہ میں جگہ عطا فرمائیں گے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارکہ ہے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس دن اللہ کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا، اس روز اللہ تعالیٰ سات شخصوں کو اپنے سائے میں جگہ دے گا۔

۱۔ سورۃ الرعد: آیت: ۳۵

۲۔ سورۃ الحجر: آیت: ۴۵، ۴۶

۳۔ سورۃ الطلاق: آیت: ۲، ۳

۴۔ سورۃ الاعراف: آیت: ۹۶

(i)۔ عادل حاکم
(ii)۔ وہ جوان، جس نے اللہ کی عبادت کرتے ہوئے نشوونما پائی ہو
(iii)۔ وہ شخص جو مسجد سے نکلتا ہے تو واپس مسجد جانے تک اس کا دل اسی میں لگا رہتا ہے
(iv)۔ ایسے دو شخص جو آپس میں اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں اور اسی پر جدا ہوتے ہیں
(v)۔ وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں بھر آئیں
(vi)۔ وہ شخص جسے حسین وجمیل اور حسب نسب والی عورت برائی کے لیے بلائے اور وہ یہ کہہ کر انکار کردے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں
(vii)۔ ایسا شخص جو اس طرح صدقہ کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے [1]۔

۱۰۔ تقویٰ کے حصول کے طریقے

قرآن وسنت اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ احوال اور معاملات تقویٰ کے حصول میں مدد دیتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱)۔ ایمان: ایمان اور تقویٰ دونوں لازم وملزوم ہیں، پس جس میں ایمان ہوگا وہ تقویٰ ضرور اختیار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کی علامات میں سب سے پہلے علامت ایمان بیان فرمائی ہے ارشاد ربانی ہے

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ [2]

(اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔ یہ پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے۔ جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں)

(۲)۔ نماز کی ادائیگی: توحید کے بعد اسلام کا بنیادی رکن نماز ہے۔ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر نماز کو تقویٰ کے حصول کے ذریعہ کے طور پر بیان فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ

(i)۔ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ [3]

(اور یہ کہ نماز قائم کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور وہی ہے جس کی طرف تمہیں جمع کردیا جائے گا)

(ii)۔ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ [4]

(اور اس کا تقویٰ اختیار کرو اور نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے مت ہوجاؤ)

---

[1]۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۲۲۰۷

[2]۔ البقرہ: آیت: ۲، ۳

[3]۔ سورۃ الانعام: آیت: ۷۲

[4]۔ سورۃ الروم: آیت: ۳۱

(۳)۔ روزے رکھنا: روزہ اسلامی عبادات میں سے ایک اہم عبادت ہے۔ اللہ عزوجل نے اپنی پاک کتاب میں روزے کی فرضیت کا مقصود تقویٰ قرار دیا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [1]

(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ)

(۴)۔ انفاق فی سبیل اللہ: اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا تقویٰ و پرہیز گاری کا سبب بنتا ہے۔ قرآن پاک میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ط وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [2]

(پس جتنا ممکن ہو تقویٰ اختیار کرو اور اس کی بات سنو اور اطاعت کرو اور راہِ خدا میں خرچ کرو کہ اس میں تمہارے لئے خیر ہے اور جو اپنے ہی نفس کے بخل سے محفوظ ہو جائے وہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں)

(۵)۔ تقویٰ کی فرضیت: اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب کی متعدد آیات میں اپنے بندوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ نبی پاک ﷺ کی متعدد احادیث سے بھی اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اس بات کو سمجھنا اور یاد رکھنا ایمان دار شخص کو متقی بنانے میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ کیونکہ بندہ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول پاک ﷺ کے حکم کی فوری تعمیل کے بغیر چارہ کار نہیں۔ پس یہ حکم انسان کو متقی بننے پر مائل کرتا ہے۔

(۶)۔ تقویٰ سے حاصل ہونے والی برکات کو پیش نظر رکھنا: انسان مفید چیز کو پسند کرتا ہے اور اس کے حصول کی رغبت رکھتا ہے۔ اسی طرح نقصان دہ چیز کو ناپسند کرتا ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ تقویٰ کی دنیا و آخرت میں کتنی ہی برکات اور ثمرات ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و تکریم پانا، اللہ تعالیٰ کا ولی بننا، رسول پاک ﷺ کی دوستی کا حاصل ہونا، محبوب الٰہی بننا، رحمت خاصہ سے بہرور ہونے والوں میں شامل ہونا، گناہوں کا معاف ہونا وغیرہ۔ اگر تقویٰ کے یہ فوائد اور ثمرات انسان کی نگاہوں کے سامنے رہیں تو ہر عقل منداس صورت میں ان برکات کے حصول کی خاطر تقویٰ کی راہ پر چلنے کی کوشش کرے گا۔

(۷)۔ معرفتِ خداوندی: معرفتِ خداوندی بھی پرہیز گاری میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔ اس کی بدولت انسان اللہ تعالیٰ، اس کے جود و کرم، فضل و احسان، قدرت و جبروت، اس کے شدید غضب اور سنگین عذابوں سے آگاہ ہو جاتا ہے اور یہ سب کچھ انسان کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لانے پر ابھارتا ہے۔

(۸)۔ نیکی کا راستہ اختیار کرنا: جب انسان نیکی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اس کے لیے پرہیز گاری اختیار کرنا آسان ہو جاتا ہے کیونکہ یہ سنت الٰہیہ ہے جو کوئی راہ ہدایت پر آئے، اللہ تعالیٰ اس کو مزید ہدایت عطا فرماتا ہے اور اس کے لیے نیکی پر عمل کرنا آسان فرما دیتا ہے۔

۱۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۱۸۳

۲۔ سورۃ التغابن: آیت: ۱۶

(۹)۔ اللہ عزوجل کی عبادت کرنا: اللہ عزوجل کی عبادت کرنے سے انسان کے تقویٰ کے درجات بلند ہوتے ہیں۔قرآن کریم میں اس سلسلے میں نماز کے متعلق بتلایا گیا ہے کہ وہ بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور فرضیت روزہ کی وجہ بھی لوگوں کو متقی بنانا بتلایا گیا ہے۔اللہ عزوجل کی عبادت کرنے والا صحیح معنوں میں متقیوں میں سے ہوجاتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ[1]

(اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ)

(۱۰)۔ عدل وانصاف کرنا: انسان جس قدر زیادہ عدل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور عدل وانصاف کے مطابق عمل کے لیے جدوجہد کرتا ہے اتنا ہی اس کا دل تقویٰ کے قریب ہوجاتا ہے۔گویا کہ عدل وانصاف کرنا حصول تقویٰ کا باعث بنتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ[2]

(اے ایمان والو! اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوجاؤ اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو انصاف کرو یہی بات تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے)

(۱۱)۔ عفوودرگزر: بندے کو تقویٰ کے قریب کرنے والی ایک بات عفوودرگزر بھی ہے کیونکہ ایسا کرنا احسان ہے جوکہ شرح صدر کا سبب بنتا ہے۔

(۱۲)۔ مشکوک کو چھوڑنا: تقویٰ تک پہنچانے والے امور میں سے ایک یہ ہے کہ انسان شک وشبہ والی چیز کو بھی چھوڑ دے۔حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ بندہ اس وقت تک مقام تقویٰ حاصل نہیں کر پاتا جب تک کہ وہ حرام سے بچنے کی خاطر شک و شبہ والی اشیا سے بھی پرہیز نہیں کر لیتا[3]۔

(۱۳)۔ حلال رزق کھانا: تقویٰ والی زندگی اختیار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا رزق حلال ہو۔قرآن پاک میں اللہ پاک کا ارشاد مبارک ہے

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ[4]

(اور حلال اور پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو اللہ نے تمہیں دی ہیں اور اس اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رکھو جس پر تمہارا ایمان ہے)

(۱۴)۔ اہل تقویٰ کی سیرتوں کو مدنظر رکھنا: متقی حضرات کی سیرتوں کو پیش نظر رکھنا، اس سے دل میں راہ تقویٰ پر گامزن ہونے کا سچا جذبہ اور ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے۔

۱۔سورۃ البقرہ: آیت:۲۱

۲۔سورۃ المائدہ: آیت:۸

۳۔مشکوٰۃ شریف۔رقم:۲۷۷۵

۴۔سورۃ المائدہ: آیت:۸۸

(۱۵)۔ متقی لوگوں کی صحبت اختیار کرنا: اچھی صحبت کے قوی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور انسان تقویٰ والی زندگی کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔

(۱۶)۔ دعا کرنا: حصول تقویٰ کے لیے اللہ تعالیٰ سے کثرت سے دعا کرنی چاہیے کیونکہ بندہ مومن دعا سے وہ کچھ حاصل کر لیتا ہے جو کسی اور چیز سے حاصل نہیں کر پاتا۔

(۱۷)۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر: نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا بھی حصول تقویٰ کا باعث بنتا ہے کیونکہ برکات دعوت میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دعوت دینے والے کو بھی نیکی کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔

۱۱۔ تقویٰ کے بارے میں اقوال

تقویٰ (ورع) کے بارے میں مشائخ اکرامؒ سے بہت خوبصورت اقوال منسوب ہیں:

(۱)۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں کہ ہر شک و شبہ والی چیز کو ترک کرنا تقویٰ ہے[۱]۔

(۲)۔ حضرت امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ شک و شبہ والی فضول اور بے مقصد چیزوں کو چھوڑ دینا تقویٰ ہے[۲]۔

(۳)۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں، تقویٰ اسے کہتے ہیں کہ تم ہر اس شے سے بچو جو اللہ تعالیٰ کے سوا موجود ہے[۳]۔

(۴)۔ حضرت اسحاق بن خلفؒ نے فرمایا کہ گفتگو میں احتیاط برتنا، سونے چاندی میں احتیاط برتنے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے اور ریاست کی نگہداری، سونے اور چاندی کی نگہداری سے بھی زیادہ مشکل ہوتی ہے[۴]۔

(۵)۔ حضرت ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ یہ ہے، انسان ہر اس چیز کو برا سمجھے جو اسے اللہ سے دور کر دے[۵]۔

(۶)۔ حضرت ابوعثمانؒ فرماتے ہیں، تقویٰ کا اجر یہ ہوگا کہ حساب و کتاب میں نرمی برتی جائے گی[۶]۔

(۷)۔ حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں، تقویٰ یہ ہے کہ حلال و حرام کے بارے میں انسان کو جتنا علم ہو اسی پر عمل کرے۔ حرام کا ارتکاب کرنے کے لیے حیلہ سازی سے کام نہ لے[۷]۔

(۸)۔ حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے فرمایا، جو شخص تقویٰ کی باریکی پر غور نہیں کرتا، وہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ عنایات (فضل و کرم) حاصل نہیں کر سکتا[۸]۔

---

[۱]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۶۸

[۲]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۶۸

[۳]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۶۸

[۴]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۶۸

[۵]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۶۸

[۶]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۶۸

[۷]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۶۸

[۸]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۶۸

(۹)۔ حضرت ابن جلاؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص فقر کی حالت میں تقوی کا خیال نہیں کرتا، وہ حرام کھاتا ہے[۱]۔

(۱۰)۔ حضرت یونس بن عبیدؒ فرماتے ہیں، تقویٰ یہ ہے کہ انسان دینی معاملات میں شبہات میں نہ پڑے۔ ہر وقت نفس کا محاسبہ جاری رکھے[۲]۔

(۱۱)۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تقویٰ سے زیادہ کامل چیز نہیں دیکھی۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ جو چیز دل میں شبہ پیدا کرے، اسے چھوڑ دو[۳]۔

(۱۲)۔ حضرت ابوسعید خرازؒ نے تقویٰ کے بارے میں فرمایا، تقویٰ یہ ہے کہ لوگوں پر تم سے ادنیٰ سا ظلم بھی نہ ہونے پائے اور کوئی تمہیں ظلم و زیادتی کرنے والا نہ کہے[۴]۔

(۱۳)۔ حضرت سہل بن عبداللہؒ سے حلال کی تعریف بیان کرنے کے لیے کہا گیا تو فرمایا، حلال کی تعریف یہ ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے اللہ کی نافرمانی کا اندیشہ نہ ہو[۵]۔

(۱۴)۔ حضرت ابوعبداللہ روذباریؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ ہر اس چیز سے دور رہنے کا نام ہے، جو انسان کو اللہ سے دور کر دے[۶]۔

(۱۵)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ متقی وہ ہوتا ہے، جو اپنے ظاہری معاملات کو شریعت سے ٹکرانے والی چیزوں کے ذریعے گندا نہ کرے۔ برائیوں کے ذریعے اپنے باطن کو ناپاک نہ کرے، بلکہ اللہ کی رضا کی موافقت کرے[۷]۔

(۱۶)۔ شیخ ابونجیب ضیاء الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ مشتبہ چیزوں کو چھوڑنے کا نام ہے[۸]۔

(۱۷)۔ خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ ورع کا مفہوم پرہیز اختیار کرنا ہے[۹]:

(i)۔ ناپسندیدہ امور سے پرہیز تین چیزوں کے ساتھ کیا جا سکتا ہے:

(ا)۔ خود کو عیب گوئی سے باز رکھنا

(ب)۔ اپنے دین کو نقصان سے بچانا

۱۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۶۸

۲۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۶۸

۳۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۶۸

۴۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراجؒ۔ صفحہ نمبر ۸۱

۵۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۶۸

۶۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۶۸

۷۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۶۵

۸۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۶۸

۹۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۶۵

(ج)۔ حرص وہوا کو اپنی ذات سے دور رکھنا اور پسندیدہ طریق پر چلنا

(ii)۔ کثرت دنیا سے پرہیز تین چیزوں کو پیش نظر رکھ کر کیا جا سکتا ہے:

(ا)۔ روز حساب کی رسوائی

(ب)۔ دشمنوں کی خوشی

(ج)۔ وارثوں کا غبن

(iii)۔ پراگندہ اور منتشر دل سے پرہیز تین چیزوں کے ساتھ کیا جا سکتا ہے:

(ا)۔ قرآن کریم میں تدبر کے ساتھ

(ب)۔ قبرستان کی زیارت سے

(ج)۔ حکمت الٰہی میں تفکر سے

(۱۸)۔ شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی اصل یہ ہے کہ انسان کفر سے بیزار ہو اور ایمان میں داخل ہو جائے اور تقویٰ کی فرع یہ ہے کہ تمام اوامر کی بجا آوری کی جائے اور تمام نواہی سے پرہیز کیا جائے[۱]۔

۱۲۔ اہل تقویٰ کے واقعات

دل کی نرمی کے لیے اہل تقویٰ کے چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں

(۱)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک خادم تھا۔ جو اپنی کمائی سے کچھ حصہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیا کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس خادم کی لائی ہوئی چیز کو استعمال کر لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ خادم کوئی چیز لایا اور آپؓ نے اسے کھا لیا۔ خادم نے کہا کہ حضرت کیا آپؓ جانتے ہیں یہ چیز کیسی ہے؟ آپؓ نے فرمایا، مجھے کیا معلوم تم خود ہی بتاؤ؟ خادم نے بتایا کہ زمانہ جاہلیت میں میں کہانت کیا کرتا تھا اور لوگوں کو غیب کی باتیں بتایا کرتا تھا۔ ان لوگوں میں سے ایک شخص سے آج میری ملاقات ہو گئی تو اس نے مجھے یہ چیز دی تھی۔ جو آپؓ نے کھا لی۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی[۲]۔

(۲)۔ حضرت بشر حافیؒ کی بہن حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ ہم چھت پر سوت کات رہی ہوتی ہیں۔ وہاں سے کچھ لوگ مشعل لے کر گزرتے ہیں۔ اس مشعل کی روشنی ہم پر پڑتی ہے، تو کیا اس روشنی میں ہم سوت کات سکتی ہیں؟ اس پر امام احمد بن حنبلؒ نے کہا تم کون ہو؟ اس نے بتایا کہ بشر حافیؒ کی بہن ہوں۔ یہ سنتے ہی امام احمدؒ رونے لگے اور کہا کہ کسی نے سچا اور حقیقی تقویٰ دیکھنا ہو، تو وہ

۱۔ معدن المعانی از شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۱۳

۲۔ مشکوٰۃ شریف۔ جلد چہارم: رقم: ۱۱۵۲

تمہارے ہی گھر سے دیکھتا ہے۔لہٰذا تمہیں اس روشنی میں سوت نہیں کاتنا چاہیے[1]۔

(۳)۔ حضرت علی عطاءؒ فرماتے ہیں کہ میں بصرہ کی ایک سڑک سے گزر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ کچھ بوڑھے بیٹھے ہیں اور بچے ان کے سامنے کھیل رہے ہیں۔ میں نے بچوں سے پوچھا تمہیں ان بوڑھوں سے حیا نہیں آتی؟ ان میں سے ایک بچے نے کہا کہ ان بوڑھوں میں چونکہ تقویٰ کی کمی ہے، اس لیے ان کا رعب بھی نہیں ہے[2]۔

(۴)۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سے پوچھا گیا کہ آپؒ آبِ زم زم کیوں نہیں پیتے؟ آپؒ نے فرمایا کہ میرے پاس اپنا ڈول نہیں، جس سے میں آبِ زم زم نکال کر پی سکوں[3]۔

(۵)۔ حضرت ابو علی دقاقؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حارث محاسبیؒ جب کسی شبہ والے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے، تو آپؒ کی انگلی کے سرے والی رگ پھڑک جاتی۔ جس سے آپؒ کو پتہ چل جاتا کہ کھانا حلال نہیں[4]۔

(۶)۔ حضرت حسن بصریؒ مکہ پہنچے تو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی اولاد سے ایک لڑکا دیکھا۔ وہ خانہ کعبہ سے ٹیک لگائے، وعظ کر رہا تھا۔ حضرت حسن بصریؒ ان کی طرف بڑھے اور پوچھا کہ دین کا دارومدار کس چیز پر ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا! تقویٰ پر۔ آپؒ نے پھر پوچھا کہ دین کے لیے مصیبت کیا چیز بنتی ہے؟ تو اس نے کہا طمع اور لالچ۔ یہ سن کر حضرت حسن بصریؒ حیران رہ گئے[5]۔

(۷)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس مالِ غنیمت میں سے کستوری آئی، تو آپؒ نے ناک پر ہاتھ رکھ لیا اور فرمایا کہ اس کی خوشبو سے بھی فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ بغیر مسلمانوں کے اکیلا ہی اسے سونگھوں[6]۔

(۸)۔ حضرت کہمس بن حسن بصریؒ نے بتایا کہ میں نے ایک گناہ کیا تھا، جس پر چالیس سال سے روئے جا رہا ہوں۔ گناہ یہ تھا کہ میرے پاس میرا ایک بھائی ملنے آیا۔ میں نے اس کے لیے بھنی ہوئی مچھلی خریدی۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوا تو میں نے ہمسائے کی دیوار سے بغیر اس کی اجازت کے، اپنے ہاتھوں کی صفائی کے لیے مٹی ایک ڈھیلا اتار لیا[7]۔

(۹)۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ایک سبزی فروش کے پاس اپنا ایک برتن گروی رکھا۔ جب آپؒ نے برتن چھڑانے کا ارادہ کیا، تو دکاندار نے دو برتن آپؒ کے سامنے پیش کر کے کہا، جون سا چاہو لے لو۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ مجھے اپنے برتن پہچاننے میں دشواری ہو رہی ہے۔ لہٰذا برتن بھی تمہارا اور درہم بھی اپنے پاس رکھو۔ یہ دیکھ کر سبزی فروش نے کہا، آپؒ کا برتن یہ

---

[1]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۶۹

[2]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۲۷

[3]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۲۸

[4]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۲۸

[5]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۲۹

[6]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۲۹

[7]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۳۰

ہے۔ میں تو محض آپؒ کی آزمائش کر رہا تھا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا، اب میں نہیں لوں گا۔ آپؒ وہاں سے چل دیئے اور برتن اسی کے پاس رہنے دیا[1]۔

(۱۰)۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اپنا ایک قیمتی گھوڑا کھلا چھوڑ دیا اور خود نماز پڑھنے لگے۔ گھوڑا سرکاری زمین میں چرنے لگا۔ چنانچہ آپؒ نے اسے وہیں چھوڑ دیا اور اس پر دوبارہ سوار نہ ہوئے[2]۔

(۱۱)۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے قیامِ شام کے دوران کسی سے قلم ادھار لیا اور بھول گئے اور مرو (ترکستان) پہنچ کر یاد آیا۔ آپؒ یہ قلم واپس کرنے کے لیے واپس شام آئے[3]۔

(۱۲)۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے سرکاری مشعل کی روشنی میں اپنی قمیض پر پیوند لگایا، تو ایک عرصہ تک آپؒ کے دل میں بے چینی رہی۔ چنانچہ آپؒ نے وہ قمیض پھاڑ دی تو دل کو اطمینان ہوا[4]۔

(۱۳)۔ حضرت سفیان ثوریؒ خواب میں کسی کو ملے کہ وہ جنت میں اپنے دو پروں سے اس درخت سے اڑ کر اس درخت کو جاتے تھے۔ آپؒ سے خواب ہی میں پوچھا گیا کہ یہ مرتبہ کس بنا پر ملا؟ آپؒ نے فرمایا تقویٰ کی بناء پر[5]۔

(۱۴)۔ ایک شخص حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قرض دار تھا۔ اسی علاقے میں کسی کی موت واقع ہوگئی۔ جب امام ابوحنیفہؒ نماز جنازہ کے لیے وہاں پہنچے تو ہر طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور موسم بہت گرم تھا۔ لیکن آپؒ کے مقروض کی دیوار کے پاس کچھ سایہ تھا۔ لوگوں نے کہا کہ آپؒ یہاں سایہ میں تشریف لائیں۔ آپؒ نے فرمایا، صاحب خانہ میرا مقروض ہے۔ اس لیے اس کے مکان کے سایہ سے استفادہ کرنا میرے لیے جائز نہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ قرض کی وجہ سے جو نفع بھی حاصل ہو وہ سود ہے[6]۔

(۱۵)۔ ایک دفعہ امام ابوحنیفہؒ بازار سے گزر رہے تھے کہ ناخن کے برابر کیچڑ ان کے کپڑوں پر لگ گئی۔ آپؒ نے دریا پر جا کر کپڑوں کو خوب دھویا اور پاک کیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپؒ کے نزدیک تو اتنی کم نجاست جائز ہے۔ پھر آپؒ نے کپڑا دھونے کے لیے اتنی تکلیف کیوں اٹھائی؟ آپؒ نے فرمایا کہ اتنی کم نجاست جائز تو ہے، مگر تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ اسے بھی دھو لیا جائے[7]۔

(۱۶)۔ ایک روز حضرت ابوالعباس سیاریؒ ایک دوکان پر اخروٹ خریدنے گئے، تو دوکاندار نے اپنے ملازم سے کہا کہ شیخ کو اچھے اچھے اخروٹ دینا۔ آپؒ نے پوچھا کیا تم تمام گاہکوں کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہو؟ دوکاندار نے جواب دیا نہیں حضرت۔ یہ تو

۱۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۳۰

۲۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۳۰

۳۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۳۱

۴۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۳۱

۵۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۳۱

۶۔ تصوف اور تصورات صوفیا از پروفیسر ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۵۲

۷۔ تصوف اور تصورات صوفیا از پروفیسر ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۵۲

میں آپؒ کے علمی مرتبے کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔ آپؒ نے فرمایا کہ میں اپنی فضیلت علم کو چند اخروٹوں کے بدلے نہیں بیچتا اور بغیر اخروٹ خریدے واپس چلے گئے[۱]۔

(۱۷)۔ ایک دفعہ حضرت ابو یزیدؒ اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ جنگل میں تھے کہ آپؒ نے اپنا ایک کپڑا دھویا تو ان کے ساتھی نے کہا کپڑے کو انگور کی بیل کے لیے بنائی گئی دیوار پر لٹکا دیں تا کہ خشک ہو جائے۔ آپؒ نے فرمایا کہ نہیں، لوگوں کی دیوار سے اجازت کے بغیر فائدہ نہ اٹھاؤ۔ ساتھی نے کہا تو ہم اس کپڑے کو درخت پر ڈال دیتے ہیں تو آپؒ نے جواب دیا کہ نہیں، اس سے درخت کی ٹہنیاں ٹوٹنے کا خطرہ ہے۔ اس نے کہا تو پھر ہم اسے گھاس پر بچھا دیتے ہیں۔ آپؒ نے جواب دیا کہ یہاں جانور چر رہے ہیں اور یہ گھاس ان کی خوراک ہے، ہمارا کپڑا ڈالنے کی وجہ سے یہ جانوروں سے چھپ جائے گی۔

پس حضرت ابو یزیدؒ نے اس گیلے کپڑے کو اپنے اوپر اوڑھ لیا حتیٰ کہ وہ خشک ہو گیا[۲]۔

(۱۸)۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات بیت المقدس میں مقامِ صخرہ میں گزاری۔ جب رات کا کچھ حصہ گزرا تو دو فرشتے اترے۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ یہاں کون ہے؟ دوسرے نے جواب دیا حضرت ابراہیم بن ادھمؒ ہیں۔

فرشتے نے کہا یہ وہی ہیں جن کے درجات میں اللہ عزوجل نے ایک درجہ کم کر دیا ہے۔ دوسرے فرشتے نے پوچھا کیوں؟ تو پہلے فرشتے نے جواب دیا، اس لیے کہ انہوں نے بصرہ میں کھجوریں خریدیں تو پھل فروش کی ایک کھجور ان کی کھجوروں میں چلی گئی اور انہوں نے وہ کھجور اس کے مالک کو واپس نہیں کی۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں کہ میں بصرہ کی طرف چلا اور اس شخص سے کھجوریں خرید کر ایک کھجور اس دکاندار کی کھجوروں میں گرا کر واپس بیت المقدس پہنچا اور مقامِ صخرہ میں رات بسر کی۔ فرماتے ہیں کہ جب رات کا کچھ حصہ گزرا تو دو فرشتے آسمان سے اترے اور ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ یہاں کون ہے؟ دوسرے نے جواب دیا حضرت ابراہیم بن ادھمؒ ہیں۔ فرشتے نے کہا یہ وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پہلے والا مرتبہ عطا فرما دیا ہے اور ایک درجہ اور بلند کر دیا ہے[۳]۔

(۱۹)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی چل رہے تھے کہ انہیں بارش نے گھیر لیا۔ انہوں نے پہاڑ میں ایک غار میں پناہ لی۔ غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک پتھر آ کر گر گیا۔ اس سے اس غار کا منہ بند ہو گیا۔ ان میں سے ایک نے کہا، اپنے اپنے نیک اعمال کو دیکھو، جو خالص اللہ کی رضا کے لیے کئے ہوں اور اس کے ذریعہ اللہ سے دعا مانگو، شاید اللہ تم سے اس مصیبت کو ٹال دے۔ ان میں سے ایک نے عرض کیا، اے اللہ! میرے والدین بہت بوڑھے تھے اور میری بیوی

۱۔ تصوف اور تصورات صوفیا از پروفیسر ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۵۳

۲۔ رسالہ قشیریہ از امام ابو القاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۲۱

۳۔ رسالہ قشیریہ از امام ابو القاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۲۳

بھی تھی اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے اور میں جانور چرایا کرتا تھا۔ جب میں ان کے پاس شام کو واپس آتا دودھ نکالتا، تو میں اپنے والدین سے ابتدا کرتا اور انہیں اپنے بچوں سے قبل پلاتا۔ ایک دن جنگل کے دور ہونے کی وجہ سے مجھے تاخیر ہوگئی اور میں رات کو آیا، تو میں نے اپنے والدین کو سویا ہوا پایا۔ میں نے پہلے کی طرح دودھ دوہا اور دودھ کا برتن لے کر والدین کے سرہانے کھڑا ہوگیا۔ میں انہیں ان کی نیند سے اٹھانا پسند نہیں کرتا تھا اور مجھے ان سے پہلے اپنے بچوں کو پلانا بھی پسند نہ تھا۔ بچے میرے قدموں کے پاس چلا رہے تھے، مگر میں نے انہیں دودھ نہیں دیا۔ صبح ہونے تک میرا معاملہ یونہی رہا۔ اے خدا! پس تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل صرف اور صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا۔ اے میرے پروردگار! ہمارے لیے کچھ کشادگی فرمادے، جس سے ہم آسمان کو دیکھ سکیں۔ پس اللہ نے ان کے لیے اتنی کشادگی فرمادی کہ انہوں نے آسمان دیکھا۔

دوسرے نے عرض کیا، اے اللہ! میری ایک چچازاد بہن تھی۔ اس سے میں محبت کرتا تھا۔ جس طرح مردوں کو عورتوں سے سخت محبت ہوتی ہے۔ میں نے اس سے اس کی ذات کو طلب کیا۔ بدکاری کا اظہار کیا، تو اس نے ایک سو دینار لانے تک انکار کردیا۔ میں نے بڑی محنت کر کے سو دینار جمع کئے اور اس کے پاس لایا۔ پس جب میں اس کے قریب بیٹھ گیا، تو اس نے کہا، اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور مہر کے ساتھ رشتہ بنا۔ میں اس سے کھڑا ہوگیا۔ یا اللہ! تجھے یقیناً علم ہے کہ میں نے یہ عمل صرف اور صرف تیری رضا کے لیے کیا ہے۔ پس ہمارے لیے اس غار سے کچھ کشادگی فرمادے۔ پس ان کے لیے مزید کشادگی فرمادی گئی۔

تیسرے نے عرض کیا، اے اللہ! میں نے ایک مزدور کو ایک فرق چاول مزدوری پر رکھا۔ جب اس نے اپنا کام پورا کرلیا، تو کہا کہ میرا حق مجھے دے دو؟ میں نے اسے فرق دینا چاہا، تو وہ منہ پھیر کر چلا گیا۔ پس میں اس کے پیچھے زراعت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس سے گائے اور ان کے چرواہے میرے پاس جمع ہوگئے۔ پس وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا، اللہ سے ڈر اور میرے حق میں مجھ پر ظلم نہ کر۔ میں نے کہا، وہ گائے اور ان کے چرواہے لے جاؤ۔ اس نے کہا کہ اللہ سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے کہا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کر رہا۔ وہ بیل اور ان کے چرواہے لے جاؤ۔ اس نے انہیں لیا اور چلا گیا۔ اے میرے پروردگار! اگر تیرے علم میں میرا یہ عمل تیری رضامندی کے لیے تھا، تو ہمارے لیے باقی راستہ بھی کھول دے۔ اللہ نے باقی راستہ بھی کھول دیا اور وہ غار سے نکل کر چل دیئے[1]۔

(۲۰)۔ حضرت عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ کے لیے روانہ ہوا۔ راستے میں ایک چرواہا پہاڑی کی ڈھلوان سے اترتا ہوا نظر آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے آزمانے کے لئے کہا کہ اے چرواہے! ان بکریوں میں سے ایک مجھے فروخت کردے۔ چرواہے نے جواب دیا کہ میں مالک نہیں بلکہ خادم ہوں۔ مجھے فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں، مجھے فروخت کر کے اپنے مالک سے کہہ دینا کہ اس بکری کو بھیڑیئے نے کھالیا ہے۔ اس پر چرواہے نے جواب دیا کہ حضرت رضی اللہ عنہ! تو پھر اللہ کہاں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چرواہے کی بات سن کر رو پڑے۔ حضرت

[1] صحیح مسلم۔ رقم: ۲۴۵۲

عمر رضی اللہ عنہ نے اس پرہیزگاری کی بنا پر اس غلام کو خرید کر آزاد کر دیا اور اس غلام سے فرمایا کہ تیری پرہیزگاری اور تقویٰ نے تجھے دنیاوی غلامی سے نجات دلائی ہے اور مجھے امید ہے کہ یہی تقویٰ آخرت میں بھی تجھے دوزخ کے عذاب سے نجات دلائے گا۔

(۲۱)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ آپؓ ایک رات مدینہ منورہ میں گشت کر رہے تھے کہ لوگوں کے حالات سے باخبر ہوں۔ ایک گھر سے کچھ آوازیں آ رہی تھیں۔ آپؓ نے غور سے سنا کہ ایک ماں اپنی جوان لڑکی سے کہہ رہی ہے، بیٹی! آج رات اونٹنیوں نے دودھ کم دیا ہے اس لیے تم تھوڑا سا پانی ملا دو تا کہ گاہکوں کو دودھ برابر مل جائے۔ بیٹی نے جواب دیا کہ امّی جان! امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم ہے کہ فروخت کرنے کے دودھ میں پانی نہ ملایا جائے۔ ماں نے کہا، اس رات کے اندھیرے میں کون سا امیر المومنین رضی اللہ عنہ ہے جو تجھے دیکھ رہا ہے؟ بیٹی نے جواب دیا کہ اگر امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نہیں دیکھ رہا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ کا رب تو ضرور دیکھ رہا ہے۔ پس میں یہ جرم ہرگز نہیں کر سکتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس لڑکی کی یہ بات سنی تو رو پڑے۔ دوسرے دن اس لڑکی کے متعلق معلومات جمع کیں، پتہ چلا کہ لڑکی غیر شادی شدہ ہے۔ پھر اپنے بیٹوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا، میرے بچو! گذشتہ رات میں نے ایک دین دار لڑکی کی یہ باتیں سنیں۔ اللہ کی قسم! اگر مجھ میں جوانی ہوتی تو ضرور میں اسے اپنے گھر میں بیوی بنا کر لاتا لیکن میں بوڑھا ہو چکا ہوں، میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں، اب مجھ میں یہ صلاحیت نہیں کہ میں کسی جوان لڑکی سے شادی کروں لیکن میں نہیں چاہتا کہ وہ لڑکی ضائع ہو جائے۔ میری خواہش ہے کہ وہ میری بہو بن کر میرے گھر میں آئے۔

آپؓ کی یہ باتیں سن کر حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، ابّا جان! اس لڑکی سے میں شادی کروں گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس نیک لڑکی کا نکاح اپنے بیٹے سے کر دیا۔ ان سے ایک بچی ہوئی اور پھر اس بچی کی شادی عبدالعزیز سے ہوئی۔ ان سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پیدا ہوئے۔ جنہیں امت اسلامیہ نے بالاتفاق پانچواں خلیفہ راشد تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے اپنے دو ڈھائی سال کے مختصر دورِ حکومت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا[۱]۔

(۲۲)۔ حضرت امام محمد بن سیرینؒ کا شمار تابعین کی ان برگزیدہ ہستیوں میں ہوتا ہے جنہیں سید التابعین کہا جاتا ہے۔ آپؒ گزر معاش کے لیے زیتون کے تیل کا کاروبار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؒ نے اسّی ہزار درہم کا روغن زیتون خریدا۔ جب تیل کا ایک مشک کھولا تو اس سے ایک مری ہوئی چوہیا برآمد نکلی۔ آپؒ کو یہ شبہ لاحق ہو گیا کہ شاید چوہیا تیل کے بھنڈار میں گر کر مری ہو اور اس سے سارا تیل مشکوں میں بھرا گیا ہو۔ اس شک وشبہ کی وجہ سے آپؒ نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ اس تیل کو بیچا جائے۔ آپؒ نے غلاموں کو حکم دیا کہ سارا تیل بہا دیا جائے۔

حسبِ حکم تیل بہا دیا گیا لیکن جہاں سے تیل خریدا گیا تھا وہاں بروقت ادائیگی نہیں ہو سکی۔ اس نے حاکم وقت کے دربار میں شکایت کر دی۔ جس کی وجہ سے آپؒ کو ادائیگی تک قید کر دیا گیا۔ داروغہ نے آپؒ سے کہا کہ مجھے پتہ ہے کہ آپؒ بے قصور ہیں، میری جانب سے آپؒ کو اجازت ہے کہ ہر رات گھر چلے جائیں اور صبح کے وقت قید خانہ پہنچ جائیں۔ آپؒ نے فرمایا میں تمہاری اس

۱۔ عیون الحکایات از امام عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ۔ حکایات نمبر ۱۰، صفحہ نمبر ۲۶

خیانت میں، تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ کل قیامت کے دن میں اللہ عزوجل کو کیا جواب دوں گا۔ آپؒ نے قید خانے کی سختیوں کو گوارہ کرلیا۔ قاضی کے سامنے مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا ہونا برداشت کیا لیکن یہ گوارہ نہیں کیا کہ غلط مال بیچ کر فائدہ حاصل کیا جائے۔

(۲۳)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے دودھ پیش کیا تو آپؓ نے نوش فرمالیا۔ آپؓ کو یہ دودھ بہت پسند آیا۔ جس شخص نے آپؓ کو دودھ پلایا تھا اس سے آپؓ نے پوچھا کہ یہ دودھ تم نے کہاں سے لیا تھا؟ اس نے آپؓ کو بتایا کہ میں سفر کر رہا تھا کہ راستے میں ایک پانی کی جگہ پر اترا، وہاں سرکاری اونٹوں میں سے کچھ اونٹ پانی پینے کے لیے آئے تو ان کے گلہ بانوں نے ان کا دودھ نکال کر مجھے دیا، جسے میں نے اپنی مشک میں ڈال لیا۔ یہ وہی دودھ ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منہ میں انگلی ڈالی اور اسے قے کردیا۔

واضح رہے کہ صدقہ کے سرکاری اونٹوں کا دودھ اس مسافر کے لیے بالکل جائز تھا اور اس کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہدیہ کرنا بھی بالکل درست تھا۔ اس میں کوئی شرعی یا اخلاقی قباحت نہیں تھی۔ لیکن آپؓ کا یہ کمال احتیاط تھا[۱]۔

(۲۴)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عبیداللہ رضی اللہ عنہ ایک لشکر کے ساتھ عراق گئے اور وہاں سے واپسی پر وہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گورنر بصرہ کے پاس گئے تو وہ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ان کی خوب خدمت مدارت کی۔ پھر ان سے کہا کہ اگر تمہیں نفع پہنچانے والا کوئی کام میرے اختیار میں ہوتا تو ضرور کرتا۔ اس کے بعد آپؓ نے کہا کہ ہاں، یہاں بیت المال کا کچھ روپیہ ہے جسے مجھے امیر المومنین کے پاس بھیجنا ہے۔ اس سے تمھارے لیے نفع کی صورت ہوسکتی ہے۔

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے وہ رقم ان کو دے دی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ یہ رقم ان سے وصول کرلیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے اس رقم سے وہاں سے کچھ مال خرید لیا اور جب واپس پہنچے تو اسے بیچ دیا اور اس سے ان کو نفع ہوا۔ پھر جب انہوں نے وہ بیت المال کی رقم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پیش کی تو آپؓ نے ان سے پوچھا کہ کیا سارے لشکر کو اسی طرح رقم دی گئی تھی؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم امیر المومنین کے بیٹے ہو، اس لیے تم دونوں پر یہ عنایت ہوئی۔ لاؤ سارا مال اور اس کا نفع بیت المال میں جمع کراؤ۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تو یہ سن کر خاموش رہے لیکن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ یہ مناسب نہیں ہے۔ اگر مال نقصان یا برباد ہوجاتا تو ہم تو اس کے ضامن اور ادائیگی کے ذمہ دار تھے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، لاؤ، سارا مال بیت المال میں جمع کراؤ۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پھر بھی خاموش رہے اور عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی وہی بات دہرائی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے صحابہ کرامؓ نے کہا کہ یا اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ ہمارے خیال میں یہ شراکت کا معاملہ ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراکت کی صورت کو مان کر اپنے دونوں بیٹوں سے پوری رقم اور آدھا نفع وصول کر کے بیت المال میں جمع کروادیا اور آدھا نفع حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے لے لیا۔

اس سارے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کس قدر محتاط طبیعت کے مالک خلیفہ وقت تھے[۲]۔

۱۔ کشف المحجوب از سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۱۹

۲۔ کشف المحجوب از سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۲۰-۱۲۱

٣

مقامِ زہد

ا۔ زہد کا مفہوم

(۱)۔ زہد کے لغوی معنی بے رغبتی کے ہیں۔پس انسان کا اپنی دنیاوی خواہشات ترک کر کے خود کو عبادتِ الٰہی کے لیے فارغ کر دینا زہد کہلاتا ہے۔زہد کے لغوی معانی ہیں آدمی کی رغبت کا کسی ایک چیز سے ہٹ کر کسی دوسری چیز سے وابستہ ہو جانا اور جس چیز سے آدمی کی رغبت پھر گئی ہے اس کا آدمی کی نظر میں کم وقعت ہو جانا ہے۔

(۲)۔ زہد ایک ذہنی اور قلبی کیفیت کا نام ہے۔ایسی کیفیت جس میں ہر وہ شے بے وقعت معلوم ہو، بصورت دیگر جس کی کوئی قدر و قیمت ہو۔مثلاً ہمارے سامنے مٹی کا ڈھیر پڑا ہے تو اس کو بے وقعت جاننا زہد نہیں کہلائے گا لیکن اگر ہمارے سامنے پڑا سونے کا ڈھیر ہماری نگاہ میں بے وقعت ہو گیا ہے تو اس کو زہد کہیں گے۔

(۳)۔ زہد آخرت کی کنجی اور آتش جہنم سے نجات کا باعث ہے اور زہد ان تمام چیزوں کے ترک کرنے کا نام ہے جو اسے یادِ خدا سے غافل کر دیتی ہیں بغیر اس کے کہ

(i)۔ ان چیزوں کے ترک ہونے پر افسوس ہو۔

(ii)۔ ان چیزوں کے واپس ہونے کا انتظار ہو۔

(iii)۔ اپنے فعل و عمل کی خوشامد کے درپے ہو۔

(iv)۔ اپنے کام کے عوض (اجر) کا طالب ہو۔

جو اپنے زہد میں سچا ہو گا، دنیا خود بخود اس کی طرف کھنچی چلی آئے گی۔اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اگر آسمان سے ٹوپی گرتی ہے، تو صرف اس شخص کے سر پر گرے گی، جو خود اس کی تمنا نہ رکھتا ہو۔

(۴)۔ زاہد وہ شخص ہے جو آخرت کو دنیا پر، ذلت کو عزت پر، سختی کو آرام و آسائش پر، بھوک کو شکم سیری پر، عقبیٰ کی سلامتی کو دنیا کی محبت پر اور توجہ و التفات کو غفلت پر ترجیح دے اور اس کا نفس دنیا میں ہو اور اس کا قلب آخرت میں۔

(۵)۔ بہترین زہد، زہد کا مخفی رکھنا ہے۔زاہدِ حقیقی وہ ہے جو اپنے زہد کو پوشیدہ رکھے اور ہر جگہ ظاہر نہ کرتا پھرے۔پس وہ افراد جو زہد کو مخفی نہیں کرتے، شہرت کے پھندے میں جکڑے جا چکے ہیں، زہد کا اعلان کرتے پھرتے ہیں، اپنے آپ کو زاہد کہلانے میں دوسروں کو استعمال کرتے ہیں اور بھاری رقوم خرچ کرتے ہیں ایسے لوگ زاہد نہیں بلکہ ریاکار ہیں۔جاہ طلبی اور ذات و شہرت کی محبت نے انہیں بیمار بنا دیا ہے اور ایسے لوگوں میں تکبر اور نمود نمائش کی بیماری بھی موجود ہوتی ہے۔یہ لوگ زاہد نہیں بلکہ زاہد نما ہیں، انہوں نے زاہدوں کے لباس میں اپنے آپ کو سجا لیا ہے۔

(۶)۔ حقیقی زہد جس چیز کا نام ہے وہ دراصل ایمان کے بنیادی حقائق پر محنت کے نتیجے میں حاصل ہونے والی ایک نعمت ہے۔یہ درحقیقت دل کی ایک کیفیت کا نام ہے۔زہد کا کوئی تعلق آدمی کے غریب یا مالدار ہونے کے ساتھ سرے سے ہے ہی نہیں۔ایک

آدمی ارب پتی ہوکر بھی زاہدِ دنیا اور طالبِ آخرت ہوسکتا ہے، جبکہ ایک دوسرا آدمی مفلس ہوتے ہوئے بھی دنیا پرست اور آخرت سے غافل ہوسکتا ہے۔ کیونکہ زہد اور دنیا پرستی کا تعلق سراسر ہاتھ یا جیب کے ساتھ نہیں بلکہ دل کے ساتھ ہے اور آدمی کے مقاصدِ زندگی کے ساتھ ہے۔

(۷)۔ زندگی میں سب سے کم امید رکھنے والے ہی سب سے زیادہ زاہد فی الدنیا ہوا کرتے ہیں اور وہ آئندہ کل کے لیے بھی کچھ جمع کرنے کے لیے پریشان نہیں ہوتے۔ کیونکہ ان کے نزدیک وہ چیز اصل میں کل تک کے لیے باقی رہنے والی نہیں ہے اور لوگوں میں دنیا کی سب سے زیادہ رغبت رکھنے والے سب سے لمبی امید باندھنے والے ہوتے ہیں، کیونکہ دنیا میں ان کی رغبت بہت زیادہ ہوتی ہے اور زندگی میں طویل امیدوں کی وجہ سے دنیا میں ان کی حرص بڑھتی جاتی ہے۔ حضرت علامہ اقبالؒ مومن کی شان میں فرماتے ہیں کہ اس کی امیدیں قلیل اور مقاصد جلیل ہوتے ہیں۔

۲۔ زہد قرآن کی روشنی میں

اللہ عزوجل نے اپنی پاک کتاب میں بار بار دنیا کے سروسامان کو چندروزہ، عارضی، آزمائش اور محض دنیا کی زینت قرار دیا ہے۔ پس انسان کو زہد سے متعلق ان قرآنی آیات کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے جن میں زہد اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے یا پھر دنیاوی مال واسباب کو محض عارضی قرار دیا گیا ہے۔ ان آیات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(۱)۔ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ[۱]۔

(تجھے کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا فریب میں نہ ڈال دے۔ یہ چندروزہ زندگی کا لطف ہے پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، جو بہت برا ٹھکانا ہے)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ تجارتی وسائل، دولت کی فراوانی اور کاروبار کی وسعت وفروغ یہ سب کچھ عارضی اور چندروزہ فائدہ کی چیزیں ہیں۔ اس سے اہل ایمان کو دھوکا میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ اصل انجام آخرت پر نظر رکھنی چاہئے۔

دنیا اور اس کی ہر چیز عارضی، ناپائیدار اور بہت جلد ختم ہونے والی ہے۔ نادان انسان اس کی زیب وزینت پر فریفتہ ہو کر اپنی زندگی کے اصل مقصد کو کھو بیٹھتا ہے۔ اس دنیا کی شادابی اور حسن وزیبائی، نظر کا فریب اور دماغ کا دھوکا ہے جس کے پیچھے لگ کر آدمی اپنی دائمی زندگی اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کو فراموش کرتا اور لامتناہی مستقبل کو تاریک کر کے جہنم کا خریدار بن سکتا ہے۔ زندگی گزارنے کا یہ طریقہ ایک مومن کا نہیں ہوتا۔

اس آیت شریفہ میں ایمانداروں کو تاریک مستقبل اور جہنم کی ہولناکیوں سے بچنے کا احساس دلایا گیا ہے کہ دنیا کا سروسامان اور عیش وعشرت نہایت مختصر ہے۔ لہٰذا کفار کے کرّ وفر، شان وشوکت اور ان کی زندگی کی چہل پہل مومنوں کو عظیم مقصد

۱۔ سورۃ آلِ عمران: آیت: ۱۹۶، ۱۹۷

سے غافل اور اس غلط فہمی کا شکار نہ کر دے کہ شاید اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہے جس کی وجہ سے انہیں دنیا کی ترقی سے نوازا گیا ہے۔

(۲)۔ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِیْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ هُوَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ [1]

(تم لوگوں کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس سے بہتر اور باقی تر ہے۔ کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟ بھلا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہو اور وہ اسے پانے والا ہو، کبھی اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے صرف حیات دنیا کا سروسامان دے دیا ہو اور پھر وہ قیامت کے روز سزا کے لیے پیش کیا جانے والا ہو)

ان آیات میں سچے مومنین کا مقام اور ان کی عظمتِ شان کو بیان کیا گیا ہے۔ دنیا ایک عارضی امتحان کی جگہ ہے۔ یہاں پر اللہ عزوجل کسی کو اپنی نعمتوں کی فراوانی سے آزماتے ہیں اور کسی کو کم نعمتیں دے کر آزماتے ہیں۔ یہ دنیا کی ساری نعمتیں عارضی ہیں۔ یہ کسی محنت کے نتیجے میں نہیں ملتیں بلکہ بطور آزمائش دی جاتی ہیں۔ اس لیے مومنین کے لیے آخرت کی نعمتیں تیار کی گئی ہیں۔ سب سے بڑھ کر جنت کا انعام تیار کیا گیا ہے۔ ایسی نعمتیں تیار کی گئی ہیں جنہیں کسی انسان نے کبھی نہیں دیکھا۔ مومنین سے اللہ تعالیٰ نے ابدی بادشاہی کا وعدہ فرما رکھا ہے۔

پس ایسا شخص جسے دنیا کی عارضی نعمتیں دی گئیں اور وہ ان میں کھو کر اپنے خدا کو بھول گیا اور وہ شخص جسے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جو مال و دولت دیا وہ اس میں زاہدانہ طرزِ عمل اختیار کرتا ہے، یہ دونوں شخص آخرت میں اجر کے اعتبار سے برابر نہیں ہو سکتے۔

(۳)۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ [2]

(آخرکار ہر شخص کو مرنا ہے اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو۔ کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتش دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔ رہی یہ دنیا، تو یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے)

اس آیت پاک میں ہمیں موت کو یاد کرنے اور آخرت کی تیاری کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ دنیا کا یہ جلال اور مال آخرکار ختم ہونے والا ہے۔ دنیاوی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے۔ اس کی ظاہری چمک دمک، وقتی فوائد و منافع، اور عارضی لذتوں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ اپنی اصلی منزل اور حقیقی کامیابی کو یاد رکھنا چاہیے۔ اس آیت پاک پر غور کرنے سے ہمارے سامنے مندرجہ ذیل نکات روشن ہوتے ہیں:

(i)۔ ہر کسی کو موت آ کر رہے گی۔

(ii)۔ یہ دنیا مکر و فریب کا سامان ہے

۱۔ سورۃ القصص: آیت: ۶۰، ۶۱

۲۔ سورۃ آلِ عمران: آیت: ۱۸۵

(iii)۔ قیامت کے دن ہر کسی کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

(iv)۔ جہنم کی آگ سے بچ کر جنت میں داخل ہونے والا ہی حقیقی کامیاب ہے۔

(v)۔ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔

(vi)۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

(۴)۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۚ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا [۱]

(مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے ہاں ثواب میں بہتر اور امید کی رو سے زیادہ اچھی ہیں)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ مال و اولاد محض دنیاوی زیب و زینت کا سامان ہے جبکہ ان سے مقصود دنیا ہی کا مفاد ہو۔ اگر ان چیزوں کو آخرت کی کمائی کا ذریعہ بنایا جائے تو پھر یہ سب کچھ دنیا نہیں، دین بن جاتا ہے اور ان کے ذریعے آخرت کی وہ نیکیاں کمائی جا سکتی ہیں جو ان کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ سو مال و دولت اور اولاد وغیرہ کی یہ نعمتیں دو دھاری تلوار کی طرح ہیں کہ اگر خیر کے ذریعے مل گئیں اور خیر کی راہ پر لگ گئیں تو خیر در خیر ورنہ عذاب۔

ہمیں اپنے مال، اولاد اور سامان زیب و زینت میں الجھ کر اپنے انجام اور آخرت کو نہیں بھولنا چاہیے کیونکہ یہ سب کچھ تو دنیاوی زندگی کا چند روز سامان ہے۔ اصل چیز تو آخرت اور اس کے لیے کی جانے والی کوشش ہے۔ اسی کو اپنا اصل مقصد اور نصب العین بنانا چاہیے۔ صرف نیکیاں ہی باقی رہ جانے والی ہیں۔

(۵)۔ اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ ؕ وَاللّٰہُ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ [۲]

(تمہارے اموال اور اولاد بس تمہارے لیے ایک آزمائش کی چیز ہے اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ دنیاوی مال اور اولاد انسان کو آزمانے کے لیے دی جاتی ہے کہ کون ان کی محبت میں گرفتار ہو کر آخرت اور اپنے انجام کو بھول جاتا ہے اور کون ان کے تقاضوں کے باوجود راہ حق پر ثابت قدم رہتا ہے۔ ان کی محبت کو اللہ اور اس کے دین کی محبت پر غالب اور مقدم رکھنا اللہ عزوجل کی آزمائش میں ناکام ہونے کی دلیل ہے۔ اگر ہم نے ان کو اللہ عزوجل کی محبت کے تابع رکھا اور اللہ عزوجل کی رضا کے حصول کا ذریعہ بنا دیا تو ہم اس آزمائش میں کامیاب ہو گئے۔

ایسے ہی فرمانبرداروں کے لیے بشارت و خوشخبری کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ پاک کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔ اتنا بڑا کہ الفاظ و کلمات کے تنگ دائرے پوری طرح اس کا ادراک و احاطہ بھی نہیں کر سکتے۔ ازواج و اولاد کے تقاضوں میں الجھ کر ہمیں اس اجر عظیم سے محروم نہیں ہونا چاہیے۔ آخرت کے اجر عظیم کو ہمیشہ اپنی نظر میں رکھنا چاہیے۔

۱۔ سورۃ الکہف: آیت: ۴۶

۲۔ سورۃ التغابن: آیت: ۱۵

دنیا اور اس کی ہر حالت فانی ہے۔ اصل اجر و ثواب تو آخرت ہی کا اجر و ثواب اور وہیں کی کامیابی ہے، پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے تقاضوں کو مال و اولاد کی محبت کے تقاضوں پر فائق اور مقدم رکھے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

(۶)۔ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ○ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ [۱]

(کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو انہیں مال و اولاد سے مدد دیئے جا رہے ہیں، تو گویا انہیں بھلائیاں دینے میں سرگرم ہیں؟ نہیں، اصل معاملے کا انہیں شعور نہیں ہے)

ان آیات مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں انسان کو جو مال دولت دیا جاتا ہے یہ انسان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات نہیں بلکہ آزمائش ہوتی ہے۔ دنیا میں کسی کا بہت زیادہ مال دار ہونا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہے۔ بلکہ اصل صورت حال کا علم اللہ عزوجل کو ہی ہے۔

ان آیات سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(i)۔ زیادہ مال یا اولاد کا ہونا رضائے الٰہی کی نشانی نہیں۔

(ii)۔ دنیاوی مال و دولت انعام کی بجائے آزمائش کے لیے دی جاتی ہے۔

(iii)۔ نیک لوگ مال و اولاد کی وجہ سے اپنے درجے بلند کرتے ہیں۔

(iv)۔ کفار کے لیے مال اور اولاد گناہ میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔

(v)۔ بعض لوگوں کا مال و دولت خیر کی بجائے انہیں برے انجام سے دو چار کرتا ہے۔

(vi)۔ اللہ تعالیٰ کے نافرمان حقیقی شعور سے تہی دامن ہوتے ہیں۔

(۷)۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا [۲]

(تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو؟ اب جو انہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو ان میں سے ایک فریق کا حال یہ ہے کہ لوگوں سے ایسا ڈر رہے ہیں جیسا خدا سے ڈرنا چاہیے یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر۔ کہتے ہیں خدایا! یہ ہم پر لڑائی کا حکم کیوں لکھ دیا؟ کیوں نہ ہمیں ابھی کچھ اور مہلت دی؟ ان سے کہو، دنیا کا سرمایہ زندگی تھوڑا ہے، اور آخرت ایک خدا ترس انسان کے لیے زیادہ بہتر ہے، اور تم پر ظلم ایک ذرہ برابر بھی نہ کیا جائے گا)

۱۔ سوۃ المومنون: آیت: ۵۵،۵۶

۲۔ سورۃ النسا: آیت: ۷۷

2

اس آیت پاک میں اللہ عزوجل ہمیں نصیحت فرماتا ہے کہ دنیا کی متاع بہت تھوڑی ہے۔ ساری دنیا کا سامان اتنا تھوڑا ہے کہ جس دنیاوی مال و دولت کی پوجا کی جاتی ہے اور اسے حاصل کرنے کے لیے ہر طرح کی جائز و ناجائز کوششیں کی جاتی ہیں، اس پوری دنیا کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں۔

جب پوری دنیا کی حقیقت و حیثیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہے، تو پھر اس تھوڑے سے حصے کی اہمیت کیا ہوگی جو ہمیں دنیاوی زندگی گزارنے کے لیے دیا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کس قدر محروم، بدنصیب اور کوتاہ نظر ہیں وہ لوگ جو آخرت کو بھول کر اور اس سے منہ موڑ کر صرف اسی دنیاوی زندگی کیلئے جیتے اور اسی کے لئے مرتے ہیں۔ یہ دنیا اور اس کا یہ چند روزہ سامان کچھ بھی نہیں۔ اصل چیز تو آخرت اور وہاں کی سدا بہار نعمتیں ہیں، جن سے خوش نصیب سرفراز ہوں گے اور اپنے رب کے خوف و خشیت اور تقویٰ و طہارت کی دولت سے سرفراز و سرشار ہوں گے۔

ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آخرت کی کامیابی یقیناً دنیاوی کامیابی سے بہتر ہے۔ پس انسان کو اپنے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کی پکڑ سے ڈرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ کفر، اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے اور اس کی نافرمانی کرنے سے بچنا چاہیے۔ خدا تعالیٰ سے ہر حال میں راضی رہنا چاہیے۔ اس سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنی چاہیے۔ کیونکہ تقویٰ و پرہیزگاری ہی نجات اور حقیقی کامیابی کا وسیلہ ہے۔

قیامت کے دن ہر انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ انصاف اور اپنے فضل و کرم کا معاملہ کرے گا۔ کسی پر کسی طرح کا ظلم نہیں کیا جائے گا۔ کسی کی نیکی کا انکار نہیں کیا جائے گا نہ ہی کسی دوسرے کے گناہ ہمارے ذمے ڈالے جائیں گے۔ نیکی کا اجر کئی گناہ بڑھا کر دیا جائے گا۔

(۸)۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ ٱنفِرُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱثَّاقَلْتُمْ إِلَى ٱلْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُم بِٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا مِنَ ٱلْءَاخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَٰعُ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا فِى ٱلْءَاخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ [1]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کرلیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سروسامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ دنیاوی زندگی اور اس کا سروسامان آخرت کے مقابلے میں اتنا قلیل ہے کہ اس کی کوئی حقیقت اور حیثیت ہی نہیں۔ پس جو لوگ آخرت کے مقابلے میں دنیا کو مقدم رکھتے اور اس کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی فانی لذتوں کی بنا پر وہ آخرت اور اس کے تقاضوں سے غفلت اور لاپرواہی برتتے ہیں، وہ بڑے ہی ہولناک خسارے کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس حقیقت کا ادراک قیامت کے دن ہوگا۔ اس دن خسارے کی تلافی و تدارک کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

---

[1] سورۃ التوبہ: آیت: ۳۸

اس دن کوئی نیکی قبول نہیں کی جائے گی۔ قیامت کا دن جزا وسزا کا دن ہوگا۔

ہمیں دنیاوی مال و دولت میں الجھ کر خدا کو نہیں بھولنا چاہیے۔ دنیا کی حیثیت کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کرنی چاہیے تا کہ آخرت کی حقیقی کامیابی نصیب ہو سکے۔

(۹)۔ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ[۱]

(اِن کے مال و دولت اور ان کی کثرت اولاد کو دیکھ کر دھوکا نہ کھاؤ)

اس آیت پاک میں ہمیں نصیحت کی گئی ہے کہ اموال و اولاد اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتیں ہیں۔ جن سے وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔ انہی کے ذریعے انسان اپنی دنیا بھی سنوار سکتا ہے اور اپنی آخرت بھی بنا سکتا ہے۔ لیکن یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ انسان صدق واخلاص اور ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال ہو۔ انسان ان کو اپنے خالق و مالک کی تعلیمات و ہدایات کے مطابق عمل میں لائے۔

اگر انسان خدائے پاک کے احکامات کو نہ مانے تو یہی چیزیں اس کے ہاتھوں کے بندھن اور اس کے گلے کا پھندا بن جاتی ہیں اور انسان انہی کے حصول اور پھر انہی کی بقاء و بڑھوتری کے جال میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ دنیا میں طرح طرح کے آلام و مصائب میں مبتلا رہتا ہے۔ ظاہری اسباب و وسائل کی موجودگی کے باوجود زندگی ایک سخت قسم کی گھٹن کا شکار ہو جاتی ہے۔ حیات دنیا کی یہ مختصر و محدود فرصت یونہی گزارنے کے بعد ایسے لوگ آخرت کے ابدی خسارے کا شکار ہو جاتے ہیں، جس سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ پس ہمیں ان دونوں نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق عمل میں لانا چاہیے۔

(۱۰)۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ[۲]

(خوب جان رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا، زینت اور آپس میں فخر (وغرور) اور مال اولاد میں ایک دوسرے سے اپنے آپ کو زیادہ بتلانا ہے، جیسے بارش اور اس کی پیداوار کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو زرد رنگ میں اس کو تم دیکھتے ہو پھر وہ بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب اور اللہ کی مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیا کی زندگی سوائے دھوکے کے سامان کے اور کچھ بھی نہیں ہے)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی کھیل، تماشا، زیب و زینت، فخر وغرور، مال اور اولاد میں تقابل اور تفاخر کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس دنیا کی مثال بارش کی طرح ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو اس سے فصلیں اُگتی اور لہلہا اٹھتی

۱۔ سورۃ التوبہ: آیت: ۵۵

۲۔ سورۃ الحدید: آیت: ۲۰

2

ہیں، جس سے زمیندار خوش ہوتا ہے۔ اس کے سامنے کھیتی پروان چڑھتی ہے، رنگ پکڑتی ہے پھر اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے یہی مثال دنیا دار شخص کی ہے کہ وہ زندگی بھر کماتا رہتا ہے لیکن موت کے وقت اس کے پاس حسرت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ وہ بڑی حسرتوں کے ساتھ خالی ہاتھ دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور جونہی اس کی آنکھ بند ہوتی ہے وہ آخرت کے شدید عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جس نے دنیا اور اس کی لذّات پر فریفتہ ہونے کی بجائے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں زندگی بسر کی۔ اس کے لیے اللہ کی طرف سے بخشش اور اس کی رضامندی ہے۔

خدائے عزوجل بتاتا ہے کہ یہ دنیا کا سروسامان تو محض کھیل تماشے کی جگہ ہے، جو وقت گزارنے اور دل بہلانے کے لیے ہوتا ہے۔ ان میں بہتر سے بہتر کھیل تماشا بھی دائمی اور مستقل نہیں ہوتا۔ کھیل، تماشا بظاہر کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو پوری زندگی کھیل میں نہیں گزاری جاسکتی۔ یہی دنیا اور اس کے اسباب کی حقیقت ہے کہ اگر انسان کی زندگی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں نہ ہو تو پوری کی پوری زندگی بے مقصد ہو جاتی ہے۔

اس آیت پاک سے ہمیں درج ذیل نکات سمجھ آتے ہیں:

(i)۔ دنیا کی زندگی کھیل تماشا، زیب وزینت، فخر وغرور اور مال واولاد میں تفاخر کے سوا کچھ نہیں۔

(ii)۔ دنیا کی زندگی ایسی نباتات کی طرح ہے جو بارش کے بعد اُگتی ہے لیکن ایک وقت کے بعد ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔

(iii)۔ دنیا کے مال واسباب پر فخر نہیں کرنا چاہیے

(iv)۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی بے معنی وقلیل ہے۔

(v)۔ دنیا عارضی اور آخرت پائیدار ہے۔

(vi)۔ مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔

(vii)۔ مال اور اولاد ہمارے لیے آزمائش ہیں۔

(viii)۔ دنیا کے مال پر فخر کرنے والے کے لیے آخرت میں سخت عذاب ہے۔

(ix)۔ دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہے۔

(x)۔ جس نے اپنے آپ کو دنیا کے اس دھوکے سے بچا لیا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کرے گا اور اس پر راضی ہوگا۔

۳۔ زہد احادیث کی روشنی میں

حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو بار بار زہد اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے، جس کا اندازہ درج ذیل کی چند احادیث سے لگایا جاسکتا ہے:

(۱)۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دنیا کا زہد یہ نہیں کہ آدمی حلال چیز کو اپنے

اوپر حرام کرلے اور نہ یہ ہے کہ اپنا مال تباہ کردے۔ بلکہ زہد اور درویشی یہ ہے کہ آدمی کو اس مال پر جو اس کے ہاتھ میں ہے اس سے زیادہ بھروسہ نہ ہو جتنا اس مال پر ہے جو اللہ کے ہاتھ میں ہے[1]۔

(۲)۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں: ابن آدم کا دنیا میں ان چیزوں کے علاوہ اور کوئی حق نہیں:

(i)۔ رہنے کے لیے گھر

(ii)۔ تن ڈھانپنے کے لیے مناسب کپڑا

(iii)۔ روٹی اور پانی کے برتن[2]

(۳)۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ جسے میں کرنے لگوں تو میں اللہ کو پسند آؤں اور لوگوں کو بھی پسند آؤں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا کے معاملہ میں زہد اختیار کرلو، تم اللہ کو پسند آنے لگو گے۔ جو کچھ لوگوں کے ہاتھ میں ہے، اس کی بابت زہد اختیار کرلو، تم لوگوں کو پسند آنے لگو گے[3]۔

(۴)۔ حضرت ابوخلاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جس نے دنیا سے زہد اختیار کیا تو اس کی صحبت اختیار کرو کیونکہ اس کی باتوں میں حکمت ہوتی ہے[4]۔

(۵)۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوۂ خندق کے موقع پر موجود تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خندق کھودتے جاتے تھے اور ہم مٹی اٹھاتے جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے قریب سے گزرتے ہوئے فرماتے: اے اللہ! زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے، اے اللہ! تو انصار و مہاجرین کی مغفرت فرمادے[5]۔

(۶)۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت میں ایک کوڑے جتنی جگہ، دنیا اور اس میں جو کچھ ہے سب سے بہتر ہے اور اللہ کے راستے میں صبح کو یا شام کو تھوڑا سا چلنا بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے[6]۔

(۷)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے[7]۔

۱۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۰۰

۲۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۲۱۵۸

۳۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۰۰

۴۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۰۱

۵۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۴۱۴

۶۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۴۱۵

۷۔ صحیح مسلم۔ رقم: ۲۹۲۰۔ اس سے مراد ہے کہ زندگی اللہ تعالیٰ کی مرضی سے گزارنی ہے یہاں انسان کو مکمل آزادی حاصل نہیں ہے۔

2

(۸)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ بازار سے گزرتے ہوئے کسی بلندی سے مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں طرف تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیڑ کا ایک بچہ جو چھوٹے کانوں والا تھا، اسے مرا ہوا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا کان پکڑ کر ارشاد فرمایا: تم میں سے کون اسے ایک درہم میں لینا پسند کرے گا؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا! ہم میں سے کوئی بھی اسے کسی چیز کے بدلے میں لینا پسند نہیں کرتا اور ہم اسے لے کر کیا کریں گے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ یہ تمہیں مل جائے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا اللہ کی قسم! اگر یہ زندہ بھی ہوتا تو پھر بھی اس میں عیب تھا کیونکہ اس کا کان چھوٹا ہے، اب تو یہ مردہ حالت میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ کے ہاں یہ دنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے جتنا تمہارے نزدیک یہ مردار ذلیل ہے[۱]۔

(۹)۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ذوالحلیفہ میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا، تو ایک مردہ بکری پیر اٹھے ہوئے پڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کیا سمجھتے ہو یہ اپنے مالک کے نزدیک ذلیل ہے۔ خدا کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، البتہ دنیا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے، جتنا کہ یہ بکری اپنے مالک کے نزدیک ذلیل ہے۔ اگر دنیا اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے بازو کے برابر بھی اہمیت رکھتی تو اللہ تعالیٰ اس میں سے ایک قطرہ پانی کا کافر کو پینے نہ دیتا[۲]۔

(۱۰)۔ حضرت مستورد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈالے پھر دیکھے کہ کتنا پانی اس کی انگلی میں لگتا ہے[۳]۔

(۱۱)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بوریئے پر لیٹے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن میں اس کا نشان پڑ گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان! کاش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو حکم دیتے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے بچھونا کر دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تکلیف نہ ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تو دنیا میں ایسا ہوں جیسے ایک سوار ایک درخت تلے سایہ کے لیے اتر پڑے پھر تھوڑی دیر میں وہاں سے چل دے[۴]۔

(۱۲)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر انسان کے پاس مال کی دو وادیاں

۱۔ صحیح مسلم۔ رقم: ۲۹۲۱۔ اگر یہ دنیا اپنی مرضی سے گزاری جائے تو یہ مردار بن جاتی ہے اور اگر اللہ عزوجل کی مرضی سے گزاری جائے تو یہ اللہ کی برکات کا سبب ہے۔

۲۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۱۰

۳۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۰۹

۴۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۴۳۶

ہوں تو تیسری کا خواہش مند ہوگا اور انسان کا پیٹ مٹی کے سوا اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور اللہ اس شخص کی توبہ قبول کرتا ہے جو (دل سے) سچی توبہ کرتا ہے[1]۔

(۱۳)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابن آدم! تم اگر اپنی ضرورت سے زائد مال کو محاسن میں خرچ کر دو گے تو تمہارے لیے بہتر ہوگا اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو یہ تمہارے لیے بدتر ہوگا جبکہ حاجت کے بقدر اپنے اوپر خرچ کرنے پر ملامت نہیں کی جائے گی۔ نیز صدقات وخیرات کی ادائیگی میں ابتداء اس سے کرو جس کی تم کفالت کرتے ہو اور جان لو کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے[2]۔

(۱۴)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے شمالی طرف چلا جا رہا تھا۔ احد کا پہاڑ ہمارے سامنے آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مخاطب کیا: ابوذر! میں نے عرض کی: لبیک اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو تو پھر بھی میں ہرگز پسند نہ کروں کہ تیسری رات مجھ پر اس حالت میں آئے کہ اس میں سے ایک اشرفی بھی میرے پاس بچ گئی ہو۔ اپنے پاس اگر کچھ رکھوں گا تو وہ صرف قرض لوٹانے کے لیے۔ میں بندگانِ خدا میں دامن بھر بھر کر ایسے دائیں اور ایسے بائیں، وہ سارا سونا لٹا دوں گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دیر چلے اور بولے: آج جن کی دولت کا حساب نہیں قیامت کے روز وہ غریب نکلیں گے، سوائے ان میں سے وہ جو ایسے دائیں اور ایسے بائیں اور ایسے پیچھے مال لٹاتے ہوں۔ مگر ایسے ہیں بہت تھوڑے[3]۔

(۱۵)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کو گئے، دیکھا وہ رو رہے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا! تم کیوں روتے ہو؟ بھائی کیا تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت نہیں اٹھائی، کیا یہ بات تم میں نہیں ہے؟ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا! ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی میرے رونے کی وجہ نہیں ہے، نہ تو بخل کی وجہ سے دنیا کی حرص اور نہ یہ کہ میں آخرت کو برا جانتا ہوں۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو ایک نصیحت کی تھی اور مجھے لگتا ہے کہ اپنے تئیں میں نے اس میں فرق کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا نصیحت کی تھی؟ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: تم میں سے ہر ایک کو دنیا میں اسی قدر کافی ہے جتنا سوار کو کافی ہوتا ہے[4]۔

(۱۶)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص سب فکروں کو چھوڑ کر ایک فکر لے گا، یعنی آخرت کی فکر، تو اللہ تعالی اس کی دنیا کی فکریں اپنے ذمہ لے لے گا اور جو شخص طرح طرح کی دنیا کی فکروں میں لگا رہے،

---

[1]۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۲۱۶۰

[2]۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۰۰

[3]۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۰۴

[4]۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۰۶

2

تو اللہ تعالیٰ پرواہ نہ کرے گا۔ وہ چاہے جس مرضی وادی میں ہلاک ہو[1]۔

(۱۷)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سنا! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے: دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی ملعون ہے، مگر (سوائے) اللہ تعالیٰ کی یاد اور اللہ کے محبوب بندوں اور عالم اور علم سیکھنے والے کے[2]۔

(۱۸)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خرابی ہے، بہت مال والوں کے لیے مگر جو کوئی مال کو اس کی طرف لٹا دے اور اس طرف اور اس طرف اور اس طرف۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاروں طرف اشارہ فرمایا: دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے[3]۔

(۱۹)۔ حضرت خباب بن ارث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہجرت کی۔ چنانچہ ہمارا اجر اللہ کے ذمہ رہا۔ ہم میں سے کوئی تو گزر گیا اور اپنا اجر نہیں لیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (انہی) میں سے تھے۔ وہ جنگ احد کے موقع پر شہید ہو گئے تھے اور ایک چادر چھوڑی تھی۔ اس چادر سے ہم اگر ان کا سر ڈھانکتے، تو ان کے پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھانکتے تو سر کھل جاتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ان کا سر ڈھانک دیں اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دیں اور کوئی ہم میں سے ایسے ہوئے، جن کے پھل خوب پکے اور وہ مزے سے چن چن کر کھا رہے ہیں[4]۔

(۲۰)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی میز پر کھانا نہیں کھایا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو گئی اور نہ وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی باریک چپاتی تناول فرمائی[5]۔

(۲۱)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو میرے توشہ خانہ میں کوئی غلہ نہ تھا جو کسی جاندار کے کھانے کے قابل ہوتا، تھوڑے سے جو کے سوا، جو میرے توشہ خانہ میں تھے۔ میں انہی میں سے کھاتی رہی۔ جب بہت دن ہو گئے، تو آخر ناپ کر میں نے انہیں ماپا، تو وہ ختم ہو گئے[6]۔

(۲۲)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا، انہوں نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا، بیٹے! ہم دو مہینوں میں تین چاند دیکھ لیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں میں چولہا نہیں جلتا تھا۔ میں نے پوچھا! پھر آپ لوگ زندہ کس چیز پر رہتی تھیں؟ بتلایا کہ صرف دو کالی چیزوں پر، کھجور اور پانی۔ ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ انصاری پڑوسی تھے، جن کے یہاں دودھیل اونٹنیاں تھیں، وہ اپنے

۱۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۰۶

۲۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۱۲

۳۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۲۹

۴۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۴۴۸

۵۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۴۵۰

۶۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۴۵۰

گھروں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دودھ بھیج دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں وہی دودھ پلا دیتے تھے[1]۔

(۲۳)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں کو مدینہ آنے کے بعد کبھی تین دن تک برابر گیہوں کی روٹی کھانے کے لیے نہیں ملی۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح قبض ہوگئی[2]۔

(۲۴)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی[3]۔

(۲۵)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ہمارے اوپر ایسا مہینہ بھی گزر جاتا تھا کہ چولہا نہیں جلتا تھا۔ صرف کھجور اور پانی ہوتا تھا۔ ہاں اگر کبھی کسی جگہ سے کچھ تھوڑا سا گوشت آجاتا، تو اس کو بھی کھا لیتے تھے[4]۔

(۲۶)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں! ہم مہاجرین فقراء قیامت کے دن مالداروں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے[5]۔

(۲۷)۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے گزرا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دوسرے شخص ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب بیٹھے ہوئے تھے، پوچھا! کہ اس شخص کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ معزز لوگوں میں سے ہے اور اللہ کی قسم یہ اس قابل ہے کہ اگر یہ پیغام نکاح بھیجے تو اس سے نکاح کر دیا جائے۔ اگر یہ سفارش کرے تو ان کی سفارش قبول کر لی جائے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر خاموش ہوگئے۔ اس کے بعد ایک دوسرے صاحب گزرے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ان کے متعلق بھی پوچھا! کہ ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ صاحب مسلمانوں کے غریب طبقہ سے ہیں اور یہ ایسے ہیں کہ اگر یہ نکاح کا پیغام بھیجیں تو ان سے نکاح نہ کیا جائے۔ اگر یہ کسی کی سفارش کریں تو ان کی سفارش قبول نہ کی جائے اور اگر کچھ کہیں تو ان کی بات نہ سنی جائے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد ارشاد فرمایا: اللہ کے نزدیک یہ پچھلا محتاج، اگلے مالدار شخص سے اگرچہ ویسے آدمی زمین بھر کر ہوں، بہتر ہے[6]۔

(۲۸)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں میں جو فقیر ہیں، وہ مال داروں سے آدھا دن پہلے جنت میں جائیں گے اور آدھا دن پانچ سو برس کا ہے[7]۔

۱۔ مشکوٰۃ شریف۔ جلد چہارم: رقم: ۱۱۵۲

۲۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۴۵۴

۳۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۴۵۴

۴۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۴۵۴

۵۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۴۵۴

۶۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۴۴۷

۷۔ صحیح مسلم۔ رقم: ۲۹۶۶

(۲۹)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تجھ سے بیان نہ کروں جنت کا بادشاہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا! جی ہاں بیان فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کمزور و ناتواں ہو، لوگ اس کو کم قوت سمجھیں اور دو پرانے کپڑے پہنتا ہو، وہ اگر قسم کھائے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بھروسے پر، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کو سچا کرے گا[۱]۔

(۳۰)۔ حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تجھ کو نہ بتلاؤں کہ جنت والے لوگ کون ہیں؟ ہر ایک ضعیف و ناتواں جس کو لوگ کمزور جانیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم کو نہ بتلاؤں، دوزخ والے لوگ کون ہیں؟ ہر ایک سخت مزاج، بہت روپیہ جوڑنے والا اور اکڑ والا[۲]۔

(۳۱)۔ حضرت ابوامامہ حارثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سادگی ایمان میں داخل ہے[۳]۔

(۳۲)۔ حضرت ابن کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ اپنے والد سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں: اگر دو بھوکے بھیڑیے بکریوں میں چھوڑ دیے جائیں تو بھی وہ اتنا فساد برپا نہ کریں، جتنا مال وجاہ کی حرص، انسان کے دین کو خراب کرتی ہے[۴]۔

۴۔ زہد اور زاہدوں کی اقسام:

(۱)۔ زہد کی تین صورتیں

زہد کی کئی صورتیں ہیں۔ جیسا کہ

(i)۔ خدا کی رضا کے لیے حرام کام کو چھوڑ دینا، یہ عوام کا زہد ہے۔ زہد کی یہ صورت اختیار کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

(ii)۔ حلال میں سے ضرورت سے زائد کو چھوڑ دینا، یہ خواص کا زہد ہے۔ اسے نفل زہد بھی کہتے ہیں۔

(iii)۔ حلال میں سے ایسی اشیا کو ترک کر دینا جو بندے کو خدا سے غافل کر دیتی ہوں، زہد کی تیسری صورت ہے اور یہ عارفین کا زہد ہے۔ اسے سلامت زہد بھی کہتے ہیں۔

(۲)۔ زہد کے درجات

زہد کے کئی درجے ہیں۔ یہ تین درجے زیادہ اہم ہیں:

(i)۔ زہد کا پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان تکلف کے ساتھ دنیا سے بے رغبتی اختیار کرے اور اپنی خواہشات کے باوجود اسے ترک کرنے کی کوشش کرے تو ایسا شخص متزہد ہے۔ یہ درجہ اس شخص کے حق میں زہد کا نقطہ آغاز ہے جو کسب واجتہاد سے درجہ زہد تک پہنچنا چاہے۔ متزہد ہر وقت خطرات میں گھرا رہتا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کا نفس اس پر غالب

۱۔ صحیح مسلم۔ رقم: ۲۹۶۶

۲۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۲۲

۳۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۱۵

۴۔ صحیح مسلم۔ رقم: ۲۹۶۶

آ جاتا ہے اور خواہشات اسے اپنی طرف راغب کرتی ہیں اور وہ راحت پانے کے لیے دنیا کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(ii)۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی خوشی سے دنیا سے بے رغبتی اختیار کرے اور اسے آخرت کے مقابلے میں حقیر سمجھے۔ وہ ایک حقیر چیز کو ایک اہم چیز کے حصول کی خاطر چھوڑ دے۔ یہ بھی زہد ہے لیکن اس میں نقصان کا ڈر ہے۔ یہ زاہد اپنے زہد سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے اور اس کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اس سے زاہد میں عجب (تکبر) پیدا ہو سکتا ہے۔

(iii)۔ زہد کا تیسرا اور سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی خوشی سے زہد اختیار کرے اور اپنے زہد میں مبالغہ اختیار کرے اور یہ خیال نہ کرے کہ اس نے کوئی اہم چیز چھوڑی ہے اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ دنیا کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے پتھر کو چھوڑا اور موتی لے لیا، وہ اس چیز کو اس کا بدلہ نہیں سمجھتا اور اس کے نزدیک دنیا کی آخرت کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں۔

(۳)۔ زاہدوں کے درجات

جس طرح زہد کے تین درجات ہیں بالکل اسی طرح زاہدوں کے بھی تین درجے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(i)۔ بعض زاہد ابتدائی درجہ میں ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس کوئی چیز نہ ہو۔ حضرت جنیدؒ سے زہد کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا، ہاتھوں کا ملکیت سے اور دلوں کا طمع سے خالی ہونا زہد ہے، اور جب حضرت سری سقطیؒ سے زہد کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا زہد یہ ہے کہ جن چیزوں سے زاہد کا ہاتھ خالی ہو ان سے اس کا دل بھی خالی ہو[1]۔

(ii)۔ دوسرا گروہ ان زاہدوں کا ہے جن کا زہد تحقیق شدہ ہو۔ ان کی صفت وہ ہے جو رویم بن احمدؒ نے بیان کی۔ جب ان سے زہد کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا، ان تمام چیزوں سے جو دنیا میں پائی جاتی ہیں، ان کی خواہش کو ترک کر دینا زہد ہے۔ دنیا سے زہد اختیار کرنے میں بھی نفس کا مزہ پایا جاتا ہے۔ اس لیے کہ زہد کے اندر راحت، تعریف، نیک نامی اور لوگوں کے ہاں جاہ طلبی پائی جاتی ہے لہٰذا جو شخص دل سے ان خواہشات نفس سے آزادی اختیار کرے گا وہی حقیقی زاہد کہلائے گا[2]۔

(iii)۔ تیسرا گروہ وہ ہے جس نے یہ معلوم کر لیا اور اسے یقین ہو گیا کہ اگر تمام کی تمام دنیا جائز طور پر اس کی ملکیت بن جائے اور پھر آخرت میں اس سے اس کا محاسبہ بھی نہ کیا جائے اور ان سے ان انعامات میں جو انہیں اللہ کے ہاں ملیں گے، کمی بھی واقع نہ ہوتی ہو اور پھر بھی یہ دنیا سے اللہ کی خاطر بے نیازی اختیار کرے۔ جب یہ لوگ اس مقام تک پہنچ جاتے ہیں تو اپنے زہد سے بھی زہد اختیار کرتے ہیں اور اپنے زہد سے توبہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت شبلیؒ سے زہد کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا زہد تو غفلت کا نام ہے اس لیے کہ دنیا لاشیء ہے اور لاشیء سے زہد کرنا غفلت ہے[3]۔

۱۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراج۔ صفحہ نمبر: ۸۴

۲۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراج۔ صفحہ نمبر: ۸۴

۳۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراج۔ صفحہ نمبر: ۸۷

2

۵۔ زہداوردنیا کا تعلق

(۱)۔ زہدکا عام تصور،غربت، ناداری، دنیا سے بیزاری اور پھٹے کپڑوں میں محصور کردیا گیا ہے، حالانکہ اسلام میں ایسا نہیں ہے۔اسلام کے نزدیک زہد، دولت کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے اورغربت کے ساتھ بھی۔ایک دولتمند بھی زاہد ہوسکتا ہے اگراس دولت سے غرور پیدا نہ ہو اور غریب فقیر بھی زاہد ہوسکتا ہے اگر دنیا کے ہاتھ سے نکل جانے پر غمگین و پریشان نہ ہو۔

(۲)۔ سید المرسلین ﷺ کی زندگی پر نگاہ ڈالیں تو زہد ہی زہد نظر آتا ہے، آخرت کے اندر مقامِ محمود اور بہشت میں سب سے اونچے محلات کے مالک، تاریخ کے یہ عظیم ترین انسان، یہاں دنیا کے اندر اپنے پھٹے ہوئے لبادے پر خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتا ہے اور پھر اس کو خدا کا شکر کر کے پہن لیتا ہے۔ اپنے جوتے کو خود ہی مرمت کر لیتا ہے۔ اپنی بکری کا دودھ خود دھوتا ہے۔ جو کے آٹے سے مسلسل دو روز تک سیر ہونے کا واقعہ اس کی زندگی میں کبھی پیش آتا ہی نہیں، ایک چاند گزرتا ہے، پھر دوسرا چاند گزر جاتا ہے، تیسرا چاند نکل آتا ہے، گھر میں مسلسل چولہا نہیں جلتا۔ چند کھجوریں، کچھ گھونٹ پانی اور پھر خدا کی حمد، قیام، طویل سجدے، جہاد میں مشغول۔غزوہ خندق میں اس کے پیروکار پیٹ پر پتھر باندھ کر نکلتے ہیں تو اس کے اپنے پیٹ پر دو پتھر بندھے دیکھے جاتے ہیں، خندق کھودتے ہوئے اِس کے ساتھی پسینے میں شرابور ہیں تو یہ بھی پتھر توڑنے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔مگر اس پر کبھی غمگین نہیں ہوتے بلکہ ہر لحظہ اللہ کا شکر ہی شکر بجالاتے ہیں۔

(۳)۔ رسول اللہ ﷺ کے عظیم صحابی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو عین جوانی میں موت آتی ہے تو ان کی زبان پر یہ کلمات سنے جاتے ہیں: خدایا! تو جانتا ہے دنیا سے میرا لگاؤ اور یہاں رہنے کی خواہش، زمینیں آباد کرنے اور نہریں نکالنے کیلئے کبھی نہ تھی۔ دنیا سے میری رغبت اس لئے تھی کہ میں گرم دوپہروں میں روزے کی پیاس میں لذت ڈھونڈوں، خلوت کی گھڑیوں میں عبادت کے لئے محنت کروں اور مجالسِ علم وذکر میں شامل ہونے کے لئے سب سے آگے بڑھ کر نشست پاؤں۔

(۴)۔ زہد یہ نہیں کہ آدمی حلال اور پاکیزہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرلے۔حلال کمائی کے معاملہ میں بے رغبتی پیدا کر لینا اور کاروبارِ دنیا میں حصہ نہ لینا زہد کا ایک نہایت غلط تصور ہے۔حلال کمانا، خدا کے پاکیزہ رزق کی تلاش میں نکلنا اور اس کے لیے صبح سے شام کرنا، اور اپنی اس کمائی سے والدین، اہل خانہ کے حقوق پورے کرنا لازم ہے۔ دنیا میں اس مال سے، حسب استطاعت، جہاد اور خدا کے مشن کو بھرپور تقویت دینا زہد ہے اور اپنی اس مجموعی روش سے اپنی امت کو مضبوط سے مضبوط تر کرنا زہد ہے۔اسلامی معاشرے کو ایک بیروزگار اور غیر پیداواری معاشرہ نہ رہنے دینا اور مسلم معاشرے کو ایک باعزت، خودکفیل اور ایک غیر دست نگر (non-dependant) معاشرہ بنانے میں مؤثر سے مؤثر کردار ادا کرنا ہی زہد ہے۔

(۵)۔ اللہ پاک نے اپنی پاک کتاب قرآن پاک میں دو طرح کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے۔ایک گروہ جو صرف دنیا کا طلب گار رہتا ہے اور دوسرا وہ جو دنیا و آخرت دونوں کا طلب گار رہتا ہے۔اس گروہ کا ذکر خیر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي

الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ[۱]

(بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے، ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچائے رکھ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے)

(۶)۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغام روانہ فرمایا کہ اپنا (جنگی) لباس اور ہتھیار پہن کر میرے پاس پہنچو۔ میں آپ کے پاس حاضر ہوا تو آپ وضو کر رہے تھے۔ آپ نے مجھ پر اوپر سے لے کر نیچے تک نگاہ ڈالی، پھر فرمایا: میں تمہیں ایک لشکر کی کمان دے کر مہم پر روانہ کرنا چاہتا ہوں، اللہ تمہیں صحیح سلامت واپس لائے اور کامیابی و مالِ غنیمت دے، اور میں تمہارے مال پانے کے لئے بھی خواہشمند ہوں۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں مال پانے کی خاطر اسلام نہیں لایا، بلکہ اس لئے اسلام لایا ہوں کہ اسلام ہی مجھے مرغوب ہے اور اس لئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت و معیت پاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا عمرو، نِعمَ المَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرءِ الصَّالِحِ۔ اے عمرو! کیا ہی خوب ہے کہ پاک مال ہو اور نیک آدمی کے ہاتھ میں ہو[۲]۔

(۷)۔ زہد دنیا کو رد کر دینا نہیں بلکہ دنیا کو دل میں بٹھانے سے انکار کرنا ہے۔ ورنہ ہم جانتے ہیں ایک نبی علیہ السلام اپنے دور کا سب سے بڑا زاہد ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مویشی پوری ایک وادی میں آتے تھے۔ مہمانوں کا تانتا بندھا رہتا تھا، یہاں تک کہ آپ کا لقب ہی ابوالضیفان (مہمانوں کا باپ) پڑ جاتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ تھے جن کے پاس مال دولت کے ڈھیر تھے۔

(۸)۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی زاہد نہیں ہو سکتا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی گھر بسا رکھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت میں سو بکریاں بھی رہیں۔ سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ بکریاں سو سے بڑھ جاتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے کوئی ایک ذبح کر لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخراجات کیلئے فدک میں زرعی زمین کا ایک قطعہ مخصوص تھا۔ گھر میں بڑی بڑی دیر تک کچھ نہیں پکتا تھا تو یہ اس وجہ سے نہ تھا کہ ہاتھ خالی تھا بلکہ اس لئے کہ دل بڑا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جن کو مومنوں کی اس سے کہیں بڑھ کر فکر تھی جتنی کہ خود ان کو اپنی یا اپنے اہل خانہ کی فکر ہو سکتی تھی۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صدقہ خیرات کر دیتے تھے اور اپنے لئے کچھ نہ رکھتے تھے۔

(۹)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں ہم ایسے صحابہ کو بھی جانتے ہیں جو مشکل سے دو کپڑوں میں ملبوس صفہ پر بیٹھے تھے اور کاروبارِ زندگی میں بھی کچھ بہت سرگرم نہیں تھے۔ ان کی زندگی مسجد، علم اور جہاد وغیرہ کی سرگرمیوں تک ہی محدود تھی اور زیادہ تر ان کی گزر صدقات وغیرہ پر ہی ہوتی تھی۔ اسی طرح اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہم ایسے اصحاب کو بھی دیکھتے ہیں جو کروڑ پتی تھے اور کاروبارِ زندگی میں

۱۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۰۰-۲۰۲

۲۔ مسند احمد: جلد ہفتم: رقم: ۸۸۹

بھی خوب سرگرم تھے، بلکہ فضیلت میں کئی کروڑ پتی صحابہ، کئی غیر کاروباری صحابہ کی نسبت بلند تر درجے پر فائز تھے، بلکہ عشرہ مبشرہ قریب قریب سبھی کے سبھی مالی طور پر مستحکم تھے۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس رضی اللہ عنہ جیسے لاتعداد صحابہ ہیں جو خوب تجارت کرتے تھے۔ مال و دولت کی ریل پیل تھی مگر دل میں خدا بستا تھا اور زبان پر صرف آخرت کا سوال تھا۔

(۱۰)۔ حضرت عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، ان کے خزانچی کے پاس ڈیڑھ لاکھ دینار اور دس لاکھ درہم تھے۔ اس کے علاوہ اریس وخیبر اور وادی القریٰ کے درمیان میں کچھ زمینیں تھیں جن کی ملکیت دو لاکھ دینار تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ترکہ کا آٹھواں حصہ پچاس ہزار دینار تھا اور پورا ترکہ چار لاکھ دینار ہوئے۔ ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار ملازم/کام کرنے والے مزدور اس کے علاوہ تھے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے تین لاکھ دینار چھوڑے اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا غنی ہونا اتنا مشہور ہے کہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ غرض دنیا ان کے ہاتھ میں تھی، دل میں نہ تھی۔ جب نہ ملی تھی صبر کیا، جب ملی تو شکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں ان کو فاقے میں مبتلا فرمایا یہاں تک کہ ان کے انوار، کمال کو پہنچ گئے[1]۔

(۱۱)۔ مادی اشیا اور زہد کے تعلق کو حضرت شیخ سعدیؒ نے بہت سادگی اور خوبصورتی کے ساتھ یوں بیان کیا ہے:

چیست دنیا؟ از خدا غافل بودن
نے قماش و نقرہ، فرزند و زن

دنیا کیا ہے؟ اللہ سے غافل ہونا دنیا ہے۔ اچھا لباس، سونا، چاندی اور اولاد و خاندان دنیا نہیں ہے۔

(۱۲)۔ دنیا صحابہؓ کے ہاتھ میں تھی نہ کہ دلوں میں۔ وہ دنیا سے علیحدہ رہتے تھے اور دوسروں کو اپنے نفس پر مقدم رکھتے تھے، اگرچہ خود ان پر فاقہ ہو۔ یہاں تک کہ کسی صحابی کے پاس ایک بکری کی سری ہدیہ آئی تو اس نے فرمایا کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ مستحق ہے۔ اس نے کسی اور کا نام بتلا دیا۔ انہوں نے کسی اور کا نام لے دیا، یوں ایک دوسرے کے پاس بھیجتے رہے یہاں تک کہ سات آٹھ آدمیوں میں گھوم پھر کر پہلے صحابی کے پاس لوٹ آئی۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنگ تبوک میں نصف مال اللہ کی راہ میں دے دیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سارا مال اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سات سو اونٹ لدے لدائے اللہ کی راہ میں دے دیئے اور اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غیر معمولی سامان پیش کیا۔

(۱۳)۔ زہد یہ ہے کہ دنیا آدمی کے ہاتھ میں ہو اور دل میں نہ ہو، چاہے وہ کروڑوں کا مالک کیوں نہ ہو۔ اور یہ اسی وقت ہوگا جب اس دل میں کوئی ایسی برگزیدہ اور اعلیٰ حقیقت بس گئی ہو جس کے ہوتے ہوئے دنیا کے لئے اور دنیا کے عظیم مال ومتاع کے لئے آدمی کے دل میں کوئی جگہ نہ ہو۔ غیر معمولی دولت بھی ہو تو اس کو سمانے کے لئے دل میں نہیں ہاتھ ہی میں جگہ ملے۔ اس صورت حال کی مثال مولانا روم نے اس شعر میں دی ہے:

---

[1] مشکوٰۃ شریف۔ جلد چہارم: رقم: ۱۱۵۲

آب در کشتی، ہلاک کشتی ست
آب اندر زیر کشتی، پستی است

(اگر پانی کشتی کے اندر چلا جائے تو کشتی ڈوب جاتی ہے اگر پانی کشتی کے نیچے رہے تو کشتی محفوظ یعنی چلتی رہتی ہے)

(۱۴)۔ زہد ایک نہایت ہی اعلیٰ حقیقت ہے، یہ اس وقت دل میں جاگزیں ہوتی ہے، جب انسان خدا کی تعظیم سیکھ لے۔ اللہ عزوجل کی شان جان لے، زندگی اور موت کے اصل مالک کی آگہی پالے، آخرت کی شناسائی پالے۔

(۱۵)۔ زہد سے آدمی کی نگاہ میں دنیا کم اہم ہوجاتی ہے، چاہے جتنی بھی ہو اور دنیا دل سے بے دخل کر دی جاتی ہے، چاہے ہاتھ میں جتنی بھی ہو۔ ایک چیز کا چھوٹا اور کم اہم ہوجانا صرف اس صورت ممکن ہے کہ کوئی اور چیز دل میں اس سے زیادہ عظیم ہونے کا مرتبہ حاصل کر گئی ہو اور وہ اللہ کی ذات عالی شان اور اس کے ساتھ تعلق کے عملی تقاضے ہی ہیں۔

(۱۶)۔ زہد ایک نفسی اور روحانی حالت ہے اور چونکہ زاہد کا تعلق اخروی دنیا سے ہوتا ہے، اس لئے وہ زندگی کی مادی اور ظاہری چیزوں سے زیادہ رغبت نہیں رکھتا اور یہ بے توجہی صرف فکر و اندیشہ، احساس اور قلبی لگاؤ ہی میں نہیں ہوتی ہے، بلکہ زاہد اپنی عملی زندگی میں بھی سادگی اور قناعت کو اپنا مسلک قرار دیتا ہے۔ بناؤ سنگھار اور دنیاوی لذتوں سے پرہیز کرتا ہے اور اپنا مال اوروں پر زیادہ خرچ کرتا ہے۔ اگر اپنے اوپر بھی خرچ کرے تو شکر کے احساس میں ڈوبا رہتا ہے۔

(۱۷)۔ زہد کسی مردہ دلی یا کسی محرومیت کا نام نہیں۔ یہ ایک عالی شان عمل کا نام ہے جو پوری انسانی زندگی اور انسانی نسل کو آخرت کے دھارے میں رکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ زہد دنیا کو ترک کرنے کا نام ہے اور نہ دنیا سے متنفر ہونے کا اور نہ دنیا سے فرار اختیار کرنے کا۔ زہد کا مطلب دنیا سے دست بردار ہونا نہیں بلکہ زہد تو درحقیقت دنیا کو آخرت کیلئے بھرپور استعمال کرنا ہے۔

۶۔ زہد اور رہبانیت

(۱)۔ زہد مسلم معاشرے کی ایک نہایت بامقصد، عملی اور ایثار سے بھرپور اعلیٰ حقیقت ہے نہ کہ دنیا میں خدا کے نام پر پسماندگی، کم دلی، سستی اور کاہلی کا مارا ہوا ایک طبقہ یا ایک تھکا ہارا معاشرہ وجود میں لانے والا کوئی مذہبی طرزِ عمل ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ زہد نہیں ہے بلکہ رہبانیت ہے جو اسلام کی روح کے سراسر خلاف ہے۔

(۲)۔ اسلامی زہد کا رہبانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اسلامی زہد اور رہبانیت دو مختلف رویے ہیں۔ رہبانیت لوگوں سے قطع تعلق کرنے اور صرف عبادت کی طرف رخ موڑ لینے کا نام ہے۔ چنانچہ رہبانیت، زندگی اور اجتماعی معاشرہ کی ضد پر استوار ہے اور مخلوق سے کنارہ کشی، گوشہ نشینی، لوگوں سے قطع تعلق اور ہر طرح کی اپنی مسئولیت اور ذمہ داریوں سے فرار کا نام ہے، لیکن اسلامی زہد، سادہ زندگی کے انتخاب کرنے کا نام ہے، لذتوں سے اجتناب کرنے کی بنیاد پر ہے، لیکن اس میں دنیا سے کنارہ کشی نہیں ہوتی۔ ایک کامل زاہد دنیا میں ہی رہتا ہے۔ بلکہ دنیا کو فتح کرتا ہے مگر اس سے دل نہیں لگاتا۔

(۳)۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: لا رھبانیۃ فی الاسلام (اسلام میں رہبانیت نہیں ہے)

2

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن مطعون رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کیا تو میرے طریقہ کو ناپسند کرتا ہے؟ وہ بولے یارسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں! میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے طریقہ کو تلاش کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں بھی رکھتا اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، پس اے عثمان! تو اللہ سے ڈر تجھ پر تیری بیوی کا حق ہے، تیرے مہمان کا حق ہے اور خود تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے۔ پس کبھی کبھی روزہ بھی رکھ اور کبھی نہ رکھ، نماز بھی پڑھ اور سویا بھی کر۔ اسلام میں عبادت وریاضت وہی معتبر ہے جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ہو۔ اس میں مبالغہ رہبانیت ہوگا جس کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے[1]۔

۷۔ زہد کی علامات

سوال پیدا ہوتا ہے کہ زہد کی علامات کیا ہیں؟ بعض اوقات یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ مال کا تارک زاہد ہے، بہت سے راہب ایسے نظر آتے ہیں جنہوں نے خود کو انتہائی معمولی غذا کا عادی بنالیا ہے اور خود کو ایسے عبادت خانوں میں مقید کرلیا ہے جہاں سے باہر آنے کا کوئی راستہ نہیں۔ لیکن وہ اس خوشی کے سہارے زندہ ہیں جو انہیں اس وقت میسر آتی ہے جب لوگ عقیدت ومحبت کے ساتھ ان کی زیارت کرنے آتے ہیں اور ان کی خوشامد کرتے ہیں۔ اس لیے مال ترک کر کے یکسو ہوجانا زہد کی قطعی دلیل نہیں، بلکہ زہد مال اور جاہ دونوں میں چاہیے۔ زہد کی معرفت ایک مشکل کام ہے۔ اس لیے ذیل میں زہد کی کچھ علامات بیان کی جاتی ہیں:

(۱)۔ زہد کی پہلی علامت یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جو عطا کرے اس پر خوشی سے دیوانہ نہ ہو اور جس چیز سے محروم کرے اس پر غمگین نہ ہو۔ یہ علامت زہد فی المال کی ہے۔ جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ[2]

(جو نقصان تمہیں پہنچے اس پر تم دل برداشتہ نہ ہو اور جو تمہیں اللہ عطا فرمائے اس پر پھول نہ جاؤ)

(۲)۔ زہد یہ ہے کہ آدمی موجود پر خوش نہ ہو اور مفقود پر افسوس نہ کرے[3]۔ دوسری چیزوں کے معاملہ میں بھی یہ درست ہے، مگر مال و دولت اور عیش وآسائش کے معاملہ میں زہد کا یہ اہم معیار ہے۔

(۳)۔ زہد کی دوسری علامت یہ ہے کہ انسان کے نزدیک مذمت کرنے والا اور تعریف کرنے والا دونوں برابر ہوجائیں۔ یعنی کہ وہ شخص جو ہماری ستائش کرتا ہے اور وہ جو ہماری مذمت کرتا ہے ہماری نگاہ میں دونوں برابر ہوجائیں۔ یہ جاہ اور مقام کے معاملہ میں زہد ہے۔ اسے زہد فی الجاہ کہتے ہیں۔

(۴)۔ زہد کی تیسری علامت یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوجائے، دل پر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی حلاوت غالب ہوجائے۔

۱۔ سنن ابوداؤد۔ جلد اول: رقم: ۱۳۶۵

۲۔ سورۃ حدید آیت نمبر: ۲۳

۳۔ سورۃ حدید آیت نمبر: ۲۳

انسان کا دل محبت کی حلاوت سے خالی نہیں رہتا یا تو اس میں دنیا کی محبت رہتی ہے یا اللہ کی محبت۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے مانوس ہوتا ہے وہ اسی کے ساتھ مشغول رہتا ہے، غیر کے ساتھ مشغول نہیں ہوسکتا۔

(۵)۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہمیں خدا سے کتنا انس ہے؟ خدا کے ساتھ خلوت کی کچھ گھڑیاں گزارنے میں لطف کتنا آتا ہے؟ عبادت میں مٹھاس اور فرماں برداری میں حلاوت (شرینی) کہاں تک ہے؟ آخرت کی سمت چلنے میں سکھ کتنا ملتا ہے؟

۸۔ ضروریاتِ زندگی اور زہد

زندگی کے لیے جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے وہ چھ ہیں، غذا، لباس، رہائش، خانہ داری کے اسباب، اہل وعیال

(۱)۔ ضروریات زندگی میں سے سب سے پہلی ضرورت غذا ہے۔ زہد کا تقاضا ہے کہ آدمی اتنی ہی غذا کھائے جو اس کی جسمانی طاقت و توانائی بحال رکھ سکے۔ انسان اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کرے کہ خوراک کا ضیاع نہ ہو۔

جہاں تک سامانِ خوردونوش کو ذخیرہ کر کے رکھنے کا تعلق ہے تو اس میں زہد کے اعتبار سے تین درجے ہیں:

(i)۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ ایک دن رات کے لیے ذخیرہ کرے۔

(ii)۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ چالیس دن کے لیے غذا ذخیرہ کر لی جائے۔

(iii)۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ ایک سال کے لیے سامانِ خوردونوش کا ذخیرہ کرلیا جائے۔ اگر کسی شخص کے پاس مستقل آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے اور لوگوں سے بھیک مانگنے پر اس کی طبیعت آمادہ نہ ہو تب ایک برس سے زائد عرصے کے لیے بھی مال لینے ذخیرہ کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حضرت داوٗد طائیؒ کو وراثت میں بیس دینار ملے۔ آپؒ نے وہ دینار سنبھال کر رکھ لیے اور بیس برس بعد انہیں اپنی ضرورت میں استعمال کیا۔ ان کا یہ فعل زہد کے خلاف نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ذخیرہ کرنا زہد کے خلاف نہیں البتہ دل کا رخ اللہ عزجل کی طرف رہنا چاہیے۔

(۲)۔ انسان کی دوسری ضرورت لباس ہے۔ لباس میں زہد یہ ہے کہ انسان ایسے لباس پر اکتفا کرے جو اسے سردی اور گرمی سے محفوظ رکھ سکے۔ لباس خوبصورت اور متوسط قیمت کا ہو، زیادہ مہنگا نہ ہو اور کپڑوں کی تعداد اتنی ہونی چاہیے کہ جو انسانی ضروریات کو پورا کر سکے۔ ضروریات زندگی سے زائد لباس کا ہونا کہ جسے ایک دفعہ پہن لیا اسے دوبارہ پہنا ہی نہ جائے، کپڑوں سے الماریوں کا بھرا ہوا ہونا یا کپڑوں کا بہت زیادہ قیمتی ہونا زہد کے خلاف ہے۔ لباس کی حالت ایسی ہونی چاہیے جس سے دل میں کسی قسم کی برتری کا احساس پیدا نہ ہو۔ احادیث شریف میں آتا ہے:

(i)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو دنیا میں شہرت کی خاطر لباس پہنے اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کو رسوائی کا لباس پہنائیں گے پھر اس میں آگ دہکائیں گے[۱]۔

(ii)۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شہرت کی خاطر لباس پہنے اللہ تعالیٰ اس

---

[۱] سنن ابن ماجہ۔ جلد سوم: رقم: ۴۸۷

2

سے اعراض فرماتے ہیں یہاں تک کہ جب چاہیں اسے رسوا فرما دیں[۱]۔

(iii)۔ قرآن پاک میں خوبصورت لباس پہننے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ خُذُوا۟ زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ وَلَا تُسْرِفُوٓا۟ ۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلْمُسْرِفِينَ[۲]

(اے آدم کی اولاد! ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ گزرو، بے شک وہ حد سے گزرنے والوں سے محبت نہیں کرتا)

(۳)۔ انسان کی تیسری ضرورت رہنے کے لیے رہائش ہے۔

رہائش کے اعتبار سے زہد کا سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی ضرورت کے مطابق گھر حاصل کر لیا جائے لیکن اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ یہ گھر ضرورت سے زیادہ نہ ہو اور نہ ہی اس میں غیر ضروری زیب و آرائش کو اختیار کیا گیا ہو۔ لیکن وسائل کے مطابق عمدہ مکان بنایا جا سکتا ہے مگر اس شرط پر کہ دل آخرت کی طرف مائل رہے۔

(۴)۔ انسان کی چوتھی ضرورت گھریلو سامان ہے۔ گھریلو سامان میں زہد کے کئی درجات ہیں:

(i)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ صرف ایک کنگھی اور پیالہ رکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ علیہ السلام نے ایک شخص کو اپنی انگلیوں سے داڑھی میں کنگھی کرتے ہوئے دیکھا تو آپ علیہ السلام نے کنگھی صدقہ کر دی۔ ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی ہتھیلیوں کے ذریعے پانی پی رہا تھا تو آپ علیہ السلام نے پیالہ بھی صدقہ کر دیا[۳]۔ زہد کا یہ غیر معمولی رویہ ہے اور ہمارے لیے اس پر عمل کرنا ناممکن ہے۔

(ii)۔ زہد کا ایک درجہ یہ ہے کہ گھریلو ضروریات کے مطابق مناسب سامان موجود ہو لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اگر ایک چیز کئی مقاصد کے لیے استعمال ہو سکتی ہو تو ان کے لیے الگ الگ سامان نہ رکھا جائے اور سامان حسب ضرورت ہو۔

(iii)۔ گھریلو سامان کے اعتبار سے انسان کے زہد کا ایک درجہ یہ ہے کہ ہر کام کے لیے الگ الگ سامان رکھا جائے لیکن وہ سامان بہت زیادہ قیمتی نہ ہو۔

(۵)۔ انسان کی پانچویں ضرورت نکاح ہے۔ بزرگانِ دین کے مطابق نکاح زہد کے خلاف نہیں ہے کیونکہ تمام زاہدوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکاح کرنا پسند تھا۔

(i)۔ حضرت ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ جو چیز بھی انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے وہ بری اور زہد کے خلاف ہے، وہ چاہے بیوی ہو یا مال و اولاد۔ پس انسان کا نکاح میں زہد صرف یہی ہے کہ وہ ایسی عورت سے نکاح

۱۔ سنن ابن ماجہ۔ جلد سوم رقم: ۴۸۸

۲۔ سورۃ الاعراف: آیت: ۳۱

۳۔ احیاء العلوم الدین از امام الغزالی۔ جلد چہارم: صفحہ نمبر ۳۵۷

کرے جو اسے یادِ خداوندی سے غافل نہ کرے بلکہ اسے مزید اللہ عزوجل کے قریب کر دے۔

(ii)۔ جو آدمی باوجود قدرت رکھنے اور ضرورت کے نکاح نہیں کرتا دراصل وہ رہبانیت اختیار کرنا چاہتا ہے اور اسلام کا رہبانیت سے کوئی تعلق نہیں۔

(iii)۔ حضرت سیدنا ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ آدمی کو چاہیے، اپنے گھر والوں کو زہد اختیار کرنے پر مجبور نہ کرے بلکہ انہیں سمجھا بجھا کر زہد اختیار کرنے کی ترغیب دلائے۔ اگر وہ ایسا کرلیں تو ٹھیک ورنہ انہیں تنگ نہ کرے اور اپنی ذات کے معاملے میں جو چاہے کرے۔

۹۔ زہد حاصل کرنے کا طریقہ

چند باتیں ایسی ہیں جو زہد اختیار کرنے میں معاون ثابت ہوسکتی ہیں:

(۱)۔ روز کچھ وقت دنیا کی اصل حقیقت پر غور و فکر میں صرف کرنا چاہیے کہ دنیا تیزی کے ساتھ روپوش ہو رہی ہے، اس کا زوال قریب ہے، یہ فانی ہے، یہ ناقص اور معیوب ہے، یہ کمتر اور حقیر ہے، اس کی اندھی دوڑ میں آدمی کے ہاتھ حسرت کے سوا کوئی چیز نہیں آتی اور یہ سب کچھ بار بار ذہن میں تازہ کرنا چاہیے تاکہ دنیا کی تلاش پر اللہ کی محبت غالب رہے۔

(۲)۔ آخرت کی بابت سوچنا ہر وقت کا معمول ہونا چاہیے۔ آخرت کس طرح روز بروز قریب آرہی ہے، اس کا آجانا کس قدر یقینی ہے، اس کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی رہنا کیسا جاندار تصور ہے، اس کی پائیداری کیسی دلکش ہے، اس کی وسعت کیسی بے اندازہ ہے، اس کی نعمتیں کیسی پرلطف ہیں، اور اس کی صحبتیں کیسی اعلیٰ ہیں۔ یہ سب وہ باتیں ہیں جو بار بار سوچ میں آنی چاہئیں بلکہ ہمیں اسی سوچ میں ہی رہنا چاہیے۔

(۳)۔ موت کا بکثرت تذکرہ کرنا چاہیے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ موت کا تذکرہ دنیا کی لذتوں کو مکدر کرتا ہے۔ حضرت علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے!

موت کے آئینہ میں تجھ کو دکھا کر رخِ دوست
زندگی اور بھی تیرے لیے دشوار کرے

(۴)۔ کسی جنازے کو جاتے ہوئے بڑے غور سے دیکھنا چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ ہمارے پاس ابھی وہ موقع باقی ہے جو اس شخص کے پاس نہیں رہا جو ابھی قبر میں جا اترے گا اور یہ کہ یہ مردہ تمنا کرتا ہوگا کہ اسے ایک بار یہاں واپس آنے دیا جائے تاکہ وہ سچے دل سے توبہ کرے، یہ موقعہ ہمیں ابھی پوری طرح حاصل ہے۔ یہ دیکھ کر ہم وہ کام کریں جو وہ مردہ اس وقت نہیں کرسکتا۔ سچے دل سے تائب ہوجائیں، خدا کے ساتھ اپنے تعلق کو از سرِ نو جوڑ لیں، زندگی کے اہداف اور ترجیحات کا ایک بار پھر جائزہ لے لیں۔ ہمارا وہ رشتہ جو دنیا کے ساتھ ہے اور وہ رشتہ جو آخرت کے ساتھ ہے اس پر پھر ایک نظرِ ثانی کرلیں۔

(۵)۔ ہم اپنے گھر میں ہوں یا کسی عزیز کے گھر میں، ان بھلی صورتوں کو ذہن میں لانے کی کوشش کریں جو ان گھروں میں رہتے تھے مگر

اب نہیں رہتے۔ اپنے آباء کو تصور میں لائیں جو یہاں بسا کرتے تھے مگر اب ان کا صرف ذکر ہوتا ہے۔ کچھ بھی یہاں سے ان کے ساتھ نہ جا سکا سوائے ان اشیا کے جن کو ساتھ لے جانے کیلئے باقاعدہ تیار کیا گیا تھا، باقی سب یہیں پڑا ہے۔ اس گھر کی کون سی چیز تھی جو ان کو پیاری نہ تھی؟ لیکن حق یہ ہے کہ اصل جو چیز ان کو پیاری تھی وہ تو وہ ساتھ لے گئے ہیں۔

(۶)۔ ہر وہ چیز جو ہمارے ہاتھ میں ہے، خواہ وہ کتنے بھی اعلیٰ معیار کی ہے، اس کو زوال ہے، اور ہمیں صبح شام خود کو اس بات کی یاد دہانی کرانی چاہیے۔ بے شک ہم کسی محل میں رہیں، نہایت اعلیٰ گاڑی استعمال کریں، مگر دن میں ایک آدھ بار اس کو اس نظر سے ضرور دیکھیں کہ محل اور اس کے باسی کا ساتھ چند گھڑیوں کا ہے، پھر یہ کسی اور کے پاس ہوگا، اور یہ کہ نہایت خوبصورت گاڑی اور یہ سوار ہمیشہ اکٹھے نظر نہیں آئیں گے۔

(۷)۔ ہمیں اس شخص کو دیکھنا چاہیے جو ہم سے مال و دولت میں کم ہو اور اس شخص کو نہیں دیکھنا چاہیے جو ہم سے مال و دولت میں بڑھا ہوا ہے[۱]۔ اس سے موجودہ صورت صبر و اطمینان حاصل ہوگا اور نعمتوں پر شکر کی کیفیت پیدا ہوگی۔

۱۰۔ زہد کے بارے میں اقوال

زہد سے متعلق اللہ والوں سے مختلف اقوال منسوب ہیں:

(۱)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر میں زہد کے چار پہلو ہیں:

(i)۔ ایثار: خود پر دوسروں کو ترجیح دینا، دوسروں کو خود سے پہلے جاننا اور دوسروں کی خاطر خود کو زحمت میں ڈالنا۔ اپنے نفس کو مفلس و نادار لوگوں کی سطح پر رکھنا تا کہ مفلس احساس محرومی میں مبتلا نہ ہوں۔

(ii)۔ مواسات: محروم لوگوں کے غم میں ہر دم شریک رہنا۔

(iii)۔ آزادی: نفسی و مادی خواہشات سے آزاد ہونا۔ کسی کے غلام نہ بنو! اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے[۲]

(iv)۔ اعتدال: ریاضتِ نفس کرنے والوں کی گفتگو جچی تلی، لباس درمیانہ اور ان کا چلنا فروتنی و تواضع ہے[۳]۔

(۲)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

تمام زہد قرآن مجید کے دو فقروں کے اندر سمٹا ہوا ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں (جو چیز ہاتھ سے نکل جائے اس کا افسوس نہ کرو اور جو مل جائے اس پر خوش نہ ہو) لہٰذا جو شخص کوئی چیز ہاتھ سے نکل جانے/ ماضی پر افسوس نہ کرے اور جو چیزیں مل جائیں ان پر مغرور نہ ہو، اس نے سارا زہد سمیٹ لیا ہے[۴]۔

۱۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۴۹۰

۲۔ نہج البلاغہ مرتبہ سید شریف الدین رضی۔ صفحہ نمبر: ۲۰۲

۳۔ نہج البلاغہ مرتبہ سید شریف الدین رضی۔ صفحہ نمبر: ۲۰۲

۴۔ نہج البلاغہ مرتبہ سید شریف الدین رضی۔ قصار نمبر: ۴۳۹

ﷺ

(۳)۔ حضرت ابن جلاؒ فرماتے ہیں کہ زہد یہ ہے کہ تو دنیا کی طرف دیکھے تو اس طرح دیکھے کہ یہ ایک زوال پذیر چیز ہے تاکہ دنیا تمہاری نگاہ میں حقیر ہو جائے اور تمہارے لیے اس سے اعراض کرنا آسان ہو جائے[۱]۔

(۴)۔ حضرت ابو عثمانؒ فرماتے ہیں کہ زہد یہ ہے کہ دنیا کو ترک کر دیا جائے پھر اس بات کی پرواہ نہ کی جائے کہ اسے کون حاصل کرتا ہے[۲]۔

(۵)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ زہد ہاتھوں اور دل کا طمع (دنیاوی لالچ) سے پاک ہونا ہے[۳]۔

(۶)۔ حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ جن چیزوں سے تمہارا ہاتھ خالی ہو، ان سے دل کے خالی ہونے کا نام زہد ہے[۴]۔

(۷)۔ حضرت ابو سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ اگر صوف (پشمینہ) پہننا زہد کی علامت ہے تو زاہد کے لیے مناسب نہیں کہ تین درہموں کا لباس پہنے اور دل میں پانچ درہموں کی خواہش رکھے[۵]۔

(۸)۔ حضرت ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ اس چیز کو چھوڑنا زہد ہے جو اللہ سے غافل کردے[۶]۔

(۹)۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ ہر چیز سے بے رغبتی اختیار کرنا ہی زہد ہے[۷]۔

(۱۰)۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ زہد دنیا سے اعراض کرنے اور اپنی آخرت کی فکر کرنے کا نام ہے[۸]۔

(۱۱)۔ حضرت یحیٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ دنیا ایک دلہن کی مانند ہے مگر زاہد اپنے محبوب حقیقی کی محبت میں اس قدر محو ہوتا ہے کہ وہ اس دنیا کی آراستہ صورت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا[۹]۔

(۱۲)۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ زہد یہ ہے کہ انسان لمبی لمبی امیدیں نہ لگایا کرے، زہد کا یہ مفہوم نہیں کہ انسان ثقیل روزی کھاتا رہے اور عبا پہن لیا کرے[۱۰]۔

(۱۳)۔ حضرت ابن حفیفؒ فرماتے ہیں کہ اپنے قبضے میں مال کے نکل جانے پر تم سکھ کا سانس لو تو پہچان لو کہ یہ زہد ہے[۱۱]۔

۱۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر: ۲۰۳

۲۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر: ۲۰۳

۳۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر: ۲۳۴

۴۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراج۔ صفحہ نمبر: ۸۳

۵۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراج۔ صفحہ نمبر: ۸۳

۶۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراج۔ صفحہ نمبر: ۸۳

۷۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر: ۲۰۳

۸۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر: ۲۳۶

۹۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر: ۲۳۶

۱۰۔ مقاماتِ سلوک از ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن عمیرہ المصری۔ صفحہ نمبر: ۶۸

۱۱۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر: ۲۳۴

2

(۱۴)۔ حضرت عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کے لیے درہم و دینار ترک کرنا ہی زہد ہے[۱]۔

(۱۵)۔ حضرت بشر حافیؒ فرماتے ہیں کہ زہد ایک فرشتہ ہے جو حب دنیا سے خالی دلوں میں رہائش کرتا ہے[۲]۔

(۱۶)۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شر کو ایک گھر میں رکھ دیا ہے اور اس کی چابی حب دنیا ہے، پھر ہر بھلائی ایک گھر میں رکھ کر زہد کو اس کی چابی قرار دیا ہے[۳]۔

(۱۷)۔ حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ زہد دنیا کی حلال چیزوں کو ترک کرنا اور اس کی شہوتوں سے علیحدہ ہونا ہے[۴]۔

(۱۸)۔ سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ زہد

(i)۔ اللہ کے ہر مدمقابل اور سرکش سے قطع تعلق کر لینا اور

(ii)۔ ہر تعلق کو اللہ عزوجل سے تعلق کے تابع کر دینا ہے[۵]۔

(۱۹)۔ حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ زہد کی اصل متاع دنیا کا ترک اور اس سے علیحدگی نہیں ہے بلکہ دل کو اس کی محبت سے خالی اور بے نیاز کرنا ہے۔ زاہد وہ ہے جو متاع دنیا سے بالکل بے نیاز ہو۔ اس کے پاس خواہ سرے سے کچھ موجود نہ ہو یا اس کے پاس دنیا کے سارے اسباب موجود نہ ہوں دونوں میں سے کسی حالت میں اس کی کسی چیز میں خلل نہ آئے نہ کسی چیز کے نہ ہونے سے اسے کوئی پریشانی لاحق ہو اور نہ سارے اسباب موجود ہونے سے وہ اپنے آپ کو غنی اور دولت مند محسوس کرے۔ گویا کہ دنیا کی متاع کا ہونا یا نہ ہونا اس کے نزدیک یکساں ہو[۶]۔

(۲۰)۔ خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ زہد تین چیزوں میں ہوتا ہے[۷]:

(i)۔ دنیا میں زہد: جو شخص دنیا کا مال و دولت اپنے دشمن پر صرف کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا، وہ اس عالم میں زاہد ہے۔

دنیا میں زہد کی تین نشانیاں ہیں:

(ا)۔ موت کا یاد رکھنا

(ب)۔ اپنی روزی پر قناعت کرنا

۱۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر: ۲۰۳

۲۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر: ۲۳۴

۳۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر: ۲۰۳

۴۔ آداب المریدین از شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ۔ صفحہ نمبر ۳۶

۵۔ کشف المحجوب از سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۴۳

۶۔ آداب المریدین از شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ۔ صفحہ نمبر ۳۶

۷۔ کشف المحجوب از سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۸۴

(ج)۔ درویشوں کے ساتھ محبت رکھنا

(ii)۔ خلق میں زہد: جس شخص کو مخلوق کے حقوق کی پاسداری اللہ عزوجل کے حقوق کی ادائیگی میں سست نہ کرے، وہ خلق میں زاہد ہے۔

خلق میں زہد کی تین نشانیاں مندرجہ ذیل ہیں:

(ا)۔ حکم الٰہی کے منشا کا دیکھنا

(ب)۔ اللہ عزوجل کے احکامات پر ثابت قدمی

(ج)۔ مخلوق کی عاجزی کو ملحوظ رکھنا

(iii)۔ اپنی ذات میں زہد: جو انسان خود کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا، وہ اپنی ذات میں زاہد ہے۔

اپنی ذات میں زہد تین چیزوں سے عبارت ہے:

(ا)۔ شیطان کے مکروفریب کو پہچاننا

(ب)۔ اپنی ذات کی کمزوری کو پہچاننا

(ج)۔ استدراج کی ظلمت کو پہچاننا

(۲۱)۔ حضرت شیخ ابونجیب ضیاء الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ زہد دنیا کی حلال چیزوں کو ترک کرنا ہے اور اس کی شہوتوں سے علیحدہ ہونا ہے[۱]۔

۱۱۔ اہل زہد کے واقعات

نصیحت حاصل کرنے کے لیے زہد سے متعلق بزرگوں سے منسوب چند واقعات درج کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زہد کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بوریئے پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن میں اس کا نشان پڑ گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان! کاش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو حکم دیتے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے بچھونا کر دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تکلیف نہ ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! میں تو دنیا میں ایسا ہوں جیسے ایک سوار ایک درخت تلے سایہ کے لیے اتر پڑے پھر تھوڑی دیر میں وہاں سے چل دے[۲]۔

(۲)۔ جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر سے واپس تشریف لائے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ان کے دروازے پر ایک قیمتی پردہ لٹکا ہوا ہے اور ہاتھوں میں چاندی کے کنگن پہن رکھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس چلے گئے۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے تو وہ رو رہی تھیں۔ پوچھنے پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واپس چلے جانے کا بتایا۔

۱۔ کشف المحجوب از سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۸۴

۲۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۰۹

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پردے اور کنگنوں کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس چلے گئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پردہ ہٹا دیا اور کنگن اتار کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیئے اور عرض کیا کہ میں نے ان کو صدقہ کر دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں مناسب سمجھیں خرچ کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت کو اصحاب صفہ پر خرچ کر دیا اور تب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور فرمایا، تیرا باپ تجھ پر قربان، تو نے اچھا کیا[1]۔

(۳)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زہد اور دنیا سے دوری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا کو ہمیشہ حقیر، چھوٹا اور پست تصور کیا اور یہ سمجھا کہ پروردگار نے اس دنیا کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے الگ رکھا ہے اور دوسروں کیلئے فرش قرار دیا ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے دل سے کنارہ کشی اختیار کی اور اس کی یاد کو دل سے بالکل نکال دیا اور یہ چاہا کہ اس کی زینتیں نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ وہ دنیا سے بھوکے چلے گئے، لیکن آخرت میں سلامتی کے ساتھ وارد ہوئے۔ انھوں نے (تعمیر کیلئے) پتھر پر پتھر نہیں رکھا اور دنیا سے رخصت ہو گئے اور اپنے پروردگار کی دعوت پر لبیک کہہ دیا۔ پروردگار کا کتنا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ان جیسا راہنما عطا فرمایا ہے، کہ جس کی پیروی کی جائے اور قائد دیا ہے کہ جس کے نقش قدم پر قدم جمائے جائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے دل ہٹا لیا تھا اور اس کی یاد تک اپنے ذہن سے مٹا ڈالی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ اس کی سج دھج نگاہوں سے پوشیدہ رہے تاکہ نہ عمدہ لباس پہنیں اور نہ اسے اپنی منزل خیال کریں اور نہ اس میں زیادہ قیام کی آس لگائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خیال نفس سے نکال دیا تھا اور دل سے اسے ہٹا دیا تھا اور نگاہوں سے اوجھل رکھا تھا[2]۔

(۴)۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں میری بڑی قدر و منزلت تھی۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے عمران! ہم تیری عزت کرتے ہیں۔ کیا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کے لیے چل سکتا ہے؟ میں نے عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا ہوں میں ضرور چلوں گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے، میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ چلا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی اور سلام کیا اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تشریف لائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا، میں اور جو شخص میرے ساتھ آیا ہے دونوں آئیں؟

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: عمران! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بنا کر مبعوث کیا، میرے بدن پر صرف ایک عبا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کو اس طرح لپیٹ لو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ میں نے اپنا جسم ڈھانپ لیا ہے، لیکن اپنا سر کیسے چھپاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرانی چادر تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ

۱۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۰۹

۲۔ نہج البلاغہ مرتبہ سید شریف الدین رضی۔ خطبہ نمبر: ۱۶۰

چادر ان کی طرف پھینکی اور فرمایا اسے اپنے سر پر لپیٹ لو۔ اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اندر آنے اجازت دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر تشریف لے گئے، سلام کیا اور ان کی مزاج پرسی کی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا بخدا میں بھوکی ہوں۔ میرے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ بھوک نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ یہ سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا: اے بیٹی! گھبرا مت! خدا کی قسم میں نے بھی تین دن سے کھانا نہیں کھایا حالانکہ میں اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ مکرم ہوں۔ اگر میں اپنے رب سے سوال کرتا تو وہ مجھے ضرور کھانا کھلاتا مگر میں نے آخرت کو ترجیح دی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: تجھے مبارک ہو کہ تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ فرعون کی بیوی آسیہ علیہا السلام اور عمران کی بیٹی مریم علیہا السلام کا درجہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آسیہ علیہا السلام اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہوں گی، حضرت مریم علیہا السلام بھی اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہوں گی اور تو اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہوگی۔ تم جنت کے ایسے مکانوں میں رہو گی جو یاقوت سے بنے ہوں گے نہ ان میں کسی طرح کی تکلیف ہوگی اور نہ شور ہوگا[1]۔

(۵)۔ رافع بن ابی رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زہد کا یہ حال تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک فدکی (فدک سے ملنے والا) کپڑا تھا، جس کو کناروں سے کانٹوں کی مدد سے جوڑا گیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اس کپڑے کو استعمال کرتے تھے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ فوت ہونے لگے تو اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرا یہ کپڑا فوت ہونے کے بعد دھو لینا اور اس کے ساتھ دو اور چادریں ملا کر مجھے کفن دینا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، کیا اسی پرانے کپڑے میں کفن دیا جائے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زندہ لوگ وفات پا جائے والے کی نسبت نئے کپڑے کے زیادہ حق دار ہوتے ہیں[2]۔

(۶)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زہد کا یہ عالم تھا کہ بیت المقدس میں جب عیسائی افواج بے بس ہو گئیں تو صلح کے لئے شرط رکھی کہ خلیفۃ المسلمین خود تشریف لائیں۔ اس وقت کے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی یہ شرط تسلیم کرتے ہوئے جب مسلم افواج کی چھاؤنی میں پہنچے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی وہی قمیص زیب تن کر رکھی تھی جس پر جگہ جگہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ خلیفہ کے کمانڈر درخواست کرتے ہیں کہ یہ ایک تاریخی موقعہ ہے، اس خستہ لباس میں وہ بیت المقدس میں داخل نہ ہوں اور اپنی سواری کی ہیئت بھی ذرا بہتر کر لیں، وہاں بڑی بڑی شخصیات آپ کو دیکھیں گی۔ فرمایا: سنو! ہم دنیا کی سب سے ذلیل قوم تھے۔ خدا نے ہمیں عزت اور سربلندی دی تو اسلام کی بدولت۔ بخدا، یہ عزت اور سربلندی ہم اسلام کے سوا کسی اور چیز میں تلاش نہ کریں گے[3]۔

(۷)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زہد کا یہ عالم تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ امیر المومنین بننے کے بعد بھی صوف کا لباس پہنتے تھے جس میں پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ راستے سے گزرتے ہوئے دھاگے اور کھجور کی گٹھلیاں اکٹھی کرتے جاتے اور انہیں لوگوں کے گھروں

---

[1]۔ احیاء العلوم الدین از امام ابوالحامد محمد الغزالی۔ جلد چہارم۔ صفحہ نمبر: ۳۰۱

[2]۔ ازالۃ الخفاء از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ جلد سوم: صفحہ نمبر: ۸۳

[3]۔ تاریخ ابن خلدون از علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون۔ جلد دوم: صفحہ نمبر ۲۷۰-۲۷۱

میں ڈال دیتے تا کہ گھر والے اس سے فائدہ اٹھا سکیں[1]۔

(۸)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھانے پینے میں بھی سادگی اختیار کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ہم دسترخوان پر بیٹھے تھے۔ میں نے آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھانے کا ایک لقمہ کھایا تو فرمایا، میں اس کھانے میں ایسی چکنائی کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں جو گوشت کی چکنائی سے مختلف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ میں آج بازار گیا تا کہ فربہ گوشت خریدوں! لیکن فربہ گوشت مہنگا پایا تو میں نے ایک درہم کا دبلا گوشت خریدا اور ایک درہم کا گھی خرید کر شامل کر دیا اور یہ خوشبو اسی گھی کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عبداللہ! کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو کبھی جمع کر کے نہیں کھایا۔ اگر کبھی کھانے کی دو چیزیں مل گئیں تو ایک کو استعمال فرمایا اور دوسری کو صدقہ کر دیا۔ پس میں بھی اسی سنت پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہوں لہٰذا تم بھی ان دونوں کو کبھی جمع نہ کیا کرو[2]۔

(۹)۔ حضرت خباب بن ارث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہجرت کی۔ چنانچہ ہمارا اجر اللہ عزوجل کے ذمہ رہا۔ پس ہم میں سے کوئی تو گزر گیا اور اپنا اجر نہیں لیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (انہی) میں سے تھے، وہ جنگ احد کے موقع پر شہید ہو گئے تھے اور ایک چادر چھوڑی تھی، اس چادر سے ہم اگر ان کا سر ڈھانکتے، تو ان کے پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھانکتے، تو سر کھل جاتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا، کہ ہم ان کا سر ڈھانک دیں اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دیں[3]۔

(۱۰)۔ حمص کے حاکم حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا، اے عمیر رضی اللہ عنہ تیرے پاس دنیا کس قدر ہے؟ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک لاٹھی ہے جس پر سہارا لیتا ہوں اور اس کے ساتھ اگر سانپ دیکھ لوں تو اسے قتل کرتا ہوں اور میرے پاس چمڑے کا برتن ہے جس میں کھانا رکھتا ہوں اور میرے پاس پیالہ ہے، جس میں کھاتا ہوں۔ اسی میں پانی ڈال کر اپنا سر اور کپڑے دھو لیتا ہوں اور میرے پاس ایک مشک ہے جس میں پینے اور وضو کے لیے پانی رکھتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تم نے سچ کہا، اللہ تجھ پر رحم کرے[4]۔

(۱۱)۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل حمص کو لکھا کہ فقراء کے نام بھیجو۔ انہوں نے رقعہ میں کچھ نام بھیجے اور ان میں عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ عمیر رضی اللہ عنہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا، اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! یہ ہمارے حاکم ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

---

[1]۔ ازالۃ الخفاء از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ جلد چہارم: صفحہ نمبر: ۶۵

[2]۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۴۴۸

[3]۔ ازالۃ الخفاء از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ جلد چہارم: صفحہ نمبر: ۶۵

[4]۔ ازالۃ الخفاء از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ جلد چہارم: صفحہ نمبر: ۶۵

نے پوچھا کیا یہ فقیر ہیں؟ اہل حمص نے جواب دیا حضرت رضی اللہ عنہ ان سے زیادہ فقیر ہم میں سے کوئی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وظیفہ کا کیا کرتے ہیں؟ بتایا گیا کہ وہ سارا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں۔ اپنے لیے اور اپنے گھر کے لیے کچھ نہیں رکھتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چار سو دینار انہیں بھیجے اور کہا کہ انہیں اپنے آپ پر اور اپنے گھر والوں پر خرچ کریں۔ جب یہ رقم پہنچی تو وہ اپنی بیوی کے پاس روتے ہوئے آئے۔ بیوی نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ کیا امیر المومنین کی وفات ہوگئی۔ فرمایا، اس سے بھی بڑی آفت ہے۔ فرمایا میرے سامنے دنیاوی مال و دولت آ گیا۔ آخر کار اپنی بیوی کے مشورے سے تمام دینار لے کر باہر نکلے۔ مسلمانوں کا ایک لشکر ملا جو جہاد پر جا رہا تھا تو ان کے حال کے مطابق پانچ پانچ دینار تقسیم کر دیئے پھر واپس آ گئے اور اپنے گھر والوں کے لیے ایک دینار بھی نہ رکھا۔[1]

(۱۲)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنا جوتا جوڑ رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا کہ اے ابن عباس رضی اللہ عنہ! اس جوتے کی قیمت کیا ہوگی؟ میں نے کہا کہ لا قیمۃ لھا (اس کی کوئی قیمت نہیں)۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میرے پیش نظر حق کا قیام اور باطل کا مٹانا نہ ہو تو تم لوگوں پر حکومت کرنے سے یہ جوتا کہیں زیادہ عزیز ہے[2]۔

(۱۳)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ دنیا میرے نزدیک اس پتی سے بھی زیادہ بے قدر ہے جو ٹڈی کے منہ میں ہو کہ جسے وہ چبا رہی ہو۔ علی کو فنا ہونے والی نعمتوں اور مٹ جانے والی لذتوں سے کیا واسطہ؟[3]

(۱۴)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں بھوک کے مارے زمین پر اپنے پیٹ کے بل لیٹ جاتا تھا اور کبھی میں بھوک کے مارے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا کرتا تھا۔ ایک دن میں اس راستے پر بیٹھ گیا، جس سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نکلتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ گزرے اور میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا! میرے پوچھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ مجھے کچھ کھلا دیں، مگر وہ چلے گئے اور کچھ نہیں کیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے، میں نے ان سے بھی قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی اور میرے پوچھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ مجھے کچھ کھلا دیں، مگر وہ بھی گزر گئے اور کچھ نہیں کیا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزرے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مجھے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا دیے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے دل کی بات سمجھ گئے اور میرے چہرے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھانپ لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابا ہر! میں نے عرض کیا، لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے ساتھ آ جاؤ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلنے لگے۔ میں حضور

۱۔ قوت القلوب از ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی۔ جلد اول۔ صفحہ نمبر: ۹۲۷

۲۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۰۹

۳۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۰۹

2

نبی کریم ﷺ کے پیچھے چل دیا۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ اندر گھر میں تشریف لے گئے۔ پھر میں نے اجازت چاہی اور مجھے اجازت ملی۔ جب آپ ﷺ داخل ہوئے تو ایک پیالے میں دودھ ملا۔ دریافت فرمایا! کہ یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ کہا کہ فلاں یا فلانی نے حضور نبی کریم ﷺ کے لیے تحفہ میں بھیجا ہے۔

حضور پاک ﷺ نے فرمایا! اباہر! میں نے عرض، کیا لبیک یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا! اہل صفہ کے پاس جاؤ اور انہیں بھی میرے پاس بلالاؤ۔ کہا کہ اہل صفہ اسلام کے مہمان ہیں، وہ نہ کسی کے گھر پناہ ڈھونڈھتے ہیں، نہ کسی کے مال میں اور نہ کسی کے پاس۔ جب حضور نبی پاک ﷺ کے پاس صدقہ آتا، تو اسے آپ ﷺ انہیں کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں سے کچھ نہیں رکھتے۔ البتہ جب آپ ﷺ کے پاس تحفہ آتا تو انہیں بلا بھیجتے اور خود بھی اس میں سے کچھ کھاتے اور انہیں بھی شریک کرتے۔

چنانچہ مجھے یہ بات ناگوار گزری اور میں نے سوچا کہ یہ دودھ ہے ہی کتنا کہ سارے صفہ والوں میں تقسیم ہو۔ اس کا حق دار میں تھا کہ اسے پی کر کچھ قوت حاصل کرتا۔ جب صفہ والے آئیں گے، تو حضور نبی کریم ﷺ مجھ سے فرمائیں گے اور میں اسے انہیں دے دوں گا۔ مجھے تو شاید اس دودھ میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حکم برداری کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ میں ان کے پاس آیا اور رسول کریم ﷺ کی دعوت پہنچائی، وہ آ گئے اور اجازت چاہی۔ انہیں اجازت مل گئی، پھر وہ گھر میں اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا، اباہر! میں نے عرض کیا، لبیک یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا! لو اور اسے ان سب حاضرین کو دے دو۔ بیان کیا کہ پھر میں نے پیالہ پکڑ لیا اور ایک ایک کو دینے لگا۔ ایک شخص دودھ پی کر جب سیراب ہوجاتا تو مجھے پیالہ واپس کر دیتا، پھر دوسرے شخص کو دیتا، وہ بھی سیر ہو کر پیتا، پھر پیالہ مجھ کو واپس کر دیتا اور اسی طرح تیسرا پی کر، پھر مجھے پیالہ واپس کر دیتا۔ اس طرح حضور نبی کریم ﷺ تک پہنچا، لوگ پی کر سیراب ہو چکے تھے۔

آخر میں پیارے نبی کریم ﷺ نے پیالہ پکڑا اور اپنے ہاتھ پر رکھ کر، آپ ﷺ نے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر فرمایا اباہر! میں نے عرض کیا، لبیک یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا! بیٹھ جاؤ اور پیو۔ میں بیٹھ گیا اور میں نے دودھ پیا اور حضور نبی کریم ﷺ برابر فرماتے رہے کہ اور پیو! آخر مجھے کہنا پڑا، نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، بالکل گنجائش نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! پھر مجھے دے دو۔ میں نے پیالہ آپ ﷺ کو دے دیا۔ حضونبی کریم ﷺ نے اللہ کی حمد بیان کی اور بسم اللہ پڑھ کر بچا ہوا، خود پی لیا۔

۱۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۴۵۲

۴

مقامِ صبر

ا۔ صبر کا مفہوم

(۱)۔ صبر کے لغوی معنی رکنا اور روکنا ہیں اور اصطلاحی معنی میں، نفس کو حدود شرعیہ کا پابند بنانا، صبر کہلاتا ہے۔ پس اللہ پاک کی اطاعت پر اپنے نفس کو روکنا اور شریعت کی حرام کردہ چیزوں سے باز رہنا صبر ہے۔

(۲)۔ صبر کے دو مفہوم ہیں: ایک یہ کہ آدمی مشکلات میں حوصلہ و برداشت سے کام لے، مایوس نہ ہو، چیخے چلائے نہیں۔ دوسرے یہ کہ ہر حالت میں حق و انصاف پر قائم رہے۔ پہلے معنی کے لحاظ سے یہ دینی رویے کا ایک جز ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ پورے دین پر قائم رہنے کی ایک جدوجہد کا نام ہے۔

(۳)۔ صبر ایک لحاظ سے شکر کے مقابل مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ صبر و شکر دونوں ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ اچھے حالات میں نیکی کرتے رہنا اور تکبر و غرور وغیرہ سے بچنا شکر ہے۔ اور برے حالات میں نیکی پر قائم رہنا اور مایوسی بدگمانی سے بچنا صبر ہے۔

(۴)۔ صبر مشکلات میں ثابت قدمی کا نام ہے، مگر جس طرح مشکلات میں صبر کرنا پڑتا ہے، ایسے ہی انعامات کے وقت بھی صبر کرنا پڑتا ہے۔ یعنی جس طرح مشکل کی وجہ سے اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ آدمی حق سے ہٹ جائے، اسی طرح نعمتیں بھی اس بات کا امکان پیدا کر دیتی ہیں کہ آدمی ان میں مگن ہو کر اپنے دین سے دور اور مغرور ہو جائے۔ قرآنِ پاک میں ارشادِ ربانی ہے

وَلَئِنۡ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً ثُمَّ نَزَعۡنٰهَا مِنۡهُ‌ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوۡسٌ كَفُوۡرٌ ○ وَلَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ نَعۡمَآءَ بَعۡدَ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّىۡ‌ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوۡرٌ ○ اِلَّا الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ‌ؕ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ كَبِيۡرٌ[۱]

(اگر کبھی ہم انسان کو اپنی رحمت سے نوازنے کے بعد پھر اس سے محروم کر دیتے ہیں تو وہ مایوس ہوتا ہے اور ناشکری کرنے لگتا ہے۔ اگر اس مصیبت کے بعد جو اس پر آئی تھی ہم اسے نعمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو کہتا ہے میری تو ساری سختیاں دور ہو گئیں، پھر وہ پھولا نہیں سماتا اور اکڑنے لگتا ہے۔ صرف صبر کرنے والے اور نیکوکار لوگ ہی اس عیب سے پاک ہیں پس ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے)

(۵)۔ دراصل انسان کے اندر دو قوتیں پائی جاتی ہیں ان میں سے ایک قوت دین پر ابھارتی ہے اور دوسری قوت ہوائے نفسانی پر، سو دین پر ابھارنے والی قوت کو خواہشاتِ نفسانی پر ابھارنے والی قوت پر غالب کر دینا صبر ہے۔ مشاہدے سے یہ ثابت ہے کہ جیسے مصیبت کے اندر ناگواری ہوتی ہے، عبادت کے اندر بھی ناگواری ہوتی ہے۔ پس صبر کا تعلق دو چیزوں سے ہے: مصیبت سے بھی اور عبادت سے بھی۔ مصیبت میں تو صبر یہ ہے کہ گریہ زاری نہ کرے اور عبادت میں صبر یہ ہے کہ ناگواری کی پرواہ نہ کرے اور عبادت کرتا رہے۔

---

[۱] سورۃ ہود: آیت: ۹۔۱۱

2

(۶)۔ دین کا بڑا حصہ صبر پر قائم ہے۔ اگر آدمی کے اندر یہ وصف نہ ہو تو کوئی طمع، کوئی ترغیب، کوئی آزمایش بھی اس کو حق سے ہٹا کر باطل کے آگے سرنگوں کر سکتی ہے۔ جو شخص سچائی کے راستے پر چلنا چاہے اور اس پر چل کر اس پر قائم رہنے کا خواہش مند ہو تو اسے سب سے پہلے اپنے اندر صبر کی صفت پیدا کرنی چاہیے کیونکہ اس راہ میں ہر قدم پر مزاحمتوں سے مقابلہ ہوتا ہے۔ مزاحمتوں کے مقابلے کے لیے بندے کے پاس اصل ہتھیار یہی صبر ہے۔ فلسفۂ دین کے نقطۂ نظر سے دین، نصف شکر اور نصف صبر ہے، لیکن اگر آدمی میں صبر نہ ہو تو شکر کا حق بھی ادا نہیں ہو سکتا۔

(۷)۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا اور اس کی بارگاہ میں گڑگڑانا صبر کے منافی نہیں۔ یہ ایک طبعی اور غیر اختیاری امر ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں۔ مصیبت کے وقت گریہ وزاری کرنا اور رونا پیٹنا، چیخنا چلانا وغیرہ جاہلیت کے کام ہیں جو اسلام میں منع ہیں ورنہ محض غمگین ہونا صبر کے خلاف نہیں ہے بلکہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔

(i)۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں خدا کے حضور گڑگڑا کر دعا مانگتے مانگتے سفید ہو گئی تھیں۔ اور آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ[1]۔

(میں تو اپنی پریشانی اور غم کا اظہار اللہ ہی کے سامنے کرتا ہوں)

(ii)۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صابر کہا ہے حالانکہ انہوں نے حق تعالیٰ سے اپنی بیماری کی شفا کی دعا مانگی تھی۔

(iii)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں اپنے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے، وہ اس وقت نزع کی حالت میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی گود میں لیا اور رونے لگے۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی روتے ہیں؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رونے سے منع نہیں کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! نہیں بلکہ بیوقوفی اور نافرمانی کی دو آوازوں سے منع کیا ہے ایک تو مصیبت کے وقت کی آواز جب چہرہ نوچا جائے اور گریبان چاک کیا جائے؛ دوسری شیطان کی طرح رونے کی آواز (یعنی نوحہ)[2]۔

(iv)۔ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوؒ ایک دفعہ بہت زیادہ بھوک کی وجہ سے رونے لگے، تو لوگوں نے پوچھا آپؒ کیوں رو رہے ہیں؟ آپؒ نے جواب دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لیے بھوکا رکھا ہے کہ میں روؤں اور فرمایا کہ بدن کی وہ کیفیات جو انسان کے اختیار میں نہیں ہیں وہ صبر کے منافی نہیں ہیں[3]۔

(۸)۔ صبر کا ایک مفہوم ثابت قدم رہنا اور ڈٹے رہنا بھی ہے۔ حالات جتنے بھی مشکل ہوں انسان اپنی سوچ اور عمل پر قائم رہے، اس کا

---

[1] سورۃ یوسف: آیت: ۸۶

[2] جامع ترمذی۔ رقم: ۱۰۰۱

[3] تصوف اور تصورات صوفیاء از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۶۸

ایمان اور عمل متزلزل نہ ہو۔ جو مقام اور مرتبہ اس نے حاصل کر لیا ہے اس کو مت چھوڑے، طوفان ہو یا آندھی، خوشی ہو یا غمی، آسانی ہو یا مشکل، انسان اپنے عقیدے اور عقل پر ثابت قدمی اور اپنی خوشی سے قائم رہے۔ یہ برداشت سے اونچا مقام ہے۔ برداشت سے مراد مشکل کو خوش دلی سے قبول کرنا ہے جبکہ ثابت قدمی سے مراد اپنی جگہ پر جما رہنا ہے۔ اگر اپنے مقام سے ہٹنا ہے تو صرف آگے بڑھنے کے لیے ہٹنا ہے وگرنہ کوہِ گراں کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہنا ہے، یہ بھی مقامِ صبر ہے۔

۲۔ صبر قرآن پاک کی روشنی میں

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر صبر کا ذکر فرمایا ہے۔ ان میں سے چند آیات یہاں درج کی جاتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے کا حکم دیا ہے یا پھر صبر کرنے والوں کے بلند درجات کا تذکرہ فرمایا ہے:

(۱)۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[۱]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلہ میں پامردی دکھاؤ، حق کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے)

اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے:

(i)۔ ایمان لانے والوں کے لیے صبر لازم ہے۔

(ii)۔ اللہ پاک کے راستے میں چلتے ہوئے مشکلات آئیں گی، مخالفت ہوگی۔ اس کا صبر سے مقابلہ کرنا ہے، دل نہیں ہارنا، مایوس نہیں ہونا۔

(iii)۔ حق کے لیے کوشش کرتے رہنا ہے، جم کر کام کرنا ہے، بے صبری نہیں دکھانی

(iv)۔ صبر اللہ پاک کی ذات کے شعور کے ساتھ کرنا ہے۔ صبر میں اس کی رضا طلب کرنا ہے اور اس سے دعا کرنا ہے کہ وہ صبر کی توفیق اور صبر کو قبول فرمائے۔

(v)۔ صبر کا انجام یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں دنیا و آخرت میں کامیابی ملے گی۔

(۲)۔ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ[۲]

(صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

اس آیت کریمہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

(i)۔ تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ تم صبر سے کام لو، نیکی پر جمے رہو، باطل اور مشکلات سے مت گھبراؤ۔

۱۔ سورۃ آلِ عمران: آیت: ۲۰۰

۲۔ سورۃ انفال: آیت: ۴۶

2

(ii)۔ یہ یقین رکھو کہ اللہ پاک صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، ان کی مدد کرے گا، ان کی مشکلات دور کرے گا اور انہیں مزید صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

(۳)۔ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ[۱]

(اور صبر کر، اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا)

اس آیت کریمہ میں صبر کی تلقین کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ صبر ایک نیکی ہے اور ہر نیکی کا اجر ملتا ہے۔ اللہ پاک صبر کا بھی اجر دیں گے اور صبر کا اجر اللہ تعالیٰ کی مدد ہے اور دین و دنیا کی کامیابی ہے۔

(۴)۔ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ[۲]

(صبر سے کام کیے جاؤ اور تمہارا یہ صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے ان لوگوں کی حرکات پر رنج نہ کرو اور نہ ان کی چال بازیوں پر دل تنگ ہو)

اس آیت میں چار اصول بیان کیے گئے ہیں:

(i)۔ زندگی کی جدوجہد اور دین کی محنت صبر سے کرنا ہے۔

(ii)۔ صبر اللہ پاک کا انعام ہے۔ یہ اللہ پاک کی توفیق سے ہوتا ہے، اس لیے اللہ عزوجل سے صبر مانگتے رہنا چاہیے اور صبر عطا ہونے پر اس ذاتِ کریم کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

(iii)۔ جو تکالیف ماضی میں آئی ہیں، ان پر غم زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ جو مل گیا ہے اس پر شکر اور جو نہیں ملا اس پر افسوس نہیں کرنا چاہیے۔

(iv)۔ دشمنوں کی مکاریوں پر دل تنگ نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان کا حکمت اور صبر کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے۔ اس کے لیے اللہ پاک سے مدد کی درخواست کرنی چاہیے۔

(۵)۔ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى[۳]

(جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان پر صبر کرو، اور اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرو سورج نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے، اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو اور دن کے کناروں پر بھی، شاید کہ تم راضی ہو جاؤ)

اس آیت کریمہ مین نصیحت کی گئی ہے کہ

۱۔ سورۃ ہود: آیت: ۱۱۵

۲۔ سورۃ النحل: آیت: ۱۲۷

۳۔ سورۃ طٰہٰ: آیت: ۱۳۰

(i)۔ زندگی کی مشکلات اور دشمنوں کی ایذا رسانیوں اور خاص طور پر دشمنوں کی فضول باتوں کو صبر اور ہمت سے برداشت کرنا ہے۔

(ii)۔ ہر وقت اللہ عزوجل کا شکر ادا کرنا ہے۔ صبر بھی اللہ کی توفیق سے ہے، اس لیے صبر عطا کرنے پر اس کا شکر کرنا ہے اور اس لیے بھی شکر ادا کرنا ہے کہ وہ صبر کی نعمت اور بڑھا دے۔

(iii)۔ شکر کرنا اللہ پاک کی تسبیح کرنے کا ایک طریقہ ہے اور تسبیح کے لیے کوئی وقت متعین نہیں ہے، ہر لمحہ اللہ پاک کا لمحہ ہے، خاص طور پر رات کے افتتاح سے پہلے اور دن کی ابتدا سے پہلے اللہ پاک کی تسبیح اور شکر ادا کرنا ہے۔ اس طرح دن کے خاتمے پر اللہ کا شکر کرنا ہے کہ اچھا گزر گیا اور پھر رات کو بھی اللہ پاک کا شکر کرنا ہے، اس کی تسبیح کرنا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

میں اس لمحے کا کیا حساب دوں
جو تیرے بغیر گزر گیا

حضرت سلطان باہوؒ اسی سلسلے میں فرماتے ہیں:

جو دم غافل سو دم کافر سانوں مرشد ایہہ پڑھایا ہو
سنیاں سخن گئیاں کھل اکھیں اساں چت مولےٰ ول لایا ہو
کیتی جان حوالے رب دے اساں ایسا عشق کمایا ہو
مرن تھیں مر گئے اگے (حضرت باہو) اساں تاں مطلب پایا ہو [1]

(حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ ہم کو اپنے ازلی مرشد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ سبق پڑھایا ہے کہ انسان کا جو دم اور سانس یادِ الٰہی کے بغیر غفلت میں نکلتا ہے اس ساعت میں وہ کافر ہوتا ہے۔ جس وقت سے اپنے مربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ بات سنی ہماری غفلت کی آنکھیں کھل گئیں اور ہم نے یادِ الٰہی میں اپنا رخ اپنے خدائے عزوجل کی طرف پھیر لیا۔ ہم نے اس امر کی تعمیل میں اتنی کوشش بلیغ کی کہ ہم نے اپنی جان تک اس کام کے لیے وقف کر ڈالی۔ جب ہم نے ذکر کو کمال تک پہنچایا اور ذکر سے مرتبہ فنا تک پہنچ کر مرنے سے پہلے مر گئے، تب ہم نے اپنا مطلب اور مراد حاصل کیا اور اپنی منزل مقصود تک صحیح سلامت پہنچ گئے)

(iv)۔ جب صبر کریں گے اور پھر شکر کے لیے اللہ عزوجل کی تسبیح کریں گے تو پھر مقام رضا حاصل ہو جائے گا۔ آپ بھی اللہ سے راضی اور وہ بھی آپ سے راضی اور پھر آپ صبر و شکر پر خوش رہنے لگیں گے، آپ کو نفسِ مطمئنہ مل جائے گا اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو وفات کے وقت کہا جائے:

---

[1] انوار سلطانی از حضرت سخی سلطان باہوؒ۔ صفحہ نمبر ۴۳

يَآيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ [1]

(اے اطمینان والی روح چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اپنے انجام نیک سے خوش اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ ہے۔شامل ہوجا میرے نیک بندوں میں۔داخل ہوجا میری جنت میں)

(۶)۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ [2]

(پس اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صبر کرو، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور ہرگز ہلکا نہ پائیں تم کو وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے)

اس آیت پاک سے تین امور واضح ہوتے ہیں:

(i)۔ صبر کرنا لازم ہے۔صبر انبیا علیہم السلام کا شیوہ ہے۔

(ii)۔ صبر پر اللہ پاک کا وعدہ ہے کہ وہ انعامات دے گا اور یہ سچا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔

(iii)۔ صبر کرنے سے زندگی کا ہلکا پن اور کمزوری ختم ہوجاتی ہے۔زندگی میں مضبوطی اور قوت پیدا ہوجاتی ہے۔دشمنوں پر صبر کی طاقت غالب آتی ہے، اس کا رعب پڑتا ہے۔

(۷)۔ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ [3]

(بیٹا، نماز قائم کرنے کا حکم دے، بدی سے منع کر، اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر۔یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے)

اس آیت کریمہ میں حضرت لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو تین چیزوں کی نصیحت کرتے ہیں:

(i)۔ خود بھی نماز پڑھنی ہے اور دوسروں کو بھی پڑھنے کی تلقین کرنی ہے۔

(ii)۔ نیکی کا حکم دینا ہے اور برائی سے منع کرنا ہے۔

(iii)۔ مشکلات اور مصائب پر صبر کرنا ہے۔

(iv)۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ تبصرہ بھی فرمایا ہے کہ یہ تین کام عظیم کام ہیں، بڑے کام ہیں، اعلیٰ مرتب لوگوں کے کام ہیں اور اگر عظمت کے راستے پر چلنا ہے تو یہ تینوں کام کرنے پڑیں گے۔یہ اعلیٰ زندگی کا نچوڑ ہے۔

(۸)۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ [4]

(پس صبر کر، بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے گناہ کی معافی مانگ اور شام اور صبح اپنے رب کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کر)

---

[1]۔سورۃ الفجر: آیت:۲۷-۳۰

[2]۔سورۃ الروم: آیت:۶۰

[3]۔سورۃ لقمٰن: آیت:۱۷

[4]۔سورۃ المومن: آیت:۵۵

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ

(i)۔ صبر کرنا اللہ پاک کا حکم ہے۔

(ii)۔ صبر پر اللہ پاک کے وعدے سچ ہیں۔صبر سے مدد آئے گی،فلاح آئے گی،عظمت آئے گی۔

(iii)۔ صبر کے ساتھ ساتھ انسان کو اپنی کوتاہیوں پر ندامت اور استغفار بھی کرنا ہے۔

(iv)۔ صبر کے وعدے پر یقین اور استغفار کے ساتھ ساتھ، صبح و شام اللہ عزوجل کی حمد کرنی ہے۔ تسبیح بیان کرنی ہے کہ وہ عظیم ذات ہے جس نے صبر کرنے کی توفیق دی، انعامات دیئے، استغفار کی توفیق دی، ان نعمتوں پر اب شکر اور تسبیح لازم ہے۔

(۹)۔ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا[۱]

(آپ اچھی طرح سے صبر کیے رہیں)

اس آیتِ پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو صبر کرنے کا حکم تو دیا گیا ہے مگر صبر کیسا ہونا چاہیے؟ انسان کو ایسا صبر کرنا چاہیے جو خوبصورت ہو، نقص سے پاک ہو، اچھا لگے، جس میں حسن ہو، وجاہت ہو۔صبر میں انسان کو تھکنا نہیں چاہیے، گھبرانا نہیں چاہیے، شکوہ نہیں کرنا چاہیے۔

(۱۰)۔ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ[۲]

(اپنے رب کے لیے صبر کرو)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ صبر کیوں کرنا چاہیے؟ دولت میں اضافے کے لیے؟ دنیاوی تعریف کے لیے یا انا کے لیے؟ صبر صرف اور صرف رضائے الٰہی کے لیے کرنا چاہیے، خالصتاً اللہ پاک کے لیے کرنا چاہیے کیونکہ جو عمل ریاکاری اور دکھلاوے کے لیے کیا جائے، وہ خدا کے ہاں قابلِ قبول نہیں۔نیکی کے لیے شرطِ اول یہ ہے کہ وہ صرف اور صرف اللہ پاک کے لیے ہو۔

(۱۱)۔ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ[۳]

(وہ جنہوں نے اپنے رب کی رضامندی کے لیے صبر کیا اور نماز قائم کی اور ہمارے دیئے ہوئے (مال) میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کیا اور برائی کے مقابلے میں بھلائی کرتے ہیں انھیں کے لیے آخرت کا گھر ہے)

ان آیات میں جنت کے باسیوں کی چار صفات بیان کی گئی ہیں:

(i)۔ وہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے صبر کرتے ہیں۔

۱۔سورۃ المعارج: آیت:۵

۲۔سورۃ المدثر: آیت:۷

۳۔سورۃ الرعد: آیت:۲۲-۲۴

2

(ii)۔ نماز قائم کرتے ہیں یعنی خود بھی پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور لوگوں کو بھی نماز ادا کرنے کی تلقین کرتے ہیں

(iii)۔ اللہ عزوجل کے عطا کردہ مال میں سے اللہ کی رضا کے لیے حق داروں پر خرچ کرتے ہیں۔ ظاہری طور پر خرچ کرتے ہیں اور خفیہ طور پر بھی خرچ کرتے ہیں

(iv)۔ جب ان سے برائی کی جائے تو اس کے جواب میں وہ برائی نہیں کرتے بلکہ برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں۔ وہ محروم کرنے والے کو عطا کرتے ہیں۔ رشتہ توڑنے والے سے رشتہ جوڑتے ہیں۔ یعنی وہ برتر اخلاق کے مالک ہیں۔

(v)۔ جنت کے مستحق صرف یہی لوگ ہیں، جن کے اخلاق میں صبر ہو، اللہ کی راہ میں مال خرچ کریں، نماز قائم کریں اور برائی کے بدلہ میں بھلائی سے کام لیں۔ ایسے لوگ جنت میں خوشی خوشی رہیں گے۔ اور یہ لوگ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جنت کا انعام ان سے کبھی بھی چھینا نہیں جائے گا بلکہ ان چار خوبیوں کا بدلہ اور انعام مستقل ہوگا۔

(۱۲)۔ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا [۱]

(ان لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے اونچے اونچے محل دیے جائیں گے اور وہاں فرشتے ان سے دعا و سلام کے ساتھ ملاقات کریں گے۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت ہی عمدہ جگہ ہے)

صبر کا اجر بہت بڑا ہے، صبر کرنے پر جنت عطا ہوگی، جنت میں اعلیٰ محل عطا ہوں گے۔ صرف جنت ہی نہیں بلکہ فرشتے ان سے مصافحہ کریں گے، ان کو دعا دیں گے، ان پر سلامتی بھیجیں گے۔ وہ لوگ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

(۱۳)۔ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا [۲]

(اور (اللہ تعالیٰ) ان کے صبر کے بدلے میں انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا کرے گا)

صبر کی بہت بڑی جزا ہے۔ دنیا میں جنہوں نے لالچ چھوڑا، اللہ کی راہ میں خرچ کیا، غربت پر صبر کیا اور نیکی پر جمے رہے، آخرت کی زندگی میں اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزا عطا فرمائیں گے، جنت میں زندگی پُرسہولت کر دیں گے، محلات دیں گے، باغات عطا فرمائیں گے اور اعلیٰ ریشمی لباس ان کو پہنایا جائے گا۔

(۱۴)۔ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ [۳]

(جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بے شمار ثواب ملے گا)

صبر کا بدلہ دنیا و آخرت میں اجر و ثواب ہے اور اجر و ثواب بھی بے حساب و بیشمار ہے۔

۱۔ سورۃ الفرقان: آیت: ۷۵-۷۶

۲۔ سورۃ الدہر: آیت: ۱۲

۳۔ سورۃ الزمر: آیت: ۱۰

(۱۵)۔ وَاسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ ؕ وَاِنَّہَا لَکَبِیۡرَۃٌ اِلَّا عَلَی الۡخٰشِعِیۡنَ [۱]

(صبراور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔ یہ بات عاجزی کرنے والوں کے سوا دوسروں کے لیے بہت مشکل ہے)

اس آیت کریمہ میں اللہ عزوجل نے ہمیں بتایا ہے کہ

(i)۔ اللہ پاک کی مدد سے سرفراز ہونے کے دو ذریعے ہیں: صبر اور نماز۔

(ii)۔ مشکل کے وقت حوصلہ اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔

(iii)۔ صبر کرنے پر اللہ عزوجل کی مدد شامل حال ہو جاتی ہے۔

(iv)۔ مشکلات میں مدد ہمیشہ اللہ عزوجل ہی سے مانگنی چاہیے۔

(v)۔ صبر اللہ پاک کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں

(vi)۔ اللہ عزوجل کی توفیق کا ذریعہ نماز ہے

(vii)۔ مشکل کے وقت صبر کرنا اور نماز پڑھنا بھاری کام ہیں مگر اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آسان ہیں۔

(۱۶)۔ وَلَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ [۲]

(اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے دشمن کے ڈر، بھوک، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دیجیے)

اس آیتِ کریمہ میں ایمان والوں کی آزمائش کا ذکر فرماتے ہوئے ذیل کے نکات کو بیان کیا گیا ہے:

(i)۔ اللہ رب العزت اہل ایمان کی آزمائش فرماتا ہے۔

(ii)۔ ایمان کے لیے آزمائش شرط ہے۔

(iii)۔ جنت میں داخلے کے لیے آزمائش ضرور ہوتی ہے۔

(iv)۔ اس آزمائش میں خوف، غربت، مال کی کمی، پیاروں کی موت اور رزق کی کمی وغیرہ ہوسکتی ہیں۔

(v)۔ مصائب پر صبر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری کا پیغام ہے۔

(vi)۔ آزمائش میں ثابت قدمی کے بعد اللہ کی مدد یقینی اور قریب ہوا کرتی ہے۔

(vii)۔ مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ پڑھنا چاہیے۔

(viii)۔ مصائب اللہ عزوجل کی طرف سے بطور عذاب نہیں بلکہ بطورِ آزمائش ہوتے ہیں۔

(ix)۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش مومن کو ذلیل کرنے کے لیے نہیں بلکہ انسان کی خوابیدہ صلاحیتیں ابھارنے کے لیے

۱۔ سورۃ البقرہ: آیت:۴۵

۲۔ سورۃ الروم: آیت:۶۰

آتی ہے۔

(x)۔ آزمائشوں پر صبر کرنا انسان کے آخرت کے مراتب میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔

(xi)۔ ہمیں دنیاو آخرت میں کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائشوں کو صبر وتحمل سے برداشت کرنا چاہیے۔

(۱۷)۔ لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ[1]

(تم ضرور اپنے مالوں اور جانوں کے بارے میں آزمائے جاؤ گے اور تمھیں اپنے سے پہلے والے اہل کتاب اور مشرکوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سننی پڑیں گی۔ اگر تم صبر کرلو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بلاشک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں)

دشمنوں کی طرف سے مالی، جانی نقصان مسلمانوں کے لیے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں مومنین کو پریشانیوں پر تسلی دیتے ہوئے صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ

(i)۔ مسلمانوں کو مال اور جان کے حوالے سے ساتھ ضرور آزمایا جاتا ہے۔

(ii)۔ دشمنوں کی طرف سے مسلمانوں کو بڑی بڑی تکالیف اٹھانی پڑتی ہیں۔

(iii)۔ اہل ایمان کو اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کرنے کے باوجود دشمنوں کی باتیں سننا پڑتی ہیں۔

(iv)۔ تکالیف پر صبر کرنا اور گناہوں سے بچنا بڑے عظیم کام ہیں۔

(v)۔ مومنین کو اس لیے آزمایا جاتا ہے تا کہ وہ دوسروں کے لیے نمونہ بن کر زندگی بسر کریں۔

(vi)۔ آزمائش اور امتحان کا مقصد یہ ہے کہ مومن دین کی سربلندی اور لوگوں کی خیر خواہی کے لیے قربانیاں پیش کریں

(vii)۔ صبر اور پرہیزگاری اختیار کرنا بڑے عظمت والے کام ہیں۔

(viii)۔ صاحب عزیمت اور صبر کرنے والے لوگ ہی دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں گے۔

(۱۸)۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ[2]

(اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)

اس آیتِ کریمہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ رب العزت انہی لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی طرف سے آنے والی آزمائش میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صبر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت ایک عظیم کامیابی ہے، جس کے لیے ہم سب کو کوشش کرنی چاہیے۔

۱۔ سورۃ لقمٰن: آیت: ۱۷

۲۔ سورۃ المومن: آیت: ۵۵

(۱۹)۔ وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ ؕ وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ [۱]

(اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمھیں تکلیف دی گئی ہے اور اگر صبر کرو تو یقیناً وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے)

اس آیت مبارک میں انسان کو اخلاقیات کا درس گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ دنیا خیر وشر کی جگہ ہے۔ جہاں نیک لوگوں کو برُے لوگوں سے بھی سامنا ہوسکتا ہے۔ اگر کسی کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے تو اہل عزیمت کا شیوہ یہ ہے کہ انتقام نہ لے بلکہ عفوودرگزر کا رویہ اختیار کرتے ہوئے صبر کرے۔ لیکن اگر انسان کا اخلاقی معیار اتنا بلند نہیں تو پھر بھی بدلے میں دوسروں کو زیادتی کا نشانہ نہ بنائے۔

(۲۰)۔ اِنِّىۡ جَزَيۡتُهُمُ الۡيَوۡمَ بِمَا صَبَرُوۡۤا ۙ اَنَّهُمۡ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ [۲]

(آج ان کے صبر کا میں نے انہیں یہ صلہ دیا ہے کہ وہ کامیاب ہیں)

اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں اہل ایمان کے لئے ایک صبر آزما مرحلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جب دین وایمان پر عمل کرتے ہیں تو دین سے ناآشنا اور ایمان سے بے خبر لوگ انھیں ہنسی مذاق وملامت کا نشانہ بنالیتے ہیں یا پھر ان پر سختی کی جانے لگتی ہے۔ ایسے حالات میں کچھ لوگ دوسروں کی طرف سے ملنے والی تکالیف پر دل گرفتہ ہوجاتے ہیں اور صبر کا دامن چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ البتہ خوش قسمت لوگ ان تمام حالات وواقعات میں صبر وتحمل سے کام لیتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ قیامت والے دن انھیں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے گا اور انھیں کامیابی سے سرفراز کرے گا۔

اس کے علاوہ عمومی زندگی میں بھی صبر کرنے والوں کی بھی یہی جزا ملے گی۔ یعنی اللہ عزوجل ان سے راضی ہوگا۔ ان کو کامیاب قرار دے گا۔

۳۔ صبر احادیث کی روشنی میں

احادیث شریف میں صبر کی اہمیت کچھ یوں بیان کی گئی ہے:

(۱)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس مومن بندے کا، جس کی میں کوئی عزیز چیز دنیا سے اٹھالوں اور وہ اس پر ثواب کی نیت سے صبر کرلے، اس کا بدلہ میرے ہاں جنت کے سوا اور کچھ نہیں [۳]۔

(۲)۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ چند انصاری صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ مانگا اور جس نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مانگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دیا، یہاں تک کہ جو مال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا وہ ختم ہوگیا۔ جب سب کچھ ختم ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو بھی اچھی چیز میرے پاس ہوگی میں اسے تم سے بچا کر نہیں رکھتا ہوں۔ بات

۱۔ سورۃ المعارج: آیت: ۵

۲۔ سورۃ المدثر: آیت: ۷

۳۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۴۲۴

یہ ہے کہ جو تم میں (سوال سے) بچتا رہے گا، اللہ بھی اسے غیب سے دے گا اور جو شخص دل پر زور ڈال کر صبر کرے گا، اللہ بھی اسے صبر دے گا اور جو بے پرواہ رہنا اختیار کرے گا، اللہ بھی اسے بے پروا کر دے گا اور اللہ کی کوئی نعمت صبر سے بڑھ کر تم کو نہیں ملی[1]۔

(۳)۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن انسان کا بھی عجیب حال ہے کہ اس کے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے اور یہ بات کسی کو حاصل نہیں سوائے مومن انسان کے۔ اگر اسے کوئی تکلیف بھی پہنچی، اس نے شکر کیا تو اس کے لیے اس میں بھی ثواب ہے اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچا اور اس نے صبر کیا تو اس کے لیے اس میں بھی ثواب ہے[2]۔

(۴)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث قدسی نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے اگر کسی بندے کی بینائی زائل کر دی اور اس نے اس آزمائش پر صبر کیا اور مجھ سے ثواب کی امید رکھی تو میں اس کے لیے جنت سے کم بدلہ دینے پر کبھی راضی نہیں ہوں گا[3]۔

(۵)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنا غصہ روک لے اگر چہ وہ طاقت رکھتا ہو اس کو استعمال کرنے کی، تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن لوگوں کے سامنے بلائے گا اور اس کو اختیار دے گا جس حور کو چاہے وہ پسند کر لے[4]۔

(۶)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو جہاں کے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ مومن جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہو اور ان کے تکلیف دینے پر صبر کرتا ہے، اس مومن سے افضل ہے جو لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا اور ان کے تکلیف پہنچانے پر صبر نہیں کرتا[5]۔

(۷)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کامل ایمان صبر اور سخاوت کا ہی نام ہے[6]۔

(۸)۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب ارشاد فرمایا: صبر اور تحمل[7]۔

(۹)۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کی! اسلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا۔ میں نے عرض کی! ایمان کیا ہے؟ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صبر کرنا اور سخاوت کرنا[8]۔

(۱۰)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو قبر کے پاس رو رہی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ سے ڈر اور صبر کر[9]۔

۱۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۴۷۰

۲۔ صحیح مسلم۔ رقم: ۳۰۰۳

۳۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۲۲۱۸

۴۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۸۶

۵۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۰۳۲

۶۔ مجمع الزوائد۔ رقم: ۱۹۸

۷۔ مسند امام احمد۔ رقم: ۱۹۴۳۵

۸۔ مشکوۃ شریف۔ جلد اول: رقم: ۴۲

۹۔ صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم: ۱۱۹۹

(۱۱)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صبر صدمہ کی ابتدا کے وقت ہی افضل ہے رونے دھونے کے بعد تو صبر آ ہی جاتا ہے[1]۔

(۱۲)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم عنقریب میرے بعد لوگوں کو غیر مناسب فضیلت پاتے ہوئے دیکھو گے اس وقت صبر کرنا تاکہ حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کر سکو[2]۔

(۱۳)۔ حضرت عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں تمہیں ایک جنتی عورت نہ دکھلاؤں۔ میں نے عرض کیا کیوں نہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ سیاہ فام عورت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی اور اس نے عرض کیا مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میرا ستر کھل جاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لئے اللہ پاک سے دعا فرمائیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تو چاہے تو صبر کر، تیرے لئے جنت ہے اور اگر تو چاہے تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تجھے صحت و عافیت دے دے وہ عورت کہنے لگی کہ میں صبر کروں گی لیکن میرا ستر کھل جاتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لئے دعا فرمائیں کہ میرا ستر نہ کھلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کے لئے دعا فرمائی[3]۔

(۱۴)۔ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: طہارت نصف ایمان کے برابر ہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میزان (عدل) کو بھر دے گا اور سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ سے زمین و آسمان کی درمیانی فضا بھر جائے گی اور نماز نور ہے اور صدقہ دلیل ہے اور صبر روشنی ہے اور قرآن تیرے لئے حجت ہوگا یا تیرے خلاف ہوگا، ہر شخص جب صبح کو اٹھتا ہے اپنے نفس کو فروخت کرنے والا ہے یا اس کو آزاد کرنے والا ہے[4]۔

(۱۵)۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک فرماتے ہیں آدم کے بیٹے! اگر صدمہ کے شروع میں تو صبر اور ثواب کی امید رکھے تو میں (تیرے لئے) جنت کے علاوہ اور کسی بدلہ کو پسند نہ کروں گا[5]۔

(۱۶)۔ حضرت ابو النصر سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس مسلمان کے تین لڑکے مر جائیں اور وہ اس پر صبر کرے تو قیامت کے روز وہ لڑکے اس کو جہنم کے عذاب سے بچائیں گے۔ ایک عورت نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر دو مر جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ بھی[6]۔

۱۔ سنن نسائی۔ جلد اول: رقم: ۱۸۷۴

۲۔ صحیح بخاری۔ جلد دوم: رقم: ۱۰۲۹

۳۔ صحیح مسلم۔ جلد سوم: رقم: ۲۰۷۰

۴۔ صحیح مسلم۔ جلد اول: رقم: ۵۳۴

۵۔ سنن ابن ماجہ۔ جلد اول: رقم: ۱۵۹۷

۶۔ موطا امام مالک۔ جلد اول: رقم: ۴۹۶

2

(۱۷)۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی چادر کو تکیہ بنا کر کعبہ شریف کے سائے میں آرام فرما تھے۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور شکوہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لیے اللہ عزوجل سے دعا کیوں نہیں کرتے؟ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا: تم سے پہلی لوگوں میں سے کسی کو سزا کے لیے لایا جاتا تھا اور ایک گڑھا کھود کر اس میں ڈال دیا جاتا، پھر آرا اس کے سر پر رکھ کر اسے دو ٹکڑے کر دیا جاتا، لیکن یہ تکلیف اسے دین سے نہیں پھیرتی تھی[۱]۔

(۱۸)۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک صاحبزادی رضی اللہ عنہا کا بھیجا ہوا ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ان کا ایک بچہ نزع کی حالت میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہلا بھیجا: اللہ کی ہی چیز ہے جو اس نے لے لی اور اللہ ہی کی وہ ہر چیز ہے جو اس نے دی، ہر شخص کی ایک مدت مقرر ہے۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ صبر کرے اور اسے ثواب سمجھے[۲]۔

(۱۹)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے امیر کی کوئی ناگوار چیز دیکھے تو اس کو صبر کرنا چاہیے، اس لئے کہ جو شخص امیر کی اطاعت سے ایک بالشت بھی باہر ہوا تو وہ جاہلیت کی موت مرا[۳]۔

(۲۰)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے کسی بچے کو اگر لے جاتا ہے اور وہ بندہ اپنے اللہ کی رضا کے لیے صبر کرتا ہے، تو جب وہ بندہ اپنے اللہ عزوجل سے اس کا اجر مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ سوائے جنت کے کسی اور چیز کے مانگنے سے خوش نہیں ہوتا[۴]۔

(۲۱)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی بیٹیوں کے ساتھ آزمایا گیا، پھر اس نے ان پر صبر کیا تو وہ اس کے لئے جہنم سے پردہ ہوں گی[۵]۔

(۲۲)۔ حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تین چیزوں کے متعلق قسم کھاتا ہوں اور تم لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہوں تم لوگ یاد رکھنا:

(i)۔ کسی صدقہ یا خیرات کرنے والے کا مال صدقے یا خیرات سے کبھی کم نہیں ہوتا

(ii)۔ کوئی مظلوم ایسا نہیں کہ اس نے ظلم پر صبر کیا ہو اور اللہ تعالیٰ اس کی عزت نہ بڑھائیں

۱۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۳۶۱۲

۲۔ صحیح بخاری۔ جلد سوم: رقم: ۱۵۴۱

۳۔ صحیح بخاری۔ جلد سوم: رقم: ۱۹۷۶

۴۔ سنن نسائی۔ جلد اول: رقم: ۱۸۷۶

۵۔ جامع ترمذی۔ جلد اول: رقم: ۱۹۹۸

(iii)۔ جو شخص اپنے اوپر سوال کا دروازہ کھولتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے فقر و محتاجی کا دروازہ کھول دیتے ہیں یا اسی طرح کچھ فرمایا

(iv)۔ چوتھی بات یاد رکھو کہ دنیا چار اقسام کے لوگوں پر مشتمل ہے:

(الف)۔ ایسا شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال اور علم دونوں دولتوں سے نوازا ہو اور وہ اس میں تقویٰ اختیار کرتا ہو، صلہ رحمی کرتا اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہو یہ سب سے افضل ہے۔

(ب)۔ وہ شخص جسے علم تو عطا کیا گیا لیکن دولت سے نہیں نوازا گیا چنانچہ وہ صدق دل کے ساتھ اپنی اس تمنا کا اظہار کرے کہ کاش میرے پاس دولت ہوتی جس سے میں فلاں شخص کی طرح عمل کرتا۔ (مذکورہ بالا نیک شخص کی طرح) ان دونوں شخصوں کے لیے برابر اجر و ثواب ہے۔

(ج)۔ ایسا مالدار جو علم کی دولت سے محروم ہو اور اپنی دولت کو ناجائز جگہوں پر خرچ کرے نہ اس کے کمانے میں خدا کے خوف کو ملحوظ رکھے اور نہ اس سے صلہ رحمی کرے اور نہ ہی اس کی زکوٰۃ وغیرہ ادا کرے یہ شخص سب سے بدتر ہے۔

(د)۔ ایسا شخص جس کے پاس نہ دولت ہے اور نہ علم لیکن اس کی تمنا ہے کہ کاش میرے پاس دولت ہوتی تو میں فلاں کی طرح خرچ کرتا (مذکورہ تیسرا) یہ شخص بھی اپنی نیت کا مسئول ہے اور ان دونوں (یعنی تیسرے اور چوتھے) کا گناہ بھی برابر ہے[۱]۔

(۲۳)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے دوستوں میں سب سے قابل رشک وہ شخص ہے جو کم مال والا، نماز میں زیادہ حصہ رکھنے والا اور اپنے رب کی اچھی طرح عبادت کرنے والا ہے، جو خلوت میں بھی اپنے رب کی اطاعت کرے۔ لوگوں میں چھپا رہے اور اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کئے جائیں اس کا رزق بقدر کفایت ہو اور وہ اسی پر صبر کرتا ہو[۲]۔

(۲۴)۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کے لئے بشارت ہے جسے اسلام کی ہدایت دی گئی، ضرورت کے مطابق رزق دیا گیا اور اس پر اس نے صبر کیا[۳]۔

(۲۵)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری پر سوار تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اے لڑکے! کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھا دوں جن کے ذریعے اللہ تمہیں فائدہ دے؟ میں نے عرض کیا ضرور۔

---

[۱]۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۲۱۴۲۔ (البتہ بعض احادیث میں وارد ہے کہ نیکی کی نیت کا ثواب ملتا ہے مگر برائی کی نیت کا گناہ نہیں ملتا اور گناہ تب ملتا ہے جبکہ گناہ کر لیا جائے)

[۲]۔ صحیح مسلم۔ جلد اول: رقم: ۵۳۴

[۳]۔ جامع ترمذی۔ جلد دوم: رقم: ۲۳۶

2

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے احکام کی حفاظت کرو، اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ اللہ کی حفاظت کرو، تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ تم اسے خوشحالی میں یاد رکھو، وہ تمہیں تکلیف کے وقت یاد رکھے گا۔ جب مانگو اللہ سے مانگو، جب مدد چاہو اللہ سے چاہو اور جان رکھو! اگر ساری دنیا مل کر بھی تمہیں نفع پہنچانا چاہے تو تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتی، سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر وہ سارے مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے، سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو چکے اور یاد رکھو! مصائب پر صبر کرنے میں بڑی خیر ہے کیونکہ مدد صبر کے ساتھ ہے، کشادگی تنگی کے ساتھ ہے اور آسانی سختی کے ساتھ ہے[۱]۔

(۲۶)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ مخلوق اللہ میں سے سب سے پہلے جنت میں کون لوگ داخل ہوں گے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں سب سے پہلے مخلوقِ خدا میں سے وہ فقرا اور مہاجرین داخل ہوں گے، جن کے آنے پر دروازے بند کر دیئے جاتے تھے، ان کے ذریعے ناپسندیدہ امور سے بچا جاتا تھا اور اپنی حاجات اپنے سینوں میں لئے ہوئے ہی مر جاتے تھے لیکن انہیں پورا نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں سے جسے چاہیں گے حکم دیں گے کہ ان کے پاس جاؤ اور انہیں سلام کرو۔

فرشتے عرض کریں گے کہ ہم آسمانوں کے رہنے والے اور آپ کی مخلوق میں منتخب لوگ اور آپ ہمیں ان کو سلام کرنے کا حکم دے رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ ایسے لوگ تھے جو صرف میری ہی عبادت کرتے تھے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔ ان پر دروازے بند کر دیئے جاتے تھے۔ ان کے ذریعے ناپسندیدہ امور سے بچا جاتا تھا اور یہ اپنی ضروریات اپنے سینوں میں ہی لئے مر جاتے تھے لیکن انہیں پورا نہ کر پاتے تھے۔ چنانچہ فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور ہر دروازے سے یہ آواز لگائیں گے تم پر سلام ہو کہ تم نے صبر کیا، آخرت کا گھر کتنا بہترین ہے[۲]۔

(۲۷)۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے آزمائش میں مبتلا کرتا ہے، پھر جو شخص صبر کرتا ہے اسے صبر ملتا ہے اور جو شخص جزع فزع (شور شرابہ) کرتا ہے اس کے لئے جزع فزع ہے[۳]۔

(۲۸)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص تکلیف دینے والی بات سن کر

۱۔ مسند احمد۔ جلد دوم: رقم: ۹۲۶

۲۔ مسند احمد۔ جلد سوم: رقم: ۲۰۶۷

۳۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۳۶۱۲

اللہ سے زیادہ صبر کرنے والا نہیں ہے کہ لوگ اس کے لئے بیٹا بتاتے ہیں اور وہ انہیں معاف کر دیتا ہے اور انہیں رزق دیتا ہے[۱]۔

(۲۹)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انسان میں سب سے بدترین چیز، بے صبرے پن کے ساتھ بخل اور حد سے زیادہ بزدلی ہوتی ہے[۲]۔

(۳۰)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل کی معرفت کا تقاضا یہ ہے کہ تم نہ اپنے درد کی شکایت کرو اور نہ مصیبت کا ذکر کرو[۳]۔

۴۔ صبر کی اقسام

صبر کی کئی قسمیں ہیں:

(۱)۔ صبر علی العمل (عمل پر صبر) یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو کسی نیکی کے کام کرنے کی عادت ڈال لے یعنی اس پر جم جائے اور قائم رہے۔ مثلاً نماز پابندی سے پڑھنا، زکوٰۃ پابندی سے ادا کرنا، صدقہ کرنا وغیرہ۔

(۲)۔ صبر فی العمل (عمل میں صبر) یہ ہے کہ عمل کے وقت نفس کو دوسری مصروفیات سے روکنا، اطاعت بجالانے کے وقت ان کے حقوق و آداب کو سکون و اطمینان سے ادا کرنا اور ہمہ تن متوجہ ہو کر کام کو بجالانا۔ مثلاً نماز پڑھنے کھڑے ہوئے یا ذکر میں مشغول ہوئے تو نفس کو یہ سمجھا دیا کہ تم اتنی دیر تک سوائے نماز یا ذکر اللہ کے اور کوئی کام نہیں کر سکتے۔

(۳)۔ صبر عن العمل (عمل سے صبر) یہ ہے کہ نفس کو جن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے ان سے رکنا، شریعت نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے رکنا۔ گناہ سے بچنا، شہوتِ نفسانی سے بچنا، غیبت نہ کرنا، چوری نہ کرنا وغیرہ۔

۵۔ صبر کی حکم کے اعتبار سے اقسام

حکم کے اعتبار سے صبر کی چار اقسام ہیں:

(۱)۔ فرض: اسلامی شریعت نے جن کاموں سے منع کیا ہے ان کے کرنے سے صبر (رکنا) کرنا فرض ہے۔ جیسا کہ اسلام نے شراب پینے سے منع فرمایا ہے۔ انسان کی طبیعت اس کی طرف مائل ہوتی ہے اور وہ انتہائی صبر سے کام لیتے ہوئے اس سے بچا رہتا ہے۔ اس کا یہ صبر کرنا فرض ہے۔ بالکل ایسے ہی اسلام نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کاموں کو سرانجام دینے پر صبر کرنا بھی فرض ہے۔ جیسا کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج سرانجام دینا۔

(۲)۔ مستحب: مستحب صبر یہ ہے کہ انسان ایسے ناپسندیدہ کام جو شرعاً ممنوع بھی نہ ہوں کو چھوڑ دے۔

(۳)۔ مکرہ: مکرہ صبر یہ ہے کہ انسان شرعاً ناپسندیدہ چیز سے پہنچنے والی تکلیف پر صبر کرے۔

۱۔ صحیح بخاری۔ جلد سوم: رقم: ۱۰۳۲

۲۔ مسند احمد۔ جلد چہارم: رقم: ۸۴۷

۳۔ شعب الایمان از امام ابی بکر احمد بن حسین البیہقیؒ۔ جلد ہفتم: رقم: ۱۰۰۴۲

(۴)۔ حرام: تکلیف دہ کام جن سے اسلامی شریعت نے منع کیا ہے پر خاموش رہنا صبر حرام ہے۔ جیسا کہ اگر کسی آدمی یا اس کے بیٹے کا ناحق ہاتھ کاٹا جائے تو وہ اس پر خاموشی اختیار کر لے تو یہ صبر حرام ہے۔ بالکل اسی طرح اگر کوئی برے ارادے سے کسی کے گھر والوں کی طرف بڑھے، تو اس پر خاموشی سے اسلامی شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ ایسا صبر قطعی طور پر حرام ہے۔

۶۔ صبر کرنے والوں کی اقسام

صبر کرنے والوں کی تین اقسام ہیں:

(۱)۔ متصبّر: جو دل پر زور ڈال کر (بتکلف) صبر کرتے ہیں۔ بتکلف صبر کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ذریعے صبر کرتا ہے وہ بعض اوقات تو صبر اختیار کرتا ہے اور بعض اوقات صبر کرنے سے عاجز ہوتا ہے اور شکایت کرتا ہے۔

(۲)۔ صابر: جو واقعتاً صبر اختیار کرتے ہیں۔ صابر کی یہ علامت ہے کہ وہ اللہ کے لیے صبر اختیار کرتا ہے وہ کسی حالت میں بھی دکھ، تکالیف اور مصائب پر غم کا اظہار نہیں کرتا، مگر اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ فریاد کرے، جیسا کہ ذوالنون مصریؒ کہتے ہیں کہ میں حالتِ مرض میں ایک صوفی کی عیادت کو گیا تو گفتگو کے دوران اس نے ایک چیخ ماری۔ اس پر میں نے کہا کہ وہ شخص صبر میں صادق نہیں جس نے مصیبت و دکھ میں صبر نہ کیا۔ اس کے جواب میں اس نے کہا، نہیں بلکہ یوں کہیے کہ وہ شخص سچا محب نہیں جس نے دکھ سے لذت حاصل نہ کی۔

(۳)۔ صبّار: جو بہت زیادہ صبر کرنے والے ہوتے ہیں۔ جہاں تک صابرین میں سے صبّار کا تعلق ہے تو یہ درجہ اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے ذریعے، اللہ ہی کے لیے اور اللہ کو ہی اپنا جاننے پر صبر کر لیا ہو۔ صبّار یعنی انتہائی درجے کا صابر وہ ہوتا ہے کہ اگر مصائب کے پہاڑ بھی اس پر ٹوٹ پڑیں تو بھی اس کے ہاتھوں سے صبر کا دامن چھوٹنے نہیں پاتا۔ وہ ظاہری و باطنی دونوں لحاظ سے غیر متزلزل رہتا ہے۔

(۴)۔ صبر زکریا علیہ السلام: صبر کا ایک مقام یہ بھی ہے کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام کے سر مبارک پر دشمنانِ خدا نے آرہ چلایا تو انہوں نے ایک دلدوز آہ نکالی اور اللہ پاک نے وحی کی وساطت سے انہیں خبر دی کہ اے زکریا علیہ السلام! اگر تیری دوسری آہ مجھ تک پہنچی تو میں تمام زمینوں اور آسمانوں کو ایک دوسرے پر الٹا دوں گا[۱]۔

۷۔ صبر میں معاون چیزیں

کچھ ایسی چیزیں ہیں جو صبر کرنے میں معاون ہوتی ہیں اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جو رکاوٹ بنتی ہیں مثال کے طور پر:

(۱)۔ خدا کی ذات اس دنیا میں صبر کے لیے ایک بڑا سہارا ہے۔ خدا تعالیٰ کے انکار یا بے اعتمادی پر شاید ہی کوئی شخص نیکی پر قائم رہ سکے۔ خدا پر اعتماد کی کمی یا اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں کم علمی کی وجہ سے انسان وقتاً فوقتاً صبر سے محروم ہوتا رہتا ہے۔

۱۔ صحیح مسلم۔ جلد اول: رقم: ۵۳۴

(۲)۔ جس آدمی میں توکل نہیں ہوگا، وہ صبر نہیں کر سکے گا۔ اس لیے کہ خدا پر بھروسا ہی وہ سہارا ہے، جس سے نفس مشکلات میں مطمئن رہتا ہے۔ اللہ ہمارے بارے میں فیصلہ کرتے وقت کبھی ہمیں مشکل سے دوچار کرتا ہے اور کبھی آسانی سے۔ ان دونوں طرح کے فیصلوں میں اپنے معاملات کا والی وارث اللہ کو سمجھنا اور اس کی رضا پر قائم رہنے کی کوشش کرنا ہی وہ چیز ہے جس کو ہم توکل کہتے ہیں۔ یہی چیز دراصل صبر کرنے میں بڑی معاون ثابت ہوتی ہے۔

(۳)۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ نیکی کریں گے تو ہم پر مصیبت نہیں آئے گی۔ یہ فکر اللہ عزوجل کی سنت کے بارے میں غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا انعام کے لیے نہیں بنائی، بلکہ آزمائش کے لیے بنائی ہے۔ خدا نے نیکی کو بس ایک عمومی غلبہ دے رکھا ہے، مگر یہ لازم نہیں ہے کہ کسی فرد کی نیکی کے بعد اس پر کوئی آزمایش نہیں آئے گی۔ انبیا علیہم السلام کی زندگیاں اس کی بہترین مثال ہیں۔ یہ لوگ معصوم تھے، مگر ان پر مصیبت کے ایسے ایسے پہاڑ ٹوٹے ہیں کہ قرآن کے مطابق رسول علیہم السلام اور ان کے حواری پکار اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی[1]؟

(۴)۔ قرآن مجید میں بے شمار مواقع پر صبر جلد بازی کے متضاد معنی میں آیا ہے۔ ہم جن مواقع پر جلد بازی کا شکار ہوجاتے ہیں، وہاں بالعموم بے صبری دکھاتے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری دعائیں فوراً قبول ہوجائیں یا اسی طرح خدا کی طرف سے جو مصیبت اور غم نازل ہوا ہے وہ جلدی نہ ٹلنے پر ہم مایوس ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح کسی سے کوئی تقاضا ہو، کوئی کام نکالنا ہو، اور ہم جلدی میں پڑ جائیں تو بے صبری کی خطا سرزد ہوتی ہے۔ مثلاً ہمارے کسی بھائی نے کوئی غلط بات ہم سے منسوب کردی تو ہم فوراً اس سے انتقام لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ پہلے لازم ہے کہ ہم یہ جانیں کہ بات کیا ہے؟ کس نے کہی ہے؟ ہمیں غلط بات تو نہیں پہنچی؟

(۵)۔ صبر کو نقصان پہنچانے والے امور میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ ہمیں ہر معاملہ کی حقیقت کا علم نہیں ہوتا۔ ہم اس کے بہت سارے پہلوؤں سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے ہم غصہ میں آجاتے ہیں اگر ہمیں اس کی حقیقت کا علم ہوجائے تو ہمیں نہ اتنا دکھ ہو اور نہ اتنی بے صبری پیدا ہو۔

(۶)۔ دنیا میں معاملات کرتے وقت ہمیں صبر سے ہٹانے والی ایک چیز یہ بھی ہے کہ ہم دوسروں کے حقوق کا صحیح شعور نہیں رکھتے، دوسرے بھی انسان ہیں، ان کے بھی احساسات و جذبات ہیں، وہ بھی غلطی کر سکتے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی دنیوی ضروریات لگی ہیں۔ ان کے بھی بیوی بچے اور مشکلات ہیں، ان کے اندر بھی تمنائیں ہیں۔ دوسرے سے معاملہ کرتے وقت ہمیشہ ان امور کا خیال رکھنا ہے کہ وہ بھی ہماری طرح ان چیزوں سے دوچار ہیں۔

۸۔ صبر اختیار کرنے کے طریقے

صبر اختیار کرنے کے کئی طریقے ہیں:

---

[1] صحیح مسلم۔ جلد اول: رقم: ۵۳۴

(۱)۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ [۱]
(جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں)
یعنی مصیبت اور غم کے وقت زبان کو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کے ورد میں مشغول کرنا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ ہم اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور مالک کو اپنی ملکیت میں تصرف کا پورا پورا اختیار ہے، غلام کو چاہیے کہ مالک کے تصرف پر راضی رہے۔ اس لیے اسے ہر موقع پر تصرفِ حق پر راضی رہنا چاہیے۔

(۲)۔ واقعہ مصیبت کو از خود نہ سوچنا چاہیے بلکہ اپنے کام میں مصروف رہنا چاہیے۔ جو گزر گیا وہ گزر گیا۔ وہ مقدر تھا سو ہو گیا۔ آئندہ بہتری ہوگی۔

(۳)۔ مصیبت کے وقت اپنے گناہوں کو یاد کرنا چاہیے اپنی غلطیوں کو یاد کیا جائے، مصیبت سے پریشان نہ ہوا جائے بلکہ غلطیوں پر خود نادم ہوا جائے اور اپنی اصلاح کا سوچا جائے۔

(۴)۔ یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہو گیا ہے، ایک خطرناک خیال ہے اس سے انسان کا اپنے خدا تعالیٰ سے تعلق کمزور ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ عزوجل سے اچھا گمان رکھنا چاہیے۔

(۵)۔ مصائب کو گناہوں کی سزا سمجھنا چاہیے اور اس کے ثواب کو یاد کرنا چاہیے۔ گناہوں پر استغفار کرنا چاہیے اور ثواب کی امید رکھنی چاہیے۔

(۶)۔ شریعت نے مصیبت کے وقت صبر وتحمل کی تعلیم دی ہے دین کے اس تصور کو ذہن میں لانا چاہیے۔

(۷)۔ مصیبت میں ثابت قدم رہنا چاہیے، خدا سے کوئی شکوہ وشکایت نہ کی جائے۔ کوئی بات ایمان اور اسلام کے خلاف زبان اور دل میں نہیں لانی چاہیے۔ اس سے ثواب بھی ملے گا اور غم کو برداشت کرنے کا حوصلہ بھی پیدا ہوگا۔

(۸)۔ یہ خیال دل میں لایا جائے کہ ہر مصیبت پر نعم البدل ملتا ہے اور اس مصیبت میں نفع ضرور ہوگا۔ آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی اگرچہ دنیوی نفع ابھی سمجھ میں نہ آئے۔ پھر اجر کو یاد کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مصیبت کا بہت ثواب رکھا ہے پس ثواب کو یاد کر کے غم کو ہلکا کرنا چاہیے۔

(۹)۔ انبیاء علیہم السلام کی زندگی حصول صبر کے لیے ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہے۔ ان کی سیرت ایسی مثالیں رکھتی ہے کہ جن سے ہمیں حوصلہ حاصل ہوتا ہے اور بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ صبر کے لیے انبیاء علیہ السلام اور صاحب دل حضرات رحمہم اللہ کی سیرتوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(۱۰)۔ ہمیں دوسرے کے ساتھ معاملات کرتے ہوئے ان کے رویوں کو اپنے لیے اللہ کی طرف سے امتحان سمجھنا چاہیے اور اگر غلطی ہماری ہو تو اسے درست کر لینا چاہیے، اگر غلطی دوسروں کی ہو تو درگزر سے کام لینا چاہیے اور اپنے کام اور رویے پر قائم ودائم رہنا چاہیے۔

---

[۱] سورۃ البقرہ: آیت: ۱۵۶

۹۔ صبر کے بارے میں اقوال

صبر کے بارے میں مشائخ اکرامؒ سے بہت سے اقوال مروی ہیں:

(۱)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایمان اور صبر کا تعلق اس طرح ہے جیسے جسم اور سر کا تعلق ہوتا ہے۔ جس کا سر نہ ہو اس کا بدن نہیں ہوتا اور جسے صبر حاصل نہ ہو اس کا ایمان نہیں ہوتا[۱]۔

(۲)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صبر نصف ایمان ہے[۲]۔

(۳)۔ حضرت معمون بن مہران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایمان، تصدیق، معرفت اور صبر ایک ہی چیز کا نام ہے۔

(۴)۔ حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایمان کا سب سے بلند مقام اللہ تعالیٰ کے احکامات پر صبر و استقلال کے ساتھ عمل کرنا اور تقدیر پر راضی رہنا ہے[۳]۔

(۵)۔ حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ صبر کی دو قسمیں ہیں: اول مصائب و آلام پر صبر کرنا، دوم ان چیزوں سے بچنا جن سے اللہ تعالیٰ نے بچنے کا حکم دیا ہے[۴]۔

(۶)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ تکلیف کا فقط اللہ کے لیے اس وقت تک برداشت کرنا کہ وہ ٹل جائے، صبر ہے[۵]۔

(۷)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ مومن کے لیے دنیا سے آخرت کو جانا آسان ہے لیکن اللہ کی خاطر مخلوق کو چھوڑ دینا مشکل ہوتا ہے پھر خواہشات کو چھوڑ کر اللہ کی طرف توجہ اس سے بھی مشکل ہے اور ہر وقت اللہ پر نظر رکھ کر صبر تو اور بھی مشکل ہے[۶]۔

(۸)۔ حضرت ابوسلیمانؒ فرماتے ہیں، بخدا جسے ہم پسند کرتے ہیں اس پر صبر نہیں کر سکتے تو ناپسندیدہ پر کیسے صبر کریں[۷]؟

(۹)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ مصیبت کے وقت بارگاہ الٰہی میں حسن ادب سے ٹھہرنا صبر کہلاتا ہے[۸]۔

(۱۰)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا صبر ہے[۹]۔

---

[۱]۔ مسند احمد۔ جلد چہارم: رقم: ۸۴۷

[۲]۔ مسند احمد۔ جلد چہارم: رقم: ۸۴۷

[۳]۔ مسند احمد۔ جلد چہارم: رقم: ۸۴۷

[۴]۔ تصوف اور تصورات صوفیا از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۶۹

[۵]۔ کتاب اللمع از شیخ ابونصر سراجؒ۔ صفحہ نمبر ۸۷

[۶]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۴۱

[۷]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۴۱

[۸]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۳۹

[۹]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۳۹

(۱۱)۔ حضرت عمرو بن عثمانؒ فرماتے ہیں کہ احکام الٰہیہ پر ثابت قدمی اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ مصیبت کو خوشی سے قبول کرنا صبر کہلاتا ہے[۱]۔

(۱۲)۔ حضرت خواصؒ فرماتے ہیں کہ کتاب وسنت کے احکام پر عملی ثابت قدمی صبر ہے[۲]۔

(۱۳)۔ حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ شکایت وشکوہ چھوڑ دینا صبر ہے[۳]۔

(۱۴)۔ حضرت ابو دقاقؒ فرماتے ہیں کہ صبر یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف لکھی گئی تقدیر کے بارے میں اعتراض نہ کرو البتہ مصیبت کا اظہار بغیر شکوہ کے ہونا چاہیے اور یوں وہ صبر کے خلاف نہ ہوگا[۴]۔

(۱۵)۔ حضرت ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ صبر اپنے نام کی طرح ہوتا ہے کیونکہ اس کا معنی رک جانا ہے اور مصیبت پر رکنا کتنا مشکل ہوتا ہے[۵]۔

(۱۶)۔ حضرت ابو محمد جریریؒ فرماتے ہیں کہ صبر یہ ہوتا ہے کہ انسان کے سامنے چین اور مصیبت کی دونوں حالتیں ایک جیسی ہوں اور وہ دونوں میں پر سکون بھی ہو[۶]۔

(۱۷)۔ حضرت قتادؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے باز رہنا اور جن کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان پر ثابت قدم رہنا صبر ہے[۷]۔

(۱۸)۔ حضرت عزالدین کاشانیؒ فرماتے ہیں کہ صبر کے معانی عام طور پر یہ ہیں کہ نفس کا ان پسندیدہ چیزوں سے دور رہنا جو شریعت میں ممنوع ہیں یا ایسی ناپسندیدہ چیزوں پر عمل کرنا جن کا شریعت میں حکم دیا گیا ہے[۸]۔

(۱۹)۔ ملا جلال الدین دوانیؒ فرماتے ہیں کہ خواہشات نفسانی سے نفس کے مقابلہ کرنے کو صبر کہتے ہیں[۹]۔

(۲۰)۔ اردشیر عبادیؒ کا خیال ہے کہ صبر یہ ہے کہ انسان خواہشات کی پیروی اور گناہوں سے دور رہے اور لذتوں کو چھوڑ دے اور اس عادت پر قائم رہے[۱۰]۔

۱۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۴۲

۲۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۴۲

۳۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۴۲

۴۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۴۹

۵۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۳۹

۶۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۴۳

۷۔ کتاب اللمع از شیخ ابو نصر سراجؒ۔ صفحہ نمبر ۸۸

۸۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیا از ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۶۸

۹۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیا از ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۶۹

۱۰۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیا از ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۶۶

(۲۱)۔ حضرت سہلؒ فرماتے ہیں کہ تصدیق قلبی کا نام صبر ہے۔

(۲۲)۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ شکوہ لب پر لائے بغیر اللہ کی آزمائش میں کود جانا صبر ہے[۱]۔

(۲۳)۔ حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ صبر شکوہ وشکایت کو ترک کرنے کا نام ہے[۲]۔

(۲۴)۔ حضرت فُضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ تقدیر الٰہی پر راضی رہنا صبر ہے[۳]۔

(۲۵)۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ صبر کی دو قسمیں ہیں[۴]:

(i)۔ مصیبتوں اور آزمائشوں میں حق پر ثابت قدم رہنا۔

(ii)۔ جن باتوں سے اللہ پاک نے منع کیا ہے ان سے رک جانا۔

(۲۶)۔ خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ صبر تین چیزوں پر کیا جاتا ہے[۵]:

(i)۔ مصیبت پر صبر کرنا: تکلیف پر صبر محبت کے باعث کیا جاتا ہے اور اس سے تین چیزیں برآمد ہوتی ہیں:

(ا)۔ دل کی یکسوئی

(ب)۔ علم کی باریک بینی

(ج)۔ نورِ فراست

(ii)۔ معصیت سے صبر کرنا: گناہ گاری سے صبر اللہ تعالیٰ کے خوف کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اس سے تین چیزیں ظہور پذیر ہوتی ہیں:

(ا)۔ قلوب کا الہام

(ب)۔ دعا کی قبولیت

(ج)۔ پاکیزگی کا نور

(iii)۔ اطاعت خداوندی پر صبر کرنا: اطاعت پر صبر امید کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اس سے تین چیزیں پیدا ہوتی ہیں:

(ا)۔ آفات کا ٹل جانا

(ب)۔ روزی کا غیر متوقع طور پر پہنچنا

(ج)۔ نیکیوں کی طرف میلان

۱۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۳۹

۲۔ آداب المریدین از شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ۔ صفحہ نمبر ۷۳

۳۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۴۹

۴۔ کشف المحجوب از سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۵

۵۔ صد میدان از خواجہ عبداللہ انصاریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۹-۳۰

(۲۷)۔ ایک صوفی کا قول ہے کہ جیسے انسان امن و عافیت میں ثابت قدم ہوتا ہے ویسے ہی مصیبت میں بھی ثابت قدم رہنا صبر ہے[۱]۔

۱۰۔ اہل صبر کے واقعات

نصیحت حاصل کرنے کے لیے کچھ اللہ والوں کے صبر کے واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ انبیاء علیہم السلام کی زندگی صبر کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ نماز کے بعد ہم لوگوں کے ساتھ مسجد میں بیٹھ جاتے اور باتیں کرتے۔ ایک دن حسبِ معمول مسجد سے نکلے تو ایک بدو آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر اس زور سے پکڑ کی کھینچی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن مبارک سرخ ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مڑ کر دیکھا تو اس نے مطالبہ کیا کہ میرے اونٹوں کو غلہ سے لاد دو، تیرے پاس جو مال ہے وہ نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ پہلے میری گردن تو چھوڑ دو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اونٹوں پر جو اور کھجور لدوا دیں اور صبر سے کام لیتے ہوئے کچھ تعرض نہ کیا[۲]۔

(۲)۔ ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ بھی تھے۔ راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جس قبیلے سے بھی گزر ہوتا اسے اسلام کی دعوت دیتے لیکن کسی نے بھی اسلام قبول نہ کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب طائف پہنچے تو قبیلہ ثقیف کے تین سرداروں کے پاس تشریف لے گئے جو آپس میں بھائی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پاس بیٹھنے کے بعد انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے انتہائی بدتمیزی والا رویہ اختیار کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف میں دس دن قیام فرمایا۔ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف کے ایک ایک سردار کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک سے گفتگو فرمائی لیکن سب کا ایک ہی جواب تھا کہ تم ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ بلکہ انہوں نے اپنے اوباشوں کو شہ دے دی۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو یہ اوباش گالیاں دیتے، تالیاں بجاتے اور شور مچاتے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے لگ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اتنی بھیڑ جمع ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے کے دونوں طرف قطار لگ گئی۔ پھر بدزبانی کے ساتھ ساتھ پتھر بھی چلنے لگے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ڈھال بن کر چلتے ہوئے پتھروں کو روک رہے تھے، پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک لہولہان ہوگئے۔ بدمعاشوں نے یہ سلسلہ برابر جاری رکھا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عتبہ اور شیبہ ابنائے ربیعہ کے ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ یہ باغ طائف سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باغ میں پناہ لی تو اوباشوں کی بھیڑ واپس چلی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دیوار سے ٹیک لگا کر انگور

۱۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۳۹

۲۔ مسند احمد۔ جلد چہارم: رقم: ۸۴۷

کی بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔قدرے ٹھہر کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باغ سے نکلے اور مکے کی راہ پر چل پڑے۔غم والم کی شدت سے طبیعت نڈھال اور دل پاش پاش تھا۔قرنِ منازل پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ان کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ بھی تھا۔وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ گذارش کرنے آیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم دیں تو ان لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل طائف کی سختی و بدتمیزی پر صبر کیا اور ان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی[1]۔

(۳)۔ حضرت ایوب علیہ السلام اللہ پاک کے جلیل القدر پیغمبر علیہ السلام تھے۔آپ علیہ السلام کو اللہ عزوجل نے مال و دولت اور جائیداد اور شاندار مکانات اور سواریاں اور اولاد اور خدام بہت کچھ عطا فرمایا تھا۔پھر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو پیغمبرانہ آزمائش میں مبتلا کیا۔یہ سب چیزیں ان کے ہاتھ سے نکل گئی اور بدن میں ایسی سخت بیماری لگ گئی جیسے جذام ہوتا ہے۔بدن کا کوئی حصہ بجز زبان اور قلب کے اس بیماری سے نہ بچا۔اس حالت میں زبان وقلب کو اللہ کی یاد میں مشغول رکھتے اور شکر ادا کرتے رہتے تھے۔اس شدید بیماری کی وجہ سے سب عزیزوں، دوستوں اور پڑوسیوں نے آپ علیہ السلام کو الگ کر کے آبادی سے باہر ایک جگہ پر ڈال دیا۔عزیز واقارب اور دوست احباب سب نے ساتھ چھوڑ دیا،صرف آپ علیہ السلام کی بیوی خبر گیری کرتی رہی۔

مال و جائیداد تو سب ختم ہو چکا تھا آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ محنت مزدوری کر کے اپنے اور ان کے لئے رزق اور ضروریات فراہم کرتی اور ان کی خدمت کرتی تھیں۔ایک دن آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ نے عرض کیا کہ آپ علیہ السلام کی تکلیف بہت بڑھ گئی ہے، اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ تکلیف دور ہو جائے۔آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: میں نے ستر سال صحیح تندرست اللہ عزوجل کی بے شمار نعمت و دولت میں گزارے ہیں۔کیا اس کے مقابلے میں سات سال بھی مصیبت کے گزارنے مشکل ہیں۔پیغمبرانہ عزم و ضبط اور صبر وثبات کا یہ عالم تھا کہ دعا کرنے کی بھی ہمت نہ کرتے تھے کہ کہیں صبر کے خلاف نہ ہو جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور اپنی احتیاج و تکلیف پیش کرنا بے صبری میں داخل نہیں[2]۔

(۴)۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے خلاف جب دشمنوں نے حتمی کاروائی کا فیصلہ کر لیا تو آپ علیہ السلام شہر سے نکل کر جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔تاکہ کسی جگہ چھپ جائیں اور دشمن کے شر سے چھٹکارا مل سکے۔دشمنوں نے آپ علیہ السلام کا تعاقب کیا۔دشمن کو قریب آتا دیکھ کر آپ علیہ السلام ایک پرانے درخت کی کھوہ میں چھپ گئے۔دشمن جب اس درخت کے پاس پہنچے تو شیطان نے ان کو ساری بات سے آگاہ کر دیا۔لہٰذا دشمن نے آری سے درخت کو چیرنا شروع کر دیا۔حتیٰ کہ آری درخت کو چیرتے ہوئے حضرت زکریا علیہ السلام کے سر تک پہنچ گئی،اس پر آپ علیہ السلام نے کوئی آہ و بکا نہیں کی بلکہ صبر سے کام لیا اور صبر کرتے ہوئے چر کر دو ٹکڑے ہو گئے لیکن اُف تک نہ کی[3]۔

(۵)۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے ایک بادشاہ تھا جس کے پاس ایک جادوگر تھا، جب وہ

---

[1]۔الرحیق المختوم از مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری بحوالہ صحیح بخاری۔رقم: ۴۵۸

[2]۔تفسیر ابن کثیر از ابولفدا ابن کثیر بحوالہ سورۃ الانبیا: آیت: ۸۳

[3]۔رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔صفحہ نمبر ۳۴۹

ﷺ2

جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں، آپ میرے ساتھ ایک لڑکے کو بھیج دیں تا کہ میں اسے جادو سکھا سکوں۔ بادشاہ نے ایک لڑکا جادو سیکھنے کے لیے جادوگر کی طرف بھیج دیا۔ جب وہ لڑکا چلا تو اس کے راستے میں ایک راہب تھا۔ وہ لڑکا اس راہب کے پاس بیٹھا اور اس کی باتیں سننے لگا جو کہ اسے پسند آئیں پھر جب بھی وہ جادوگر کے پاس آتا اور راہب کے پاس سے گزرتا تو اس کے پاس بیٹھتا۔ جب وہ لڑکا جادوگر کے پاس آتا تو وہ جادوگر اس لڑکے کو مارتا۔ اس لڑکے نے اس کی شکایت راہب سے کی۔ راہب نے کہا کہ اگر تجھے جادوگر سے ڈر ہو تو کہہ دیا کرو کہ مجھے میرے گھر والوں نے روک لیا تھا اور جب تجھے گھر والوں سے ڈر ہو تو کہہ دیا کرو کہ مجھے جادوگر نے روک لیا تھا۔

اس دوران ایک بڑے درندے نے لوگوں کا راستہ روک لیا جب لڑکا اس طرف آیا تو اس نے کہا میں آج جاننا چاہوں گا کہ جادوگر افضل ہے یا راہب افضل ہے اور پھر ایک پتھر پکڑا اور کہنے لگا اسے اللہ اگر تجھے جادوگر کے معاملہ سے راہب کا معاملہ زیادہ پسندیدہ ہے تو اس درندے کو مار دے، تا کہ لوگوں کا آنا جانا ہو اور پھر اس درندے کو مار کر اسے قتل کر دیا اور لوگ گزرنے لگے۔

وہ لڑکا راہب کے پاس آیا اور اسے خبر دی۔ راہب نے اس لڑکے سے کہا اے میرے بیٹے آج تو مجھ سے افضل ہے۔ کیونکہ تیرا معاملہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اس کی وجہ سے تو عنقریب ایک مصیبت میں مبتلا کر دیا جائے گا پھر اگر تو مبتلا کر دیا جائے تو کسی کو میرا نہ بتانا۔

وہ لڑکا مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو صحیح کر دیتا تھا۔ لوگوں کا ساری بیماریوں سے علاج بھی کر دیتا تھا۔ بادشاہ کا ایک ہم نشین اندھا ہو گیا۔ اس نے لڑکے کے بارے میں سنا تو وہ بہت سے تحفے لے کر اس کے پاس آیا اور اسے کہنے لگا کہ اگر تم مجھے شفا دے دو تو یہ سارے تحفے جو میں یہاں لے کر آیا ہوں وہ سارے تمہارے لئے ہیں۔ لڑکے نے کہا میں تو کسی کو شفا نہیں دے سکتا شفا تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ اگر تو اللہ پر ایمان لے آئے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ وہ تجھے شفا دے دے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء عطا فرما دی۔

پھر وہ آدمی بادشاہ کے پاس آیا اور اس کے پاس بیٹھ گیا جس طرح کہ وہ پہلے بیٹھا کرتا تھا۔ بادشاہ نے اس سے کہا کہ کس نے تجھے تیری بینائی واپس لوٹا دی۔ اس نے کہا میرے رب نے۔ اس نے کہا کیا میرے علاوہ تیرا اور کوئی رب بھی ہے۔ اس نے کہا میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ پھر بادشاہ اس کو پکڑ کر اسے عذاب دینے لگا تو اس نے بادشاہ کو لڑکے کے بارے میں بتا دیا۔

جب وہ لڑکا آیا تو بادشاہ نے لڑکے سے کہا کہ اے بیٹے! کیا تیرا جادو اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اب تو مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو بھی صحیح کرنے لگ گیا ہے اور ایسا کیسے کرتا ہے؟ لڑکے نے کہا میں تو کسی کو شفا نہیں دیتا بلکہ شفا تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ بادشاہ نے اسے پکڑ کر عذاب دیا۔ یہاں تک کہ اس نے راہب کے بارے میں بادشاہ کو بتا دیا۔

راہب آیا تو اس سے کہا گیا کہ تو اپنے مذہب سے پھر جا راہب نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے آرا منگوایا اور اس راہب کے سر پر رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ پھر بادشاہ کے اس ہم نشین کو لایا اور اس سے بھی کہا گیا کہ تو اپنے مذہب سے پھر جا۔

اس نے بھی انکار کر دیا۔ بادشاہ نے اس کے سر پر بھی آرا رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کروائے، پھر اس لڑکے کو بلوایا گیا۔ اس سے بھی یہی کہا گیا کہ اپنے مذہب سے پھر جا۔ اس نے بھی انکار کر دیا۔ بادشاہ نے لڑکے کو اپنے کچھ ساتھیوں کے حوالے کر کے کہا اسے فلاں پہاڑ پر لے جاؤ اور اسے اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھاؤ۔ اگر یہ اپنے مذہب سے پھر جائے تو اسے چھوڑ دینا اور اگر انکار کر دے تو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے پھینک دینا۔

چنانچہ بادشاہ کے ساتھی لڑکے کو پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے تو لڑکے نے کہا اے اللہ تو مجھے ان سے کافی ہے۔ جس طرح تو چاہے مجھے ان سے بچالے۔ اس پہاڑ پر فوراً ایک زلزلہ آیا جس سے بادشاہ کے سارے ساتھی گر گئے۔

لڑکا چلتے ہوئے بادشاہ کی طرف آ گیا۔ بادشاہ نے لڑکے سے پوچھا کہ تیرے ساتھیوں کا کیا ہوا؟ لڑکے نے کہا اللہ پاک نے مجھے ان سے بچالیا ہے۔ بادشاہ نے لڑکے کو اپنے ساتھیوں کے حوالے کر کے کہا اسے ایک چھوٹی کشتی میں لے جا کر سمندر کے درمیان میں پھینک دینا، اگر یہ اپنے مذہب سے نہ پھرے۔ بادشاہ کے ساتھی لڑکے کو لے گئے تو لڑکے نے کہا اے اللہ تو جس طرح چاہے مجھے ان سے بچالے۔ وہ کشتی بادشاہ کے ساتھیوں سمیت الٹ گئی اور وہ سارے کے سارے غرق ہو گئے۔ وہ لڑکا بچ گیا۔

لڑکا چلتے ہوئے بادشاہ کی طرف آ گیا۔ بادشاہ نے لڑکے سے کہا تیرے ساتھیوں کا کیا ہوا؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بچالیا ہے۔ لڑکے نے بادشاہ سے کہا تو مجھے قتل نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ اس طرح نہ کر و جس طرح کہ میں تجھے حکم دوں بادشاہ نے کہا وہ کیا؟ لڑکے نے کہا سارے لوگوں کو ایک میدان میں اکٹھا کر و اور مجھے سولی کے تختے پر لٹکاؤ۔ پھر میرے ترکش سے ایک تیر پکڑو۔ اس تیر کو کمان کے حلہ میں رکھو اور کہو اس اللہ کے نام پر جو اس لڑکے کا رب ہے۔ پھر مجھے تیر مارو اگر تم اس طرح کرو تو مجھے قتل کر سکتے ہو۔

بادشاہ نے لوگوں کو ایک میدان میں اکٹھا کیا اور لڑکے کو سولی کے تختے پر لٹکا دیا۔ اس کے ترکش میں سے ایک تیر لیا۔ اس تیر کو کمان کے حلہ میں رکھ کر کہا اس اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے۔ وہ تیر لڑکے کو مارا تو وہ تیر لڑکے کی کنپٹی میں جا گھسا۔ لڑکے نے اپنا ہاتھ تیر لگنے والی جگہ پر رکھا اور مر گیا۔ سب لوگوں نے کہا ہم لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔ ہم لڑکے کے رب پر ایمان لائے ہم لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔

بادشاہ کو اس کی خبر دی گئی۔ اس سے کہا گیا تجھے جس بات کا ڈر تھا اب وہی بات آن پہنچی کہ لوگ ایمان لے آئے۔ بادشاہ نے گلیوں کے دہانوں پر خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندق کھودی گئی اور ان خندقوں میں آگ جلا دی گئی۔

بادشاہ نے کہا جو آدمی اپنے مذہب سے پھرنے سے باز نہیں آئے گا، میں اس کو اس خندق میں ڈلوا دوں گا۔ انہیں خندق میں ڈال دیا گیا۔ یہاں تک کہ ایک عورت آئی۔ اس کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا، وہ عورت خندق میں گرنے سے گھبرائی۔ عورت کے بچے نے کہا اے امی جان صبر کر کیونکہ تو حق پر ہے[1]۔

(۲)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا بیمار تھا، وہ فوت ہو گیا۔ ان کی زوجہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے

---

[1] صحیح مسلم۔ رقم: ۳۰۱۴

2

گھر والوں سے کہہ دیا کہ تم میں سے کوئی بھی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو ان کے بیٹے کی موت کی خبر نہ دے۔

چنانچہ جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ واپس آئے، ان کے سامنے رات کا کھانا لاکر رکھا، انہوں نے کھانا کھایا اور پانی پیا، پھر حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے خوب اچھی طرح بناؤ سنگھار کیا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان سے خلوت کی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ وہ اچھی طرح سیراب ہو چکے ہیں تو انہوں نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ! دیکھیں تو سہی فلاں لوگوں نے کوئی چیز ادھار لی۔ اس سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ جب ان سے واپسی کا مطالبہ ہو، کیا وہ انکار کر سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ پھر اپنے بیٹے پر صبر کیجئے کیونکہ اللہ عزوجل نے انہیں واپس اپنے پاس بلالیا ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور اس کی بیوی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے چہیتے بیٹے کی وفات پر آہ وبکا نہیں کی بلکہ اللہ رب العزت کی رضا کی خاطر صبر وتحمل سے کام لیا۔

صبح ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ ذکر کیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تم دونوں میاں بیوی کے لئے اس رات کو مبارک فرمائے[1]۔

(۷)۔ امام احمد بن حنبلؒ ایک مشہور محدث تھے۔ آپؒ کے دور میں قرآن پاک کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کا مسئلہ پیدا ہوا۔ دراصل عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں کے سامنے یہ سوال آیا کہ اللہ کے کلمات مخلوق ہیں یا غیر مخلوق؟ اولاً اس کا جواب یہ دیا گیا کہ وہ مخلوق نہیں ہیں۔ اس پر انھوں نے کہا کہ تمہارا قرآن عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا کلمہ کہتا ہے۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام قرآن کے مطابق غیر مخلوق قرار پائے۔ یعنی ان کے بارے میں الوہیت کا وہ عقیدہ جو عیسائیوں میں رائج ہے، وہ قرآن کے مطابق بالکل درست عقیدہ ہے۔ اس الجھن کے سامنے آنے کے بعد حکومت نے یہ مؤقف سختی سے اپنا لیا کہ قرآن مخلوق ہے۔ یعنی اللہ عزوجل کا کلام مخلوق ہے۔ حکومت نے یہ کوشش بھی کی کہ اسی رائے کو سب علمائے امت کی تائید حاصل ہو جائے۔ چنانچہ اس کی خاطر پہلے علما کو قائل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ کئی علما نے یہ موقف اختیار کر لیا۔ جن علما نے بغیر کسی شرعی دلیل کے اس موقف کو ماننے سے انکار کر دیا، ان پر خوب ظلم وستم ڈھایا گیا تاکہ وہ خلق قرآن کے قائل ہو جائیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو بھی اس رائے کا قائل کرنے کے لیے طرموس سے قید وبند کی حالت میں بغداد لایا گیا۔ ان کے پیروں میں کئی بھاری بیڑیاں پہنا کر انہیں قید کر دیا گیا۔ آپؒ کو جب سزا کے لیے خلیفہ وقت معتصم باللہ کے سامنے پیش کیا گیا تو پہلے درباری علما نے اور خود معتصم نے بھی ان کو عقیدۂ خلق قرآن اختیار کرنے کی دعوت دی۔ اس مقصد کے لیے درباری علما نے ان سے مناظرہ بھی کیا۔ آپؒ اپنے مخالفین کی ساری دلیلوں کے جواب میں ایک ہی بات کہتے رہے کہ تم اپنی بات کے حق میں کتاب وسنت کی کوئی دلیل پیش کرو تو میں مان لوں گا۔ آپؒ کی یہ استقامت دیکھ کر، جسے ہٹ دھرمی کا رویہ قرار دیتے ہوئے، خلیفہ معتصم باللہ نے کوڑے لگانے کا فیصلہ کیا۔ جلادوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ امام احمد کو کوڑے لگائیں۔

ا۔ مسند احمد۔ جلد پنجم: رقم: ۱۹۹۶

حضرت امام احمد حنبلؒ خود بیان کرتے ہیں کہ معتصم باللہ کے حکم پر کئی جلادوں نے مجھے کوڑے لگائے۔ ہر جلاد مجھے دو کوڑے پوری قوت سے لگاتا اور پیچھے ہٹ جاتا پھر نیا جلاد آتا۔ اس طرح مجھے بہت سے کوڑے لگائے گئے۔ ہر کوڑے پر مجھے غشی طاری ہوجاتی تھی۔ جب کوڑے لگانے بند کردیے جاتے تو میں ہوش میں آجاتا اور دیکھتا کہ معتصم باللہ میرے پاس موجود ہے اور کہہ رہا ہے کہ احمد تم لوگوں کی بات کیوں نہیں مان لیتے۔ دوسرے حاضرین ان سے مخاطب ہوکر کہتے کہ خلیفہ تم سے درخواست کر رہے ہیں اور تم ان کی بات ٹھکرا رہے ہو۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ میرا اصرار صرف اس قدر تھا کہ میرے سامنے اللہ کی کتاب یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت سے کوئی دلیل پیش کرو۔ میں تمہاری بات تبھی مان سکتا ہوں۔ اس پر مجھے زدوکوب کیا جاتا۔ بالآخر مار کی شدت سے میرے ہوش وحواس بجانہ رہے اور تکلیف کا احساس تک ختم ہوگیا۔ اس سے خلیفہ خوف زدہ ہوگیا اور اس نے میری رہائی کا فرمان جاری کردیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس فرمان کے جاری ہونے تک جلاد مجھے کل اسی کوڑے اپنے پورے زور وقوت کے ساتھ لگا چکے تھے۔ بہرحال، اس کے بعد مجھے رہا کردیا گیا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو اس ابتلا کے دوران میں ۲۸ سے ۳۰ مہینے تک قید و بند اور محن و مشقت میں گزارنے پڑے۔ اس سارے عرصے میں آپؒ نے خلیفہ وقت کی سختیوں پر صبر کیا اور ایک غلط عقیدہ کو ماننے سے صاف انکار کردیا[۱]۔

(۸)۔ حضرت منصور مغربیؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو کوڑے مارنے کے لیے ننگا کیا گیا، کوڑے مارنے کے بعد اس کو قید خانے میں واپس بھیج دیا گیا، وہاں اس نے اپنے ساتھی کو بلایا اور پھر منہ سے چاندی کے ٹکڑے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے، پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ میرے منہ میں دو درہم تھے، وہاں میرا ایک محبوب مجھے دیکھ رہا تھا اس لیے کوڑے لگنے پر میں چلایا نہیں اور اس دوران اپنے درہموں کو کاٹتا رہا اور یوں یہ میرے منہ میں ہی ٹوٹ گئے[۲]۔

(۹)۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ کو شفاخانے میں علاج کے لیے داخل کروایا گیا تو کچھ لوگ ان سے ملنے گئے۔ آپؒ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپؒ کے دوست ہیں اور آپؒ کی زیارت کرنے آئے ہیں۔ آپؒ ان کے ساتھ ذرا سی سختی سے پیش آئے تو وہ آپؒ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ آپؒ نے فرمایا کہ اگر تم میرے سچے دوست ہوتے تو میری طرف سے ملنے والی تکلیف پر صبر کرتے[۳]۔

(۱۰)۔ حضرت سری سقطیؒ سے صبر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؒ نے اس پر گفتگو شروع کردی، اسی دوران ایک بچھو نے ٹانگ پر کاٹ دیا، آپؒ نے کوئی چیخ وپکار نہیں کی بلکہ صبر کیا۔ آپؒ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آرہی تھی کہ میں صبر کا وعظ کررہا ہوں لیکن خود صبر نہیں کرسکا[۴]۔

۱۔ تاریخ ابن کثیر از امام ابن کثیر۔ جلد دہم۔ صفحہ نمبر ۴۰۱

۲۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیا از ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۶۸

۳۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیا از ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۶۹

۴۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۳۹

(۱۱)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک بیمار صوفی کی عیادت کو گیا۔گفتگو کے دوران اس نے ایک دلدوز چیخ ماری۔اس پر میں نے اس سے کہا کہ وہ شخص محبت میں سچا نہیں جس نے مصیبت ودکھ میں صبر نہ کیا۔اس کے جواب میں اس نے کہا نہیں بلکہ وہ شخص سچا محب نہیں جس نے اپنے خالق ومالک کی طرف سے آنے والی آزمائش سے لذت حاصل نہ کی۔

(۱۲)۔ شیخ ابونصر سراجؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک فقیر خانہ کعبہ کا طواف کررہا تھا۔طواف مکمل کرنے کے بعد اس نے اپنی جیب سے ایک رقعہ نکال کر دیکھا اور چل دیا۔دوسرا دن آیا تو اس نے پھر ویسے ہی کیا،میں نے کئی دن تک اسے یوں ہی کرتے دیکھا۔ایک دن اس نے طواف کر کے اپنی جیب سے رقعہ نکالا اور اسے دیکھا، گرا اور وفات پا گیا۔میں نے جب اس رقعہ کو دیکھا تو اس پر یہ آیت لکھی ہوئی تھی:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ [۱]

(اپنے رب کا فیصلہ آنے تک صبر کرو،تم ہماری نگاہ میں ہو۔تم جب اٹھو تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو) [۲]۔

(۱۳)۔ حضرت مالک بن دینارؒ کے دل میں نزع کے عالم میں اس بات کی خواہش پیدا ہوئی کہ شہد اور دودھ میں گرم روٹی ڈال کر ثرید بنا کر کھاؤں۔آپ نے خادم کو حکم دیا تو وہ کہیں سے یہ سب کچھ تیار کر کے آپ کی خدمت میں لایا۔آپؒ کچھ دیر تک خالی نگاہوں سے ان چیزوں کی طرف دیکھتے رہے اور فرمایا،اے نفس تو نے تیس برس تک مسلسل صبر کیا،اب اپنی عمر کے اس آخری لمحہ میں تجھ سے صبر نہیں ہوسکتا؟ یہ فرماتے ہوئے آپؒ نے پیالہ کو اپنے سے دور کر دیا اور صبر جمیل کرتے ہوئے وصال فرما گئے [۳]۔

۱۔سورۃ الطور: آیت نمبر:۴۸

۲۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔صفحہ نمبر ۳۴۷

۳۔رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔صفحہ نمبر ۲۳۹

۵

مقامِ رضا

۱۔ رضا کا مفہوم

(۱)۔ رضا کے معنی خوشنودی، خوشدلی یا تسلیم کرنے کے ہیں۔ رضا سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے ارادے کو اللہ پاک کے ارادے میں ضم کردے۔ اپنے دل کو اللہ پاک کے حکم کے سامنے جھکا دے۔ یعنی وہ وہی چاہے جو اللہ چاہتا ہے۔ اس بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ [1]

(وہ نہیں چاہتے مگر وہی جو اللہ چاہتا ہے)

(۲)۔ حضرت بایزید بسطامیؒ سے لوگوں نے پوچھا ما ترید (تم کیا چاہتے ہو؟) تو آپؒ نے فرمایا: ارید ان لا ارید (میں چاہتا ہوں کہ میں کچھ نہ چاہوں) میری مراد وہ ہے جو اللہ پاک چاہتا ہے [2]۔

(۳)۔ رضا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی تقدیر پر زبان سے یا دل سے اعتراض نہ کرے۔ بعض اوقات انسان پر رضا الٰہی کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ غم و تکلیف کا احساس بھی باقی نہیں رہتا۔ یہ رضا طبعی ہوتی ہے اور یہ سالک کے احوال میں سے ایک حال ہے، جس کا انسان کو مکلف نہیں بنایا گیا۔ اگر غم و تکلیف کا احساس باقی رہے تو رضا عقلی ہوتی ہے اور یہ مقاماتِ صوفیا میں سے ایک مقام ہے۔ جس کا انسان کو مکلف بنایا گیا ہے۔

(۴)۔ رضا عقلی یہ ہے کہ تکلیف کی صورتوں میں انسان کو تکلیف تو محسوس ہو مگر چونکہ اللہ عز و جل نے اس کے بہتر انجام کی خبر دی ہے اس لیے تکلیف کو گوارا کر لیا جائے۔ جو انسان سچے دل سے اس بات کا یقین رکھے کہ دنیا کی ہر تکلیف پر حق تعالیٰ کی طرف سے اجر عنایت فرمایا جاتا ہے اور ہر مصیبت وصدمہ پر ثواب عطا ہوتا ہے، جس کے مقابلہ میں اس عارضی تکلیف کی کچھ حقیقت نہیں ہے تو وہ ہر حال میں خوش رہتا ہے اور راضی برضا رہتا ہے۔

(۵)۔ رضا سے مراد یہ ہے کہ انسان کی نظر اللہ عز و جل کے اختیار پر ہو۔ بندہ جانتا ہے کہ اس کا رب اس کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ اس لیے وہ اس پر راضی ہو جاتا ہے۔ انسان کا نفس جب اللہ پاک سے راضی ہو جائے تو وہ خود کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس کے حکم کی اطاعت کرتا ہے اور اس کی ربوبیت پر مطمئن اور اس کی الوہیت پر مکمل اعتماد کرتا ہے۔ اللہ پاک کی قضا و قدر کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔

(۶)۔ رضا کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان تدبیر اور محنت کرنا چھوڑ دے اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائے بلکہ یہ سب کچھ تو رضا کے خلاف ہے۔ رضا تو یہ ہے کہ انسان کسی کام کی بہتری کے لیے اپنی طرف سے پوری کوشش کرے اور پھر جو بھی نتائج نکلیں ان پر راضی برضائے الٰہی رہے، خواہ وہ نتائج ظاہری اعتبار سے انسان کے لیے اچھے ہوں یا اس کے لیے برے ہوں گے۔

(۷)۔ دراصل رضا پر عمل کسی واقعے کے پیش آجانے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی واقعہ پیش آچکا، تو انسان کا کام یہ ہے کہ وہ یہ سوچے کہ میں

۱۔ سورۃ التکویر: آیت: ۲۹

۲۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۲۷۳

نے جو تدبیریں اختیار کرنی تھیں وہ کر لیں اور اب جو واقعہ ہماری تدبیر کے خلاف پیش آیا ہے، وہ اللہ عزوجل کا فیصلہ ہے، میں اس پر راضی ہوں۔ واقعہ پیش آچکنے کے بعد اس پر بہت زیادہ پریشانی، بہت زیادہ حسرت اور شکوہ وشکایت کا اظہار کرنا رضا کے خلاف ہے۔

(۸)۔ ہمارے پروردگار نے ہمیں دو انتہاؤں کے درمیان راہ اعتدال یہ بتادی ہے کہ جب تک تقدیر پیش نہیں آتی، اس وقت تک انسان کا فرض ہے کہ اپنی سی پوری کوشش کرے اور تمام احتیاطی تدابیر بھی اختیار کرے، اس لیے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ تقدیر میں کیا لکھا ہوا ہے؟ اس حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ایک سنہری مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ شام کے دورے پر تشریف لے جارہے تھے۔ راستے میں آپ رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ شام کے علاقے میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی ہے۔ یہ وبا اتنی سخت تھی کہ انسان کی بیٹھے بیٹھے چند گھنٹوں میں ہی موت ہو جاتی تھی۔ اس طاعون میں ہزار ہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ ایسے حالات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ وہاں جائیں یا نہ جائیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کا حوالہ دیا کہ اگر کسی علاقے میں کوئی وبائی مرض پھیلا ہوا ہو تو جو لوگ اس علاقے سے باہر ہیں وہ علاقے میں داخل نہ ہوں اور جو لوگ اس علاقے میں ہیں وہ وہاں سے نہ بھاگیں۔ یہ حدیث سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام جانے کا فیصلہ بدل دیا۔

اس وقت ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت کیا آپ رضی اللہ عنہ اللہ پاک کے فیصلے سے بھاگ سکتے ہیں؟ اگر اللہ پاک نے آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں اس وبا سے متاثر ہونا لکھ دیا ہے تو اس سے بچ جانا ممکن نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جب تک واقعہ پیش نہیں آتا، اس وقت تک ہمیں احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنا رضا کے خلاف نہیں ہے بلکہ رضائے الٰہی میں ہی داخل ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں تمام احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے ہم اس حکم پر عمل کرتے ہوئے واپس جارہے ہیں[۱]۔

(۹)۔ بعض لوگ انسان کے افسردہ ہونے کو رضا کے خلاف قرار دیتے ہیں، یہ درست نہیں۔ اگر کوئی تکلیف دہ واقعہ پیش آئے یا کوئی غم یا صدمہ پہنچے تو اس غم اور تکلیف پر افسردہ ہونا یا رونا رضا کے خلاف نہیں اور نہ ہی گناہ ہے۔ کیونکہ غم اور صدمہ کا اظہار الگ چیز ہے اور اللہ کے فیصلے پر راضی ہونا الگ چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونے کا مطلب ہے کہ اللہ عزوجل کا فیصلہ عین حکمت پر مبنی ہے، ہمیں اس کی حکمت معلوم نہیں اور حکمت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے دل کو تکلیف پہنچ رہی ہے، اس لیے غم اور صدمہ ہے۔ اس غم اور صدمہ کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہیں لیکن ساتھ یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ برحق ہے، حکمت پر مبنی ہے، لہٰذا رضا سے مراد رضا عقلی ہے طبعی نہیں۔ یعنی عقلی طور انسان یہ سمجھے کہ یہ فیصلہ صحیح ہے۔

(۱۰)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ابوسیف لوہار کے گھر گئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی رضائی ماں کے شوہر تھے۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حالت نزع میں تھے چنانچہ ان کی حالت

۱۔ تاریخ ابن خلدون از علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون۔ جلد دوم۔ صفحہ نمبر ۲۸۸

دیکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رو رہے ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابن عوف (رضی اللہ عنہ) آنسو کا بہنا رحمت ہے۔ اس کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھیں آنسو بہانے لگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں اور دل غمگین ہے مگر اس کے باوجود ہماری زبانوں پر وہی الفاظ ہیں، جن سے ہمارا پروردگار راضی رہے۔ اے ابراہیم! (رضی اللہ عنہ) ہم تیری جدائی سے بے شک غمگین ہیں[1]۔

(۱۱)۔ دعا مانگنا رضا کے خلاف نہیں ہے۔ دعا بذاتِ خود ایک عبادت ہے۔ اس لیے سالک محض اظہارِ بندگی کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اس واسطے دعا نہیں کرتے کہ جو مانگا ہے وہی مل جائے۔ دعا کے قبول نہ ہونے پر دل میں تنگی تک محسوس نہیں کرتے اور دعا کے قبول ہوجانے پر اتراتے نہیں بلکہ ہر حال میں خدا عزوجل کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔ پس دعا مانگنے والا بندہ مقامِ رضا سے خارج نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ دعا مانگنے والوں کی تعریف فرماتے ہیں:

وَيَدۡعُونَنَا رَغَبٗا وَرَهَبٗا[2]۔

(اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے)

(۱۲)۔ رضا کے لئے لازمی ہے کہ معاملہ کی ناکامی اپنی کسی کوتاہی کی بنا پر نہ ہو۔ اگر ایسا ہے تو معاملے کو خواہ مخواہ خدا کے کھاتے میں ڈالنا مناسب نہیں۔ مثلاً فرض کریں کہ ایک بچے کی طبیعت خراب ہے۔ اس کا باپ اسے ہسپتال لے جاتا ہے اور علاج کرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا لیکن کچھ دنوں کے بعد اس کا بچہ مر جاتا ہے۔ اب اسے خدا کے فیصلے کو تسلیم کرلینا اور اس پر راضی ہوجانا رضا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اولاد کی موت پر اسے دکھ ہی نہ ہو، ایسا ہونا غیر معقول بات ہے۔ رضا کا مفہوم یہ ہے کہ وہ دانستہ طور پر اللہ پاک سے شکایت سے گریز کرے اور چیخ و پکار سے اجتناب برتے اور بچے کی موت کو اللہ عزوجل کی رضا سمجھے۔

۲۔ رضا قرآن مجید کی روشنی میں

رضا شرف والا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر اپنی پاک کتاب میں فرمایا ہے۔

(۱)۔ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشۡرِي نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِؕ وَاللّٰهُ رَءُوفٌۢ بِالۡعِبَادِ[3]

(اور بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے)

اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کے ایمان کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اہل ایمان ایسے لوگ ہیں جو اللہ عزوجل کی رضا کی خاطر اپنے مال و جائیداد حتیٰ کہ اپنی جان تک کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ سو اللہ پاک کی راہ میں اور اس

[1]۔ صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم: ۱۲۴۶

[2]۔ سورۃ الانبیاء: آیت: ۹۰

[3]۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۰۷

کی رضا کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دینا، خسارے کا نہیں، سراسر نفع کا سودا ہے کہ اس سے اللہ پاک کی رضا و محبت ملتی ہے۔

اس آیت پاک کا سیاق وسباق یہ ہے کہ جب حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ ہجرت کے ارادے سے نکلے تو کفار قریش نے ان کا راستہ روک لیا اور کہا کہ تم مدینہ نہیں جا سکتے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ دیکھو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تم میں سب سے بڑا تیرانداز ہوں۔ جب تک ایک بھی تیر میرے ترکش میں باقی رہا، تم لوگ میرے قریب نہیں آسکو گے۔ جب تیر ختم ہو جائیں گے تو میں تمہارے ساتھ اپنی تلوار سے لڑونگا، جب تک میرے اندر تلوار اٹھانے کی سکت رہی۔ جب مجھ میں تلوار اٹھانے کی سکت نہ رہی تو تم جو چاہو میرے ساتھ سلوک کر لینا، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اگر تم لوگ مال چاہتے ہو، تو آؤ میں تم کو اپنے مال کا پتہ دے دیتا ہوں، جا کر لے لو، اور میرا راستہ خالی کر دو تا کہ میں اپنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کر سکوں۔ ان لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی یہ بات مان لی۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی خاطر اپنا سب مال و دولت ان کے حوالے کر کے خالی ہاتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر اپنا سب ماجرا رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابو یحییٰ تمہارا یہ سودا کامیاب ہو گیا، ابو یحییٰ تمہارا یہ سودا کامیاب ہو گیا۔

اسداللہ خان غالب نے کیا خوب کہا ہے ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(۲)۔ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ [۱]

(کیا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا متلاشی ہے اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی لے کر لوٹتا ہے اور جس کی جگہ جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے؟)

اس آیت مبارکہ میں دو قسم کے کرداروں کا موازنہ کیا جا رہا ہے کیا اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب اور اس کے غضب کا سزاوار، کیا دونوں کردار کے حامل انسان برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

جو انسان سراپا سمع و اطاعت ہے اور اس کے ہر کام کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی رضا کارفرما ہوتی ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین درجات، اعلیٰ مقامات اور ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ جو کفر اور نافرمانی میں آگے ہی بڑھتا چلا جائے اور آخر دم تک اللہ تعالیٰ کی بغاوت میں ہی سرگرم عمل رہے، اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ اہل رضا اور اہل ریا اپنے انجام کے حوالے سے کبھی بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ بیشک اللہ عزوجل ہر انسان کے اعمال سے باخبر ہیں کہ کون اس کی رضا کے لیے کام کرتا ہے اور کون محض دکھلاوے کے لیے نیک بنا پھرتا ہے۔

۱۔ سورۃ آلِ عمران: آیت: ۱۶۲

اس آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ:

(i)۔ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والا اور اللہ کی ناراضگی مول لینے والا برابر نہیں ہو سکتے۔

(ii)۔ اللہ کی رضا چاہنے والے اور ریاکار کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔

(iii)۔ مومن اور نافرمان برابر نہیں ہیں۔

(iv)۔ جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہو سکتے۔

(v)۔ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والوں کے لیے بڑے درجات ہیں۔

(vi)۔ اللہ پاک کی رضا چاہنے والوں سے اللہ عزوجل خوش ہوتے ہیں۔

(vii)۔ ریاکاری سے اللہ پاک ناراض ہوتے ہیں۔

(viii)۔ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا جہنم میں جائے گا۔

(ix)۔ اہل ریا کو اللہ عزوجل پسند نہیں فرماتے۔

(x)۔اہل ریا کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

(۳)۔ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ[1]

(اللہ سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اسے جو اس کی رضا کا تابع ہوا اور انہیں اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور انہیں سیدھی راہ پر چلاتا ہے)

اس آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ جو انسان اللہ تعالیٰ کی خوشی کا طلب گار رہے اور اس کی جستجو کرتا ہے اللہ پاک اسے تاریکیوں سے نکال کر روشن فضا اور سیدھے راستے پر گامزن فرماتے ہیں۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کا متلاشی اور ہدایت کے راستے کا راہی بنتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ یقیناً ہدایت سے سرفراز فرماتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ سے حسب ذیل نکات واضح ہوتے ہیں:

(i)۔ اللہ پاک اہل رضا کو سلامتی کی راہ دکھلاتا ہے۔

(ii)۔ جو انسان اللہ عزوجل کی رضا چاہتا ہے، اللہ پاک اسے ہدایت کے راستے کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔

(iii)۔ جو انسان بھی ہدایت کا طالب ہوتا ہے اللہ عزوجل ضرور اس کی ہدایت کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔

(iv)۔ خدا کی رضا ہی اصل میں ہدایت کا سرچشمہ اور بنیاد ہے۔

(v)۔ اللہ عزوجل کی رضا چاہنے والے کبھی بھی گمراہ نہیں ہوتے۔

---

[1] ۔سورۃ المائدہ: آیت:۱۶

6

(۴)۔ وَمَنۡ اَحۡسَنُ دِيۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ [۱]

(اس شخص سے بہتر کون ہوسکتا ہے جس نے اپنا سر اللہ کی رضا کے سامنے جھکا دیا وہ محسن ہے)

اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ نجات کیلئے اخلاص نیت اور عمل صالح کا پایا جانا ضروری ہے۔ پس کسی بھی نیکی کے قبول ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کی نیت خالصتاً اللہ پاک کی رضا کیلئے ہو کیونکہ اس کے بغیر کوئی عمل بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں شرف قبولیت نہیں پا سکتا اور نہ ہی اس کے بغیر کسی عمل کی اس کے ہاں قدر و قیمت ہوسکتی ہے۔

پس اس آیت مبارکہ سے حسب ذیل نکات واضح ہوتے ہیں:

(i)۔ اللہ عزوجل کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیے۔

(ii)۔ خود کو مکمل طور پر خدا پاک کے سپرد کر دینا چاہیے۔

(iii)۔ اپنی مرضی ختم کر کے خداوند عالم کی مرضی پر چلنا چاہیے۔

(iv)۔ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اللہ عزوجل کے لیے اپنی خواہشات نفسانی کو چھوڑ دے۔

(v)۔ خود کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے والا بہترین مسلمان ہے۔

(vi)۔ ہر حال میں ملتِ ابراہیم کی پیروی کرنی چاہیے۔

(vii)۔ اللہ کے سامنے مطیع ہونے والے کا دین سب سے بہتر ہے۔

(viii)۔ اللہ کے سامنے جھک جانے والا محسن ہے۔

(ix)۔ جو سالک ہر عمل خالص اللہ کے لیے کر دے وہی محسن ہے۔

(x)۔ اللہ عزوجل کی رضا کے سامنے سر جھکانا سب سے عمدہ رویہ ہے۔

(۵)۔ بَلٰى ۚ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ [۲]

(ہاں جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا وہ محسن (مرتبہ احسان تک پہنچنے والا) ہے، اس کیلئے اپنے رب کی طرف سے اجر ہے اور اس کیلئے نہ کچھ خوف ہے اور نہ کوئی غم)

ان آیاتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسان کا پسندیدہ اور مقبول طرزِ عمل یہ ہے کہ ہر دم اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم رکھا جائے، نعمت پر شکر اور مصیبت میں صبر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایمان صرف اس شخص کا مقبول اور منظور ہوتا ہے جو خلوصِ نیت سے اس کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور اس کی خوشنودی اور رضا کی خاطر اپنی مرضی اور اختیار سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں جو تکالیف اور مصائب اس پر وارد ہوتے ہیں انہیں

۱۔ سورۃ النساء: آیت: ۱۲۵

۲۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۱۱۲

خوش دلی سے قبول کرتا ہے اور اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر قربان کر کے تسلیم و رضا کی راہ اختیار کرتا ہے۔

(۶)۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا [۱]

(سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ کسی بھی انسان کا ایمان اس وقت تک قابل قبول نہیں ہو سکتا جب تک وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندگی کے تمام معاملات میں حاکم تسلیم کرتے ہوئے، دل سے راضی نہ ہو جائے۔ جونہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ سامنے آئے تو اسے دل کی رغبت اور طبیعت کی چاہت کے ساتھ من و عن تسلیم کرنا ہوگا اور اس کے تسلیم کرنے میں کسی قسم کا تردد اور تأمل نہیں ہونا چاہیے۔

(۷)۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ [۲]

(اور خدا کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر نعمت ہے۔ یہی بڑی کامیابی ہے)

اس آیت پاک میں انسان کی حقیقی کامیابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حسب ذیل نکات کو بیان کیا گیا ہے:

(i)۔ اللہ عزوجل کی رضا کا حاصل ہو جانا سب سے بڑی نعمت ہے۔

(ii)۔ انسان کی اس سے بڑی خوش نصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ اس کو اللہ پاک کی رضامندی نصیب ہو جائے۔

(iii)۔ اللہ عزوجل کی رضا کا حاصل ہو جانا انسان کی سب سے بڑی کامیابی ہے اور اس کامیابی میں دین و دنیا کی تمام نعمتیں شامل ہیں۔

(iv)۔ انسان کی حقیقی کامیابی یہ ہے کہ وہ آخرت میں جہنم کے عذاب سے بچا لیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے اور انشاء اللہ تعالیٰ رضا کے بعد یہ کامیابی ضرور ملے گی۔

(۸)۔ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ [۳]

(اللہ عزوجل فرمائے گا یہ وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا۔ ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے یہ بہت بڑی کامیابی ہے)

۱۔ سورۃ المائدہ: آیت: ۱۱۹

۲۔ سورۃ التوبہ: آیت: ۷۲

۳۔ سورۃ المائدہ: آیت: ۱۱۹

6

اس آیت مبارکہ میں درج ذیل نکات کو بیان کیا گیا ہے:

(i)۔ اللہ عزوجل پر ایمان لانے والے اور صالح اعمال والے ہی سچے لوگ ہیں۔

(ii)۔ اللہ پاک کی رضا حاصل کرنے کا ایک ذریعہ سچ کی زندگی گزارنا ہے۔

(iii)۔ ایمان دار، اعمال صالح کرنے والوں سے اللہ راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے۔

(iv)۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑی نعمت ہے، اس سے بڑی کوئی نعمت نہیں ہوسکتی۔

(v)۔ رضاالٰہی بہت بڑی کامیابی ہے، اس سے بڑی کوئی کامیابی نہیں ہوسکتی۔

(vi)۔ جب انسان اللہ سے راضی ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی انسان سے راضی ہوجاتا ہے۔

(vii)۔ اللہ پاک رضا کے بدلے آخرت میں جنت عطا فرمائیں گے اور وہ ابدی جنت ہوگی۔

(viii)۔ راضی برضا رہنے والوں کو اللہ عزوجل آخرت میں اس قدر انعامات سے نوازیں گے کہ وہ اللہ پاک سے خوش ہوجائیں گے۔

(۹)۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [1]

(اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے، یہ اللہ کی جماعت ہے، آگاہ ہوجاؤ کہ اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہونے والی ہے)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ حقیقی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان کسی خوف اور لالچ کی پرواہ کیے بغیر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ہوجائیں۔ وہ ہر حال میں دین اسلام پر قائم رہیں۔ ایمان کے رشتے کو دنیا کے تمام تعلقات اور رشتوں پر ترجیح دیں۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر سچا ایمان لاتے ہیں ان میں یہ وصف بدرجہ اتم پایا جاتا ہے کہ وہ ایمان اور مسلمانوں کے مقابلے میں کسی ظاہری رشتہ کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اس کا سب سے اچھا نمونہ صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ انہیں خراجِ تحسین سے نوازتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت پاک میں ان کا ذکر خیر فرمایا ہے۔ اس آیت پاک سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(i)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے بڑھ کر اللہ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا پر راضی رہنے والے تھے۔

(ii)۔ اللہ پاک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے خوش ہوگئے تھے۔

(iii)۔ اللہ عزوجل نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ کی رضا پر راضی رہنے کی وجہ سے اپنی جماعت قرار دیا ہے۔

(iv)۔ اللہ کی رضا ہی دنیا و آخرت کی حقیقی کامیابی کی بنیاد ہے۔

(v)۔ اسلام کی مخالفت کرنے والے دنیاوی رشتوں اور ظاہری فوائد کو اللہ پاک کی رضا کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔

(vi)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خداوند کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں باقی تمام ظاہری فوائد کو چھوڑ دیا تھا۔

(vii)۔ اہل رضا ہی دنیا و آخرت میں کامیاب ہونے والے لوگ ہیں۔

(viii)۔ اللہ تعالیٰ نے اہل رضا سے ہمیشہ کی جنت اور اپنی رضامندی کا وعدہ فرمایا ہے۔

---

[1]۔ سورۃ المجادلہ: آیت:۲۲

(۱۰)۔ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ وَاَعَدَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ [۱]

(وہ لوگ جنہوں نے نیک کاموں میں ان کی اتباع کی اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ پر راضی ہوگئے۔ اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے)

اللہ پاک نے اس آیت مبارکہ میں نیک کام کرنے کے بعد نیکی میں سبقت اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اور ایسا کرنے والوں کے لیے اجر کے طور پر اپنی رضامندی اور ابدی جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

انسان کو جب ایمان کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے تو وہ بے انتہا تکلیف، حد درجے کے رنج وغم اور بے پناہ تنگی میں بھی اپنے رب پر راضی رہتا ہے۔ ایسے حضرات کے لیے اللہ تعالیٰ نے ابدی باغات اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی دنیا اور آخرت کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت پاک سے مندرجہ ذیل نکات سمجھ آتے ہیں:

(i)۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ پر اور اللہ تعالیٰ صحابہ رضی اللہ عنہم پر راضی ہوا۔

(ii)۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دنیا میں جنت کی خوشخبری سنادی۔

(iii)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے والوں سے اللہ راضی ہوتا ہے۔

(iv)۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے والوں سے بھی اللہ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

(v)۔ جنت نصیب ہونا مومن کے لیے سب سے بڑی کامیابی ہے۔

(vi)۔ اللہ پاک نے اہل رضا کو اپنی رحمت، رضامندی اور جنت کی خوشخبری دی ہے۔

(vii)۔ اللہ اہل رضا کو ایسا بدلہ عطا فرمائیں جس سے وہ خوش ہوجائیں گے۔

(۱۱)۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّةِ ؕ جَزَآؤُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّهٗ [۲]

(جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، یقیناً وہ بہترین مخلوق ہیں۔ ان کے رب کے ہاں ان کی جزا ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ جزا اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈر جائے)

دین اسلام کسی مخصوص قوم اور علاقے کے لوگوں کو دعوت نہیں دیتا۔ اس کی دعوت رنگ ونسل، جغرافیائی حدود اور زمانے کی قیود سے بالاتر ہے۔ اس لیے قرآن مجید کھلے الفاظ میں دعوت دیتا ہے کہ جو لوگ بھی اللہ اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱۔ سورۃ التوبۃ: آیت: ۱۰۰

۲۔ سورۃ البینۃ: ۷، ۸

6

پر ایمان لائیں اور صالح اعمال اختیار کریں، وہ مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ان کا اجران کے رب کے پاس ہے، انہیں نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ان کی جزاان کے رب کے ہاں یہ ہے کہ ان کو ہمیشہ رہنے والی جنت میں ہمیشہ کے لیے داخل کیا جائے گا۔ایسی جنتیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ صحابہ رضی اللہ عنہم سے راضی ہو گیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے رب پر راضی ہوئے۔ یہ صلہ ہر وہ شخص پائے گا جو اپنے رب پر خالص ایمان لایا اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے مطابق صالح اعمال کرنے کے ساتھ اپنے رب سے ڈرتا رہا۔

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ:

(i)۔ جو لوگ سچے دل کے ساتھ ایمان لائیں اور صالح اعمال کرتے رہیں، وہ اللہ پاک کی تمام مخلوقات میں بہتر ہیں۔

(ii)۔ بہترین لوگوں کے لیے ان کے رب نے جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

(iii) بہترین لوگ ہمیشہ کی جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

(iv)۔ اللہ تعالیٰ صحابہ پر راضی ہوا اور صحابہ اپنے رب پر راضی ہو گئے۔

(v)۔ اہل رضا کا درجہ ہر وہ انسان حاصل کر سکتا ہے جو اپنی زندگی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کی طرح بنا لے۔

(vi)۔ خدا کی رضا اور جنت کا حصول ہر انسان کے لیے ممکن ہے۔

(vii)۔ اللہ عزوجل کی رضا اور اس کی نعمتیں حاصل کرنے کے لیے اس کا خوف لازم ہے۔

(۱۲)۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ [1]

(اللہ پاک ایمان والوں سے راضی ہو گیا)

اس آیت مبارکہ میں خداوند عالم نے اہل ایمان کی اس جماعت کا ذکر فرمایا ہے جو بیعت رضوان [2] میں خلوص دل سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شامل ہوئی تھی۔اللہ پاک نے اس پر اپنی خوشی کا اظہار فرمایا۔

۱۔سورۃ الفتح: آیت نمبر:۱۸

۲۔بیعت رضوان صلح حدیبیہ کے وقت ہوئی تھی۔مکہ معظّمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ایک کنواں حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔وہاں مدینہ اور مشرکینِ مکہ کے درمیان مارچ 628ء کو ایک معاہدہ ہوا جسے صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے۔628ء (6ھجری) میں 1400 مسلمانوں کے ہمراہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے مکہ کی طرف عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔عرب کے رواج کے مطابق غیر مسلح افراد چاہے وہ دشمن ہی کیوں نہ ہوں کعبہ کی زیارت کر سکتے تھے جس میں زیارت کی دیگر رسومات بھی شامل تھیں۔یہی وجہ تھی کہ مسلمان تقریباً غیر مسلح تھے۔مگر عرب کے رواج کے خلاف مشرکینِ مکہ نے حضرت خالد بن ولید (جو بعد میں مسلمان ہو گئے) کی قیادت میں دوسو مسلح سواروں کے ساتھ مسلمانوں کو حدیبیہ کے مقام پر مکہ کے باہر ہی روک لیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا۔ان کے واپس آنے میں تاخیر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے بیعت لی جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔اس بیعت میں مسلمانوں نے عہد کیا کہ وہ مرتے دم تک حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔تھوڑی دیر بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واپس آ گئے۔اس بیعت کی خبر مکہ والوں کو ہوئی اور انھوں نے مسلمانوں کو جنگ کے لیے تیار پایا تو صلح پر آمادہ ہو گئے۔رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ والوں کی شرائط قبول فرما لیا۔

اس آیت پاک سے حسب ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(i)۔ اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان کرنے والوں کے دلوں کے خلوص کی گواہی دی ہے۔

(ii)۔ اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی رضامندی کا سرٹیفکیٹ دیا۔

(iii)۔ اللہ پاک ہر حال میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنے والوں کو اپنی رضا سے نوازتے ہیں۔

(iv)۔ رضا یہ ہے کہ تنگی و کشادگی میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم مانا جائے۔

(v)۔ جو لوگ ایمان لانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں، وہی اہل رضا ہوتے ہیں۔

(vi)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع ہی حقیقی کامیابی ہے۔

(۱۳)۔ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ [۱]

(فرما دیں ہمیں اس کے سوا ہرگز کوئی نقصان نہ پہنچے گا جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا وہی ہمارا مالک ہے اور اللہ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے)

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم پر جو بھی آزمائش آتی ہے وہ اللہ ہی کی مرضی اور اجازت سے آتی ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کائنات میں ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ وہ ہمارا کارساز اور پروردگار ہے۔ اگر اس کی مشیت ہو کہ ہمیں کوئی تکلیف آئے تو سرِ تسلیم خم ہے۔ جو اس کی رضا ہو ہمیں بھی اسی پر راضی رہنا چاہیے۔ اگر اس کی طرف سے کوئی تکلیف آجائے تو اس میں بھی ہمارے لیے خیر پنہاں ہوتی ہے۔

(۱۴)۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ [۲]

(اور کاش کہ واقعی وہ اس پر راضی ہو جاتے جو انہیں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دیا اور کہتے کہ اللہ کافی ہے جلد ہی اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں اپنے فضل سے دے گا۔ بے شک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں)

اس آیت پاک سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان کو ہر حال میں اللہ پاک کی عطایات پر راضی رہنا چاہیے۔ اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اگر اللہ عزوجل کشادگی فرمائیں تب بھی، اگر اللہ پاک کی طرف سے آزمائش آپہنچے تب بھی، اللہ عزوجل کے فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیے۔ یہی اہل ایمان کی نشانی ہے۔

(۱۵)۔ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ [۳]

۱۔ سورۃ التوبہ: آیت: ۵۱

۲۔ سورۃ التوبہ: آیت: ۵۹

۳۔ سورۃ التکویر: آیت: ۲۹

(وہ نہیں چاہتے مگر وہی جو اللہ چاہتا ہے)

اس آیت کریمہ میں اہل رضا کی یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ وہ اپنی چاہت کو اللہ پاک کی چاہت میں فنا کر دیتے ہیں۔ان کی اپنی کوئی چاہت یا رضا نہیں ہوتی۔ وہ صرف وہ چاہتے ہیں جو اللہ عزوجل چاہتا ہے۔ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا کے تمام معاملات اللہ رب العزت کی مشیت کے مطابق ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں وہی وحدہ لاشریک ذات ہے جو حاکم ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہے۔اس لیے اس کی ہر مشیت اس کی حکمت کے مطابق ہوتی ہے۔

(۱۶)۔ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارۡجِعِىۡۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادۡخُلِىۡ فِىۡ عِبٰدِىۡ ﴿۲۹﴾ وَادۡخُلِىۡ جَنَّتِىۡ [۱]

(اے اطمینان پانے والی روح، اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔اس حال میں کہ تو راضی اور خوش ہونے والی ہے۔پس میرے خاص بندوں میں داخل ہوجا اور میری جنت میں چلی جا)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ جو انسان دنیا میں اللہ عزوجل کے فیصلوں پر مطمئن رہے، اپنے رب کی قضاو قدر اور اس کی بخشش وعطا پر خوش رہے، ایسے انسان کو اپنے خالق و مالک کی رضا و خوشنودی نصیب ہوتی ہے۔جو انسان کا سب سے بڑا اشرف و اعزاز ہے۔

جو انسان ہر حال میں راضی رہتے ہیں، ہر حالت کو ابتلاء و آزمائش سمجھ کر مطمئن رہتے ہیں، ان کے قدم تنگی اور فراخی کے ہر حال میں راہ حق پر عمل پیرا رہتے ہیں، نعمت ملنے پر اللہ عزوجل کا دل وجان سے شکر ادا کرتے ہیں، دنیا ملنے پر وہ فساد و طغیان میں مبتلا ہونے کی بجائے اس کو رضائے خداوندی کے حصول کا ذریعہ بناتے ہیں اور مشکلات کے پیش آجانے پر صبر سے کام لیتے ہیں، ایسے انسانوں کو اللہ تعالیٰ خصوصی انعامات سے نوازے گا۔ وہ انعام اللہ پاک کی دائمی رضا کا ہوگا۔ بروز قیامت اہل رضا کو اس بات کی خوشخبری دی جائے گی کہ اللہ پاک نے دنیا میں تم کو جس ابتلائے آزمائش کے میدان میں اتارا تھا، اس میں تم کامیاب ہوکر آئے ہو اور تم ہر طرح کے حالات میں اپنے رب سے راضی اور مطمئن رہے۔جس کے نتیجے میں تم اس کے پسندیدہ بندے ٹھہرے۔اب تم ہمیشہ جنت کی ان عظیم الشان نعمتوں میں رہو۔اس حال میں کہ تم دنیا میں اللہ پاک سے راضی رہے اب اللہ پاک تم سے راضی و خوش ہے اور تمہیں اس قدر انعامات دیئے جائیں گے کہ تمہارے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں ہوگی۔

(۱۷)۔ فَاِنۡ حَآجُّوۡكَ فَقُلۡ اَسۡلَمۡتُ وَجۡهِىَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلۡ لِّلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ وَالۡاُمِّيّٖنَ ءَاَسۡلَمۡتُمۡ ؕ فَاِنۡ اَسۡلَمُوۡا فَقَدِ اهۡتَدَوْا [۲]

(پھر بھی اگر یہ تم سے جھگڑیں تو تم کہہ دو کہ میں اور میرے تابعداروں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سر جھکا دیا ہے۔اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے سوال کیجیے کہ کیا تم بھی سر تسلیم خم کرتے ہو؟ اگر یہ تابعدار بن جائیں تو یقیناً ہدایت پا جائیں گے)

۱۔سورۃ الفجر: آیت:۲۷-۳۰

۲۔ سورۃ آلِ عمران: آیت:۲۰

اس آیت کریمہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اہل ایمان کا دوسروں کے ساتھ رویہ ایسا ہونا چاہیے کہ جب بھی کوئی لڑائی جھگڑے والی بات ہوجائے تو فوراً کہہ دیں کہ ہم ہر حال میں اللہ عزوجل کے فیصلوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ اللہ پاک کی رضا پر راضی ہیں۔ ہم نے اپنی خواہشات کو اللہ پاک کی رضا کے تابع کر دیا ہے۔

اس کائنات میں جو انسان بھی اللہ عزوجل کی رضا پر راضی ہوجائے وہ دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہوجاتا ہے۔ گویا کہ انسان کا اللہ پاک کے فیصلوں کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے سر کو جھکا دینا ہی انسان کی اصل کامیابی ہے اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

(۱۸)۔ وَأُفَوِّضُ أَمْرِيٓ إِلَى ٱللَّهِۚ إِنَّ ٱللَّهَ بَصِيرٌۢ بِٱلْعِبَادِ [۱]

(اور میں تو اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بیشک وہ بندوں کا نگرانِ حال ہے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ سے متاثر ہو کر فرعون کے درباریوں میں سے ایک اللہ عزوجل پر ایمان لے آیا تو فرعون کی طرف سے دی جانے والی تکالیف پر اس نے کہا کہ میں اپنے تمام معاملات اللہ پاک کے ہی سپرد کرتا ہوں۔ وہ جو چاہے کرے، وہ میری حالت سے ہر وقت باخبر ہے۔

اللہ عزوجل نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ وہ اچھے واقعات سے سبق حاصل کرتا ہے۔ انبیاء علیہما السلام، صلحاء اور اپنے دوسرے ہیروز کی زندگی کو اپنے لیے نمونہ لیتا ہے اور ان کی باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی ضمن میں یہ بات بیان فرمائی گئی ہے کہ مومنین کی صفت یہ ہونی چاہیے کہ جب انہیں دنیا میں کوئی مصیبت، تکلیف، یا پریشانی درپیش ہو یا دوسروں کے ظلم کا شکار ہوں تو صبر سے کام لینا چاہیے، اپنے معاملات کو اللہ عزوجل کے سپرد کر دینا چاہیے۔ انسان کو خیال کرنا چاہیے کہ اللہ پاک ہماری ہر حالت سے باخبر ہے۔ اللہ پاک کی رضا بھی اسی میں ہے کہ وہ ہمیں آزمائے اور آزمائش میں پورا اترنے پر انعامات و سرفرازی سے نوازے۔

۳۔ رضا احادیث کی روشنی میں

اللہ پاک کی رضا ایک بلند مقام ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے شمار احادیث میں اس کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ جن میں کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شب میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بستر پر نہ پایا تو تلاش کیا۔ میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تلووں کو لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تھے اور سجدے کی حالت میں یہ دعا مانگ رہے تھے:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ

۱۔ سورۃ الغافر: آیت: ۴۴

(اے اللہ! میں تیری رضامندی کی پناہ چاہتا ہوں، تیری ناراضگی سے اور تیرے درگزر کی پناہ چاہتا ہوں، تیری سزا سے اور میں تیری ہی کی پناہ چاہتا ہوں، تجھ سے۔ میں تیری تعریف پوری نہیں کرسکتا۔ تو ایسے ہی ہے جیسے تو نے خود اپنی تعریف فرمائی)[۱]

(۲)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کے آخر میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اللّٰھُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ

(اے اللہ میں تیرے غصہ سے تیری رضا کی، تیرے عذاب سے تیری عافیت کی اور تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ میں تیری حمد و ثنا بیان نہیں کرسکتا۔ تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے خود اپنی تعریف بیان کی)[۲]

(۳)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا منہ قبلہ کی طرف کیا اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر بارگاہ الٰہی میں یوں عرض رساں ہوئے:

اللھم زدنا ولا تنقصنا واکرمنا ولا تھنا واعطنا ولا تحرمنا واٰثرنا ولا توثر علینا وارضنا وارض عنا[۳]

(اے اللہ! ہماری نعمتوں میں زیادتی کر اور ان نعمتوں میں کمی نہ کر، ہمیں دنیا میں ذریعہ معزز بنا اور ہمیں ان چیزوں سے محروم رکھ کر ذلیل نہ کر، ہمیں کی بھلائیاں عطا فرما اور ہمیں محروم نہ کر! ہمیں برگزیدہ بنا اور ہم پر غیروں کو برگزیدہ نہ بنا، ہمارے دشمنوں کو ہم پر غالب نہ کر، ہمیں اپنی قضا و قدر پر راضی رکھ اور تو ہماری تھوڑی سی بھی عبادت پر ہم سے راضی ہو جا)

(۴)۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر حال میں اللہ پاک کی رضا پر راضی رہتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانا پسند ہوتا تو تناول فرماتے ورنہ چھوڑ دیتے[۴]۔

(۵)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دس برس خدمت کی۔ جب میں بچہ تھا اور میری عمر کم تھی تو مجھ سے ہر کام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کے مطابق نہیں ہوتا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی مجھے نہ اف کہا اور نہ ہی کبھی یہ فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا یا ایسا کیوں نہیں کیا[۵]۔

(۶)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بڑی آزمائش کی جزا بھی بڑی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو جن لوگوں سے محبت ہو وہ انہیں آزماتا ہے۔ جو شخص اس آزمائش پر راضی ہو، اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے اور جو شخص اس آزمائش پر ناخوش ہو، اللہ تعالیٰ

۱۔ صحیح مسلم۔ جلد اول: رقم: ۱۰۸۵

۲۔ سنن نسائی۔ جلد اول: رقم: ۱۷۵۲

۳۔ مشکوۃ شریف۔ جلد دوم: رقم: ۱۰۲۵

۴۔ سنن ابن ماجہ۔ جلد سوم: رقم: ۱۴۰۰

۵۔ سنن ابوداؤد۔ جلد سوم: رقم: ۱۳۷۱

بھی اس سے ناخوش اور اس پر ناراض ہوجاتا ہے[1]۔

(۷)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو جو کچھ دے رکھا ہوتا ہے وہ اس میں اس کا امتحان لیتا ہے سو جو شخص اللہ کی تقسیم پر راضی ہوجائے اللہ اسے برکت دے دیتا ہے اور جو راضی نہ ہو اس کو برکت نہیں ملتی[2]۔

(۸)۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بنی آدم کی سعادت اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر پر راضی رہے اور اس کی بدبختی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب نہ کرے اور اس کی قضا پر ناراضگی کا اظہار کرے[3]۔

(۹)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کون ہے جو مجھ سے کلمات سیکھ کر ان پر عمل کرے یا اسے سکھائے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سیکھتا ہوں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور پانچ باتیں شمار کیں[4]:

(i)۔ حرام کاموں سے پرہیز کرو، سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔

(ii)۔ اللہ کی تقسیم پر راضی رہو، سب سے بڑے غنی بن جاؤ گے۔

(iii)۔ اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرو، اس سے تم مومن ہوجاؤ گے۔

(iv)۔ لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، اس سے تم مسلمان ہوجاؤ گے۔

(v)۔ زیادہ مت ہنسو کیونکہ زیادہ ہنسی دل کو مردہ کر دیتی ہے۔

(۱۰)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کا خیال رکھو، اللہ تعالیٰ تمہارا خیال رکھے گا۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری کرتے ہوئے ان چیزوں پر عمل کرو، جن پر عمل کرنے کا اس نے حکم دیا ہے اور ان چیزوں سے اجتناب کرو، جن سے اجتناب کرنے کا اس نے حکم دیا ہے اور ہر وقت اور ہر معاملہ میں اسی کی رضا و خوشنودی کے طالب رہو گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ بھی تمہارا خیال رکھے گا۔ تمہیں دنیا میں بھی ہر طرح کی مصیبتوں سے بچائے گا اور آخرت میں بھی ہر عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کا ہوجاتا ہے[5]۔

(۱۱)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تجھے کسی معاملے میں فکرمند نہیں ہونا چاہیے

---

[1]۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۲۳۹۶

[2]۔ مسند احمد۔ جلد نہم: رقم: ۲۰۷۴

[3]۔ جامع ترمذی۔ جلد دوم: رقم: ۲۵

[4]۔ جامع ترمذی۔ جلد دوم: رقم: ۱۹۱

[5]۔ مشکوۃ شریف۔ جلد چہارم: رقم: ۱۲۳۰

کیونکہ جو کچھ مقدر ہو چکا ہے وہ آ کر رہے گا اور جو تیرے لیے مقدر نہیں ہے وہ ہرگز تجھ پر وارد نہیں ہوگا[1]۔

(۱۲)۔ اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے داؤد (علیہ السلام)! مجھے سب سے زیادہ خوش کرنے والا اور تیرے بوجھ کو اتارنے والا کوئی عمل ایسا نہیں، جیسا کہ میری تقدیر پر خوش ہونا ہے[2]۔

(۱۳)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں استخارہ کرنے کا طریقہ اسی طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کو کوئی اہم کام پیش آ جائے تو اسے چاہیے کہ فرائض کے علاوہ دو رکعتیں پڑھے، پھر یہ دعا کرے[3]:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ

اللَّهُمَّ فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ هَذَا الْأَمْرَ (يُسَمِّيهِ بِاسْمِهِ) خَيْرًا لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَاقْدُرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ

اللَّهُمَّ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُهُ شَرًّا لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ

(اے میرے پروردگار! میں تجھ سے تیرے علم کی برکت سے خیر طلب کرتا ہوں۔ تیری قدرت سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں کیونکہ تو قادر ہے، میں قادر نہیں ہوں۔ تو جانتا ہے، میں کچھ نہیں جانتا اور تو غیب کے معاملات کو جاننے والا ہے۔

اے میرے پروردگار! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لئے دین، معیشت اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہے تو اسے میرے لئے مقدر فرما دیجیے۔ اسے میرے لئے آسان کر دیجیے اور مبارک فرمائیے اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لئے دین، معیشت اور انجام کے اعتبار سے برا ہے تو اسے مجھ سے اور مجھے اس سے پھیر دیجیے اور میرے لئے خیر مقدر فرما دیجیے، خواہ کہیں بھی ہو اور پھر مجھے اس پر راضی کر دیجیے)

(۱۴)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اس آدمی کی طرف دیکھو کہ جو تم سے کم تر درجہ میں ہے اور اس آدمی کی طرف نہ دیکھو کہ جو درجہ میں تم سے بلند ہو تا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو حقیر نہ سمجھنے لگ جاؤ[4]۔

(۱۵)۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگوں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔ اس سے مقصد صرف اللہ کی رضا

۱۔ شعب الایمان از امام بیہقیؒ۔ رقم: ۱۱۸۸

۲۔ منہاج القاصدین از امام عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ۔ صفحہ نمبر ۵۱۵

۳۔ مسند احمد۔ جلد ششم: رقم: ۵۸۴

۴۔ صحیح مسلم۔ جلد سوم: رقم: ۲۹۲۹

تھی۔ ہمارا اجر اللہ کے ذمہ رہا۔ ہم میں سے بعض لوگ ایسی حالت میں مرے کہ اجر کا کوئی حصہ نہ پا سکے۔ انہی میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے اور ہم میں کتنے لوگ وہ ہیں جن کے لئے اس کا پھل پک گیا اور کھاتے ہیں۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جنگ احد کے دن شہید ہوئے تو ہمیں ان کے کفن کے لئے صرف ایک ایسی چادر ملی کہ ان کے سر کو ڈھانپا جاتا تو دونوں پاؤں کھل جاتے اور جب دونوں پاؤں چھپاتے تو ان کا سر کھل جاتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ان کے سر کو چھپائیں اور وہ دونوں پاؤں پر اذخر (گھاس) ڈال دیں[1]۔

(۱۶)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بعض وقت بندہ اللہ کی رضا مندی کی بات کرتا ہے اور اس کی پرواہ بھی نہیں ہوتی، لیکن اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند کرتا ہے اور بعض وقت بندہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی بات بولتا ہے اور اس کی پرواہ نہیں کرتا، لیکن اس کے سبب سے وہ جہنم میں گر جاتا ہے[2]۔

(۱۷)۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جس مومن کی وفات کا وقت قریب آتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور بزرگی کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ چنانچہ جو چیز اس کے آگے ہوتی ہے اس سے بہتر کوئی چیز اسے معلوم نہیں ہوتی اور وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کو اور اللہ تعالیٰ اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے۔ کافر کی موت کا جب وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضگی کی خبر سنائی جاتی ہے۔ اس کے سامنے جو چیز ہوتی ہے اس سے زیادہ ناگوار کوئی چیز نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کو اور اللہ تعالیٰ اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے[3]۔

(۱۸)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے جنت والو! وہ لوگ عرض کریں گے، اے پروردگار لبیک وسعدیک۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم لوگ خوش ہو۔ وہ لوگ کہیں گے ہم کیوں نہ راضی ہوں کہ جب تو نے وہ چیز عطا کی ہے جو اپنے مخلوق میں سے کسی کو نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہیں اس سے بہتر چیز عطا کروں گا۔ وہ لوگ پوچھیں گے، اے رب! اس سے بہتر کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں تم پر اپنی رضا نازل کروں گا، اس کے بعد میں تم پر کبھی ناراض نہ ہوں گا[4]۔

(۱۹)۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین

---

[1] صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم: ۱۲۲۲

[2] صحیح بخاری۔ جلد سوم: رقم: ۱۴۲۵

[3] صحیح بخاری۔ جلد سوم: رقم: ۱۴۵۴

[4] صحیح بخاری۔ جلد سوم: رقم: ۱۴۹۶

6

ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہونے پر اپنی رضا کا دل سے اعلان کر دیا، اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا[۱]۔

(۲۰)۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تجھ پر اللہ کی رضا کے لئے سجدوں کی کثرت لازم ہے تو جب بھی کوئی سجدہ کرتا ہے تو اللہ اس سجدہ کے سبب سے تیرا ایک درجہ بڑھا دیتے ہیں اور اس کے ذریعہ تیری ایک خطا مٹا دیتے ہیں[۲]۔

(۲۱)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس وقت کوئی مومن بندہ مرنے کے قریب ہوتا ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشمی کپڑا لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نکل جاؤ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جانب اور اس کے رزق کی جانب اور اپنے پروردگار کی جانب جو کہ غضبناک نہیں ہے۔ تو اللہ سے رضامند ہے اور اللہ تعالیٰ تجھ سے رضامند ہے۔ پھر وہ روح نکل جاتی ہے جس طریقہ سے عمدہ خوشبودار مشک۔

فرشتے اس روح کو اس وقت اٹھاتے ہیں اور آسمان کے دروازے پر لے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کیا خوشبو ہے جو کہ زمین سے آئی ہے۔ پھر اسے اہل ایمان کی ارواح کے پاس لاتے ہیں اور وہ روح اس سے بھی زیادہ خوش ہوتی ہے جتنا کہ تم کسی بچھڑے ہوئے شخص کی آمد سے خوش ہوتے ہو۔ اس روح سے دوسری روحیں دریافت کرتی ہیں کہ فلاں آدمی اب کس طرح کے کام میں مشغول ہے؟ پھر وہ روح کہتی ہے کہ تم ابھی اس کو چھوڑ دو، یہ دنیا کے غم میں مبتلا تھا۔ یہ روح کہتی ہے کیا وہ شخص تم لوگوں کے پاس نہیں پہنچا؟ وہ تو مر چکا تھا۔ تو اس پر وہ روحیں کہتی ہیں وہ شخص تو جہنم میں گیا ہوگا۔

جس وقت کافر کی موت آتی ہے تو عذاب کے فرشتے ایک ٹکڑا کاٹ کر لے کر آتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ تو نکل کر باہر آ جا، اللہ کے عذاب کی طرف، تو اللہ تعالیٰ سے ناراض ہے اور تجھ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے۔ پھر وہ روح نکلتی ہے اس طرح سے کہ جس طرح سڑے ہوئے مردار کی بدبو ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ زمین کے دروازے پر اس کو لاتے ہیں اور کہتے ہیں کیسی بو ہے؟ پھر اس کو کفار اور مشرکین کی ارواح میں لے جاتے ہیں[۳]۔

۴۔ راضی رہنے کی وجوہات

انسان کا اللہ پاک کے فیصلوں پر راضی رہنا اور مشکلات کو اللہ پاک کی طرف سے آزمائش سمجھتے ہوئے قبول کرنا اور دل برداشتہ نہ ہونا تین وجوہات کی بنا پر ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)۔ اللہ پاک کی رضا پر راضی رہنے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ انسان جانتا ہے کہ اللہ عزوجل کی تدابیر اس کے حق میں اس کی اپنی تدابیر سے بہتر ہیں۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے جلد ہی دنیا میں سزا دے دیتا ہے اور اگر کسی بندے سے غضب کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے گناہ کا بدلہ روک رکھتا ہے یہاں تک کہ

۱۔ صحیح مسلم۔ جلد اول: رقم: ۱۵۴

۲۔ صحیح مسلم۔ جلد اول: رقم: ۱۰۸۸

۳۔ سنن نسائی۔ جلد اول: رقم: ۱۸۳۸

قیامت کے دن اسے پورا بدلہ دیگا[1]۔

(۲)۔ راضی برضا رہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کو امید ہوتی ہے کہ اسے تکالیف پر راضی رہنے سے آخرت میں اجر ملے گا۔ یہ خیال انسان کی تکالیف کو کم کر دیتا ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسا کہ انسان تندرستی کی امید میں کڑوی کسیلی ادویات استعمال کرنے حتیٰ کہ آپریشن کروانے پر راضی ہو جاتا ہے۔

(۳)۔ رضا کی تیسری وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی تکالیف ومشکلات کو اپنے محبوب حقیقی اللہ عزوجل کی رضا سمجھتے ہوئے ان پر راضی ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات انسان پر محبت الٰہی کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ تکالیف کا احساس تک نہیں ہوتا کیونکہ سالک اللہ پاک کی محبت میں فنا ہو چکا ہوتا ہے۔

(۴)۔ اللہ تعالیٰ ہی کامل علم رکھتا ہے۔ وہی مطلق حکمت کا مالک ہے۔ وہی کائنات کی مصلحتیں سمجھتا ہے کہ کس کے لیے کیا چیز بھلی یا مضر ہے۔ انسان کا عقل ناقص ہے۔ اللہ عزوجل ہمیں جو بھی چیز عطا فرماتا ہے یا جس چیز کو ہم سے روک لیتا ہے اس میں ضرور کوئی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے لیکن ہمیں وہ سمجھ نہیں آ رہی ہوتی، جو کہ بعض اوقات بعد میں معلوم بھی ہو جاتی ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہم السلام کے واقعے میں یہی سبق دیا گیا ہے کہ کشتی کا ٹوٹ جانا اور اولاد کا مر جانا بظاہر ایک واضح نقصان ہے لیکن چونکہ کشتی کو ظالم حکمران کے قبضے میں جانے سے بچانا تھا اس لئے اسے توڑا گیا۔ جبکہ لڑکے کے قتل کا مقصد والدین کو ایک بہتر اولاد دینا اور ان کی آخرت کے لئے راہ ہموار کرنا تھا۔ بالکل اسی طرح ہمیں جان لینا چاہیے کہ اگر ہمیں کبھی ناکامی ہوتی ہے تو اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ضرور کچھ نہ کچھ خیر چھپا رکھی ہوتی ہے۔ لہٰذا اللہ کے ہر امر پر رضا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کا فیصلہ حق ہے، آخری درجے میں درست ہے۔ تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر کیا گیا ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ فیصلہ بادشاہِ حقیقی نے کیا ہوتا ہے اور بادشاہ کے فیصلوں پر سوالات کرنا غیر مناسب ہے۔

(۵)۔ اللہ پاک کی مرضی کو ماننے کے علاوہ ہمارے پاس چارہ ہی کیا ہے؟ اگر ہم اللہ عزوجل کی مرضی پر راضی رہیں گے تو سکون سے رہیں گے، اگر اللہ عزوجل کی مرضی کو دل سے تسلیم نہیں کریں گے تو تکلیف اٹھائیں گے۔ وہ بڑی طاقت والی ذات ہے۔ وہ اپنی بات منوا لیتا ہے، چاہے ہم اسے پسند کریں یا ناپسند کریں۔ اس لیے بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ پر راضی رہیں تاکہ سکون میں رہیں اور تکلیف سے بچ جائیں۔

(۶)۔ اللہ پاک کی رضا میں رنگ جانے سے ہر لمحہ نئی زندگی ملتی ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم راہ
ہر زمان از غیب جانی دیگرست[2]

---

[1]۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۲۸۳

[2]۔ لوائح از ابوالمعالی عبداللہ بن محمد میانجی۔ صفحہ نمبر ۶۶

6

(جولوگ محبوب کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں انہیں ہر لمحہ غیب سے ایک نئی زندگی عطا کی جاتی ہے)

(۷)۔ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ نزولِ تقدیر کے وقت حق تعالیٰ پر اعتراض کرنا رضا کی موت ہے۔ ایمان والا قلب، کیوں کس طرح، کونہیں جانتا، اس کا کام تو ہاں ہے جبکہ نفس کی یہی عادت ہے کہ نزاع کرے[1]۔

۵۔ اہل رضا کے طبقات

اہلِ رضا کے تین طبقات ہیں:

(۱)۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو رونے دھونے کو ترک کر دیتے ہیں اور اچھا عمل کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ ان تمام حالات میں جو اللہ کے حکم سے بندے پر جاری ہوتے ہیں بندے کا دل اللہ عزوجل کے لیے ایک جیسا رہتا ہے[2]۔

(۲)۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی نگاہ اللہ کی رضا پر لگائے رکھتے ہیں اور ان کی نظر اس بات پر نہیں جاتی کہ اللہ بھی ان سے راضی ہو گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **رضی اللہ عنهم و رضوا عنه** (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے)۔ ان کے نزدیک تنگی، آسودگی، محرومیت اور کشادگی یکساں ہو جاتی ہیں[3]۔

(۳)۔ کچھ وہ لوگ ہیں جو اس سے بھی آگے نکل جاتے ہیں، اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ وہ اپنے خاص بندوں سے راضی ہے۔ لہٰذا نہ تو اللہ تعالیٰ کا بندے سے راضی ہونے کو دیکھتے ہیں اور نہ اللہ سے اپنی رضا کو۔ جیسا کہ ابوسلیمان درانیؒ نے کہا ہے، مخلوق کے اعمال بھلا اللہ کو کیا راضی کر سکتے ہیں یا کیا ناراض کر سکتے ہیں۔ درحقیقت بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں پر راضی ہوا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان سے اہلِ رضا کے کام کروائے اور کچھ لوگوں پر ناراض ہوا تو ان سے ایسے لوگوں کے کام کروائے، جن پر اللہ ناراض ہوا[4]۔

۶۔ رضا کی اقسام

اللہ سبحان وتعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں ارشاد فرمایا ہے:

رَّضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ[5]

(اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے)

۱۔ فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ مجلس اول

۲۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراجؒ۔ صفحہ نمبر ۹۶

۳۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراجؒ۔ صفحہ نمبر ۹۶، ۹۷

۴۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراجؒ۔ صفحہ نمبر ۹۷

۵۔ سورۃ التوبۃ: آیت: ۱۰۰

قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ پر غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رضا کی دو قسمیں ہیں:

(۱)۔ خدا کا بندے سے راضی ہونا

حضرت عثمان علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ خدا کا بندے سے راضی ہونا یہ ہے کہ وہ بندے کے اچھے اعمال پر اجر کے طور پر اُسے عزت عطا فرماتا ہے۔ پس خدا کی رضا سے مراد بندے پر خدا کا کرم ہے[۱]۔ جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ میں مروی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، اسے میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔ میرا بندہ جن عبادتوں سے میرا اقرب حاصل کرتا ہے، ان میں فرائض مجھے سب سے زیادہ پسند ہیں۔

میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں، تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں، اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ کا طالب ہوتا ہے، تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں[۲]۔

یعنی جب مومن سے اللہ عزوجل راضی ہو جاتا ہے، تو اس بندے سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اس کے دشمن کو اپنا دشمن اور اس کے دوست کو اپنا دوست بنا لیتا ہے۔ حتیٰ کہ اس مومن کو خدا کے ہاں یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے کہ زبان اس کی ہلتی ہے لیکن ذکر خدا کا ہوتا ہے۔ آنکھ اس کی اٹھتی ہے لیکن کمال خدا کے دیکھتا ہے۔ کان اس کے ہوتے ہیں، سماعت خدا کے احکامات کی ہوتی ہے۔ پاؤں اس کے ہلتے ہیں، چلنا خدا کے لیے ہوتا ہے۔

(۲)۔ بندے کا خدا سے راضی ہونا

بندے کی رضا سے مراد ہے کہ بندہ خدا کے احکامات پر خوشی عمل کرے۔ انسان کی نظر اللہ عزوجل کے اختیار پر ہو کیونکہ بندہ جانتا ہے کہ اس کا رب اس کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ پس وہ اس پر راضی ہو جاتا ہے۔ انسان کا نفس جب اللہ پاک سے راضی ہو جائے تو وہ خود کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس کے حکم کی اطاعت کرتا ہے اور اس کی ربوبیت پر مطمئن اور اس کی الوہیت پر مکمل اعتماد کرتا ہے۔ اللہ پاک کی قضا وقدر کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ خدا کی رضا مقدم ہے، توفیق عمل بھی وہی دیتا ہے۔ اس لیے اللہ کی رضا پر وہی بندہ راضی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قضا (تقدیر) کو خوش دلی سے قبول کرے۔ خواہ عطا ہو یا آزمائش ہو۔ قضائے الٰہی پر راضی رہنا، صوفیائے اکرام اور عارفین کی صفت ہے۔

۱۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۷۳

۲۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۵۰۲

۷۔ رضا کے مراحل

امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ رضا مقاماتِ سالکین میں سے ایک مقام ہے اور سالک تین مراحل عبور کرنے کے بعد اس کو حاصل کرتا ہے۔ وہ تین مراحل حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ پہلا مرحلہ: سالک پر پہلا مرحلہ اس وقت کھلتا ہے جب بندہ اپنے اوپر ہونے والی مشکلات کو ظاہر نہ ہونے دے۔ کسی سے بھی شکایت نہ کرے، چاہے دوست ہو یا دشمن اور ہر مصیبت پر راضی برضا رہے۔ سالک کے لیے ضروری ہے کہ اپنے تمام مصائب ومشکلات کو اللہ عزوجل کی طرف سے آزمائش تصور کرے اور مخلوق خدا سے انہیں چھپائے اور کسی کے سامنے بھی شکوہ وشکایت نہ کرے۔ مصائب کو رب قدوس کی طرف سے آزمائش تصور کرتے ہوئے اس آزمائش میں کامیاب ہونے کی پوری کوشش کرے۔

(۲)۔ دوسرا مرحلہ: رضا کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ سالک کو اس بات کا پختہ یقین ہو جائے کہ اس پر نازل ہونے والے مصائب مندرجہ ذیل تین صورتوں سے خالی نہیں ہیں:

(i)۔ اس کے گناہوں کے لیے کفارہ ہیں۔

(ii)۔ کسی گزشتہ گناہ کی سزا ہیں۔

(iii)۔ نیکیوں میں اضافے کا باعث ہیں۔

امام شعرانیؒ اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے جسم پر پے در پے بہت سی تکالیف آئیں۔ میں نے ان تکالیف کو اللہ عزوجل کی نعمت خیال کیا کیونکہ یہ تکالیف ومصائب اگر تو کسی گذشتہ گناہ کی سزا تھیں تو بہتر کیونکہ گناہوں کا کفارہ تھیں۔ اگر بلندیِ درجات کے لیے تھیں تو یہ بھی خیر۔ اس طرح کوئی بھی آزمائش تین صورتوں سے خالی نہیں ہوتی[۱]۔

(۳)۔ تیسرا مرحلہ: رضا کا تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ سالک کے لیے مصیبت اور نعمت دونوں برابر ہو جائیں کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں اللہ پاک کی طرف سے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ[۲]

(فرمادو! سب اللہ کی طرف سے ہے)

۸۔ رضا کے درجات

صوفیہ کی نظر میں رضا کے تین درجے ہیں:

(۱)۔ رضا: رضا یہ ہے کہ انسان اللہ عزوجل کے حکم اور اس کی تقدیر پر اعتراض نہ کرے۔

۱۔ مقامات سلوک از ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن عمیرہ المصری۔ صفحہ نمبر: ۸۶

۲۔ سورۃ النساء: آیت: ۷۸

(۲)۔ تسلیم: تسلیم میں تصرف پایا جاتا ہے۔ یعنی انسان تسلیم کے عمل میں کچھ نہ کچھ کرتا ہے، چاہے ذہنی عمل ہی کیوں نہ ہو۔ تسلیم کا مرتبہ رضا سے بلند تر ہے اور تفویض تسلیم سے برتر ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا [۱]

(پھر بھی اگر یہ تم سے جھگڑیں تو تم کہہ دو کہ میں اور میرے تابعداروں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سر جھکا دیا ہے۔ اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے سوال کیجیے کہ کیا تم بھی سر تسلیم خم کرتے ہو؟ اگر یہ تابعدار بن جائیں تو یقیناً ہدایت پا جائیں گے)

(۳)۔ تفویض: انسان تمام ممکنہ اسباب اور تدابیر اختیار کرنے کے بعد اللہ عزوجل پر بھروسا کرتا ہے اور اپنا معاملہ نتائج کے اعتبار سے خدا پاک کو سونپ دیتا ہے اور خدا کے فیصلہ پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ یہی تفویض ہے۔

قرآن میں تفویض کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ [۲]

(اور میں تو اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بیشک وہ بندوں کا نگرانِ حال ہے)

اس آیت پاک میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے تفویض کے مقام کا ذکر فرمایا ہے۔

۹۔ رضا کے بارے میں اقوال

(۱)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اپنے ذاتی اختیار کا اٹھا دینا رضا ہے [۳]۔

(۲)۔ حضرت حارثؒ فرماتے ہیں کہ حکم الٰہی کے جاری ہونے پر دل کو سکون حاصل ہونا رضا ہے [۴]۔

(۳)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ قضا الٰہی کے گزرنے سے دل کو خوشی حاصل ہونا رضا ہے [۵]۔

(۴)۔ حضرت ابنِ عطاؒ فرماتے ہیں کہ رضا سے مراد یہ ہے کہ انسان کے دل کی نگاہ اللہ تعالیٰ کے اس اختیار کی طرف لگی رہے جو اللہ کو بندے پر ازل سے حاصل ہے۔ بندے یہ کو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے اس کے لیے وہی اختیار کر رکھا ہے، جو سب سے افضل ہے

۱۔ سورۃ آلِ عمران: آیت: ۲۰

۲۔ سورۃ الغافر: آیت: ۴۴

۳۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراجؒ۔ صفحہ نمبر ۹۶

۴۔ تعرف از امام ابوبکر ابواسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری الکلاباذیؒ۔ صفحہ نمبر ۱۵۷

۵۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراجؒ۔ صفحہ نمبر ۹۶

6

لہذا بندہ اس پر راضی رہتا ہے اور اس پر اپنی ناراضگی ترک کر دیتا ہے[۱]۔

(۵)۔ حضرت ابوبکر واسطیؒ فرماتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے رضا کو عمل میں لاؤ اور اسے ایسا موقع ہی نہ دو کہ وہ تمہیں استعمال کر سکے ورنہ تم اس کی لذت اور اس کی حقیقت کو دیکھنے کی وجہ سے حجاب میں ہو جاؤ گے[۲]۔

(۶)۔ حضرت محاسبیؒ کا قول ہے کہ رضا محبت کا نتیجہ ہے کہ محب (محبت کرنے والا) اس پر راضی ہوتا ہے، جو محبوب کرتا ہے۔ محب اپنا اختیار ختم کر دیتا ہے اور محبوب کی ہر بات پر خوش ہوتا ہے[۳]۔

(۷)۔ میر واعظ کاشفیؒ کہتے ہیں کہ رضا سے مراد یہ ہے:

(i)۔ قضائے الٰہی سے بندہ پر جو کچھ بھی آئے وہ اس پر راضی رہے۔

(ii)۔ ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ قضا کے لیے ہماری رضا سے بہتر کوئی ڈھال نہیں۔

(iii)۔ جو آدمی رضا و تسلیم کے آستانے پر سر جھکا دے وہ سرداری اور سرفرازی کے تخت پر جلد ہی پہنچ جاتا ہے۔

(۸)۔ حضرت ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ بندہ اپنی نفسانی خواہشات کو ترک کر دے تو اللہ راضی ہو جاتا ہے۔

(۹)۔ حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ بندہ رضا کے مقام کو تب پہنچتا ہے جب وہ چار اصولوں پر عمل پیرا ہو۔ وہ اصول درج ذیل ہیں:

(i)۔ انسان اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عرض کرے کہ اے باری تعالیٰ اگر تو نے عطا کیا تو قبول کر لوں گا۔

(ii)۔ اگر تو نے روک لیا تب بھی راضی رہوں گا۔

(iii)۔ اگر تو نے اپنی بارگاہ سے دھتکار دیا، تب بھی تیری ہی عبادت کروں گا۔

(iv)۔ اگر تو نے اپنی بارگاہ میں بلا لیا تو حاضر ہو جاؤں گا۔

(۱۰)۔ حضرت نصر آبادیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص مقام رضا حاصل کرنا چاہتا ہے اسے ایسے کام کرنے چاہییں جن پر اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے[۴]۔

(۱۱)۔ حضرت عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ رضا اللہ کا بہت بڑا دروازہ ہے اور دنیا کی جنت ہے[۵]۔

(۱۲)۔ حضرت ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ رضا یہ نہیں ہوتی کہ تم مصیبت کا احساس نہ کرو بلکہ رضا یہ ہے کہ تم اللہ کے حکم اور اس کی تقدیر پر اعتراض نہ کرو[۶]۔

۱۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراجؒ۔ صفحہ نمبر ۹۶

۲۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراجؒ۔ صفحہ نمبر ۹۶

۳۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۷۳

۴۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۴۸

۵۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۴۸

۶۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۴۸

(۱۳)۔ شیخ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ رضا خوشنودی اور پسندیدگی ہے اور یہ تین چیزوں سے عبارت ہے:
(i)۔ اللہ تعالیٰ کا دین جس طرح اس نے نازل کیا ہے، انسان کا اس سے راضی ہوجانا۔
(ii)۔ تقدیر اور روزی جس طرح اللہ عزوجل نے انسان کے لیے مقرر فرمائی ہے، اس سے راضی ہوجانا۔
(iii)۔ اپنے خداوند کریم کے ساتھ راضی ہوجانا[۱]۔

(۱۴)۔ حضرت ابوبکر بن طاہرؒ فرماتے ہیں کہ رضا یہ ہوتی ہے کہ دل سے کراہت کو نکال دیا جائے اور اس میں خوشی ہی خوشی باقی رہے[۲]۔

(۱۵)۔ حضرت ابن خفیفؒ فرماتے ہیں کہ احکام الٰہیہ پر دلوں کا سکون اور دل کا اللہ کی پسندیدہ چیزوں سے موافق ہونا رضا کہلاتا ہے[۳]۔

(۱۶)۔ حضرت رابعہ بصریؒ فرماتی ہیں کہ اللہ عزوجل کی طرف سے آنے والی مصیبت کو دیکھ کر دل کا ایسے ہی پُر اطمینان ہونا جیسا کہ نعمت دیکھ کر ہوتا ہے، رضا کہلاتا ہے[۴]۔

(۱۷)۔ حضرت ابوعمر دمشقیؒ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرتے وقت انسان کے دل کا مطمئن ہونا رضا کہلاتا ہے[۵]۔

(۱۸)۔ حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ رضا یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر جہنم کو انسان کے دائیں ہاتھ پر رکھ دے تو وہ سوال نہ کرے کہ اسے پھیر کر بائیں ہاتھ پر کردے۔[۶]

(۱۹)۔ حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ احکامِ خداوندی جیسے بھی ہوں انہیں خوشی سے قبول کرلینا رضا ہے[۷]۔

(۲۰)۔ حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ رضا یہ ہے کہ جہاں بھی اللہ کا جو بھی حکم جاری ہو، انسان اس پر مطمئن دکھائی دے[۸]۔

(۲۱)۔ حضرت نوریؒ فرماتے ہیں کہ فیصلہ خداوندی سخت اور کڑوا بھی ہو تو اسے دیکھ کر دل میں خوش رہنے سے رضا حاصل ہوتی ہے[۹]۔

(۲۲)۔ حضرت شیخ ابوالنجیب ضیاء الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ رضا اللہ پاک کی طرف سے آنے والی آزمائشوں سے لذت اٹھانا ہے[۱۰]۔

(۲۳)۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ رضا یہ ہے کہ انسان کے نزدیک اللہ پاک کا نعمتوں کا عطا کرنا اور روک لینا دونوں برابر ہو

۱۔ صد میدان از شیخ خواجہ عبداللہ انصاری ہرویؒ۔ صفحہ نمبر: ۵۸
۲۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۴۹
۳۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراجؒ۔ صفحہ نمبر ۹۶
۴۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۴۹
۵۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۴۹
۶۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۵۰
۷۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۵۰
۸۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۵۰
۹۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۵۰
۱۰۔ آداب المریدین از شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ۔ صفحہ نمبر ۳۷

6

جائیں[1]۔

(۲۴)۔ شیخ ابن عجیبہؒ فرماتے ہیں کہ مصائب کا مسکراتے ہوئے استقبال کرنا، نزول قضا کے وقت دل کو مطمئن رکھنا، اللہ کی قضا و قدر پر تنقید نہ کرنا، اللہ عزوجل کی طرف وارد ہونے والے امور پر انکار نہ کرنا اور ان پر شرح صدر کا مظاہرہ کرنے کو رضا کہتے ہیں[2]۔

(۲۵)۔ حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ رضا یہ ہے کہ انسان اپنی دلی رغبت اور خوشی سے اپنے رب کے احکام کی تعمیل میں سر اطاعت جھکا دے اس کے حکم پر ہر حال میں راضی رہے خواہ اللہ رب العزت کی طرف سے انعام کا حکم صادر ہو یا ان سے محرومی کا[3]۔

۱۰۔ رضائے الٰہی کے واقعات

نصیحت حاصل کرنے کے لیے بزرگانِ دین کے رضائے الٰہی کے کچھ واقعات درج کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ موت کا فرشتہ حضرت عزرائیل علیہ السلام حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لیے حاضر ہوا تو آپ علیہ السلام نے اس سے پوچھا، کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ کوئی خلیل اپنے خلیل کو موت دیتا ہے؟ تو اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی، اے میرے خلیل کیا تم نے کسی محبت کرنے والے کو اپنے محبوب کی ملاقات کو ناپسند کرتے دیکھا ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، اے موت کے فرشتے ابھی میری روح قبض کرلو، میں بھی اسی پر راضی ہوں جس پر میرا خدا عزوجل راضی ہے[4]۔

(۲)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے درخواست کی کہ اپنے رب سے کسی ایسے معاملہ کی دعا کریں کہ ہم کرلیں تو وہ ہم سے راضی ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: میرے خدا، جو یہ کہہ رہے ہیں اسے تو نے سن لیا ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام انہیں کہہ دو، تم مجھ سے راضی رہا کرو، میں تم سے راضی رہوں گا[5]۔

(۳)۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن مسیب فرماتے ہیں کہ حضرت لقمانؒ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اے بیٹے تم پر جو کچھ بھی گزر جائے خواہ تم اس کو پسند کرو یا ناپسند، بہرحال دل میں یہی سمجھا کرو کہ اسی میں تمھاری بھلائی تھی۔ بیٹے نے کہا کہ جب تک اس بات کا صحیح ہونا معلوم نہ ہو جائے میں اس وقت تک آپؒ کی بات کیسے مان سکتا ہوں؟ حضرت لقمانؒ نے کہا، چلو اس زمانے کے نبی علیہ السلام سے پوچھ لیتے ہیں، وہ میری اس بات کی تصدیق کریں گے۔ بیٹے نے جواب دیا کہ ٹھیک ہے، وہ دونوں اپنی سواری پر سوار ہوئے اور کئی دن چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک صحرا سے گزرے تو انتہائی گرمی سے سخت پریشان ہو گئے، حتیٰ کہ روٹی اور پانی بھی ختم ہو گیا۔

گدھے تھکاوٹ کی وجہ سے نڈھال ہو گئے تو دونوں پیدل چلنے لگے۔ اسی طرح جا رہے تھے کہ حضرت لقمانؒ نے

۱۔ قوت القلوب از شیخ ابوطالب محمد بن عطیہ حارثی المکیؒ۔ جلد دوم۔ صفحہ نمبر ۱۴۸

۲۔ سکون قلب از شیخ اشرف علی تھانویؒ۔ صفحہ نمبر ۲۶۳

۳۔ کشف المحجوب از سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۴۱

۴۔ احیاالعلوم الدین از امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد چہارم۔ صفحہ نمبر ۴۴۲

۵۔ قوت القلوب از شیخ ابوطالب محمد بن عطیہ حارثی المکیؒ۔ جلد دوم۔ صفحہ نمبر ۱۴۵

اپنے سامنے نظر دوڑائی تو انہیں کچھ سیاہی اور دھواں نظر آیا۔ آپؒ نے سوچا کہ سیاہی تو درخت ہیں اور دھواں آبادی کا نشان ہے۔ اس لیے اسی طرف کا رخ کرلیا۔

آپؒ جا رہے تھے کہ راستے میں پڑی ہوئی ہڈی حضرت لقمانؒ کے بیٹے کے پاؤں میں چبھ گئی اور ایسی چبھی کہ پاؤں کے اوپر والے حصے سے باہر نکل آئی۔ بیٹا درد سے بے ہوش ہوگیا۔ حضرت لقمانؒ نے لپک کر اسے اٹھایا، پاؤں سے ہڈی نکالی اور اپنی پگڑی کے کپڑے سے اس کے پاؤں کو باندھ دیا۔

بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر حضرت لقمانؒ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، بیٹے نے دیکھا تو پوچھا: اے ابا جان! جب آپؒ اس حادثے کو میرے لیے بہتر سمجھتے ہیں تو روتے کیوں ہیں؟ حضرت لقمانؒ نے جواب دیا کہ اے بیٹے! میں باپ ہوں اور یہ آنسو باپ کی محبت کی وجہ سے ہیں اور یہ جو تم کہتے ہو کہ یہ حادثہ تمہارے لیے کس طرح بہتر ہے؟ تو شاید اس مصیبت سے بڑی مصیبت اللہ پاک نے تجھ سے دور کردی ہو اور میں جس مصیبت میں مبتلا ہوا ہوں شاید اس سے بڑی مصیبت سے اللہ پاک نے مجھ کو بھی بچایا ہو۔ پس اللہ پاک مجھے جس حال میں بھی رکھے، میں اللہ عزوجل سے راضی ہوں۔

حضرت لقمانؒ نے دوبارہ سامنے نظر دوڑائی تو دور دور تک کسی بستی کا نام ونشان نہ پایا۔ آپؒ نے دل میں سوچا کہ پہلے جو میں نے بستی کا نشان دیکھا تھا شاید وہ میرا وہم تھا۔ آپؒ اسی کشمکش میں مبتلا تھے کہ سامنے سے ایک سوار نمودار ہوا جس نے سفید لباس پہن رکھا تھا اور بڑی تیزی سے اپنے گھوڑے کو دوڑا رہا تھا۔ حضرت لقمانؒ اسے دیکھ رہے تھے کہ اچانک وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا اور دور سے ایک آواز آئی:

آواز: کیا تم لقمان ہو؟

لقمانؒ: ہاں میرا نام لقمان ہے۔

آواز: تمھارا بیٹا کیا کہتا تھا؟

لقمانؒ: اے اللہ کے بندے تو کون ہے، میں تیری بات سنتا ہوں لیکن تیرا چہرہ نہیں دیکھتا؟

آواز: میں جبرائیل (علیہ السلام) ہو، مجھے کوئی نبی علیہ السلام ہی دیکھ سکتا ہے۔ تمہارے بیٹے نے تم سے کیا کہا تھا؟

لقمانؒ: کیا آپ علیہ السلام کو معلوم نہیں؟

جبرائیل علیہ السلام: مجھے تمہارے معاملے کا کچھ علم نہیں۔ تم دونوں کے نگہبان فرشتے میرے پاس آئے اور تم دونوں کے بارے میں مجھے بتایا۔ اس سے پہلے مجھے اللہ پاک نے اس شہر، اس کے باشندوں اور مضافات پر عذاب کے نازل کرنے کا حکم دیا تھا تو میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ تم دونوں کو جس طرح چاہے اس بستی سے بچالے۔ اللہ پاک نے تم دونوں کو اس طرح بچالیا۔ اگر تمہارے بیٹے کو پاؤں کی تکلیف نہ پہنچتی تو تم ضرور اس بستی میں پہنچ جاتے[1]۔

---

[1] منہاج القاصدین از امام عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ۔ صفحہ نمبر ۵۶۰

(۴)۔ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم کو بہت زیادہ غمگین دیکھا تو پوچھا: اے عدی! کیا بات ہے، میں تجھے بہت زیادہ غمزدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں؟ حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرے دو بیٹے قتل ہو گئے ہیں اور میری آنکھ ضائع ہو گئی ہے، اس لیے پریشان ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عدی رضی اللہ عنہ جو اللہ پاک کی فیصلوں پر راضی ہو تو اسے آخرت میں اس کا اجر دیا جائے گا۔ جو اللہ عزوجل کے فیصلوں پر راضی نہ ہو اس پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے جاری ہون گے البتہ اسے آخرت میں کوئی اجر نہیں دیا جائے گا[۱]۔

(۵)۔ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ ہجرت کے ارادے مکہ مکرمہ سے نکلے تو کفار قریش نے ان کا راستہ روک لیا اور کہا کہ تم مدینہ نہیں جا سکتے ۔آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ دیکھو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تم میں سب سے بڑا تیرانداز ہوں۔ جب تک ایک بھی تیر میرے ترکش میں باقی رہا تم لوگ میرے قریب نہیں آ سکو گے۔ جب تیر ختم ہو جائیں گے تو میں تمہارے ساتھ اپنی تلوار سے لڑونگا۔ جب تک میرے اندر تلوار اٹھانے کی سکت رہی۔ جب مجھ میں تلوار اٹھانے کی سکت نہ رہی تو تم جو چاہو میرے ساتھ سلوک کر لینا، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اگر تم لوگ مال چاہتے ہو، تو آؤ میں تم کو اپنے مال کا پتہ دے دیتا ہوں، جا کر لے لو، اور میرا راستہ خالی کر دو تا کہ میں اپنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کر سکوں۔ ان لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی یہ بات مان لی۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی خاطر اپنا سب مال و دولت ان کے حوالے کر کے خالی ہاتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر اپنا سب ماجرا رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابو یحییٰ تمہارا یہ سودا کامیاب ہو گیا، ابو یحییٰ تمہارا یہ سودا کامیاب ہو گیا[۲]۔

(۶)۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عہد رسالت میں اپنی بہن کا ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے نکاح کر دیا۔ تھوڑا عرصہ وہ ساتھ رہے پھر اس نے طلاق (ایک طلاق) دے دی اور عدت گزر جانے تک رجوع نہیں کیا۔ یہاں تک کہ عدت گزر گئی۔ میری بہن واپس میرے گھر آ گئی۔ مجھے اپنی بہن کی طلاق کا بہت دکھ ہوا۔

اللہ عزوجل کا کرنا ایسا ہوا کہ کچھ عرصے بعد دونوں کو اپنی اپنی غلطیوں کا احساس ہوا اور پھر ایک دوسرے کو چاہنے لگے۔ چنانچہ دوسرے لوگوں کے ساتھ اس آدمی نے بھی نکاح کا پیغام بھیجا۔ میں نے اسے جواب دیا کہ میں نے پہلے ہی اپنی بہن کو تمہارے نکاح میں دے کر تمہاری عزت افزائی کی تھی اور تم نے اسے طلاق دیتے وقت بالکل بھی اس بات کا خیال نہ کیا۔ اللہ کی قسم! اب دوبارہ وہ کبھی بھی تم سے نکاح نہیں کرے گی۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئیں:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ[۳]

۱۔ تفسیر الدر المنثور از امام جلال الدین سیوطیؒ بحوالہ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۰۷

۲۔ تفسیر الدر المنثور از امام جلال الدین سیوطیؒ بحوالہ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۰۷

۳۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۳۲

(جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو (اے میکے والو) انہیں اس بات سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے (دوبارہ) نکاح کریں، بشرطیکہ وہ بھلائی کے ساتھ ایک دوسرے سے راضی ہو گئے ہوں)

جب معقل رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت سنی تو فرمایا کہ اللہ عزوجل ہی کے لیے سمع و اطاعت ہے۔ میں اللہ پاک کے اس فیصلے پر راضی ہوں اور دل سے پسند کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کا دوبارہ اسی شخص سے نکاح کر دیا[1]۔

(۷)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جلبیب رضی اللہ عنہ کے لئے ایک انصاری عورت سے نکاح کا پیغام اس کے والد کے پاس بھیجا۔ اس نے کہا کہ میں پہلے لڑکی کی والدہ سے مشورہ کرلوں۔ وہ آدمی اپنی بیوی کے پاس گیا اور اس سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ حضرت جلبیب رضی اللہ عنہ ایک غریب صحابی تھے جبکہ لڑکی کے خاندان کا شمار مالدار مسلمانوں میں ہوتا تھا۔ اس لیے بیوی نے فوراً انکار کرتے ہوئے کہہ دیا، بخدا! کسی صورت میں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میری بیٹی کے لیے حضرت جلبیب رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی نہیں ملا۔ ہم نے تو فلاں فلاں رشتے سے انکار کر دیا تھا۔

سعادت مند بیٹی پردے کی اوٹ سے یہ سب سن رہی تھی۔ باہم صلاح و مشورے کے بعد جب وہ آدمی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے مطلع کرنے کے لئے روانہ ہونے لگا تو وہ لڑکی کہنے لگی، کیا آپ لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو رد کریں گے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی اسی میں ہے تو آپ نکاح کر دیں۔ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا پر راضی ہوں۔

یہ بات سنتے ہی والدین کی آنکھوں سے حجاب دور ہو گیا۔ وہ کہنے لگے کہ تم صحیح کہہ رہی ہو۔ چنانچہ اس کا باپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس رشتے پر راضی ہیں تو ہم بھی راضی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں راضی ہوں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جلبیب رضی اللہ عنہ سے اس لڑکی کا نکاح کر دیا۔ اللہ پاک نے دونوں کی زندگی میں بہت زیادہ خیر و برکت عطا فرمائی اور ان کا شمار مالدار لوگوں میں ہونے لگا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس لڑکی کو دیکھا ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ خرچ کرنے والے گھر کی خاتون تھی[2]۔

(۸)۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مقام رضا پر فائز تھے کہ سیدنا علی اصغرؓ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں شہید ہو گئے۔ سیدنا علی اکبرؓ کا لاشہ اپنے ہاتھ سے اٹھا کر لائے۔ بچے پیاس سے بلکتے رہے۔ ایک ایک کر کے پورا خانوادہ قربان ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ لاشیں اٹھاتے رہے، ہوش میں رہے، جوش میں نہ آئے، ضبط میں رہے اور اللہ سبحان و تعالیٰ سے کسی قسم کی شکایت نہ کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے امتحان کے ہر مرحلے پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور ہر حال میں راضی بالرضا رہے۔

(۹)۔ حضرت عتبہ الغلامؒ ایک دفعہ ساری رات صبح تک کھڑے رہے اور یہی کہتے رہے کہ اے اللہ! اگر تو مجھے عذاب دے، تو بھی میں

۱۔ جامع ترمذی۔ جلد دوم: رقم: ۹۱۵

۲۔ مسند احمد۔ جلد پنجم: رقم: ۱۳۸۴

6

تجھے دوست رکھتا ہوں اور اگر تو مجھے بخش دے، تب بھی میں تجھے دوست رکھتا ہوں[1]۔

(۱۰)۔ حضرت ابوعثمان حیریؒ فرماتے ہیں کہ چالیس سال کا عرصہ گذرا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جس مقام پر فائز کیا ہے، میں نے اس پر اظہار ناپسندیدگی نہیں کیا اور جب وہاں سے کسی اور مقام کی طرف منتقل کیا ہے تو بھی مجھے ملال نہیں ہوا[2]۔

(۱۱)۔ اسرائیلی روایات میں ہے کہ ایک عابد نے لمبے عرصے تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ فلاں عورت جنت میں تیری بیوی ہوگی۔ یہ عابد اس عورت کو تلاش کرنے لگا۔ آخر اسے پا لیا۔ عابد نے اُس عورت سے تین دن تک اس کا مہمان بننے کی اجازت مانگی تا کہ وہ اس کی عبادت کا حال معلوم کر سکے۔ عابد نے دیکھا کہ وہ عورت ساری رات سوتی رہتی ہے اور دن کو روزہ بھی نہیں رکھتی۔ بالآخر عابد نے عورت سے پوچھا کہ وہ کون سی عبادت کرتی ہے؟ عورت نے جواب دیا کہ جو آپ نے دیکھا ہے اس کے علاوہ میں کوئی بھی عبادت نہیں کرتی۔ عابد بار بار اس عورت سے یہی سوال پوچھتا رہا۔ عورت نے بتایا اور تو کوئی خاص بات نہیں البتہ مجھ میں ایک عادت ضرور ہے کہ اگر اللہ عزوجل مجھے تنگی میں مبتلا فرماتا ہے تو میں اس کی رضا کے لیے صبر کرتی ہوں اور اسی تنگی کی حالت میں خوش رہتی ہوں۔ اگر خداوند کریم مجھے کسی بیماری میں مبتلا کرتے ہیں تو میں اسی کی رضا کے لیے صبر کرتی ہوں اور اسے رضائے الٰہی سمجھتے ہوئے برداشت کرتی ہوں۔ عابد نے عورت کی یہ بات سنی تو فرمایا کہ اللہ کی قسم یہ بہت عظیم خصوصیت ہے، جس سے عبادت گزار بھی محروم رہتے ہیں[3]۔

(۱۲)۔ امام ابوحنیفہؒ کپڑے کے بڑے سوداگر تھے۔ ایک دفعہ آپؒ کے ملازم نے بتایا کہ آپؒ کے تجارتی سامان کو لانے والا جہاز سمندر میں ڈوب گیا ہے، جس سے کروڑوں کا نقصان ہونے کا خدشہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ چند سیکنڈ خاموش رہے، پھر کہا کہ اللہ عزوجل کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

کچھ عرصہ بعد خبر آئی جو جہاز ڈوبا تھا وہ امام ابوحنیفہؒ کا نہیں بلکہ دوسرے سوداگر کا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کا جہاز ساحل پر لگ گیا ہے اور بہت نفع ہوا ہے۔ ملازم نے خوشی خوشی اطلاع دی۔ امام ابوحنیفہؒ نے کہا۔ یا اللہ تعالیٰ تیرا شکر ہے اور میں ہر حال میں تیرے فیصلوں سے خوش اور راضی ہوں۔

ملازم نے پوچھا، جہاز ڈوبنے کی خبر پر شکر کرنے کا کیا مطلب ہے؟ امام اعظمؒ نے فرمایا: میں نے دونوں دفعہ دل میں دیکھا، معلوم ہوا کہ دل پر خوشی یا ناخوشی کا اثر نہیں ہوا۔ دل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا مال تھا اللہ نے لے لیا۔ دوسری مرتبہ جب جہاز کے ساحل پر لگ جانے اور منافع کثیر کی خبر ملی، تو بھی دل نے کہا اللہ تعالیٰ کا مال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو نقصان ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو نفع ہو گیا۔ میں نے اس بات پر شکر کیا کہ دینے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے، لینے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ راضی برضا ہوں،

۱۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۵۰

۲۔ قوت القلوب از شیخ ابوطالب محمد بن عطیہ حارثی المکیؒ۔ جلد دوم۔ صفحہ نمبر ۱۴۴

۳۔ قوت القلوب از شیخ ابوطالب محمد بن عطیہ حارثی المکیؒ۔ جلد دوم۔ صفحہ نمبر ۱۴۴

اس لئے دونوں مرتبہ میں نے شکر ادا کیا ہے۔

(۱۳)۔ حضرت ذولنون مصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا حال ہے؟ آپؒ نے فرمایا: بڑے مزے میں ہوں، اس شخص کے مزے کا کیا پوچھتے ہو کہ کائنات میں کوئی واقعہ اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتا۔ بلکہ جو واقعہ بھی پیش آتا ہے وہ اس کی مرضی کے عین مطابق ہوتا ہے۔ لہٰذا دنیا کے سارے کام میری مرضی کے مطابق ہو رہے ہیں۔ سوال کرنے والے نے پوچھا کہ حضرتؒ یہ بات تو کبھی کسی کو پیش نہیں آئی کہ دنیا کے تمام امور اس کی مرضی کے مطابق ہو جائیں۔ آپؒ کو یہ مقام کیسے حاصل ہو گیا؟

حضرت ذوالنون مصریؒ نے جواب دیا کہ میں نے اپنی مرضی کو اللہ عزوجل کی مرضی میں فنا کر دیا ہے۔ جو اللہ پاک کی مرضی ہوتی ہے، وہی میری مرضی ہوتی ہے۔ دنیا کے سارے کام اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوتے ہیں اور میری بھی وہی مرضی ہوتی ہے۔ جب سارے کام میری مرضی سے ہو رہے ہیں تو میرے مزے کا کیا پوچھنا۔ پریشانی تو میرے پاس بھی نہیں پھٹکتی، پریشانی تو اس شخص کو ہو، جس کی مرضی کے خلاف کام ہوتے ہوں[۱]۔

(۱۴)۔ حضرت عمران بن حصینؓ کو مرض لاحق ہو گیا اور وہ ایک لمبے عرصے تک بیماری میں مبتلا رہے۔ ان کی یہ حالت تھی کہ نہ اٹھ سکتے تھے نہ ہی بیٹھ سکتے تھے۔ ان کی چارپائی کی رسیوں کو کاٹ کر ان کی قضائے حاجت کا انتظام کیا گیا تھا۔ آپ کے چھوٹے بھائی ملاقات کے لیے آئے تو آپؓ کی یہ حالت دیکھ کر رونے لگے۔

حضرت عمران بن حصینؓ نے اپنے بھائی سے پوچھا کہ روتے کیوں ہو؟ بھائی نے جواب دیا کہ میں آپؓ کو اس شدید تکلیف کی حالت میں دیکھ کر رو پڑا۔ آپؓ نے فرمایا کہ میں اپنے خدا سے ہر حال میں راضی ہوں، خواہ وہ مجھے کسی بھی حال میں رکھے۔ میں نے اپنی رضا کو اللہ پاک کی رضا میں فنا کر دیا ہے اور ہاں سن! فرشتے میری ملاقات کو آتے ہیں۔ میں ان سے محبت کرتا ہوں، وہ مجھ کو سلام کہتے ہیں، میں ان کا سلام سنتا ہوں[۲]۔

(۱۵)۔ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ جنگل میں رہتے تھے اور انہوں نے ایک گدھا پال رکھا تھا، جس پر اسباب لادتے تھے۔ ایک کتا تھا جو مال مویشی کی حفاظت کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ کچھ مرغ بھی پال رکھے تھے۔ اللہ کی شان کہ ایک دن لومڑی آئی اور مرغ پکڑ کر لے گئی۔ ان کی بیوی رونے لگی کہ ہائے مرغ جاتا رہا۔ شیخ نے فرمایا کہ اللہ پاک کے فیصلے پر راضی رہو، اسی میں بہتری ہوگی۔ پھر کچھ دنوں بعد ایک بھیڑیے نے گدھے کو شکار کر لیا۔ اس وقت بیوی پھر رنجیدہ ہوئی تو شیخ نے کہا اس میں خیر تھی، چیخنے چلانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے چند دنوں بعد اچانک کتا مر گیا اور بیوی پھر غمگین ہوئی تو شیخ نے پھر یہی فرمایا کہ غم نہ کرو، اسی میں بھلائی تھی۔

کہتے ہیں کہ کچھ دنوں بعد ایک لشکر اس میدان میں لوٹنے کے لیے آیا اور جتنے بھی گھروں کا ان کو پتہ چلا، سب کو لوٹ لیا اور افراد خانہ کو گرفتار کر کے قیدی بنا لیا گیا۔ صرف یہ بزرگ اور اور ان کی بیوی ہی اس حادثے سے محفوظ رہے۔ جھاڑیوں میں

۱۔ تقدیر پر راضی رہنا چاہیے از مولانا تقی عثمانی۔ صفحہ نمبر ۳۸، ۳۹

۲۔ قوت القلوب از شیخ ابوطالب محمد بن عطیہ حارثی المکیؒ۔ جلد دوم۔ صفحہ نمبر ۱۵۶

چھپے مکانات کالشکر کو اس طرح پتا چلا کہ کسی کا کتا آہٹ پا کر بھونکنے لگا اور کسی کا گدھا رینگ رہا تھا اور کسی کا مرغ آوازیں نکال رہا تھا۔اس وقت بزرگ نے اپنی بیوی سے کہا کہ سوچو! اس بادیہ نشین قوم کی بربادی کا سبب یہی جانور بن گئے۔پس خدا کا فضل تھا کہ ہمارے تینوں جانور پہلے ہی مر گئے ورنہ آج ہم بھی اسی مصیبت میں گرفتار ہوتے[۱]۔

(۱۶)۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ ایک غلام نے بادشاہ کی نافرمانی کی اور بھاگ گیا۔جب بادشاہ کے حکم سے اس کو پکڑ کر لایا گیا تو بادشاہ نے اس کو قتل کر دینے کا حکم دیا۔جونہی جلاد نے قتل کرنے کے لیے تلوار نکالی تو غلام نے بادشاہ کے لیے دعا کرنی شروع کر دی کہ اے خدا پاک اس بادشاہ کے ہاتھوں مجھے ہزاروں نعمتیں ملی ہیں اگر آج اس نے میرے قتل کا حکم دیا ہے تو میں اس کو اپنا خون معاف کرتا ہوں۔کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن میرے خون کے بدلے میں یہ پکڑا جائے اور اس کے دشمن خوش ہوتے پھریں۔بادشاہ نے غلام کے منہ سے یہ دعا سنی تو اس کا غصہ جاتا رہا،قتل کا حکم واپس لے لیا اور اٹھ کر غلام کی پیشانی چومنے لگا اور اس کو انعام واکرام سے نوازا۔

اگر اپنے محسن کے ساتھ تسلیم ورضا والا معاملہ کیا جائے تو بڑے سے بڑا جرم معاف ہوجاتا ہے۔جب بندے اتنے مہربان ہیں تو اللہ عزوجل کی مہربانی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے[۲]۔

۱۔سکون قلب از شیخ اشرف علی تھانویؒ۔صفحہ نمبر ۲۷۸

۲۔حکایات سعدی از شیخ سعدیؒ۔حکایت نمبر ۱۰۵

٦

مقامِ توکل

۱۔ توکل کا مفہوم

(۱)۔ توکل کے لغوی معنی کسی پر بھروسہ کرنے کے ہیں۔ اسلام کی اصطلاح میں اس کا مطلب اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، اسے اپنا کارساز اور وکیل بنانا اور ہر معاملے میں نتیجے کی امید اسی سے کرنا شامل ہیں۔ لیکن اس توکل کا مطلب اسباب سے ماورا کوئی کام کرنا، مادی وسائل کی نفی کرنا اور تدبیر سے گریز کرنا ہرگز نہیں۔ اسی طرح اس توکل کا مطلب اپنی تدبیر ہی کو سب کچھ سمجھنا، محض اسباب پر تکیہ کر لینا بھی نہیں۔ پہلا طریقہ بے عملی، سستی، کاہلی کے طرف لے جاتا ہے تو دوسرا تکبر، انکار خدا، پریشانی اور مادہ پرستی کی جانب لے جاتا ہے۔ اسلام کا تصورِ توکل ان دونوں کے درمیان ہے۔ اللہ پر کامل یقین رکھتے ہوئے شریعت کے دائرۂ عمل میں رہ کر، اللہ کی عطا کردہ فہم و فراست کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی تمام تر جدوجہد صرف کر دینے اور پھر نتیجہ اللہ رب العزت پر چھوڑ دینے کا نام توکل ہے۔

(۲)۔ حضور نبی کریم ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا، توکل کیا ہے؟ تو جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ اس حقیقت کی آگاہی کہ مخلوقات نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتے اور یہ کہ لوگوں کی مدد اور سرمایہ سے امید نہ رکھی جائے۔ جب بندہ ایسا بن جائے تو وہ خدا کے علاوہ کسی کے لیے کام نہیں کرتا اور اس کے علاوہ کسی سے امید نہیں رکھتا ہے اور یہ سب حقائق اور توکل کی سرحدیں ہیں[۱]۔

(۳)۔ عام طور پر توکل کے بارے میں ایک غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ تدبیر سے گریز کو توکل سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت تدبیر اور اسباب کے استعمال کا سبق دیتی ہے۔ مکہ سے مدینہ ہجرت کے وقت مدینے کی مخالف سمت نکلنا، معاملہ خفیہ رکھنا، ایک راہ دکھانے والے سے مدد لینا، غار ثور میں پناہ لینا وغیرہ سب تدابیر تھیں۔ اسی طرح غزوہ بدر میں میدان کا انتخاب، احد میں مدینے سے باہر نکلنا، احزاب میں خندقیں کھودنا وغیرہ وہ سب وسائل تھے جو جنگ جیتنے کے لئے لازمی سمجھے گئے اور آپ ﷺ نے استعمال کیے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا بغیر باندھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنی اونٹنی کو باندھو اور اللہ پر بھروسہ کرو[۲]۔

(۴)۔ حضرت ازرق بن قیسؒ فرماتے ہیں کہ ہم اہواز نامی ایرانی شہر میں ایک نہر کے کنارے تھے جو خشک پڑی تھی۔ پھر ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ گھوڑے پر تشریف لائے اور نماز پڑھی اور گھوڑا چھوڑ دیا۔ گھوڑا بھاگنے لگا تو آپ رضی اللہ عنہ نے نماز توڑ دی اور اس کا پیچھا کیا، آخر اس کے قریب پہنچے اور اسے پکڑ لیا۔ پھر واپس آ کر نماز قضا کی۔ وہاں ایک شخص خارجی تھا، وہ کہنے لگا کہ اس بوڑھے کو دیکھو اس نے گھوڑے کے لیے نماز توڑ ڈالی۔

ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہو کر آئے اور کہا! جب سے میں رسول اللہ ﷺ سے جدا ہوا ہوں، کسی نے مجھ کو ملامت نہیں کی اور انہوں نے کہا! کہ میرا گھر یہاں سے دور ہے، اگر میں نماز پڑھتا رہتا اور گھوڑے کو بھاگنے دیتا تو اپنے گھر رات تک بھی نہ پہنچ پاتا اور انہوں نے بیان کیا کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت میں رہے ہیں اور آپ ﷺ کو ہمیشہ آسان

4

صورتوں کو اختیار کرتے دیکھا ہے[۱]۔

(۵)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک مرض لاحق ہو گیا۔ طبیبوں نے کہا کہ اس مرض کی فلاں دوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں دوا نہیں کھاؤں گا، اللہ تعالیٰ خود شفا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ جب تک تم دوا نہیں کھاؤ گے میں تب تک تمہیں شفا نہیں دوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوا کھائی تو انھیں شفا ملی[۲]۔

(۶)۔ شریعت کے نقطۂ نظر سے اگر کوئی شخص کسی غار میں بیٹھ جائے، جہاں آدم ہو نہ آدم زاد۔ گھاس تک نہ ہو، چٹیل میدان ہو اور پھر بندہ کہے کہ میں توکل کر کے اس غار میں بیٹھ گیا ہوں، ایسا توکل قطعاً حرام ہے[۳]۔

۲۔ توکل کا پس منظر

توکل کے پس منظر کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس دنیا میں مختلف امور کس طرح انجام پاتے ہیں۔

(۱)۔ اس دنیا میں ہر امر اور کام اللہ عزوجل کی اجازت اور حکم سے ہوتا ہے۔

(۲)۔ اللہ کے فعل کا اظہار اس کائنات میں اسباب کے پردے میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ ہر کام کا ایک قاعدہ اور قانون ہے جو اللہ پاک نے خود منتخب کیا ہے۔ مثال کے طور پر بارش برسانے سے پہلے اللہ تعالیٰ بادلوں کو جمع کرتے ہیں وغیرہ۔

(۳)۔ اسی طرح اشیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ مخصوص تاثیر رکھی ہیں۔ چنانچہ آگ کی تپش، برف کی ٹھنڈک، زہر کی ہلاکت خیزی وغیرہ اللہ ہی کے اذن اور ارادے سے پیدا ہوئے ہیں۔

(۴)۔ ان سب باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ ان قوانین کے پابند نہیں ہیں۔ چونکہ یہ تمام قوانین اسی کے بنائے ہوئے ہیں، لہٰذا وہ جب چاہے اپنے ارادے اور مشیت کے تحت ان قوانین میں ترمیم کرتے اور اسباب سے ماورا کام کرتا ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ ولادت یا حضرت ابرہیم علیہ السلام کے لئے آگ کا ٹھنڈا ہوجانا وغیرہ۔

(۵)۔ جب اللہ تعالیٰ ان قوانین اور اسباب سے ماورا کوئی کام کرتا ہے تو اللہ پاک کا اپنا ارادہ، مشیت، حکمت اور قدرت کارفرما ہوتی ہے۔ لیکن انسانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ ان قوانین، اسباب، مادی وسائل اور تدابیر کو بروئے کار لائیں، ان کے مطابق عمل کریں۔ یعنی ایک شخص کے لئے قطعاً یہ جائز نہیں کہ وہ بلاوجہ آگ میں کود جائے اور پھر توقع کرے کہ وہ جلے گا نہیں۔

۳۔ توکل قرآن کی روشنی میں

توکل اللہ عزوجل کی طرف چلنے والوں کی ایک منزل اور توحید پر ایمان لانے والوں کا ایک مقام اور اہل یقین کا ایک درجہ ہے جس کا اللہ عزوجل نے اپنی پاک کتاب میں بار بار ذکر فرمایا ہے۔ ان میں سے کچھ آیت مندرجہ ذیل ہیں:

۲۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی: صفحہ نمبر ۳۶۳

۳۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی: صفحہ نمبر ۳۶۳

(۱)۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ [۱]

(اور مومنوں کو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ بھروسہ کے لائق وہی وحدہ لاشریک ذات ہے، باقی سب سہارے فانی اور بے بنیاد ہیں۔ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔ اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور سب کا حاجت روا و مشکل کشا اور مدد کرنے والا وہی وحدہ لاشریک ہے۔ اس کی توفیق شامل حال ہو جائے تو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں رہتی۔ خدا تعالیٰ جب اپنے بندے کو کچھ دینا چاہتا ہے تو پوری کائنات مل کر اسے روک نہیں سکتی۔ اگر خدا عزوجل اپنے بندے سے کسی چیز کو روک لے تو پھر کوئی اسے عطا نہیں کر سکتا۔ پس ہمیں اپنی طرف سے پوری کوشش کرنی چاہیے اور بھروسہ صرف اور صرف اللہ عزوجل پر رکھنا چاہیے۔

(۲)۔ وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا [۲]

(اور اللہ پر بھروسہ رکھو، وہی بھروسہ کے لیے کافی ہے)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہمیں اپنے نفع نقصان کے لیے اللہ عزوجل پر بھروسہ رکھنا چاہیے کیونکہ وہ سب سے بہتر کارساز ہے۔ اس سے یہ اہم اور بنیادی درس ملتا ہے کہ اہل ایمان کو دشمنوں کے مقابلے میں اور ان کی شرانگیزیوں سے بچنے کیلئے اعتماد و بھروسہ ہمیشہ اسی کارساز وحدہ لاشریک پر رکھنا چاہیے۔ سب کچھ اسی وحدہ لاشریک کے قبضہ وقدرت میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے اور جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے لیے نہ کوئی مشکل ہو سکتی ہے اور نہ کسی طرح کی کوئی رکاوٹ۔

(۳)۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوۡۤا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ [۳]

(اور اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو)

اس آیت پاک سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا ایمان کا تقاضہ ہے۔ بس انسان کو سچی نیت اور توکل علی اللہ کے ساتھ کام کرنا چاہیے۔ اس سے کامیابی کے راستے کھل جاتے ہیں۔ یہی مومن کی شان ہے۔ یہی مومن سے مطلوب ہے۔ صدق نیت اور توکل علی اللہ مومن کی قوت کے دو عظیم الشان ماخذ ہیں۔ جتنی اور جس قدر یہ دونوں چیزیں اس کے اندر پکی اور پختہ ہوں گی اسی قدر اس کو اپنے خالق و مالک کی طرف سے نصرت و امداد سے نوازا جائے گا۔

پس ہمیں اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ ساری کائنات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس میں حکم و تصرف بھی اسی

۱۔ سورۃ آلِ عمران: آیت: ۱۲۲، ۱۶۰، سورۃ المائدہ: آیت: ۱۱، سورۃ التوبہ: آیت: ۵۱، سورۃ ابراہیم: آیت: ۱۱، سورۃ المجادلہ: آیت: ۱۰، سورۃ التغابن: آیت: ۱۳

۲۔ سورۃ النسا: آیت: ۸۱

۳۔ سورۃ المائدہ: آیت: ۲۳

وحدہ لاشریک کا چلتا ہے۔ وہی ہوتا ہے جو اس وحدہ لاشریک کو منظور ہوتا ہے۔ اس کی حکومت اور بادشاہی میں مشیت و مرضی بھی اسی وحدہ لاشریک کی کارفرما ہے۔ پس عقلِ سلیم کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا کے اس دارالاسباب میں اسباب و وسائل پوری طرح اپنانے اور اختیار کرنے کے بعد بھروسہ اور اعتماد ہمیشہ اللہ وحدہ لاشریک پر ہی کرنا چاہیے۔

(۴)۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭاِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ [۱]

(اور اللہ پر بھروسہ کرو، یقیناً وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے)

اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ عزوجل ہمارے حالات سے باخبر ہے سو ہمیں ہمیشہ بھروسہ اللہ ہی پر رکھنا چاہیے۔ وہی کارساز اور مالک و مختار ہے۔ بھروسہ و اعتماد کے لائق صرف وہی ذاتِ بابرکات ہے۔ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ وہ ہمارے سارے احوال سے بخوبی واقف ہے۔ ہماری مشکلات و مصائب کا اسے علم ہے۔ ہمارا کوئی قول اور فعل اس سے چھپا ہوا نہیں ہوتا۔

پس جب اللہ تعالیٰ ہمارے سارے احوال سے باخبر ہے تو ہمیں صرف اور صرف اسی پر توکل کرنا چاہیے۔ اسی سے مدد مانگنی چاہیے۔ وہ ہمارا خالق و مالک ہے۔ وہ اپنے بندوں سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ ساری کائنات اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ جب چاہے اور جسے چاہے آزمائش میں ڈال دے اور جب چاہے آزمائش سے نکال لے۔

(۵)۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ڶ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭعَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ [۲]

(کہہ دیجیے مجھے اللہ ہی کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہی عرش عظیم کا رب ہے)

اس آیت پاک سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(i)۔ مسلمان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

(ii)۔ صرف اللہ ہی مشکل کشا اور حاجت روا ہے۔

(iii)۔ مدد کے لیے صرف اور صرف اللہ عزوجل کو ہی پکارنا چاہیے۔

(iv)۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے عرش کا مالک ہے۔

(v)۔ سب لوگ ساتھ چھوڑ جائیں تو بھی مومن کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔

(vi)۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔

(vii)۔ ہم سب کو صرف اور صرف اسی کی ہی عبادت کرنی چاہیے۔

۱۔ سورۃ الانفال: آیت: ۶۱

۲۔ سورۃ التوبہ: آیت: ۱۲۹

(۶)۔ اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰہِ فَعَلَیۡہِ تَوَکَّلُوۡۤا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّسۡلِمِیۡنَ [۱]

(لوگو! اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ کرو، اگر مسلمان ہو)

اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو اللہ پر توکل کے تقاضوں کی یاددہانی کراتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اگر تم لوگ واقعی اور سچے دل سے اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو۔ راہ حق میں تم لوگوں کو کسی کا ڈر یا لحاظ آڑے نہیں آنا چاہیے۔ بلکہ تمہیں سب سے بے نیاز و بے پروا ہو کر اللہ کی راہ میں آگے بڑھنا چاہیے۔ دل کا بھروسہ اللہ ہی پر رکھنا چاہیے۔ وہی پیش آنے والی مشکلات میں ہمارا حامی و ناصر ہوگا۔ سب کچھ اسی وحدہ لاشریک کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔ ایمان کا لازمی تقاضا توکل علی اللہ ہے۔ اس توکل کا تقاضا ہے کہ انسان بالکلیہ اپنے آپ کو اپنے رب کے حوالے کر دے۔ یہی حوالگی و سپردگی اصل ایمان ہے۔

(۷)۔ فَاعۡبُدۡہُ وَتَوَکَّلۡ عَلَیۡہِ [۲]

(اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو)

اس آیت پاک میں ہمیں نصیحت کی گئی ہے کہ بھروسہ ہمیشہ اسی وحدہ لاشریک پر رکھنا چاہیے۔ بھروسہ رکھنے کے قابل صرف وہی وحدہ لاشریک ہے۔ یہ پوری کائنات اور اس میں پائی جانے والی ہر شے اور اس کے اندر نفع دینے یا نقصان پہنچانے کی خاصیت و تاثیر اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔ اس لیے عبادت بھی صرف اور صرف اسی ذات کی کرنی چاہیے۔

(۸)۔ وَعَلَیۡہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُتَوَکِّلُوۡنَ [۳]

(اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے)

اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ انسانوں کو اللہ عزوجل کی ہی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اللہ پاک کی ہی ذات بابرکات ایک ایسی ذات ہے جس پر انسان اپنی روزمرہ زندگی میں بھروسہ کر سکتا ہے۔ اس کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف وہی وحدہ لاشریک ہے۔ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔ کائنات کی کوئی چیز بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ وہی کارساز ہے۔ کائنات میں وہی کام سرانجام پاتے ہیں جو اللہ پاک کو منظور ہوتے ہیں۔

(۹)۔ قُلۡ ہُوَ رَبِّیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَاِلَیۡہِ مَتَابِ [۴]

(ان سے کہو کہ وہی میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ

۱۔ سورۃ یونس: آیت: ۸۴

۲۔ سورۃ ہود: آیت: ۱۲۳

۳۔ سورۃ یوسف: ۶۷

۴۔ سورۃ الرعد: آیت: ۳۰

4

(i)۔ ہم سب کا پروردگار وہی اللہ عزوجل ہی ہے۔

(ii)۔ اللہ پاک وحدہ لاشریک ہے۔

(iii)۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(iv)۔ اللہ عزوجل ہی بھروسہ کرنے کے لائق ہے۔

(v)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسی پر توکل کیا تھا۔

(vi)۔ ہم سب کو آخرکار اللہ عزوجل ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

(vii)۔ ہمیں جائزہ لینا چاہیے کہ ہم نے آخرت کے لیے کیا تیاری کی ہے۔

(viii)۔ اللہ عزوجل سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے۔

(۱۰)۔ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ [1]

(اور ہم کیوں نہ اللہ پر بھروسہ کریں؟ جب کہ ہماری زندگی کی راہوں میں اس نے ہماری رہنمائی کی ہے۔ جو اذیتیں تم لوگ ہمیں دے رہے ہو ان پر ہم صبر کریں گے اور بھروسہ کرنے والوں کا بھروسہ اللہ ہی پر ہونا چاہیے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ہر مصیبت اور مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرتے تھے اور اپنے ماننے والوں کو بھی یہی تعلیم دیتے تھے۔ پس آیت مبارکہ سے درج ذیل نکات سمجھ آتے ہیں:

(i)۔ حالات جیسے بھی ہوں ہمیں اپنے رب پر ہی توکل کرنا چاہیے۔

(ii)۔ توکل علی اللہ کا ہماری زندگی پر یہ اثر ہونا چاہیے کہ بے پناہ مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود ایمان میں کوئی کمی نہیں آنی چاہیے۔

(iii)۔ ظلم پر صبر کرتے ہوئے یہ ایمان اور اعتماد رکھنا چاہیے کہ ہمارا رب ہماری ضرور مدد فرمائے گا۔

(iv)۔ اللہ پر بھروسہ کرنے کی بہت سی وجوہات ہیں۔ جیسا کہ

(ا)۔ اللہ عزوجل نے اپنی خاص مہربانی سے ہمیں ہدایت عطا فرمائی۔

(ب)۔ اللہ پاک نے ہمیں توحید پر کاربند فرمایا۔

(ج)۔ اللہ سبحان وتعالیٰ نے ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی۔

(د)۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام پر استقامت عطا فرمائی۔

(v)۔ پس ہمیں ہر حال میں اللہ عزوجل پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

---

[1]۔ سورۃ ابراہیم: آیت: ۱۲

(۱۱)۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ [۱]

(اس ہمیشہ زندہ رہنے والے اللہ تعالیٰ پر توکل کرو جسے کبھی موت نہیں اور اس کی تعریف کے ساتھ پاکیزگی بیان کرتے رہو)

اس آیت پاک میں صبر و توکل کے صحیح طریقے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے۔ توکل کی بنیاد اور اس کے حصول کے ذریعے اور اس کے انجام سے آگہی دیتے ہوئے مندرجہ ذیل نکات کو بیان کیا گیا ہے:

(i)۔ اللہ عزوجل کی ذات بابرکات ازلی وابدی ہے۔

(ii)۔ یہ شان صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی کو حاصل ہے۔

(iii)۔ ہر خوبی کا مالک اور ہر خوبی سے سرفراز کرنے والا وہی وحدہ لاشریک ہے۔

(iv)۔ اللہ عزوجل ہر شائبۂ نقص وعیب سے پاک اور ان سے اعلیٰ و بالا ہے۔

(v)۔ بھروسہ واعتماد ہمیشہ اس ذات واحد پر کرنا چاہیے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی۔

(vi)۔ توکل و بھروسہ کے حصول اور سرفرازی کے لئے اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح بیان کرنی چاہیے۔

(۱۲)۔ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا [۲]

(اللہ پر توکل کرو اور اللہ کافی کارساز ہے)

اس آیت پاک میں ہمیں نصیحت کی گئی ہے کہ توکل اور بھروسہ ہمیشہ اللہ سبحان وتعالیٰ کی ذات پر رکھا جائے۔ اس کی کارسازی کے ساتھ کسی اور کی کارسازی کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کو کسی اور سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم وحکمت کامل ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے تو پھر اس کے در کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف جھکنے کی ضرورت ہی کیا ہوسکتی ہے؟ اس وحدہ لاشریک کے سوا دوسری کوئی بھی ہستی ایسی نہیں جو اس شان کی مالک ہو تو پھر اس کے سوا اور کون ہوسکتا ہے جس پر بھروسہ اور اعتماد کیا جائے۔ سو بھروسہ اور اعتماد کے لائق وہی وحدہ لاشریک ہے۔

(۱۳)۔ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ [۳]

(اسے ان لوگوں پر تسلط حاصل نہیں ہوتا جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں)

اس آیت پاک میں اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ شیطان کے شر سے محفوظ کون لوگ ہوتے ہیں اور اس کا شکار کون بنتے ہیں۔ اللہ کے ان خاص بندوں پر شیطان کا کوئی زور اور اثر نہیں ہوتا جو ایمان رکھتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس کا اثر اور زور تو انہی لوگوں پر چلتا ہے جو شیطان سے دوستی کرتے اور اس کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ ایمان ویقین کی دولت

---

[۱]۔ سورۃ الفرقان: آیت: ۵۸

[۲]۔ سورۃ الاحزاب: آیت: ۳

[۳] سورۃ النحل: آیت: ۹۹

4

اورتوکل علی اللہ کی سعادت ایک ایسی عظیم الشان دولت اور بے مثال سعادت ہے جوانسان کوشیطان کے شر سے محفوظ رکھتی ہے۔ شیطان کے شر سے محفوظ رہنے سے دنیاوآخرت کی سعادت وسرخروئی حاصل ہوجاتی ہے۔پس اللہ پاک کی ذات پر بھروسہ رکھنا انسان کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

(۱۴)۔ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ [۱]

(پس اللہ پرتوکل کرو، اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)

اس آیت پاک سے مندرجہ ذیل نکات سمجھ آتے ہیں:

(i)۔ اللہ پاک پر ہی توکل کرنا چاہیے۔

(ii)۔ اللہ عزوجل توکل علی اللہ کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔

(iii)۔ اللہ عزوجل کی محبت دنیاوآخرت میں کامیابی وسرفرازی کا ذریعہ ہے۔

(iv)۔ لہٰذا توکل علی اللہ کرنے والا دنیاوآخرت میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

۴۔ توکل احادیث کی روشنی میں

احادیثِ مبارکہ میں توکل کی اہمیت کو کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

(۱)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات کوتہجد کی نماز پڑھنے کیلئے کھڑے ہوتے تو یہ دعافرماتے ،جس کا ایک حصہ یہ ہے:

اللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ [۲]

(اے اللہ! میں تیرا ہی فرمانبردار ہوں اور تجھی پر ایمان لایا ہوں اور تجھی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور میں تیری ہی طرف متوجہ ہوتا ہوں)

(۲)۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشادفرمایا: جب تو اپنے بستر پر آئے تو وضوکرلے اور پھر اپنی دائیں کروٹ پرلیٹ جا اور کہہ

اللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ رَهْبَةً وَرَغْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَى مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ [۳]

۱۔سورۃ آلِ عمران: آیت:۱۵۹

۲۔صحیح بخاری۔جلداول:رقم:۱۰۷۲

۳۔سنن ابوداؤد۔جلدسوم:رقم:۱۶۳۸

(اے اللہ میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیا اور اپنے تمام امور تیری طرف تفویض کر دیئے اور اپنی پشت تیری طرف کر دی۔ تیری ذات پر مکمل بھروسہ کیا رغبت و رہبت میں تیرے علاوہ کوئی ٹھکانہ نہیں، تجھ سے بچ کر کہیں جائے امان نہیں، جو کتاب تو نے نازل کی، اس پر ایمان لایا۔ جو نبی علیہم السلام تو نے بھیجے ان پر ایمان لایا)

(۳)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص گھر سے نکلے یہ کلمات کہے:

بِسۡمِ اللّٰہِ تَوَکَّلۡتُ عَلَی اللّٰہِ لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ إِلَّا بِاللّٰہِ[1]

(اللہ کے نام سے میں نے اس پر بھروسہ کیا، گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی قوت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے)

(۴)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے تورات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔ تورات میں بیان کیا گیا ہے کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم نے تم کو گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور ان پڑھ لوگوں کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تم ہمارے بندے اور میرے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہو۔ تمہارا نام ہم نے متوکل رکھا ہے[2]۔

(۵)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رات کے وقت ہم لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ جب صبح کو حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آج رات میرے سامنے مختلف انبیا کرام علیہم السلام کو ان کی امتوں کے ساتھ پیش کیا گیا۔ چنانچہ ایک نبی علیہ السلام گزرے تو ان کے ساتھ صرف تین آدمی تھے۔ ایک نبی علیہ السلام گزرے تو ان کے ساتھ ایک چھوٹی سی جماعت تھی۔ ایک نبی علیہ السلام گذرے تو ان کے ساتھ ایک گروہ تھا اور کسی نبی علیہ السلام کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔

حتیٰ کہ میرے پاس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گذر ہوا جن کے ساتھ بنی اسرائیل کی بہت بڑی تعداد تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے تعجب ہوا اور میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ان کے ساتھ بنی اسرائیل کے لوگ ہیں۔ میں نے پوچھا کہ پھر میری امت کہاں ہے؟ مجھ سے کہا گیا کہ اپنی دائیں جانب دیکھیے، تو ایک ٹیلہ لوگوں کے چہروں سے بھرا ہوا نظر آیا۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ اپنی بائیں جانب دیکھیے، میں نے بائیں جانب دیکھا تو افق لوگوں کے چہروں سے بھرا ہوا نظر آیا۔ پھر مجھ سے کہا گیا کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی ہیں؟ میں نے کہا اے پروردگار! میں راضی ہوں، میں خوش ہوں۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ ان لوگوں کے ساتھ ستر ہزار ایسے بھی ہوں گے جو بلا حساب کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا: اگر تم ستر ہزار والے افراد میں شامل ہو سکو تو ایسا ہی کرو۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو ٹیلے والوں میں شامل ہو جاؤ اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو افق والوں میں شامل ہو جاؤ۔ کیونکہ میں نے وہاں بہت سے لوگوں کو ملتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ سن کر عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر پوچھنے لگے یا رسول

---

[1]۔ جامع ترمذی۔ جلد دوم: رقم: ۱۳۷۹

[2]۔ صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم: ۲۰۴۳

4

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ! کیا میں بھی ان میں شامل ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں عکاشہ (رضی اللہ عنہ) تم انہی ستر ہزار لوگوں میں شامل ہو۔ پھر ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور پوچھنے لگے کہ میں بھی انہی ستر ہزار افراد میں شامل ہوں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: عکاشہ (رضی اللہ عنہ) تم پر سبقت لے گئے۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اٹھے اور گھر تشریف لے گئے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپس میں یہ بحث کرنے لگے کہ بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل ہونے والے یہ لوگ کون ہوں گے؟ بعض کہنے لگے کہ ہوسکتا ہے یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوں؟ بعض نے کہا کہ شاید اس سے مراد وہ لوگ ہوں جو اسلام کی حالت میں پیدا ہوئے ہوں اور انہوں نے اللہ کے ساتھ کبھی شرک نہ کیا ہو؟ اسی طرح کچھ اور آراء بھی لوگوں نے دیں۔

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: یہ ستر ہزار وہ لوگ ہوں گے جو داغ کر علاج نہیں کرتے، جھاڑ پھونک اور منتر نہیں کرتے، بدشگونی نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں[۱]۔

(۶)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم اللہ پر ایسا توکل کرو جیسا کہ ہونا چاہیے، تو وہ تم کو اس طرح سے روزی دے گا جیسے پرندوں کو دیتا ہے۔ صبح کو وہ بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے ہوئے آتے ہیں[۲]۔

(۷)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں اللہ کا یہ ارشاد سنایا: میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوتا ہوں اور جب وہ مجھے پکارتا ہے، تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں[۳]۔

(۸)۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا کا زہد یہ نہیں کہ آدمی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرلے اور نہ یہ ہے کہ اپنا مال تباہ کردے۔ بلکہ زہد اور درویشی یہ ہے کہ آدمی کو اس مال پر جو اس کے ہاتھ میں ہے اس سے زیادہ بھروسہ نہ ہو جتنا اس مال پر ہے جو اللہ کے ہاتھ میں ہے[۴]۔

(۹)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت میں کچھ ایسی قومیں داخل ہوں گی کہ جن کے دل نرم مزاجی اور توکل علی اللہ میں پرندوں کی طرح ہوں گے[۵]۔

(۱۰)۔ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: دجال کا سر پیچھے سے ایسا محسوس ہوگا کہ اس میں راستے بنے ہوئے ہیں۔ سو جو اسے اپنا رب مان لے گا وہ فتنے میں مبتلا ہو جائے گا اور جو اس کی تکذیب کرکے کہہ دے گا کہ میرا

۱۔ مسند احمد۔ جلد دوم: رقم: ۱۸۷۵

۲۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۶۴

۳۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۲۲۰۴

۴۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۰۰

۵۔ صحیح مسلم۔ جلد سوم: رقم: ۲۶۶۱

اللہ میرا رب ہے اور میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں، تو وہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا[1]۔

(۱۱)۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے داغ دلوایا یا جھاڑ پھونک کی وہ اہل توکل کے زمرے سے نکل گیا[2]۔

۵۔ توکل کے ارکان

توکل کے تین ارکان ہیں:

(۱)۔ معرفت۔ توکل کا پہلا رکن معرفت ہے۔ یعنی توحید جس کا اقرار کلمہ توحید سے ہوتا ہے کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا ملک ہے اور اسی کی حمد وثنا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس میں اس کا اقرار ہے کہ حق تعالیٰ قدرت اور وجود اور حکمت میں وہ کمال رکھتا ہے جس کی وجہ سے حمد کا مستحق ہے بس جس نے صدق اور اخلاق کے ساتھ اس کا اقرار کر لیا اس کے قلب میں اصل میں ایمان راسخ ہو گیا اور اب توکل کی حالت ضرور پیدا ہو گی۔

جب دل پر توحید کا مضمون کھل جاتا ہے تو انسان کا دل اس سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو دل غیر اللہ کے تعلق سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ عارف اپنے دل میں صرف اللہ تعالیٰ کو موثر سمجھتا ہے اور غیر اللہ کو غیر موثر۔ توکل اس کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔

(۲)۔ حال۔ توکل کا دوسرا رکن حال ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ بندہ اپنا کام خدا کے سپرد کر دے اور قلب کو مطمئن رکھے کہ غیر اللہ کی طرف التفات بھی نہ کرے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ جیسے کوئی آدمی کسی اعلیٰ وکیل کو اپنے مقدمے میں وکیل بنا کر مطمئن اور بے فکر ہو جایا کرتا ہے۔ کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ وکیل عقل مند اور اس کا خیر خواہ ہے، وہ حریف کو کبھی بھی غلبہ نہیں پانے دے گا۔ اسی طرح جب بندہ جانتا ہو کہ رزق اور موت وحیات اور مخلوق کے چھوٹے بڑے سارے کام خدا ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس کی جود وسخا اور حکمت ورحمت کی کوئی انتہا نہیں۔ پھر بندہ اپنے قلب کو توکل علی اللہ میں مطمئن پاتا ہے۔

توکل کا دوسرا رکن پہلے رکن کا حاصل ہے۔ یعنی سالک اپنا کام خدا کے حوالے کر دیتا ہے۔ قلب کو مطمئن رکھتا ہے اور غیر اللہ کی طرف قطعی متوجہ نہیں ہوتا۔ وہ اسباب کو اللہ عزوجل کے حکم کی وجہ سے اختیار کرتا ہے اور نتائج کے حوالے سے اس کا دل اللہ پاک کی طرف ہی متوجہ رہتا ہے۔

(۳)۔ اعمال۔ توکل کا تیسرا رکن دوسرے رکن کا نتیجہ ہے۔ سالک خدا پر نظر رکھتے ہوئے اس کی مرضی کے مطابق سبب اختیار کرتا ہے۔ لیکن اس سبب کو مؤثر نہیں سمجھتا بلکہ خدا کے حکم پر اس کی نظر ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے ارادے کو اپنے ساتھ کرنے کے

---

[1]۔ مسند احمد۔: جلد ششم: رقم: ۲۰۷۶

[2]۔ جامع ترمذی۔ جلد اول: رقم: ۲۱۴۹

4

لئے دعا اور اعمال صالحہ کا اہتمام کرتا ہے۔ وہ سبب سے نہیں بھاگتا بلکہ سبب میں دل کے مشغول ہونے اور اللہ پاک سے غافل ہونے سے بھاگتا ہے۔

۶۔ توکل کی اقسام

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب دنیا کے تمام یا زیادہ تر کام اسباب کے تحت ہو رہے ہیں تو پھر اللہ پر توکل کی کیا ضرورت ہے؟ یا آیا توکل صرف ان امور میں کیا جا سکتا ہے جن میں انسانی تدبیر کا عمل دخل نہیں؟ انسان کے دنیاوی معاملات دو طرح کے ہوتے ہیں۔ اختیاری اور غیر اختیاری۔ اس حوالے سے توکل کی بھی دو اقسام ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)۔ غیر اختیاری معاملات میں اللہ پر بھروسہ: غیر اختیاری امور سے مراد وہ معاملات ہیں جو انسانی دسترس سے باہر ہیں اور کوئی تدبیر ممکن نہیں۔ مثلاً ایک شخص اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے فجر کی نماز پڑھنے منہ اندھیرے گھر سے نکلتا ہے۔ راستے میں کوئی چور یا ڈاکو اسے نقصان پہنچا سکتا ہے اور اس نقصان سے بچنا اس کے اختیار میں نہیں۔ چنانچہ وہ شخص بھروسہ رکھتا ہے کہ اللہ اسے کسی چور لٹیرے کے نقصان سے محفوظ رکھے گا۔ اسی طرح قدرتی آفات، حادثات، مالی نقصانات اور بیماریوں میں بہت سے معاملات غیر اختیاری ہوتے ہیں اور ان میں اللہ پر بھروسہ رکھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ البتہ تمام احتیاطی تدابیر کو بروئے کار لانا چاہیے۔

(۲)۔ اختیاری معاملات میں اللہ پر توکل: دوسری طرح کے امور وہ ہوتے ہیں جو بظاہر انسان کی دسترس میں ہوتے ہیں۔ جیسے محنت کر کے امتحان میں کامیابی حاصل کرنا، تدبیر سے کاروبار کا منافع کمانا، دوا سے بیماری کا علاج کرنا یا احتیاط سے آنے والی مصیبت کا تدارک کرنا وغیرہ۔ ان امور میں انسان کو چاہیے کہ اس کے بس میں جو کچھ اسباب اور تدابیر ہیں انہیں بروئے کار لانے کی کوشش کرے اور پھر نتیجہ اللہ پر چھوڑ دے۔

مثال کے طور پر امتحان میں کامیابی کے لئے ایک طالب علم سارا سال کلاسیں لیتا اور کام مکمل کرتا ہے۔ پھر امتحان بھی دیتا ہے اور اس کا نتیجہ اللہ سبحان وتعالیٰ پر چھوڑ کر بھروسا کرتا ہے کہ اللہ اسے کامیاب کرے گا۔ لیکن اس تجزیئے کے ساتھ ہی یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ جب طالب علم نے خود ہی تمام محنت کر لی تو پھر اللہ کی مدد و نصرت کے کیا معنی؟ وہ تو ویسے ہی اپنی محنت کے بل بوتے پر پاس ہو جائیگا تو پھر توکل کیسا؟

اس شبہ کا جب بغور جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ طالب علم کا امتحان میں پاس ہونا محض محنت کرنے پر ہی منحصر نہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی دوسرے عوامل ہیں جن کی غیر موجودگی اسے ناکامی سے دوچار کر سکتی ہے۔ مثال کے طور پہ عین ممکن ہے کہ وہ امتحانی ہال میں سارا یاد کیا ہوا بھول جائے یا اس کی طبیعت خراب ہو جائے اور وہ پرچہ دینے سے قاصر ہو یا چیک کرنے والا کوئی غلطی کر بیٹھے وغیرہ۔

لہٰذا تمام معاملات کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محنت کامیابی کے عوامل میں سے ایک سبب ہے۔ اس کی

اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے لیکن کوئی بھی دوسرا سبب اس محنت کو اکارت کرسکتا ہے۔ پس ایک بندۂ مومن اپنے حصے کا کام کرنے کے بعد نتیجہ کے لئے اللہ پاک پر بھروسا کرتا ہے۔ اسی سے مدد مانگتا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام عوامل پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔

۷۔ توکل کے درجات

توکل کے تین درجے ہیں:

(۱)۔ توکل کا پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ کا توکل اپنے پروردگار پر ایسا ہو جیسا کہ موکل کا اپنے وکیل پر ہوتا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کام کو خود نہیں سمجھ سکتے اس کو دوسروں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا توکل کا پہلا درجہ یہی ہے کہ ضروری تدبیر کر کے نتیجہ دل سے خدا کے سپرد کیا جائے کہ وہی جانتا ہے کہ کس چیز میں ہماری خیر ہے۔ یہ عام لوگوں کا توکل ہے۔

(۲)۔ توکل کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ متوکل کا حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہو جیسے بچے کا اپنی ماں کے ساتھ ہوتا ہے۔ بچہ اپنی ماں کے علاوہ کسی کو نہیں جانتا یا پہچانتا۔ اس کے سوا کسی سے فریاد نہیں کرتا، اس کے علاوہ کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔ جب بھی اپنی ماں کو دیکھتا ہے تو اس کے بدن سے لپٹ جاتا ہے۔ ماں اسے مارتی بھی ہے تو اسی کے دامن میں پناہ لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی موجودگی میں یا عدم موجودگی میں کوئی تکلیف دہ واقعہ پیش آ جائے تو زبان پر سب سے پہلے ماں ہی کا نام آتا ہے۔ ماں کی گود ہی بچے کا ٹھکانہ ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ماں پر اعتماد اور یقین بچے کی فطرت بن چکی ہے۔ لیکن اگر اس سے اس کی عادت اور فطرت کے متعلق پوچھا جائے تو وہ اس کی وضاحت نہیں کرسکتا نہ ہی اس کی تفصیل ذہن میں لاسکتا ہے۔

جس بندے کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا اور اس کی نظر صرف اسی کے کرم پر ہوگی اور اس کی عطا و بخشش پر اعتماد رکھتا ہوگا وہ اس سے اسی طرح محبت کرے گا جس طرح بچہ اپنی ماں سے کرتا ہے۔ حقیقت میں یہی شخص متوکل ہے۔

پہلے درجے اور دوسرے درجے میں فرق یہ ہے کہ پہلے درجے والا شخص بتکلف توکل اختیار کرتا ہے جبکہ دوسرے درجے والا اس حد تک توکل پر عمل پیرا ہے کہ توکل میں فنا ہو کر رہ گیا ہے۔ وہ توکل اور اس کی حقیقت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، بلکہ صرف اور صرف اس ذات کی طرف متوجہ رہتا ہے جس پر توکل کیا جاتا ہے۔ اس کے سوا اس کے دل میں کسی کی گنجائش نہیں ہوتی۔

(۳)۔ توکل کا تیسرا درجہ جو سب سے اعلیٰ ہے یہ ہے کہ متوکل اپنی حرکات و سکنات میں اللہ عزوجل کے سامنے ایسا ہو جیسے مردہ غسل دینے والے کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ یعنی اپنے نفس کو مردہ تصور کرلے، جس طرح غسل دینے والے کا ہاتھ مردے کو حرکت دیتا ہے، اسی طرح متوکل کو اس امر کا پختہ یقین ہوتا ہے کہ حرکت، قدرت، ارادہ، علم، اور تمام صفات کا سرچشمہ صرف ایک ہی ذات بابرکات اللہ عزوجل کی ذات ہے۔

ایسا شخص اس بچے سے مختلف ہے جو اپنی ماں کے پیچھے دوڑتا ہے، اس کا دامن پکڑ کر کھینچتا ہے اور اس سے فریاد کرتا

4

ہے۔ جب کہ یہ شخص اس بچے کی طرح ہے جسے یہ امید ہو کہ اسے اس کی ماں خود ڈھونڈ لے گی، اگر وہ اس کا دامن نہ بھی تھامے گا تب بھی وہ اسے گود میں اٹھا لے گی اور اگر دودھ نہ بھی مانگے گا تو ماں خود پہل کر کے اسے دودھ پلا دے گی۔

توکل کے اس درجے کا تقاضا یہ ہے کہ متوکل اللہ تعالیٰ کے کرم اور اس کی توجہات پر اعتماد کر کے اپنے لیے کوئی سوال نہ کرے اور یقین رکھے کہ وہ مانگے بغیر ہی عطا کرنے والا ہے۔ اس نے پہلے ہی بے شمار نعمتیں بلا طلب اور بلا استحقاق عطا کر رکھی ہیں۔ اس درجے کا متوکل دعا صرف اس لیے کرتا ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے دعا مانگنے کا حکم دیا ہے۔ یہ آخری اور انتہائی درجے کا توکل ہے۔ اسے خاص الخواص کا توکل بھی کہتے ہیں۔

۸۔ توکل سے متعلق غلط تصورات

توکل علی اللہ سے متعلق مسلمانوں میں بہت زیادہ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ ان غلط تصورات کا جائزہ لینا اور سمجھنا ضروری ہے ورنہ اس کے نتائج دنیا اور آخرت میں منفی نکل سکتے ہیں۔

(۱)۔ مادی وسائل کے استعمال سے گریز: عام طور پر توکل کا مطلب تدبیر، اسباب اور مادی وسائل کا انکار سمجھا جاتا ہے۔ مادی وسائل کو ساتھ لینا توکل کے مخالف سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ اسباب کو اختیار کرنا توکل کے برخلاف نہیں۔ مثلاً

(i)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بعض لوگ حج کرتے تھے مگر سفر خرچ ساتھ نہ رکھتے تھے ابو مسعود نے کہا یمن کے لوگ حج کرتے تھے اور سامان سفر ساتھ نہ رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو توکل کرنے والے ہیں تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَتَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى [1]

(سامان سفر ساتھ لو اور سب سے بہتر سامان سفر پرہیز گاری ہے)

(ii)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا، کیا اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا بغیر باندھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی اونٹنی کو باندھو اور اللہ پر بھروسہ کرو [2]۔

(iii)۔ شریعت کے نقطۂ نظر سے اگر کوئی شخص کسی غار میں بیٹھ جائے، جہاں آدم ہو نہ آدم زاد۔ گھاس تک نہ ہو، چٹیل میدان ہو اور پھر بندہ کہے کہ میں توکل کر کے اس غار میں بیٹھ گیا ہوں، ایسا توکل قطعاً حرام ہے [3]۔

(۲)۔ تدبیر سے گریز: کچھ لوگ تدبیر سے گریز کو توکل سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ مالک ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت تدبیر اور

۱۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۱۹۷

۲۔ جامع ترمذی۔ جلد دوم: رقم: ۴۱۷

۳۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی: صفحہ نمبر ۳۶۳

اسباب کے استعمال کا سبق دیتی ہے۔ مکہ سے مدینہ ہجرت کے وقت مدینے کی مخالف سمت نکلنا، معاملہ خفیہ رکھنا، ایک راہ دکھانے والے سے مدد لینا، غار ثور میں پناہ لینا وغیرہ سب تدابیر تھیں۔ اسی طرح غزوہ بدر میں میدان کا انتخاب، احد میں مدینے سے باہر نکلنا، احزاب میں خندقیں کھودنا وغیرہ وہ سب تدابیر تھیں جو جنگ جیتنے کے لئے لازمی سمجھی گئیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تدبیر اور وسائل کو بھرپور طریقے سے استعمال کیا لیکن ان اسباب پر کبھی کامل تکیہ نہیں کیا۔ مکہ فتح کرنے سے قبل اس کی پوری منصوبہ بندی کی اور جب فتح مل گئی تو خدا پر توکل اور نصرت کو فوقیت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے یگانہ ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا تمام لشکروں کو شکست دی۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تدابیر اور اسباب کی تحسین کی بجائے سارا کریڈٹ اللہ تعالیٰ کو دے دیا۔

(۳)۔ ممکن و ناممکن کی تفریق: کچھ گروہ کسی ناممکن اہداف کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور اس کو توکل سمجھتے ہیں۔ جیسے کچھ جماعتیں کسی منصوبہ بندی کے بغیر پوری دنیا پر اسلامی حکومت نافذ کرنے کے خواب دیکھتی ہیں۔ اس ضمن میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ہے کہ مطلوبہ طاقت نہ ہونے کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کی، مدینے میں تیاری کی، مسلم معاشرہ کی تشکیل اور تربیت کی، یہاں تک کہ ۸ ہجری میں مکہ فتح کرنے کا قصد کیا۔ اگر ناممکن مقاصد کو حاصل کرنا توکل تھا تو غزوہ بدر، احد اور احزاب میں دفاع کی بجائے مکہ پر حملہ کر دینا چاہیے تھا۔

(۴)۔ لاپرواہی، سستی اور کاہلی کو توکل سمجھنا: عام طور پر اللہ پاک کو خالق و مالک و رازق سمجھتے ہوئے عملی کوشش کو ترک کر دیا جاتا ہے۔ لوگ اس عمل کو توکل کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ توکل نہیں بلکہ انسان کی اپنی سستی، کاہلی اور بے عملی ہے۔ جبکہ توکل کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب بندے نے اپنے کرنے کا کام کر لیا ہو۔

۹۔ توکل کا طریقہ کار

توکل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل طریقہ کو ملحوظ رکھنا چاہئے:

(۱)۔ سب سے پہلے یہ جائزہ لینا چاہیے کہ کام جائز ہے یا ناجائز، ناجائز ہونے کی صورت میں کام کا ارادہ ترک کر دینا چاہیے۔ اسی طرح یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ کام ممکن ہے یا ناممکن۔

(۲)۔ کام جائز ہونے کی صورت میں ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کام کا کتنا حصہ ہمارے اختیار میں ہے۔ جتنا حصہ ہمارے اختیار میں ہے اس کے متعلق تدبیر، مشاروت، وسائل اور اسباب کو استعمال میں لانا چاہیے۔

(۳)۔ کام کا جو حصہ اختیار میں نہ ہو اس پر بہت زیادہ تشویش میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔

(۴)۔ اختیاری اور غیر اختیاری ہر معاملے میں اسباب، تدبیر اور وسائل استعمال کرتے ہوئے ان پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کو

فیصلہ کرنے والا اور قادر سمجھنا چاہیے۔

(۵)۔ کامیابی کی صورت میں اللہ عزوجل کا شکر بجالانا چاہیے کیونکہ تدبیر، وسائل اور اسباب سب اسی کے ہیں۔

(۶)۔ ناکامی کی صورت میں صبر، استقامت سے کام لینا چاہیے۔ ناکامی کے اسباب کا جائزہ لے کر ازسرنو ہمت کرنی چاہیے۔

(۷)۔ آئندہ کے لئے لائحہ عمل طے کر کے ایک نئے اعتماد کے ساتھ دوبارہ سفر کا آغاز کرنا چاہیے۔

(۸)۔ اگر معاملہ اسباب اور تدبیر کا ہو تو پہلے تمام ممکنہ اسباب مہیّا کرنے اور تدبیر اختیار کرنے کے بعد اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

(۹)۔ ہر حال میں شیطان کی وسوسہ اندازی سے ہوشیار رہنا چاہیے کیونکہ وہ انسان کو اللہ سے بدگمان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(۱۰)۔ نتیجہ آنے تک دعا اور توکل جاری رکھنا چاہیے۔ اس ضمن میں صالحین امت سے کئی ایک دعائیں منقول ہیں۔ جیسا کہ

(i)۔ اللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ رَهْبَةً وَرَغْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَى مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ[1]

(اے اللہ میں نے اپنا تیرے سپرد کر دیا اور اپنے تمام امور تیری طرف تفویض کر دیئے اور اپنی پشت تیری طرف کر دی۔ تیری ذات پر مکمل بھروسہ کیا رغبت و رہبت میں تیرے علاوہ کوئی ٹھکانہ نہیں۔ تجھ سے بچ کر کہیں جائے امان نہیں جو کتاب تو نے نازل کی، اس پر ایمان لایا۔ جو نبی (علیہم السلام) تو نے بھیجے، ان پر ایمان لایا)

(ii)۔ بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ[2]

(اللہ کے نام سے میں نے اس پر بھروسہ کیا، گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی قوت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے)

(iii)۔ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ لَكَ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَوْ لَا إِلَهَ غَيْرُكَ[3]

(اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں تو آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ ساری تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں تو آسمانوں اور زمین کو قائم رکھنے والا ہے۔ ساری تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں اور وہ چیزیں کہ جو آسمانوں اور زمین میں

۱۔ سنن ابوداؤد۔ جلد سوم: رقم: ۱۶۳۸

۲۔ جامع ترمذی۔ جلد دوم: رقم: ۱۳۷۹

۳۔ صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم: ۱۰۷۲

ﷺ
ہیں۔ تو حق ہے اور تیرا وعدہ برحق ہے اور تیرا فرمان حق ہے اور تجھ سے ملاقات حق ہے اور جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے اور قیامت حق ہے۔

اے اللہ! میں تیرا ہی فرمانبردار ہوں اور تجھی پر ایمان لایا ہوں اور تجھی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور میں تیری ہی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور میں تیری خاطر اوروں سے جھگڑتا ہوں اور تجھ ہی سے فیصلہ چاہتا ہوں۔ پس تو میرے اگلے پچھلے اور باطنی اور ظاہری گناہ بخش دے۔ تو ہی میرا معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے)

۱۰۔ توکل کے بارے میں اقوال

توکل کے متعلق صوفیا کرامؒ سے بہت ہی خوبصورت اقوال منسوب کیے گئے ہیں۔ جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے مطابق تمام حالات میں اللہ پر اعتماد کرنا توکل ہے[۱]۔

(۲)۔ ابو یعقوب نہر جوریؒ فرماتے ہیں کہ توکل تو درحقیقت ابراہیم علیہ السلام کا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ علیہ السلام کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟ فرمایا مجھ کو تم سے کوئی حاجت نہیں[۲]۔

(۳)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ توکل غیر اللہ کی اطاعت چھوڑ کر صرف اللہ کی اطاعت کرنے کو کہتے ہیں[۳]۔

(۴)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ بیان کرتے ہیں کہ بندہ توکل کی طاقت اس وقت رکھ سکتا ہے جب اسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جن میں وہ لگا ہوا ہے جانتا اور دیکھتا ہے[۴]۔

(۵)۔ حضرت اردشیر العبادیؒ سے منقول ہے کہ توکل تقدیر پر اعتماد کرنے اور فضلِ خداوندی پر بھروسہ کرنے کا نام ہے[۵]۔

(۶)۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ توکل کے دو معنی ہیں: جب درویش کے پاس کچھ بھی نہ ہو تو خداوند تعالیٰ کی رزاقی پر اعتماد کرے، نہ طلب کرے نہ حرص کرے۔ دوسرے جب اس کے پاس کوئی چیز ہو تو ایک دن کی روزی کے برابر اپنے پاس رکھے اور کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہ کرے[۶]۔

(۷)۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ کا قول ہے کہ توکل یہ ہے کہ نہ کسی سے خوف رکھے نہ توقع[۷]۔

۱۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراجؒ: صفحہ نمبر ۹۵
۲۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی: صفحہ نمبر ۳۶۰
۳۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی: صفحہ نمبر ۳۶۰
۴۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ: صفحہ نمبر ۲۶۶
۵۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی: صفحہ نمبر ۳۶۰
۶۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی: صفحہ نمبر ۳۶۳
۷۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی: صفحہ نمبر ۳۶۴

4

(۸)۔ ابوسعید خرازؒ سے مروی ہے کہ توکل بغیر سکون کے اضطراب اور بغیر اضطراب کے سکون کا نام ہے[۱]۔

(۹)۔ حضرت ابن مسروقؒ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی قضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا توکل ہے[۲]۔

(۱۰)۔ حضرت ابوعثمان حیریؒ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے ہوئے اللہ پر ہی کفایت کرنے کا نام توکل ہے[۳]۔

(۱۱)۔ حضرت حسین بن منصورؒ روایت کرتے ہیں کہ صحیح متوکل وہ شخص ہے کہ جب تک شہر میں اس سے زیادہ حقدار لوگ موجود ہوں وہ بلا ضرورت کوئی چیز نہ کھائے[۴]۔

(۱۲)۔ حضرت سہل بن عبداللہؒ سے مروی یہ ہے کہ توکل کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اس طرح اللہ کے سامنے ہو، جس طرح غسل دینے والے کے سامنے مردہ ہوتا ہے کہ جس طرح چاہتا ہے اسے پلٹتا ہے، نہ وہ حرکت کر سکتا ہے نہ کوئی تدبیر[۵]۔

(۱۳)۔ حضرت سہل بن عبداللہؒ سے توکل کی نسبت دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ صحیح توکل تو اہل قبور کا توکل ہے[۶]۔

(۱۴)۔ حضرت احمد بن خضرویہؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حاتم اصمؒ سے پوچھا کہ آپ کہاں سے کھاتے ہیں؟ فرمایا اللہ ہی کے لیے زمین و آسمان کے خزانے ہیں۔ مگر نفاق والے نہیں سمجھتے[۷]۔

(۱۵)۔ حضرت ابوتراب نخشبیؒ بیان کرتے ہیں کہ توکل یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت پر مطمئن ہو۔ لہٰذا اگر اسے کوئی چیز مل جائے تو وہ اس کا شکریہ ادا کرے اور اگر کوئی چیز نہ ملے تو صبر کرے[۸]۔

(۱۶)۔ حضرت ابودقاقؒ فرماتے ہیں کہ توکل یہ ہے کہ زندگی کی فکر ایک دن تک کرنا اور کل کا غم نہ کرنا۔ پھر فرمایا کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سہل بن عبداللہ تستریؒ نے فرمایا کہ توکل یہ ہے کہ جو کچھ اللہ چاہے، اس کے ساتھ خوشی اور انس محسوس کرے[۹]۔

(۱۷)۔ حضرت ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ توکل کے تین مراتب ہیں:

(i)۔ توکل: یہ ابتدا ہے۔ اس میں متوکل کو اللہ تعالیٰ کے وعدے پر اطمینان ہوتا ہے۔

۱۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ: صفحہ نمبر ۲۶۸

۲۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ: صفحہ نمبر ۲۶۸

۳۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ: صفحہ نمبر ۲۶۸

۴۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ: صفحہ نمبر ۲۶۸

۵۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ: صفحہ نمبر ۲۶۵

۶۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراجؒ: صفحہ نمبر ۹۴

۷۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ: صفحہ نمبر ۲۶۵

۸۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ: صفحہ نمبر ۲۶۶

۹۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ: صفحہ نمبر ۲۶۷

(ii)۔ تسلیم: تسلیم درمیانی درجہ ہے۔ تسلیم کے درجے والا اس پر اکتفا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی حالت کا علم ہے۔

(iii)۔ تفویض: تفویض والا اللہ کے حکم پر راضی ہوتا ہے، خواہ اس کے موافق ہو یا مخالف اور یہ انتہائی درجہ ہے۔

(۱۸)۔ کسی شخص نے حضرت حمدون قصارؒ سے توکل کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: اگر تمہارے پاس دس ہزار درہم ہوں اور تمہارے ذمے ایک درہم بھی قرض ہو تو تمہیں ڈر رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مرجاؤں اور یہ قرض میرے ذمے رہ جائے اور برعکس اس کے تمہارے ذمے دس ہزار درہم کا قرض ہو اور تم اتنی رقم نہ چھوڑ کر مرو جو اس قدر قرض کو پورا کردے تو پھر بھی مایوس نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے اسے ادا کردے[۱]۔

(۱۹)۔ حضرت حمدون قصارؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پر اعتماد کرنے کا نام توکل ہے[۲]۔

(۲۰)۔ حضرت ابن عطاءؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ توکل کیا ہے؟ آپؒ نے فرمایا کہ اس کے باوجود کہ تمہیں اسباب کی اشد ضرورت ہے۔ اگر تم اسباب کی طرف لوٹ جانے کے لیے بے چین نہ ہوئے اور باوجود اس کے کہ تم اسباب وذرائع کو استعمال میں لا رہے ہو، پھر بھی تم اس سکون واطمینان سے، جو تمہیں حق کے ساتھ حاصل ہے نہ ہٹے تو تم میں توکل ہے[۳]۔

(۲۱)۔ ایک شخص حضرت شبلیؒ کے پاس آیا اور کثرتِ اولاد کا شکوہ کیا، آپؒ نے فرمایا گھر جاؤ اور جس کی روزی خدا کے ذمے نہیں ہے اسے گھر سے نکال دو[۴]۔

(۲۲)۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ توکل یہ ہے کہ تو اللہ کے سامنے ایسا ہو جیسے کہ تو کبھی تھا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے ایسے ہوں جس طرح وہ ازل سے تھے[۵]۔

(۲۳)۔ حضرت ابوعبداللہ بن الجلاءؒ فرماتے ہیں کہ خدائے واحد کے پاس پناہ لینا توکل ہے[۶]۔

(۲۴)۔ حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ توکل اللہ عزوجل پر اعتماد اور غیر اللہ سے طمع کو زائل کرنا ہے[۷]۔

(۲۵)۔ خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ توکل یہ ہے کہ انسان صحیح طور پر یہ جان لے کہ کسی کے اختیار میں کچھ نہیں، حیلہ سازی بیکار محض ہے۔ رزق کی کشادگی اور تنگی حکمت الٰہی کے تحت ہے۔ رزق کا تقسیم کرنے والا مہربان ہے اور غافل نہیں اور اس کے بعد

۱۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ: صفحہ نمبر ۲۶۷

۲۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ: صفحہ نمبر ۲۶۵

۳۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ: صفحہ نمبر ۲۶۶

۴۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی: صفحہ نمبر ۳۶۰

۵۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراجؒ: صفحہ نمبر ۹۴

۶۔ کتاب اللمع فی التصوف از شیخ ابونصر سراجؒ: صفحہ نمبر ۹۵

۷۔ صد میدان از خواجہ عبداللہ انصاریؒ۔ صفحہ نمبر ۵۵

4

مطمئن ہو جائے[1]:

(۲۶)۔ سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ توکل یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی ذات پر کامل بھروسہ کیا جائے[2]۔

(۲۷)۔ ایک بزرگ صوفی کا قول ہے کہ توکل یہ ہے کہ تیرے نزدیک دنیا کی کثرت وقلت یکساں ہو[3]۔

۱۱۔ توکل کے نصیحت آموز واقعات

(۱)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ ذات الرقاع سے واپس نجد کی طرف آ رہے تھے کہ ایک جھاڑی والی وادی میں دوپہر کو قیلولہ کے لئے اترے۔ جس کو جہاں جگہ ملی ادھر ادھر آرام کرنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایک ببول کے درخت کے نیچے سو گئے اور اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی۔

جب سارے لوگ سو گئے تو موقع کو غنیمت جان کر ایک مشرک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور درخت سے تلوار اتار کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ اس کافر نے بڑے تکبر سے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے اطمینان وسکون سے جواب دیا: اللہ سبحان وتعالیٰ۔ یہ سننا تھا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار اٹھالی اور اس کافر سے فرمایا: اب بتاؤ تم کو مجھ سے کون سکتا ہے؟ اس نے کہا: کوئی نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے معاف فرما دیا[4]۔

(۲)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ پاک کے ایک جلیل القدر پیغمبر تھے۔ آپ علیہ السلام کی قوم بتوں کی پوجا کرتی تھی اور اس قوم کا سربراہ حکومت نمرود تھا۔ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتوں کی عبادت سے منع کیا اور ایک خدا کی عبادت کی تبلیغ کی۔ ایک دن ساری قوم جب ایک میلے پر گئی ہوتی تھی، آپ علیہ السلام اکیلے ہی پیچھے رہ گئے تو آپ علیہ السلام نے بت خانہ میں جا کر سب بتوں کو توڑ دیا اور کلہاڑی ایک بڑے بت کے کاندھے پر رکھ دی تاکہ قوم یہ بات سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ جو بت خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے وہ دوسروں کی کیا حفاظت کریں گے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ میلے سے واپس آئے تو وہ اپنے بتوں کو ٹوٹا ہوا دیکھ کر حیران رہ گئے۔ آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تفتیش کے لیے بلایا گیا۔ آپ علیہ السلام سے پوچھا گیا کیا آپ (علیہ السلام) نے ہمارے خداؤں کو توڑا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ تم بڑے بت سے ہی پوچھ لو کہ انہیں کس نے توڑا ہے۔ آخر تمام لوگ اس سے سمجھ گئے کہ ان کے

۱۔ صد میدان از خواجہ عبداللہ انصاریؒ۔ صفحہ نمبر ۵۵

۲۔ کشف المحجوب از سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۴۳

۳۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ: صفحہ نمبر ۲۶۸

۴۔ صحیح بخاری: رقم: ۳۸۲۲

خداؤں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہی توڑا ہے۔

سب لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس جرم کی سزا کے طور پر زندہ آگ میں ڈال دیا جائے تاکہ ان کے خداؤں کی عزت بحال ہوسکے۔ اس بات پر سب نے اتفاق کرلیا۔ پھر ایک بہت بڑا اور گہرا گڑھا کھودا گیا اور اسے لکڑیوں سے بھر کر آگ لگا دی گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس آگ میں ڈالنے کے لیے ایک منجنیق بنائی گئی۔ جس میں آپ علیہ السلام کو بٹھا کر پھینکا جانا تھا۔ جس وقت آگ میں پھینکنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق میں بٹھالیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے سب فرشتوں سے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدد کرو۔ فرشتوں نے مدد کرنے کے لیے آپ علیہ السلام سے اجازت مانگی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے اللہ ہی کافی ہے اور وہ میرا حال دیکھ رہا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ علیہ السلام کو میری مدد کی ضرورت ہے تو میں یہ خدمت بہت ہی اچھے طریقے سے سرانجام دوں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا مدد کی ضرورت تو ہے مگر آپ علیہ السلام سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہے۔ پس اللہ سبحان وتعالیٰ نے براہ راست آگ کو ہی حکم دیا:

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ [1]

(''ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا) [2]

(۳)۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے شیر خوار بیٹے اسماعیل علیہ السلام اور اس کی ماں ہاجرہ علیہا السلام کو مکہ کی غیر آباد سنسان وادی میں بیت اللہ شریف کے پاس ایک درخت کے نیچے چھوڑ کر اور ایک مشکیزہ پانی اور کچھ سامان دے کر واپس جانے لگے تو بے سہارا ہاجرہ نے اپنے شوہر ابراہیم علیہ السلام سے دریافت کیا: اے ابراہیم علیہ السلام! آپ ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر کہاں جارہے ہیں، جبکہ یہاں کوئی چیز ہے نہ انسان ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے آپ کو یہاں بسانے کا اللہ عزوجل نے حکم دیا ہے۔ یہ سن کر ہاجرہ نے اللہ پاک پر توکل و بھروسہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جب یہ بات ہے تو اللہ تعالیٰ ہم ماں بیٹے کو ہلاک وضائع نہیں کرے گا [3]۔

(۴)۔ حضرت ابن طاؤس یمانیؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک اعرابی اپنی سواری کے ساتھ آیا اور اسے بٹھا کر باندھ دیا۔ پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر دعا مانگی کہ اے اللہ یہ سواری اور جو کچھ اس کے اوپر ہے تیرے حوالے ہے یہاں تک کہ میں واپس آجاؤں۔ اس کے بعد وہ چلا گیا۔ پھر مسجد حرام میں داخل ہوگیا۔ جب باہر آیا تو سواری اور اس پر سامان سب کچھ چوری ہو چکا تھا۔

---

[1]۔ سورۃ الانبیاء: آیت:۶۹

[2]۔ مکاشفۃ القلوب از امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ صفحہ نمبر ۱۷۵

[3]۔ صحیح بخاری: رقم:۳۱۱۱

4

اس آدمی نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا کہ اے اللہ مجھ سے کچھ نہیں چوری ہوا تیرے ہاں سے چوری ہوئی ہے۔

حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ ہم اسی اعرابی کے ساتھ موجود تھے کہ ہم نے ابوقبیس کے پہاڑ سے ایک آدمی کو اترتے ہوئے دیکھا وہ بائیں ہاتھ سے اونٹ کی مہار پکڑ کر اسے لا رہا تھا اور اس کا دایاں ہاتھ کٹا ہوا گردن میں لٹک رہا تھا۔ وہ شخص اعرابی کے پاس آ کر کہنے لگا، اپنی سواری اور سامان لے لیجئے۔ حضرت طاؤسؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے ماجرا پوچھا تو اس نے کہا کہ ابوقبیس پہاڑ پر مجھے ایک سوار ملا جو سیاہ و سفید رنگ کی سواری پر سوار تھا۔ اس نے کہا اے چور! اپنا ہاتھ آگے بڑھا۔ اعرابی نے کہا کہ میں نے ہاتھ آگے بڑھایا تو اس نے اسے ایک پتھر پر رکھا اور پھر دوسرے پتھر سے کاٹ کر میری گردن میں لٹکا دیا اور کہا پہاڑ سے اترو اور سواری مع ساز و سامان اعرابی کے حوالے کرو[1]۔

(۵)۔ ایک بار حضرت حسین بن منصور حلاجؒ نے حضرت ابراہیم خواصؒ سے پوچھا، تصوف نے تمہیں کہاں تک پہنچایا؟ فرمایا سفر کرتا ہوں تاکہ توکل زیادہ سے زیادہ حاصل کر سکوں۔ حضرت حلاجؒ نے کہا کہ ساری عمر پیٹ بھرنے میں گنوا دی۔ پس توحید میں فنا کا مقام کب پاؤ گے[2]؟

(۶)۔ حضرت شفیق بلخیؒ کے ایک شاگرد نے حج کا ارادہ کیا۔ حضرت شفیقؒ نے اس سے کہا، بسطام جا کر حضرت بایزید بسطامیؒ سے ملنا۔ وہ حسبِ حکم حضرت بایزید بسطامیؒ کی خدمت میں پہنچا۔ انہوں نے کہا تیرا مرشد کون ہے؟ اس نے کہا حضرت شفیق بلخیؒ۔ پوچھا کہ وہ کیا کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ حضرت شفیق خلق سے فارغ ہو کر توکل پر متمکن ہو گئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر آسمان بارش نہ برسائے، زمین پر گھاس نہ اُگے اور ساری مخلوق کا میں کفیل ہوں، پھر بھی میں توکل سے انہیں پھروں گا۔

حضرت بایزیدؒ نے کہا کہ وہ تو بڑا مشرک اور کافر ہے اور فرمایا کہ اپنے پیر کو جا کر کہو! کہ دو روٹی کے لیے اللہ کو مت آزماؤ۔ شاگرد یہ سن کر سکتے میں آ گیا اور حج پر نہ گیا، بلکہ سیدھا بلخ پہنچا اور حضرت بایزیدؒ کا پیغام حضرت شفیقؒ تک پہنچایا۔ انہوں نے کہا! اب پھر جاؤ اور پوچھو کہ تمہارا کیا مسلک ہے؟

مرید بسطام آیا اور حضرت بایزیدؒ سے سوال پوچھا؟ انہوں نے کہا کہ وہ تو بہت ہی نادان ہے۔ اگر میں بتاؤں گا بھی تو تم سمجھ نہ سکو گے۔ اس نے کہا، جناب میں بہت دور سے آیا ہوں، جواب لکھ کر دے دیجئے۔ حضرت بایزیدؒ نے کہا کہ اچھا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کاغذ لپیٹا اور مرید کو دے دیا۔ یعنی بایزیدؒ کچھ نہیں موصوف ہی نہیں تو صفت کہاں سے بیان کرے[3]۔

(۷)۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے ایک زاہد سے پوچھا کہ کہاں سے کھاتے ہو؟ اس نے کہا کہ یہ بات اس سے پوچھو جو کھانے کو دیتا

---

[1]۔ غنیۃ الطالبین از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ صفحہ نمبر ۵۹۷

[2]۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی: صفحہ نمبر ۳۶۱

[3]۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی: صفحہ نمبر ۳۶۱

ہے۔ مجھے اس سے کیا کہ وہ کہاں سے کھلاتا ہے[1]۔

(۸)۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک غلام خریدا۔ اس سے پوچھا کہ تم کو کس نام سے پکارتے ہیں؟ اس نے کہا کہ جس نام سے آپ پکاریں گے وہی۔ میں نے پوچھا کہ کس قسم کا کھانا کھاتے ہو؟ جواب دیا کہ جو آپ کھانے کے لیے دیں گے۔ پوچھا کہ کیسا لباس پہنتے ہو؟ جواب دیا جیسا آپ پہنائیں گے۔ پوچھا کیا کام کرتے ہو؟ جواب دیا کہ جو آپ حکم دیں گے۔ پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں غلام ہوں میرا چاہنا نہ چاہنا کیا؟ میں نے کہا کہ بندگی اس غلام سے سیکھنی چاہیے اور میری آنکھوں میں آنسو آ گئے[2]۔

(۹)۔ حضرت بایزیدؒ نے ایک امام کے پیچھے نماز پڑھی۔ امام نے نماز کے بعد کہا کہ اے شیخ! تم کوئی کاروبار نہیں کرتے تو کہاں سے کھاتے ہو؟ شیخ نے کہا کہ ٹھہر جا میں پہلے نماز قضا کرلوں۔ امام نے پوچھا کہ کیوں؟ بایزیدؒ نے کہا کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز نہیں جو روزی رساں کو نہیں جانتا[3]۔

(۱۰)۔ حضرت شقیقؒ نے حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے پوچھا کہ معاش کس طرح کر رہے ہو؟ جواب دیا کہ اگر کچھ مل جاتا ہے تو شکر کرتا ہوں اور اگر نہ ملے تو صبر کرتا ہوں۔ حضرت شقیقؒ نے کہا کہ یہ تو بلخ کے کتے بھی کرتے ہیں، اگر مل جائے تو دم ہلاتے ہیں، اگر کچھ نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے پوچھا کہ آپؒ کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا کہ اگر کچھ مل جائے تو ایثار کرتے ہیں۔ اگر کچھ نہیں ملتا تو شکر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ اُٹھے اور ان کے سر پر بوسہ دیا[4]۔

(۱۱)۔ حضرت حسن بصریؒ ایک مرتبہ حبیب عجمیؒ کے پاس تشریف لے گئے تو اس وقت ان کے ہاں ایک جو کی روٹی اور تھوڑا سا نمک تھا وہی بطور تواضع آپ کے سامنے رکھ دیا۔ جب انہوں نے کھانا شروع کیا تو ایک سائل آ پہنچا۔ حبیبؒ نے وہ روٹی اس کو دے دی۔ اس پر حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ تم میں شائستگی تو ضرور ہے اگر تھوڑا سا علم بھی ہوتا تو بہتر تھا۔ تم نے مہمان کے سامنے سے روٹی اٹھا کر فقیر کو دے دی حالانکہ بہتر یہ تھا کہ آدھی روٹی مہمان کے سامنے رہنے دیتے اور آدھی فقیر کو دے دیتے۔ یہ سن کر وہ خاموش رہے۔

کچھ دیر بعد ہی ایک غلام سر پر خوانِ نعمت رکھے ہوئے حاضر ہوا جس میں قسم قسم کے نفیس کھانے موجود تھے اور اس کے ہمراہ پانچ سو درہم بھی تھے۔ آپؒ نے وہ درہم تو غریبوں میں تقسیم کر دیئے اور کھانا حضرت حسن بصریؒ کے سامنے رکھ دیا۔ جب حسنؒ کھانے سے فارغ ہو گئے تو حبیبؒ نے کہا کہ اے استاد! آپؒ کا شمار عالموں اور نیک مردوں میں تو ضرور ہوتا ہے

---

[1]۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی: صفحہ نمبر ۳۶۲

[2]۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی: صفحہ نمبر ۳۶۲

[3]۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی: صفحہ نمبر ۳۶۲

[4]۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی: صفحہ نمبر ۳۶۲

4

لیکن اگر یقین وتوکل کا درجہ بھی حاصل ہوتا تو بہتر ہوتا[1]۔

(۱۲)۔ دو بھوکے افراد حضرت رابعہ بصریؒ کے ہاں آئے۔ آپؒ کے پاس اس وقت صرف دو ہی روٹیاں تھیں۔ وہی ان کے سامنے رکھ دیں۔ اسی اثناء میں ایک اور سائل آ گیا۔ آپؒ نے وہ دونوں روٹیاں اٹھا کر اس کو دے دیں۔ یہ دیکھ کر ان دونوں مہمانوں نے برا منایا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک کنیز بہت سی گرم روٹیاں لیے ہوئے حاضر ہوئی اور کہا کہ یہ روٹیاں میری مالکہ نے بھجوائی ہیں اور جب آپؒ نے ان روٹیوں کو شمار کیا تو وہ گنتی میں اٹھارہ تھیں۔ یہ دیکھ کر رابعہ بصریؒ نے کنیز سے کہا کہ شاید تجھے غلط فہمی ہو گئی ہے کہ یہ روٹیاں ہمارے لیے نہیں، بلکہ کسی اور کے ہاں بھیجی گئی ہیں۔ کنیز واپس لوٹ گئی۔

جب واپس آئی تو بیس روٹیاں اس کے پاس تھیں۔ رابعہ بصریؒ نے روٹیاں شمار کیں اور پھر مہمانوں کے سامنے رکھ دیں۔ مہمان حیران ہوئے اور کھانے میں مصروف ہو گئے۔ کھانے کے بعد مہمانوں نے رابعہ بصریؒ سے اس واقعے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ جب میں نے سائل کو دو روٹیاں دیں تھیں تو اللہ سے عرض کیا تھا کہ اے اللہ! تیرا وعدہ ایک کے بجائے دس دینے کا ہے اور مجھے تیرے قولِ صادق پر پکا یقین ہے۔ میں نے تیری رضا کے لیے دو روٹیاں دی ہیں۔ اب مجھے بیس روٹیاں عطا کر۔ جب کنیز اٹھارہ روٹیاں لے کر آئی تو میں سمجھ گئی کہ اس میں اس سے غلطی ضرور ہوئی ہے[2]۔

(۱۳)۔ حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شام کے راستے میں ایک نوجوان کو دیکھا جو بڑے اچھے اخلاق والا تھا۔ مجھ سے کہنے لگا کہ وہ میری صحبت میں رہنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو بھوکا رہتا ہوں۔ کہنے لگا کہ اگر تو بھوکا رہے گا تو میں بھی بھوکا رہوں گا۔ چار دن اس طرح گزر گئے۔ اس کے بعد ہمارے پاس کہیں سے کوئی چیز آئی تو میں نے اس سے کہا کہ آؤ کھا لو۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو عہد کر چکا ہوں کہ کسی کے ذریعے سے کوئی چیز نہ لوں گا۔

میں نے کہا کہ اے بچے! تو نے تو بہت باریک بات کی ہے۔ کہنے لگا کہ اے ابراہیمؒ! میری جھوٹی تعریف نہ کرو کیونکہ پرکھنے والا توکل کو خوب جانتا ہے۔ پھر کہنے لگا: توکل کا کمتر درجہ یہ ہے کہ اگرچہ تجھے فاقہ پر فاقہ آئے، پھر بھی تیرا دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے[3]۔

(۱۴)۔ حضرت ابراہیم خواصؒ سے کوئی عجیب واقعہ بیان کرنے کے لیے کہا گیا، تو آپؒ نے فرمایا! کہ حضرت خضر علیہ السلام مجھے ملے اور مجھ سے ساتھ دینے کو کہا۔ مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ ان کے پاس اطمینان سے رہنے سے کہیں میرے توکل میں فرق نہ آ جائے، لہٰذا میں

۱۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی: صفحہ نمبر ۳۶۴

۲۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی: صفحہ نمبر ۳۶۰

۳۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ: صفحہ نمبر ۲۷۱

نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا[1]۔

(۱۵)۔ حضرت ابراہیم خواصؒ توکل میں یکتا تھے اور اس بارے میں دقیق باتیں کیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود اپنے ساتھ ہمیشہ سوئی، دھاگہ، لوٹا اور قینچی رکھتے تھے۔ کسی نے کہا کہ اے ابواسحاق! آپؒ تو ہر چیز سے اپنے آپ کو روکتے ہیں۔ پھر یہ چیزیں کیوں اٹھائے اٹھائے پھرتے ہیں؟ فرمایا: اس قسم کی چیزوں سے توکل میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کیونکہ ہمارے ذمہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرائض ہیں اور فقیر کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا ہے۔ بسا اوقات یہ کپڑا پھٹ جاتا ہے لہٰذا اپنے پاس سوئی دھاگہ نہ ہو تو ستر کھل جانے کا اندیشہ ہے، جس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر آپ کے پاس لوٹا نہ ہو تو طہارت فاسد ہونے پر پاکی کیونکر حاصل کی جا سکتی ہے؟ لہٰذا اگر کوئی فقیر تمہیں لوٹے اور سوئی دھاگے کے بغیر دکھائی دے تو سمجھ لو کہ اس کی نماز کیسی ہوگی[2]؟

(۱۶)۔ ایک آدمی مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک لڑکا نہایت خشوع و خضوع سے نماز پڑھ رہا ہے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اس نے لڑکے سے پوچھا: تم کس کے فرزند ہو؟ لڑکے نے جواب دیا کہ میں یتیم ہوں میرے ماں باپ دونوں وفات پا چکے ہیں۔ اس آدمی نے کہا، تم میرے بیٹے بن جاؤ؟ لڑکے نے پوچھا کہ اگر میں بھوکا ہوں تو کھانا کھلائیں گے؟ اس آدمی نے جواب دیا، ہاں۔ لڑکے نے پوچھا کہ اگر میں ننگا ہوں تو کپڑے پہنائیں گے؟ اس نے جواب دیا، ہاں۔ لڑکے نے پوچھا کہ اگر میں بیمار پڑوں تو مجھے شفا دیں گے؟ اس آدمی نے کہا: یہ تو میرے اختیار میں نہیں ہے۔ لڑکے نے پوچھا کیا اگر میں مر جاؤں تو مجھے زندہ کر دیں گے؟ اس آدمی نے جواب دیا کہ یہ اختیار تو مخلوق میں کسی کو حاصل نہیں۔

تب لڑکے نے جواب دیا: تو پھر مجھے اس ذات بابرکات پر بھروسہ کرنے دیجیے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ وہی مجھے ہدایت دے گا۔ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ بیمار ہوں تو شفا دیتا ہے۔ جس کی ذات سے مجھے پوری امید ہے کہ کل قیامت کے روز میرے گناہوں کو بخش دے گا۔ توکل کے پیکر لڑکے کا یہ جواب سن کر اس آدمی نے کہا:

آمنت باللہ من توکل علی اللہ کفا

(میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا، جس نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے)

(۱۷)۔ حضرت ابوعلی شفیق بلخیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بلخ میں سخت قحط پڑا جس سے سب لوگ سخت غمزدہ اور پریشان تھے۔ لیکن ایک غلام بازار میں بہت خوش اور ہنستا پھر رہا تھا۔ لوگوں نے اسے ملامت کرتے ہوئے کہا، تمہیں شرم نہیں آتی کہ ہر طرف لوگ فاقوں سے مر رہے ہیں اور سخت رنجیدہ ہیں اور تو خوشی مناتا اور ہنستا پھر رہا ہے۔ غلام نے جواب دیا کہ مجھے کوئی غم نہیں، اس لیے کہ میرا

۱۔ صحیح بخاری: رقم: ۳۱۱۱

۲۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ: صفحہ نمبر ۲۶۹، ۲۷۰

مالک ایک پورے گاؤں کا بلاشرکت غیرے مالک ہے۔ اس چیز نے میرے دل کو ہر قسم کی پریشانی سے آزاد کر دیا ہے اور میرے سب غم مٹا دیئے ہیں۔

غلام کے اس جواب سے حضرت شقیق بلخیؒ کی گویا آنکھیں کھل گئیں اور تمام حجاب دور ہو گئے۔ آپؒ سخت شرمندگی کے احساس کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا: اے خدا پاک! یہ غلام اس شخص کا ہے جس کی ملکیت میں صرف ایک گاؤں ہے اور یہ اتنی خوشی منا رہا ہے اور ہم تجھ مالک الملک کو اپنا پروردگار کہتے ہیں اور اپنی روزی کے لیے اس درجہ فکرمند ہیں جس کا کوئی شمار نہیں۔ بس اس خیال کے بعد آپؒ ساری زندگی کبھی بھی اپنی روزی کے لیے رنجیدہ نہیں ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کیا۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اس غلام کا شاگرد ہوں، میں نے توکل میں سے جو کچھ پایا ہے، اسی کی بدولت پایا ہے[1]۔

---

[1] کشف المحجوب از سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۸۹–۱۹۰

۷

مقامِ صدق

۱۔ صدق کا مفہوم

(۱)۔ صدق کے معنی گفتگو، کردار، اور احوال میں راستبازی اور سچائی کے ہیں۔ ہمیشہ سچ بولنے والے کو صادق کہتے ہیں۔ صدیق کا لفظ اسی سے مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے بہت زیادہ سچ بولنے والا یعنی جس میں سچائی غالب ہو۔ جو آدمی اپنے نفس کے ساتھ یا دوسروں کے ساتھ دھوکا کرتا ہے وہ صادق نہیں ہوسکتا۔

(۲)۔ اخلاقیات میں صدق کو بہت اہم مقام حاصل ہے۔ صدق سے مراد عام طور پر صرف سچ بولنا سمجھا جاتا ہے مگر درحقیقت اس لفظ کا مفہوم وسیع تر ہے۔ صدق کے مظاہر میں زبان و دل کی ہم آہنگی، قول و فعل کی مطابقت، ظاہر و باطن کی ہم رنگی اور عقیدہ و فعل کی ہم آہنگی سب شامل ہیں۔

(۳)۔ کیسے ہی خطرات کا سامنا ہو قدم جادہ صدق سے نہ ڈگمگائے۔ ذاتی نفع نقصان کا لحاظ کیے بغیر قلب کی سچائی کے ساتھ حق بات کہنا اور حق پر عمل کرنا ایک مومن کامل کی شان ہے۔ اللہ تعالی نے صدق کو ایمان اور اس کے مقابل کذب کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے۔

(۴)۔ صدق ایک ایسی بنیادی صفت ہے کہ جس کے بغیر صحت مند با اخلاق معاشرت کا قیام ناممکن ہے۔ صدق پر استوار معاشرہ ہی وہ معاشرہ ہے جس کی جڑیں گہری اور تنا مضبوط ہوتا ہے۔ انسان کی زبان، دل اور عمل میں اگر صدق کا عنصر موجود ہے تو انسانی شخصیت عظمت سے ہمکنار ہوسکتی ہے۔

(۵)۔ جس طاعت کا ارادہ ہو اس میں کمال کا درجہ اختیار کرنا صدق ہے۔ مثلاً نماز کو اس طرح پڑھنا جس کو شریعت نے صلوٰۃ کاملہ کہا ہے یعنی اس کو ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ ادا کرنا صدق ہے۔ تمام طاعات میں جو درجہ کمال کا شریعت نے بتایا ہے، اس کا اختیار کرنا صدق ہے۔

(۶)۔ صدق بنیاد ہے اور اخلاص اس کی ایک شاخ ہے۔ جو آدمی کمال صدق رکھتا ہو یعنی اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، وہ صدیق کہلانے کا مستحق ہے۔ اخلاقِ حسنہ اسی صدق و اخلاص سے پیدا ہوتا ہے۔

(۷)۔ صدیق کی حقیقت یہ ہے کہ عقائدِ شرعیہ کا اس کو ذوقاً ادراک ہونے لگے اور اعمالِ شرعیہ اس سے طبعاً صادر ہونے لگیں۔ عقائد اس کے نزدیک بدیہیات (Menifest Facts) ہو جائیں اور عبادات، عادات بن جائیں۔

(۸)۔ جو لوگ قول و عمل کے اس درجہ کمال کو پہنچ جاتے ہیں، ان کو شریعت کی زبان میں صدیق کہتے ہیں جو نبوت کے بعد انسانیت کا سب سے بلند و بالا مرتبہ بلکہ معراج انسانیت ہے۔

(۹)۔ توریہ کرنا یعنی ذو معنی بات کرنا یا ایسی بات کرنا جس کے دو یا دو سے زیادہ معنی ہوں (کہنے والا کا مقصود وہ نہ ہو جو ظاہری الفاظ سے عیاں ہوتا ہو، بلکہ باطنی معانی میں پوشیدہ ہو، جو کہ سننے والا با آسانی نہ سمجھ سکتا ہو) توریہ کرنا کہلاتا ہے۔ توریہ کرنا صدق کے خلاف نہیں ہے لیکن توریہ کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دو شرائط کو مدنظر رکھے:

2

(i)۔ ایسی بات میں استعمال شدہ الفاظ اس دوسرے معانی کے متحمل ہوں۔

(ii)۔ وہ بات ظلم یا کسی گناہ کے لیے نہ ہو۔

اس کی مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وہ بات ہے، جو آپ رضی اللہ عنہ نے مدینہ المنورہ کی طرف ہجرت کے دوران فرمائی تھی۔ جب راستے میں لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھتے کہ تمہارے ساتھ یہ شخص (حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کون ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ انہیں بتاتے کہ ھذا ھادی یھدینی الی الطریق (یہ راہنما ہیں، مجھے راستہ دکھا رہے ہیں)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو فرما رہے تھے وہ بالکل سچ تھا۔ لیکن سننے والے کو لامحالہ یہ ہی سمجھ آتا کہ یہ کوئی مقامی راستے جاننے والا راہبر ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس بات سے مراد یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف، اللہ کی رضا اور اللہ کی جنت کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں۔

۲۔ صدق قرآن کی روشنی میں

اللہ پاک نے اپنی پاک کتاب قرآن کریم میں بار بار صدق کا حکم دیا ہے۔ سچائی سے کام لینے والوں کے آخرت میں بلند درجات کا ذکر فرمایا ہے۔ ان بہت سی آیات مبارکہ میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ [۱]

(اے ایمان والو! خدا سے ڈرتے رہو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ رہو)۔

اس آیت کریمہ میں کیسا عظیم الشان اور انقلاب آفرین دونکاتی پروگرام تعلیم فرمایا گیا ہے:

(i)۔ تم خود متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔ یعنی ہر اس چیز سے بچو جو تمہارے خالق و مالک کی ناراضگی کا باعث ہو۔ اس طرح تم خود پاکیزہ اور قیمتی انسان بن جاؤ گے۔

(ii)۔ سچے، متقی اور پرہیزگار لوگوں کا ساتھ دو تاکہ اس طرح تم حق اور اہل حق کی قوت کا ذریعہ بنو۔

ان دو باتوں پر عمل کرنے سے پورا معاشرہ پاکیزہ بن جائے گا اور نمونے کا معاشرہ بن جائے گا۔

(۲)۔ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۝ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِينَ بِصِدْقِهِمْ [۲]

(مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو وعدہ انہوں نے خدا سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔ تاکہ خدا سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے)

۱۔ سورۃ التوبہ: آیت: ۱۱۹

۲۔ سورۃ الاحزاب: آیت: ۲۳-۲۴

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ

(i)۔ مومنین میں کچھ لوگ اللہ عزوجل سے کیے ہوئے وعدے کو پورا کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل سے محبت رکھتے ہیں۔ اس کی مکمل اطاعت کرتے ہیں۔

(ii)۔ کچھ مومنین اس سلسلے میں کچھ سستی بھی کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل سے ان کا تعلق کچھ کمزور ہوتا ہے۔ وہ اللہ عزوجل کی اطاعت میں کچھ کوتاہی کرتے ہیں۔

(iii)۔ کچھ لوگ اللہ کی محبت میں اللہ عزوجل کی راہ میں کوشش کرتے کرتے شہید ہوجاتے ہیں، فوت ہوجاتے ہیں۔ ان کی زندگی حق کے لیے صرف ہوجاتی ہے۔ وہ اپنا وعدہ پورا کر دکھاتے ہیں۔

(iv)۔ کچھ ایسے مومنین ہیں جو ابھی بھی حق کے لیے شب و روز کوشش کر رہے ہیں۔ جان اور مال لگا رہے ہیں اور اس امید پر ہیں کہ وہ اپنی پوری زندگی اللہ کی راہ میں لگا کر اپنے حقیقی مالک سے جلد جا ملیں گے اور اپنے آقا ﷺ سے اپنی غلامی کا وعدہ پورا کر کے دکھائیں گے۔

(v)۔ اللہ عزوجل ان مومنین کی اس پاک زندگی کا ضرور بدلہ دے گا۔ ان سے اس دنیا میں اور آخرت میں خوش ہوگا۔ ان کو فلاح عطا کرے گا۔ غم و تکلیف سے دور رکھے گا۔ ان کو سلامتی عطا کرے گا۔ ان کے کسی بھی عمل کو ضائع نہیں کرے گا۔

(vi)۔ سچے مومن کی زندگی خیر ہی خیر ہے، اس کے لئے ناکامی و نامرادی کسی بھی حالت میں نہیں ہوسکتی، وہ زندہ رہتا ہے تو خیر و برکت والی زندگی گزارتا ہے اور مرتا ہے تو اجر و ثواب کی دولت کے ساتھ مرتا ہے۔ جبکہ ایمان و یقین کی دولت سے محرومی ہر خیر سے محرومی کا پیش خیمہ اور خسارہ ہی خسارہ ہے۔ اس دنیا میں بھی خسارہ ہے، آخرت میں بھی خسارہ ہے۔ گھاٹا ہی گھاٹا ہے، خسارہ ہی خسارہ ہے۔

(۳)۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ [۱]

(پرہیزگار لوگ باغوں اور نہروں میں سچی عزت کی جگہ بادشاہ قادر کے قریب ہوں گے)۔

اس آیت کریمہ میں واضح کیا گیا ہے کہ متقی و پرہیزگار اور سچے لوگوں کو آخرت میں ایسی جنت عطا ہوگی جس میں نہریں بہتی ہوں گی۔ ان کو بہت بلند مقام عطا کیا جائے گا۔ انہیں اللہ عزوجل کی قربت عطا ہوگی، جس کے سبب ان کی عزت میں اور زیادہ اضافہ ہوگا۔

(۴)۔ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا [۲]

۱۔ سورۃ القمر: آیت: ۵۴-۵۵

۲۔ سورۃ الاحزاب: آیت: ۳۵

2

(مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور خدا کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں، کچھ شک نہیں کہ ان کے لئے خدا نے بخشش اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے)

اس آیت کریمہ میں خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر خیر فرمایا ہے جنہیں ان کے اعمال کے بدلے میں نہ صرف بخش دیا گیا ہے بلکہ ان کے لیے اجرِ عظیم بھی تیار کیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں (مرد اور عورت) کی خصوصیات یہ ہیں:

(i)۔ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔

(ii)۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہیں۔

(iii)۔ ہمیشہ سچ بولتے ہیں اور سچ کی ہی پیروی کرتے ہیں۔

(iv)۔ دکھ اور تکالیف کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش سمجھتے ہوئے اس پر آہ وزاری کی بجائے صبر کرتے ہیں۔

(v)۔ ہمیشہ اللہ عزوجل سے ڈرتے ہیں۔

(vi)۔ تنگی اور کشادگی میں اللہ تعالیٰ کے رستے میں اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔

(vii)۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر روزے رکھتے ہیں۔

(viii)۔ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتے ہیں۔

(ix)۔ خدا عزوجل کو کثرت سے یاد کرتے ہیں۔

(۵)۔ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ لَمۡ يَرۡتَابُوۡا وَجٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ اُولٰٓـئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ[۱]

(حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی سچے لوگ ہیں)

اس آیت کریمہ میں صدیق لوگوں کی درج ذیل خوبیاں بیان کی گئی ہیں:

(i)۔ وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں، اس سے محبت کرتے ہیں، اس کی اطاعت کرتے ہیں، ہر لمحہ اس کی خوشنودی کے حصول کے لیے کوشش کرتے رہتے ہیں۔

(ii)۔ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں، اس سے محبت کرتے ہیں، اس کی اطاعت کرتے ہیں۔

۱۔ سورۃ الحجرات: آیت: ۱۵

(iii)۔ ان کا ایمان پختہ ہوتا ہے۔انہیں اپنے عقیدے اور عمل پر کوئی شک نہیں ہوتا۔ان کا دل اللہ و رسول پر مطمئن ہوتا ہے۔

(iv)۔ وہ اپنی جان سے اللہ پاک کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔اپنے قول اور عمل سے اللہ کا تعارف کراتے ہیں۔راہِ حق میں مشکلات برداشت کرتے ہیں۔انسانوں کی بھلائی کے لیے جان کھپاتے ہیں۔

(v)۔ اپنے مال سے اللہ پاک کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔غریبوں و مسکینوں کی خدمت کرتے ہیں۔خیرات کرتے ہیں، صدقات دیتے ہیں۔

(۶)۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝[۱]

(توجس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور نیک بات کو سچ جانا۔تو ہم اس کے لیے جنت کی راہیں آسان کردیں گے)

اس آیت کریمہ میں خدائے عزوجل کی طرف سے خوشخبری دی گئی ہے کہ جولوگ اللہ تعالیٰ کے رستے میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں، پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سچ جان کر ان پر اپنی استطاعت کے مطابق عمل کرتے ہیں،ان کے لیے جنت کا راستہ آسان کردیا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جانے والی یہ خوشخبری ایک عظیم سعادت اور دنیا وآخرت میں کامیابی کی ضمانت ہے،جس کو ہرگز نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

(۷)۔ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ[۲]

(اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ کام آئے گا،ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ان سے اللہ راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے یہی بڑی کامیابی ہے)

اس آیت شریفہ میں بتایا گیا ہے کہ

(i)۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی کام دے گی اور وہ اس کا اجر پائیں گے۔ان کے لئے ان کے صدق وصفا کے بدلے میں جنت کی ایسی بے مثال کامیابی اور دائمی نعمتوں سے سرفرازی ہوگی،جس کا اس دنیا میں کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔

(ii)۔ جو لوگ زندگی بھر حق وصدق کی راہ پر رہے ہوں گے،وہ اس روز اپنی اس سچائی کا پھل ابدی کامیابی کی صورت میں پائیں گے۔حساب وکتاب اور عدل وانصاف کا وہ دن سچوں اور راست بازوں کے لئے کامیابیوں اور خواہشات کے پورا ہونے کا دن ہوگا۔

(iii)۔ اصل اور حقیقی کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے جو کہ حقیقی،ابدی اور دائمی کامیابی ہوگی۔اس جیسی اور کوئی کامیابی ممکن

۱۔سورۃ اللیل: آیت:۵-۷

۲۔سورۃ المائدہ: آیت:۱۱۹

2

ہی نہیں۔جن کو یہ سب سے بڑی کامیابی نصیب ہوگی وہی اصل اور حقیقی معنوں میں کامیاب لوگ ہوں گے۔یہی وہ اصل اور حقیقی کامیابی ہے جسے انسان کو ہر وقت اور ہر حال میں پیشِ نظر رکھنا چاہیے اور اسی کے لئے کوشش اور محنت کرنی چاہیے۔

(iv)۔ اس دن اللہ تعالیٰ ان صادق لوگوں سے ہمیشہ کے لیے راضی ہو جائیں گے اور صادق مومنین اللہ تعالیٰ سے خوش ہوں گے۔جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا کہ اے جنت والو! جنتی جواب دیں گے ہم حاضر ہیں اے ہمارے پروردگار! تیری سعادت حاصل کرنے کے لیے۔اللہ تعالیٰ پوچھے گا، کیا اب تم لوگ خوش ہوئے؟ وہ کہیں گے اب بھی بھلا ہم راضی نہ ہوں گے کیونکہ اب تو تو نے ہمیں وہ سب کچھ دے دیا، جو اپنی مخلوق کے کسی آدمی کو نہیں دیا۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمہیں اس سے بھی بہتر چیز دوں گا۔جنتی کہیں گے، اے ہمارے رب! اس سے بہتر اور کیا چیز ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا! کہ اب میں تمہارے لیے اپنی رضامندی کو ہمیشہ کے لیے دائمی کردوں گا، یعنی اس کے بعد کبھی تم پر ناراض نہیں ہوں گا[۱]۔

(۸)۔ لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِن شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا[۲]

(تا کہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کی جزا عطا فرمائے اور اگر چاہے تو منافقوں کو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول کرے، بے شک اللہ بخشش کرنے والا اور بہت ہی رحم کرنے والا ہے)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے:

(i)۔ اللہ پاک آخرت میں سچ بولنے والوں کو سچ بولنے کی وجہ سے اچھا بدلہ عطا فرمائیں گے۔

(ii)۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے۔

(iii) اللہ عزوجل رحم کرنے والا ہے۔

(iv)۔ اللہ پاک توبہ قبول فرماتا ہے۔

(v)۔ اللہ پاک جھوٹ بولنے والے منافقوں کو سزا دے گا۔

(۹)۔ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

۱۔صحیح بخاری۔رقم:۶۵۴۹

۲۔سورۃ الاحزاب: آیت: ۲۴

وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ [1]

(نیکی صرف مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے ہی میں نہیں۔حقیقتاً نیکی اللہ تعالیٰ، قیامت کے دن، فرشتوں، کتاب اللہ اور نبیوں پر ایمان لانا ہے۔ جو لوگ مال کے محبوب ہونے کے باوجود رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والوں کو دیں۔ غلاموں کو آزاد کریں، نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اپنے وعدے پورے کریں۔ تنگدستی اور لڑائی کے وقت صبر کریں۔ یہی لوگ سچے اور یہی پرہیز گار ہیں)

اس آیت پاک میں صادقین کی حسب ذیل نشانیاں بیان کی گئی ہیں:

(i)۔ اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔

(ii)۔ قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں۔

(iii)۔ فرشتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

(iv)۔ آسمانی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔

(v)۔ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں۔

(vi)۔ اللہ کے راستے میں مال خرچ کرتے ہیں۔

(vii)۔ نماز کی پابندی کرتے ہیں۔

(viii)۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

(ix)۔ اپنے وعدے پورے کرتے ہیں۔

(x)۔ مشکلات میں صبر کرتے ہیں۔

(۱۰)۔ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ [2]

(وہ صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، تابعداری کرنے والے، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور سحری کے وقت بخشش مانگنے والے ہیں)

اس آیت مبارکہ میں مومنین کی مندرجہ ذیل نشانیاں بیان کی گئی ہیں:

(i)۔ مومنین مشکلات میں صبر کرتے ہیں۔

(ii)۔ ہر حال میں سچ بولتے ہیں۔

(iii)۔ اللہ پاک کے احکامات کی پابندی کرتے ہیں۔

۱۔ سورہ البقرہ: آیت: ۱۷۷

۲۔ سورہ البقرہ: آیت: ۱۷۷

2

(iv)۔ اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

(v)۔ اللہ عزوجل سے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے بخشش کی دعا مانگتے ہیں۔

(۱۱)۔ خداعزوجل کی پاک کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ سچ بولنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔انبیاء علیہم السلام اور ان کے اصحاب سب کے سب صادق تھے۔ ہر امتی کو اپنے نبی علیہم السلام سے خصوصی محبت ہوتی ہے اور انسان کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ جس سے محبت کرتا ہے، اس کے ہر عمل کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لیے اللہ عزوجل نے بعض انبیاء علیہم السلام کا نام لے کر یاددہانی کروائی ہے کہ وہ تو صادق تھے۔ اگر تم واقعتاً ان سے سچی محبت کے دعویدار ہو تو ان کی پیروی کرو۔ خدا پاک نے جن انبیاء علیہم السلام کا نام لے کر قرآن پاک میں ان کے صادق ہونے کی گواہی دی ہے، ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

(i)۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا[۱]

(اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بیشک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے)

(ii)۔ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا[۲]

(ان کو اپنی رحمت سے نوازااوران کو سچی ناموری سے نوازا)

(iii)۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا[۳]

(اور کتاب میں اسمٰعیل کا بھی ذکر کرو وہ وعدہ کے سچے اور (ہمارے) بھیجے ہوئے نبی تھے)

(iv)۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا[۴]

(اور کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کرو وہ بھی نہایت سچے نبی تھے)

۳۔ صدق احادیث کی روشنی میں

اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار سچ بولنے اور جھوٹ سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ بے شمار احادیث اس بات کی شاہد ہیں:

(۱)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے رب نے مجھ کو نو باتوں کا حکم دیا ہے کہ:

(i)۔ ظاہر و پوشیدہ ہر حالت میں اللہ سے ڈرا جائے۔

(ii)۔ ہمیشہ سچ بولا جائے خواہ غصہ کی حالت ہو یا رضامندگی کی۔

۱۔ سورۃ مریم: آیت: ۴۱

۲۔ سورۃ مریم: آیت: ۵۰

۳۔ سورۃ مریم: آیت: ۵۴

۴۔ سورۃ مریم: آیت: ۵۶

(iii)۔ امیری وغریبی دونوں حالتوں میں میانہ روی اختیار کی جائے۔

(iv)۔ تعلق توڑنے والے سے تعلق کو جوڑا جائے۔(اس کا حکم دیا گیا ہے اگر کوئی عزیز و رشتہ دار بدسلوکی کرے اور قرابت داری کا تعلق ختم کرے تو اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا جائے اور اس کے ساتھ قرابت داری کو قائم رکھنے کی کوشش کی جائے)

(v)۔ محروم کرنے والوں کو عطا کیا جائے۔(اس شخص کو بھی عطا و بخشش سے نوازا جائے جو لوگوں کو خیر سے محروم رکھے)

(vi)۔ انتقام لینے کی طاقت وقوت رکھنے کے باوجود ظلم و زیادتی کرنے والوں کو معاف کیا جائے۔

(vii)۔ چپ رہنا بھی عبادت کا ذریعہ ہو(یعنی جب خاموشی کی حالت میں ہوں اور کسی کے ساتھ بات چیت یا زبان کے ذریعے تبلیغ میں مشغول نہ ہوں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوں یا اس کی قدرت میں غور و فکر کیا جائے)

(viii)۔ بولنا ذکر اللہ کا مظہر ہو(جب زبان جاری ہو تو اللہ عزوجل کی بات کی جائے)

(ix)۔ نظر عبرت پذیری کے لئے ہو(جب اللہ کی کسی مخلوق کی طرف دیکھا جائے تو وہ دیکھنا عبرت حاصل کرنے کے لئے اور توجہ و ہوشیاری کے ساتھ ہو، نہ کہ نادانی وغفلت کے ساتھ)[۱]

(۲)۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہرقل نے ان سے (جب کہ حالت کفر میں تھے) پوچھا کہ تمہارے پیغمبر تمہیں کس بات کا حکم دیتے ہیں تو میں نے جواب دیا کہ وہ ہمیں نماز، سچائی، پاک دامنی، ایفائے عہد اور امانتوں کی ادائیگی کا حکم دیتے ہیں[۲]۔

(۳)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سچ بولنے کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ ہمیشہ اور پابندی کے ساتھ سچ بولنا، نیکی کی طرف لے جاتا ہے۔یعنی سچ بولنے کی خاصیت یہ ہے کہ نیکی کرنے کی توفیق ہوتی ہے اور نیکی جنت کے اعلیٰ درجات تک پہنچاتی ہے اور یاد رکھو! جو شخص ہمیشہ سچ بولتا ہے اور ہمیشہ سچ بولنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے۔نیز تم اپنے آپ کو جھوٹ بولنے سے باز رکھو کیونکہ جھوٹ بولنا گناہ کی طرف لے جاتا ہے یعنی جھوٹ بولنے کی خاصیت یہ ہے کہ برائیوں اور بداعمالیوں کے ارتکاب کی طرف رغبت ہوتی ہے اور گناہ دوزخ کی آگ میں دھکیلتا ہے اور یاد رکھو! جو شخص بہت جھوٹ بولتا ہے اور زیادہ جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب لکھا جاتا ہے[۳]۔

(۴)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا آدمی افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صاف دل اور زبان کا سچا۔لوگوں نے کہا زبان کے سچے کو تو ہم پہچانتے ہیں، لیکن صاف دل کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پرہیزگار، پاک صاف جس کے دل میں نہ گناہ ہو، نہ بغاوت، نہ بغض، نہ حسد[۴]۔

۱۔مشکوۃ شریف۔جلد چہارم: رقم:۱۲۸۸

۲۔صحیح بخاری۔جلد اول: رقم:۲۵۶۹

۳۔جامع ترمذی۔جلد اول: رقم:۲۰۵۷

۴۔ سنن ابن ماجہ۔رقم:۴۲۲۰

(۵)۔ حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کیا مومن بزدل ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں، پھر پوچھا کیا مومن بخیل ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں، پوچھا کیا مومن جھوٹا ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں، مومن جھوٹا نہیں ہوسکتا[1]۔

(۶)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سچا امانت دار تاجر قیامت کے دن شہدا کے ساتھ ہوگا[2]۔

(۷)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی سچے دل سے اسلام قبول کرلیتا ہے تو اس کی ہر نیکی کو دس سے لے کر سات سو نیکیوں تک لکھا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے پاس پہنچ جاتا ہے[3]۔

(۸)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک مذاق میں بھی جھوٹ بولنا چھوڑ نہ دے اور سچا ہونے کے باوجود جھگڑا ختم نہ کردے[4]۔

(۹)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے، میں اس کے لئے جنت کے اطراف میں ایک گھر کا ضامن ہوں اور جو شخص مذاق و مزاح میں بھی جھوٹ بولنا چھوڑ دے، میں اس کے لئے جنت کے وسط میں ایک گھر کا ضامن ہوں اور جو شخص اعلیٰ اخلاق کا مالک ہو، میں اس کے لئے اعلیٰ جنت میں ایک مکان کا ضامن ہوں[5]۔

(۱۰)۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس امت کی امداد کمزور افراد کی دعا اور نماز اور سچائی کی برکت سے فرمائیں گے[6]۔

(۱۱)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جنتی عمل کیا ہے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سچ بولنا۔ جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیکی کرتا ہے اور جب نیکی کرتا ہے تو ایمان لاتا ہے اور جب ایمان لے آیا تو جنت میں داخل ہوجائے گا۔ پھر اس نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جہنمی عمل کیا ہے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جھوٹ بولنا۔ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو گناہ کرتا ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو کفر کرتا ہے اور جب کفر کرتا ہے تو جہنم میں داخل ہوجائے گا[7]۔

۱۔ موطا امام مالک۔ جلد اول: رقم: ۱۷۱۳
۲۔ سنن ابن ماجہ: رقم: ۲۱۳۹
۳۔ صحیح مسلم۔ جلد اول: رقم: ۳۳۶
۴۔ مسند احمد۔ رقم: ۸۲۷۶
۵۔ سنن ابوداؤد۔ رقم: ۴۷۷۲
۶۔ سنن نسائی۔ جلد دوم: رقم: ۱۰۹۱
۷۔ مسند احمد۔ جلد سوم: رقم: ۲۱۳۷

(۱۲)۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیچنے والے اور خریدنے والے کو اختیار ہے جب تک کہ دونوں جدا نہ ہوں۔ اگر دونوں سچ بولیں اور صاف صاف بیان کریں تو ان دونوں کی بیع میں برکت ہوگی اور اگر دونوں نے چھپایا اور جھوٹ بولا تو ان دونوں کی بیع (خرید وفروخت) کی برکت ختم کردی جائے گی[۱]۔

(۱۳)۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حضرت لقمانؒ سے کسی نے پوچھا کہ تم کو کس وجہ سے اتنی بزرگی حاصل ہوئی؟ حضرت لقمانؒ نے کہا سچ بولنے سے، امانت داری سے اور لغو کام چھوڑ دینے سے[۲]۔

(۱۴)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص جھوٹ بولنا چھوڑ دے اور وہ جھوٹ ناحق ہو تو اس کے لئے جنت کے کنارے پر محل بنایا جاتا ہے اور جو شخص حق پہ ہونے کے باوجود جھگڑا اور بحث وتکرار چھوڑ دے ہو، اس کے لئے جنت کی بلند جگہ پر محل بنایا جاتا ہے[۳]۔

(۱۵)۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قراد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور کے وضو کے پانی کو اپنے جسم پر ملنا شروع کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھ کر ارشاد فرمایا: تم یہ جو کچھ کر رہے ہو اس کا سبب کیا ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا! اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اس کا باعث ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سے محبت کریں تو اس کو چاہیے کہ جب بولے تو سچ بولے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس امانت کو ادا کرے اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھی ہمسائیگی کا ثبوت دے[۴]۔

(۱۶)۔ حضرت سفیان بن اسد حضرمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی سے کوئی بات کہو اور وہ تم کو اس بات میں سچا جانے جب کہ حقیقت میں تم نے اس سے جھوٹ بولا ہو[۵]۔

(۱۷)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں[۶]:

(i)۔ جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے۔

(ii)۔ جب امانت دی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

(iii)۔ جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے۔

۱۔ صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم: ۱۹۹۹

۲۔ موطا امام مالک۔ جلد اول: رقم: ۱۷۱۲

۳۔ مشکوۃ شریف۔ جلد چہارم: رقم: ۷۶۹

۴۔ مشکوۃ شریف۔ جلد چہارم: رقم: ۹۲۱

۵۔ مشکوۃ شریف۔ جلد چہارم: رقم: ۷۸۰

۶۔ صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم: ۲۵۷۰

(۱۸)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک مذاق میں بھی جھوٹ بولنا چھوڑ نہ دے اور سچا ہونے کے باوجود جھگڑا ختم نہ کردے[۱]۔

(۱۹)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا اور برے عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے[۲]۔

(۲۰)۔ حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز فجر پڑھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا: جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے۔ یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار دہرایا[۳]۔

(۲۱)۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن نہ بات کرے گا، نہ انہیں رحمت کی نظر سے دیکھے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا[۴]:

(i)۔ تکبر سے ٹخنہ سے نیچے تہ بند لٹکانے والا

(ii)۔ احسان جتانے والا

(iii)۔ جھوٹی قسم کھا کر اپنا سامان بیچنے والا

(۲۲)۔ حضرت معاویہ بن حیدہ قشیری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تباہی ہے اس شخص کے لیے جو محض دوسروں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے[۵]۔

۴۔ صدق کی اقسام

دین میں صدق سے عام طور پر افعال کا صدق، اقوال کا صدق اور احوال کا صدق مراد لیا جاتا ہے۔

(۱)۔ اقوال کا صدق تو یہ ہے کہ بات پکی ہو یعنی واقعہ کے مطابق ہو۔ جو شخص اس صفت سے موصوف ہو اس کو صادق الاقوال کہتے ہیں۔

(۲)۔ افعال کا صدق یہ ہے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہو، حکم شرع کے خلاف نہ ہو۔ جس شخص کے افعال ہمیشہ شریعت کے موافق ہوں اس کو صادق الافعال کہا جاتا ہے۔

(۳)۔ احوال کا صدق یہ ہے کہ وہ احوال سنت کے موافق ہوں پس جو احوال خلاف سنت ہوں وہ احوال کاذبہ ہیں اور جس شخص کے احوال سنت کے موافق ہوتے ہیں اس کو صادق الاحوال کہتے ہیں۔

۱۔ مسند احمد۔ جلد چہارم: رقم: ۱۴۵۵

۲۔ سنن ابوداؤد: رقم: ۲۳۶۲

۳۔ سنن ابوداؤد: رقم: ۳۵۹۹

۴۔ سنن ابوداؤد: رقم: ۴۰۸۷

۵۔ سنن ابوداؤد: رقم: ۴۹۹۰

۵۔ صدق کے مراتب

صدق (راستی) کا تعلق چھ چیزوں سے ہے یعنی یہ صدق چھ چیزوں میں ہوتی ہے اور جو کوئی ان چیزوں میں کامل ہو وہ صدیق ہے:

(۱)۔ پہلا صدق زبان کا صدق ہے کہ انسان کبھی جھوٹ نہ بولے، نہ گزرے ہوئے زمانہ کی خبر میں، نہ زمانہ حال میں اور نہ اس وعدہ میں جو آئندہ کے لیے کیا ہے۔

(i)۔ صدقِ زبان کا کمال یہ ہے کہ اشارہ و کنائیہ میں بھی بات چیت نہ کرے کہ اس نے کچھ کہا اور دوسرا شخص اسے کچھ اور سمجھے۔

(ii)۔ اگر بات کرنے والا ایسی جگہ ہے جہاں سچ کہنا مصلحت کے مناسب نہیں ہے، مثلاً دشمن سے بات کرنا پڑے یا مسلمانوں کے مابین صلح کرانا مقصود ہو، تو بھی کمال یہ ہے کہ ان مواقع پر حتیٰ الامکان اشارہ و کنائیہ میں بات کہے، صاف جھوٹ نہ بولے۔ مثلاً

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وہ بات جو آپ رضی اللہ عنہ نے مدینۃ المنورہ کی طرف ہجرت کے دوران فرمائی تھی۔ جب راستے میں لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھتے کہ تمہارے ساتھ یہ شخص کون ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ انہیں بتاتے کہ ھذا ھادی یھدینی الی الطریق (یہ راہنما ہیں، مجھے راستہ دکھا رہے ہیں)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو فرما رہے تھے وہ بالکل سچ تھا۔ لیکن سننے والے کو لامحالہ یہ ہی سمجھ آتا کہ یہ کوئی مقامی راستے جاننے والا راہبر ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس بات سے مراد یہ ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی طرف، اللہ کی رضا اور اللہ کی جنت کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں۔

لیکن ضروری ہے کہ انسان کا اس طرح کہنا حق تعالیٰ کے واسطے ہو اور جو کچھ کہے مصلحت کی خاطر کہے، وہ درجہ صدق سے نہیں گرے گا۔

(۲)۔ دوسرا صدق نیت کا صدق ہے کہ ہر ایک کام اللہ پاک کے لیے ہو، اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ اور مقصد نہ ہو اور نہ کسی کو شریک بنائے اور یہ اخلاص ہے۔ اخلاص کو بھی صدق کہتے ہیں کیونکہ جب آدمی کے دل میں اللہ تعالیٰ کے تقرب کے سوا اور کچھ مقصود ہو تو اس عبادت میں وہ جھوٹا ہوگا۔

(۳)۔ تیسرا صدق ارادہ میں ہے مثلاً کسی نے ارادہ کیا اگر مجھے اقتدار حاصل ہو جائے تو میں عدل کروں گا اور اگر مال حاصل ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ و خیرات کروں گا۔ ایسا ارادہ کبھی تو قائم رہتا ہے اور کبھی اس میں معمولی سا شک پیدا ہو جاتا ہے۔ پس جو مضبوط ارادہ بغیر کسی ہچکچاہٹ اور شک کے ہو اس کو صدق عزم (سچا ارادہ) کہتے ہیں۔ پس صدیق وہ شخص ہے جو ہمیشہ اپنے دل میں نیکی کے ارادہ کو محکم اور مضبوط پائے۔

(۴)۔ چوتھا صدق ارادے کو پورا کرنے کا صدق ہے۔ ایک شخص کا ارادہ مضبوط ہو کہ اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے کام کروں لیکن

2

جب اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے کام کا موقع آئے تو محنت کرنے پر تیار نہ ہو۔ یہ صدق نہ ہوگا بلکہ صدق یہ ہوگا کہ وہ اپنے اچھے ارادے کو خوشی خوشی پورا کرے۔

(۵)۔ پانچواں صدق صدقِ باطن ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کوئی ایسا کام نہ کرے جب تک اس کا باطن اس صفت سے موصوف نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص اگر بظاہر متانت سے چلتا ہے مگر اس کے باطن میں وقار نہیں ہے تو ایسا شخص صادق نہ ہوگا کیونکہ صدق باطن اس وقت پیدا ہوگا کہ انسان اپنے ظاہر کو باطن کے مطابق رکھے۔ جس شخص میں صدق باطن ہوگا اس کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہوگا یا کم از کم ظاہر کے برابر ہوگا۔ اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے تھے:

اللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيرَتِي خَيْرًا مِنْ عَلَانِيَتِي وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِي صَالِحَةً [۱]

(یا الٰہی میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر فرما دے اور میرا ظاہر اچھا کر دے)

(۶)۔ چھٹا صدق صدقِ طلب ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دین کے مقامات کی حقیقت کا اپنے دل سے خواہاں ہو اور ان کے ظاہر پر قناعت نہ کرے، جیسے زہد و محبت، توکل، خوف، رجا اور رضا وغیرہ کو طلب کرے۔ اگرچہ ہر ایک مومن کو ان مقامات سے کچھ حصہ ضرور ملتا ہے لیکن کمزوری کے ساتھ۔ جو شخص ان مقامات پر مضبوطی سے قائم ہوگا اس کو صادق کہا جائے گا۔ مثلاً جب کوئی شخص ایک چیز سے ڈرتا ہے تو اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اس کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے اور وہ کانپنے لگتا ہے اور کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے اور اس میں بے قراری ہوتی ہے۔

پس جو کوئی ان چھ مقامات میں صادق رہے گا اس کا صدق کمال کو پہنچ جائے گا اور اس کو صدیق کہیں گے اور جو کوئی ایک وصف میں صادق ہوگا اور دوسرے وصف میں صادق نہیں ہے تو اس کو صدیق نہیں کہیں گے بلکہ اس کا درجہ بس اس کے صدق کے موافق ہوگا۔

۶۔ صدق کے درجات

صدق کی پہچان تین درجوں پر ہوتی ہے:

(۱)۔ کسی کے بارے میں یہ کہا جاتا ہو کہ وہ صادق یعنی سچا ہے۔

(۲)۔ کسی کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ صُدُوق یعنی بہت سچا ہے۔

(۳)۔ کسی کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ صِدِّیق یعنی بہت ہی زیادہ سچا ہے۔

یہ تیسرا درجہ صدق کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ جس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فائز ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو یہ مقام اس لیے ملا کہ جب سوائے ایمان والوں کی والدہ محترمہ امی جان خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱۔ جامع ترمذی۔ جلد دوم: رقم: ۱۵۴۳

کی نبوت کی ہر ایک تکذیب کر رہا تھا تو اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا کر اپنے ظاہر و باطن، قول و فعل سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی۔

۷۔ صدق کے ثمرات

صدق کے بڑے عظیم ثمرات اور جلیل القدر فوائد ہیں۔ مثال کے طور پر:

(۱)۔ اللہ عزوجل صادق کو ان تین نعمتوں سے ضرور نوازتا ہے:

(i)۔ اس کی باتوں میں حلاوت پائی جاتی ہے۔

(ii)۔ دوسرے کے دل میں اس کا رعب ہوتا ہے۔

(iii)۔ اس کا چہرہ پر رونق ہوتا ہے۔

(۲)۔ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں ملتی ہیں۔

(۳)۔ صدق سے بندے کو اللہ عزوجل اور فرشتوں کی محبت حاصل ہوتی ہے۔

(۴)۔ اہل زمین کے دلوں میں اس کی مقبولیت لکھ دی جاتی ہے۔

(۵)۔ صدق تمام اعمال کی اساس اور روح ہے۔

(۶)۔ صدق سے تھوڑے عمل اور معمولی دعا پر بھی عظیم ثواب ملتا ہے۔

(۷)۔ صادق اور مخلص کا ہر عمل جس سے اللہ کی خوشنودی مقصود ہو لکھا جاتا ہے، خواہ وہ عمل مباح ہی ہو۔

(۸)۔ صدق والا بندہ جس عمل کی بھی نیت کرتا ہے اس کا ثواب لکھ لیا جاتا ہے، اگرچہ وہ اسے سرانجام نہ ہی دے سکے۔

(۹)۔ سچ بولنے کے سبب اللہ عزوجل انسانوں کی مدد فرماتا ہے۔

(۱۰)۔ صدق آخرت کے عذاب سے نجات دلاتا ہے۔

(۱۱)۔ صدق کے سبب اللہ عزوجل کے ہاں درجات میں بلندی حاصل ہوتی ہے۔

(۱۲)۔ صدق کے سبب گمراہی سے نجات ملتی ہے۔

(۱۳)۔ صدق ہدایت میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔

(۱۴)۔ صدق سے دل کو اطمینان اور نیک بختی کا احساس ہوتا ہے۔

(۱۵)۔ صدق سے انسان کے دل میں ایمان کی تزئین و آرائش ہوتی ہے۔

(۱۶)۔ صدق سے مخلص لوگوں کی صحبت و ہم نشینی کی توفیق ملتی ہے۔

(۱۷)۔ صدق سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

(۱۸)۔ صدق سے حسن خاتمہ نصیب ہوتا ہے۔

(۱۹)۔ صدق سے جنت میں داخلہ ملتا ہے۔

(۲۰)۔ صدق سے جہنم سے نجات عطا ہوتی ہے۔

۸۔ صدق کے بارے میں اقوال

صدق کے بارے میں صوفیائے کرامؒ سے دلچسپ اقوال منسوب ہیں:

(۱)۔ حضرت ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ دل اور زبان کی یکسانیت ہی صدق ہوتا ہے[۱]۔

(۲)۔ حضرت قتادؒ فرماتے ہیں کہ اپنے منہ میں حرام نہ جانے دینا صدق ہے[۲]۔

(۳)۔ حضرت واسطیؒ نے فرمایا کہ توحید کے صحیح ہونے کا اقرار ہی صدق ہے[۳]۔

(۴)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ صدیق وہ ہے جو اپنے اقوال، افعال اور احوال میں ہمیشہ سچا رہے[۴]۔

(۵)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ صدق صادق کی صفت ہے اور صادق وہ ہے جسے تم نے جیسا سچا سنا تھا ہمیشہ اسے ویسا ہی سچا پاؤ[۵]۔

(۶)۔ حضرت ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص مخلوق کی نگاہوں سے بچنے کا نام ہے اور صدق نفس کو اعمال دکھانے سے بچنے کو کہتے ہیں۔ پس مخلص ریاکار نہیں ہوتا اور صادق خود پسند نہیں ہوتا[۶]۔

(۷)۔ حضرت ابوعلی دقاقؒ نے فرمایا کہ صدق یہ ہوتا ہے کہ تم لوگوں سے وہ معاملہ کرو جسے تمہارا نفس بھی پسند کرتا ہے[۷]۔

(۸)۔ حضرت حارث محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ صدق یہ ہے:

(i)۔ صدق کی خاطر لوگوں کے دلوں سے تمہاری قدر و قیمت نکل جانے کی بھی تمہیں ذرا پرواہ نہ ہو۔

(ii)۔ انسان ذرہ بھر بھی اپنے حسنِ عمل کی نمائش پسند نہ کرے اور اسے یہ فکر بھی دامنگیر نہ ہو کہ اس کی بداعمالی کا کسی کو پتہ چل جائے گا اگر ایسا ہے تو وہ اپنی عبادت کے بدلے میں لوگوں سے عزت و وقار کی خواہش رکھتا ہے اور یہ صدیقوں کی عادت نہیں ہوتی[۸]۔

---

[۱]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۶۸

[۲]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۶۸

[۳]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۶۸

[۴]۔ تصوف اور تصورات صوفیا از پروفیسر ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۸۴

[۵]۔ تصوف اور تصورات صوفیہ از پروفیسر ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۸۴

[۶]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۸۰

[۷]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۸۰

[۸]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۸۷

(۹)۔ حضرت حذیفہ مرعشیؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر و باطن میں بندے کے افعال کی یکسانیت کا نام صدق ہے[1]۔

(۱۰)۔ حضرت ابو سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ بے شمار وسوسے اور ریاکاری اس وقت ختم ہو جاتی ہے جب انسان صدق و اخلاص سے کام لیتا ہے[2]۔

(۱۱)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص صرف صداقت اور اس پر صبر کے ذریعے مکمل ہوتا ہے اور صدق اس صورت میں پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے کہ اس میں اخلاص ہو اور اس پر مداومت اختیار کی جائے[3]۔

(۱۲)۔ حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ چالیس دن تک صدق و اخلاص کا مظاہر کرنے والے بندے کے دل سے حکمت و دانائی زبان پر آ جاتی ہے[4]۔

(۱۳)۔ حضرت عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ عمل کے ذریعے حقوق اللہ کی ادائیگی صدق و اخلاص ہے[5]۔

(۱۴)۔ امام شعرانیؒ کے مطابق صدق و اخلاص تمام منہیات کو ترک کرنے کا نام ہے۔ جس نے تمام منہیات کو ترک کر دیا، موت کو یاد رکھا اور درشتی طبع اور نفسانی خواہشات کو ترک کر دیا تو اسے مقام صدیقیت میں استقامت حاصل ہو جاتی ہے[6]۔

(۱۵)۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ صدق کی تین اقسام ہیں:

(i)۔ اقوال میں صدق تو یہ ہے کہ دل کی موافقت قول کے ساتھ اپنے وقت میں ہو۔

(ii)۔ اعمال میں صدق یہ ہے کہ اعمال اس تصور کے ساتھ بجالائے کہ اللہ عزوجل اس کو دیکھ رہا ہے اور خود کو بھول جائے۔

(iii)۔ احوال میں صدق یہ ہے کہ طبیعتِ انسانی ہمیشہ حالتِ حق پر قائم رہے اگرچہ دشمن کا خوف ہو یا دوست کا ناحق مطالبہ ہو[7]۔

(۱۶)۔ حضرت ابوالنجیب سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ صدق انسان کے ظاہر و باطن کے ایک جیسے ہونے کا نام ہے[8]۔

(۱۷)۔ ایک صوفی کا قول ہے کہ صدق یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کا گواہ اللہ کے سوا کسی اور کو نہ بنائے۔[9]

---

[1]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۶۶

[2]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۶۸

[3]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۶۸

[4]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۶۸

[5]۔ تصوف اور تصورات صوفیہ از پروفیسر ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۸۴

[6]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۶۸

[7]۔ المرجع السابق از شیخ عبدالقادر جیلانی۔ صفحہ نمبر ۲۳۵

[8]۔ آداب المریدین از شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ۔ صفحہ نمبر ۳۶

[9]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۶۸

2

۹۔ صدق کے واقعات

نصیحت حاصل کرنے کے لیے اللہ والوں کے صدق و اخلاص کے کچھ واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ حضور نبی کریم ﷺ ہمیشہ سچ بولتے تھے اور سچ بولنے کا ہی درس دیتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کے تمام دشمن بھی آپ ﷺ کے صادق و امین ہونے کی گواہی دیتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ صفا پہاڑ پر تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے قریش مکہ کے قبائل کو ان کے ناموں سے پکارنا شروع کر دیا۔ چنانچہ جب قریش کی تمام شاخوں کے لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ جنگل میں ایک لشکر آ کر اترا ہے اور تمہیں تباہ و برباد کر دینا چاہتا ہے تو کیا تم مجھ کو سچا جانو گے؟ ان سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ بیشک کیونکہ ہمارا ہمیشہ کا تجربہ یہ ہے کہ آپ (ﷺ) نے جب بھی کوئی بات کہی ہے سچ کہی ہے، آپ (ﷺ) کی زبان سے ہم نے کبھی سوائے سچ کے کوئی بات نہیں سنی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر تم مجھے سچا سمجھتے ہو تو سنو کہ میں اللہ کی طرف سے تمہیں اس کے سخت ترین عذاب کے اترنے سے پہلے ڈرانے والا مامور ہوا ہوں یعنی میں اللہ کے رسول کی حیثیت سے تمہارے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتا ہوں، اس کو قبول کرو! اگر تم اس دعوت کو قبول نہیں کرو گے اور مجھ پر ایمان نہیں لاؤ گے تو پھر میں تمہیں یہ خبر دیتا ہوں کہ تم پر اللہ کا نہایت سخت عذاب نازل ہوگا[۱]۔

(۲)۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ ہمیشہ سچ بولتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے سچ بولنے کی وجہ سے صادق و امین مشہور تھے۔ اسی حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا: ہرقل (شاہ روم) نے ان کے پاس قریش کے قافلے میں ایک آدمی بلانے کو بھیجا اور اس وقت یہ لوگ تجارت کے لیے ملک شام گئے ہوئے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب حضور نبی کریم ﷺ نے قریش اور ابوسفیان سے ایک وقتی عہد کیا ہوا تھا۔ جب ابوسفیان اور دوسرے لوگ ہرقل کے پاس ایلیا پہنچے جہاں ہرقل نے دربار طلب کیا تھا۔ اس کے گرد روم کے بڑے بڑے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہرقل نے ان کو اور اپنے ترجمان کو بلوایا۔ پھر ان سے پوچھا کہ تم میں سے کون شخص مدعی رسالت کا زیادہ قریبی عزیز ہے؟ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں بول اٹھا کہ میں اس کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں۔ ہرقل نے حکم دیا کہ اس کو میرے قریب لا کر بٹھاؤ اور اس کے ساتھیوں کو اس کی پیٹھ کے پیچھے بٹھا دو۔ پھر اپنے ترجمان سے کہا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں ابوسفیان سے اس شخص کے حالات پوچھتا ہوں۔ اگر یہ مجھ سے کسی بات میں جھوٹ بول دے تو تم اس کا جھوٹ ظاہر کر دینا۔ ابوسفیان بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ غیرت نہ آتی کہ یہ لوگ مجھ کو جھٹلائیں گے تو میں آپ ﷺ کی نسبت ضرور غلط گوئی سے کام لیتا۔

پہلی بات جو ہرقل نے مجھ سے پوچھی وہ یہ کہ اس شخص کا خاندان تم لوگوں میں کیسا ہے؟ میں نے کہا وہ تو بڑے اونچے

۱۔ مشکوۃ شریف۔ جلد چہارم: رقم: ۱۳۰۴

عالی نسب والے ہیں۔ کہنے لگا اس سے پہلے بھی کسی نے تم لوگوں میں ایسی بات کہی تھی؟ میں نے کہا نہیں۔ ہرقل کہنے لگا، اچھا اس کے بڑوں میں کوئی بادشاہ ہوا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر ہرقل نے کہا، بڑے لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی ہے یا کمزوروں نے؟ میں نے جواب دیا کہ کمزوروں نے۔ پھر پوچھا، اس کے تابعداروں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ روز بروز بڑھ رہی ہے۔ ہرقل نے پوچھا کہ کیا اپنے اس دعوے سے پہلے کبھی اس نے جھوٹ بولا ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ کبھی بھی نہیں بلکہ وہ ہمارے ہاں صادق و امین مشہور ہیں اور اب ہماری اس سے (صلح کی) ایک مقررہ مدت ٹھہری ہوئی ہے۔ معلوم نہیں وہ اس میں کیا کرنے والا ہے۔

ابوسفیان بیان کرتے ہیں کہ میں اس بات کے سوا اور کوئی اس گفتگو میں شامل نہ کر سکا۔ ہرقل نے کہا کیا تمہاری اس سے کبھی لڑائی بھی ہوتی ہے؟ ہم نے کہا کہ ہاں۔ بولا پھر تمہاری اور اس کی جنگ کا کیا حال ہوتا ہے؟ میں نے کہا، لڑائی ڈول کی طرح ہے، کبھی وہ ہم سے جیت لیتے ہیں اور کبھی ہم ان سے جیت لیتے ہیں۔ ہرقل نے پوچھا۔ وہ تمہیں کس بات کا حکم دیتا ہے؟ میں نے کہا وہ کہتا ہے کہ صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ اور اپنے باپ دادا کی باتیں چھوڑ دو اور ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے، پرہیزگاری اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے[۱]۔

(۳)۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ساری زندگی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوہ حسنہ میں رنگی ہوئی تھی۔ اس لیے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمیشہ سچ بولنے کو ترجیح دیتے تھے۔ حتیٰ کہ چھوٹے بچے تک بھی سچ بولنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ جیسا کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور میرا باپ علم کے حصول کے لیے قبیلہ حی میں گئے۔ یہ اس قبیلہ کی ہلاکت سے پہلے کی بات ہے، تو سب سے پہلے ہماری ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابی حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ حضرت ابو الیسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا، جس کے پاس صحیفوں کا ایک بستہ تھا۔ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اور مغافری کپڑے پہنے ہوئے تھے اور حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ کے غلام پر بھی ایک چادر تھی اور وہ بھی مغافری کپڑے پہنے ہوئے تھا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے باپ نے ان سے کہا اے چچا! میں آپ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ناراضگی کے اثرات دیکھ رہا ہوں۔ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ فلاں بن فلاں کے اوپر میرا کچھ قرض تھا۔ میں اس کے گھر گیا اور میں نے سلام کیا اور میں نے کہا کیا کوئی شخص ہے؟ گھر والوں نے کہا نہیں۔ اسی دوران اس کا بیٹا باہر نکلا، میں نے اس سے پوچھا تیرا باپ کہاں ہے؟ اس نے کہا، آپ رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر میری ماں کے کمرہ عروسی میں داخل ہو گیا ہے۔ پھر میں نے کہا! میری طرف باہر نکل۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے، کہ تو کہاں ہے۔ پھر وہ باہر نکلا، تو میں نے اس سے کہا، تو مجھ سے چھپا کیوں تھا؟ اس نے کہا! اللہ کی قسم! میں آپ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتا ہوں اور آپ رضی اللہ عنہ سے جھوٹ نہیں کہوں گا کہ اللہ کی قسم! مجھے آپ رضی اللہ عنہ سے جھوٹ کہتے ہوئے ڈر لگا اور مجھے آپ رضی اللہ عنہ سے وعدہ کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خوف معلوم ہوا۔

---

[۱]۔ صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم: ٦

2

کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی رضی اللہ عنہ ہیں اور اللہ کی قسم میں ایک تنگ دست آدمی ہوں۔

حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کیا تو اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہے؟ اس نے کہا! میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں۔ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! کیا تو اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہے؟ اس نے کہا! میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں۔ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا: کیا تو اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہے؟ اس نے کہا! میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں۔ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے وہ کاغذ منگوا کر اپنے ہاتھ سے اسے مٹا دیا اور فرمایا کہ اگر تو پائے تو اسے ادا کر دینا ورنہ میں تجھے معاف کرتا ہوں[1]۔

(۴)۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام لڑائیوں میں حاضر رہا، مگر غزوہ بدر اور غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گیا۔ غزوہ بدر میں پیچھے رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا عتاب نہیں ہوا۔ جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غرض یہ تھی کہ قافلہ قریش کا تعاقب کیا جائے، دشمنوں کو اللہ تعالیٰ نے اچانک حائل کر دیا اور جنگ ہوگئی۔ جنگ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے قبل کبھی بھی میرے پاس دو سواریاں جمع نہیں ہوئی تھیں مگر اس غزوہ کے وقت میرے پاس دو سواریاں تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ جب کہیں جنگ کا خیال کرتے تو صاف صاف پتہ نشان اور جگہ نہیں بتاتے تھے بلکہ کچھ گول مول الفاظ میں ظاہر کرتے تھے تاکہ کوئی دوسرا مقام سمجھتا رہے۔ جب غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہونے کا وقت آیا تو شدید گرمی تھی، راستہ طویل اور بے آب و گیاہ تھا، دشمن کی تعداد زیادہ تھی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو پورے طور پر آگاہ کر دیا کہ ہم تبوک جا رہے ہیں تاکہ تیاری کر لیں۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کثیر تعداد میں مسلمان موجود تھے مگر کوئی ایسا رجسٹر نہیں تھا کہ اس میں سب کے نام لکھے ہوئے ہوں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں تھا کہ جو اس لڑائی میں شریک ہونا نہ چاہتا ہو، مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی کرتے تھے کہ کسی کی غیر حاضری حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت تک معلوم نہیں ہوسکتی جب تک کہ وحی نہ آئے۔

غرض پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور یہ وقت میوہ کے پکنے کا تھا اور سایہ میں بیٹھنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ سب تیاریاں کر رہے تھے مگر میں ہر صبح کو یہی سوچتا تھا کہ میں تیاری کر لوں گا کیا جلدی ہے، میں تو ہر وقت تیاری کر سکتا ہوں۔ اسی طرح دن گزرتے رہے، ایک روز صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہو گئے۔ میں نے سوچا ان کو جانے دو اور میں ایک دو دن میں تیاری کر کے راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شامل ہو جاؤں گا۔ غرض دوسری صبح کو میں نے تیاری کرنی چاہی مگر نہ ہوسکی اور میں یوں ہی رہ گیا۔ تیسرے روز بھی یہی ہوا اور پھر میرا برابر یہی حال ہوتا رہا۔ اب سب لوگ بہت دور نکل چکے تھے، میں نے کئی مرتبہ قصد کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر مل جاؤں مگر تقدیر میں نہ تھا، کاش! ایسا کر لیتا۔

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چلے جانے کے بعد میں جب مدینہ میں چلتا پھرتا تو مجھ کو یا تو منافق نظر آتے یا وہ نظر آتے جو کمزور ضعیف اور بیمار تھے، مجھے بہت افسوس ہوتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستہ میں مجھے کہیں بھی یاد نہیں کیا، البتہ

۱۔ صحیح مسلم۔ رقم: ۳۰۱۵

تبوک پہنچ کر جب سب لوگوں میں تشریف فرما ہوئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا! کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ بنی سلمہ کے ایک آدمی عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ وہ تو اپنے حسن و جمال پر ناز کرنے کی وجہ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے اچھی بات نہیں کی۔ اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم تو انہیں اچھا آدمی جانتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر خاموش ہو رہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ واپس آرہے ہیں تو میں سوچنے لگا کہ کوئی ایسا حیلہ بہانہ ہاتھ آجائے جو آنحضرت ﷺ کے غصہ سے مجھے بچا سکے۔ میں اپنے گھر کے سمجھدار لوگوں سے مشورہ کرنے لگا کہ اس سلسلہ میں کچھ تم بھی سوچو، مگر جب یہ بات معلوم ہوئی کہ آنحضرت ﷺ مدینہ کے بالکل قریب آگئے ہیں، تو میرے دل سے اس حیلہ کا خیال دور ہو گیا اور میں نے یقین کرلیا کہ جھوٹ آپ ﷺ کے غصہ سے نہیں بچا سکے گا۔ صبح کو آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لے آئے اور آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور دو رکعت نفل ادا فرماتے۔

غزوہ تبوک سے واپسی پر بھی رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لائے اور دو رکعت نفل ادا فرمائے۔ اب جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے آنا شروع کیا اور اپنے اپنے عذر بیان کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے۔ یہ لوگ اسی (۸۰) تھے یا اس سے کچھ زیادہ۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے ان کے عذر قبول کر لئے اور ان سے دوبارہ بیعت لی اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی اور ان کے دلوں کے خیالات کو اللہ کے حوالے کر دیا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں بھی آیا اسلام علیکم کہا، آپ ﷺ نے ایسی مسکراہٹ سے جس میں غصہ بھی جھلک رہا تھا جواب دیا اور فرمایا، آؤ! میں سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے پوچھا کعب (رضی اللہ عنہ) تم کیوں پیچھے رہ گئے تھے؟ حالانکہ تم نے تو سواری کا بھی انتظام کرلیا تھا۔ میں نے عرض کیا! آپ ﷺ کا فرمانا درست ہے، میں اگر کسی اور کے سامنے ہوتا تو ممکن تھا کہ اس سے بہانہ وغیرہ کر کے چھوٹ جاتا کیونکہ میں بول بھی خوب سکتا ہوں مگر اللہ گواہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ اگر آج میں نے جھوٹ بول کر آپ ﷺ کو راضی کرلیا، تو کل اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے بتا دے گا، اللہ کی قسم میں قصوروار ہوں حالانکہ مال و دولت میں کوئی بھی میرے برابر نہیں ہے، مگر میں یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی غزوہ میں شریک نہ ہو سکا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ کعب (رضی اللہ عنہ) نے صحیح بات بیان کردی، اچھا جاؤ اور اللہ کے حکم کا اپنے حق میں انتظار کرو۔

میں اٹھ کر چلا تو بنی سلمہ کے آدمی بھی میرے ساتھ ہو لیے اور کہنے لگے کہ ہم نے تو اب تک تمہارا کوئی گناہ نہیں دیکھا ہے، تم نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح آنحضرت ﷺ کے سامنے کوئی بہانہ پیش کر دیا ہوتا، حضور ﷺ کی دعائے مغفرت آپ رضی اللہ عنہ کے لئے کافی ہوتی۔ وہ برابر مجھے یہی سمجھاتے رہے، یہاں تک کہ میرے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ واپس آنحضرت ﷺ کے پاس جاؤں اور پہلے والی بات کو غلط ثابت کر کے کوئی بہانہ پیش کردوں۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی اور بھی ہے؟ جس نے میری طرح اپنے گناہ کا اعتراف کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں دو آدمی اور بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہ کا

2

اقرار کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے بھی وہی فرمایا ہے جو کہ تم سے ارشاد کیا ہے۔ میں نے ان کے نام پوچھے؟ تو پتا چلا کہ ایک حضرت مرارہ بن ربیع عمروی رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت ہلال بن امیہ واقفی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ دونوں نیک آدمی تھے اور جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے۔ مجھے ان سے ملنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ غرض ان دو آدمیوں کا نام سن کر مجھے اطمینان ہو گیا اور میں چل دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو منع فرما دیا تھا کہ ان تین آدمیوں سے کوئی کلام نہ کرے مگر دوسرے رہ جانے والے اور جھوٹے بہانے کرنے والوں کے لئے یہ حکم نہیں دیا تھا۔ آخر لوگوں نے ہم سے الگ رہنا شروع کر دیا اور ہم ایسے ہو گئے جیسے ہمیں کوئی جانتا ہی نہیں ہے۔ گویا آسمان وزمین بدل گئے ہیں۔ پچاس راتیں اسی حال میں گزر گئیں۔ میرے دونوں ساتھی تو گھر میں بیٹھ گئے مگر میں ہمت والا تھا، گھر سے باہر نکلتا، نماز باجماعت میں شریک ہوتا، بازار وغیرہ جاتا، مگر کوئی بات نہیں کرتا تھا۔

میں آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھی آتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصلے پر رونق افروز ہوتے، میں سلام کرتا اور مجھے ایسا شبہ ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہونٹ ہل رہے ہیں، شاید سلام کا جواب دے رہے ہیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہی نماز پڑھنے لگتا مگر آنکھ چرا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی دیکھتا رہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ میں جب نماز میں ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دیکھتے رہتے اور جب میری نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منہ پھیر لیا کرتے تھے۔ اس حال میں مدت گزر گئی اور میں لوگوں کی خاموشی سے عاجز آ گیا اور پھر اپنے چچازاد بھائی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس باغ میں آیا اور سلام کیا اور اس سے مجھے بہت محبت تھی مگر اللہ کی قسم! اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا اے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ! تو مجھے اللہ اور اس کے رسول کا طرفدار جانتا ہے یا نہیں؟ مگر اس نے جواب نہ دیا۔ پھر میں نے قسم کھا کر یہی بات کہی، مگر جواب نہ ملا! میں نے تیسری مرتبہ یہی کہا، تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے صرف اتنا جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوب معلوم ہے۔ مجھ سے ضبط نہ ہو سکا آنسو جاری ہو گئے اور میں واپس چل دیا۔

میں ایک دن بازار میں جا رہا تھا کہ ایک نصرانی کسان جو ملک شام کا رہنے والا تھا اور اناج فروخت کرنے آیا تھا وہ میرا پتہ لوگوں سے معلوم کر رہا تھا۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا کہ یہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ میرے پاس آیا اور غسان کے نصرانی بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا، جس میں لکھا تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم پر بہت زیادتی کر رہے ہیں، حالانکہ اللہ نے تم کو ذلیل نہیں بنایا ہے۔ تم بہت کام کے آدمی ہو، تم میرے پاس آ جاؤ، ہم تم کو بہت آرام سے رکھیں گے۔ میں نے سوچا یہ دوہری آزمائش ہے اور پھر اس خط کو آگ کے تندور میں ڈال دیا۔

ابھی صرف چالیس راتیں گزری تھیں اور دس باقی تھیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد حضرت حزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مجھ سے آ کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے الگ رہو۔ میں نے کہا کیا مطلب ہے، طلاق دے دوں یا کچھ اور؟ حزیمہ رضی اللہ عنہ نے کہا، بس الگ رہو اور مباشرت وغیرہ مت کرو۔ ایسا ہی حکم میرے دونوں ساتھیوں کو بھی ملا تھا۔ میں نے بیوی سے کہا کہ تم اپنے رشتہ داروں میں جا کر رہو، جب تک اللہ تعالیٰ میرا فیصلہ نہ فرما دے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ میرا خاوند بہت بوڑھا ہے اگر میں اس کا کام کر دیا کروں تو کوئی برائی تو نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کچھ نہیں مگر وہ صحبت نہیں کر سکتا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں تو ایسی خواہش ہی نہیں ہے اور جب سے یہ بات ہوئی ہے روتا رہتا ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے کچھ میرے عزیزوں نے کہا کہ تم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر اپنی بیوی کے بارے میں ایسی ہی اجازت حاصل کر لو تاکہ وہ تمہاری خدمت کرتی رہے، جس طرح حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کی بیوی کو اجازت مل گئی ہے۔ میں نے کہا، اللہ کی قسم! میں کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔ معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا فرمائیں۔ میں نوجوان آدمی ہوں، حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کی مانند ضعیف نہیں ہوں۔

اس کے بعد وہ دس راتیں بھی گزر گئیں اور میں پچاسویں رات کی صبح کو نماز کے بعد اپنے گھر کے پاس بیٹھا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ زندگی اجیرن ہو چکی ہے اور زمین میرے لئے باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہو چکی ہے کہ اتنے میں کوہ سلع پر سے کسی پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ اے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ! تم کو بشارت دی جاتی ہے۔ اس آواز کے سنتے ہی میں خوشی سے سجدہ میں گر پڑا اور یقین کر لیا کہ اب یہ مشکل آسان ہو گئی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز فجر کے بعد لوگوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کا قصور معاف کر دیا ہے۔ اب لوگ میرے پاس اور میرے ان ساتھیوں کے پاس خوشخبری اور مبارکباد کے لئے جانے لگے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے کو بھگاتے ہوئے میرے پاس آئے اور ایک دوسرا آدمی بنی سلمہ کا کوہِ سلع پہاڑ پر چڑھ گیا، اس کی آواز جلدی میرے کانوں تک پہنچ گئی۔ اس وقت میں اس قدر خوش ہوا کہ اپنے کپڑے اس کو دے دیئے، حالانکہ میرے پاس ان کے سوا کوئی دوسرے کپڑے نہیں تھے۔ میں نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے دو کپڑے لے کر پہنے۔

میں آنحضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جانے لگا، راستہ میں لوگوں کا ایک ہجوم تھا، جو مجھے مبارکباد دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام تمہیں مبارک ہو۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں گیا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے اور دوسرے لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ مجھے دیکھ کر دوڑے، مصافحہ کیا، پھر مبارکباد دی۔ مہاجرین میں سے یہ کام صرف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کیا۔ اللہ گواہ ہے کہ میں ان کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر جب میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے کعب رضی اللہ عنہ! یہ دن تمہیں مبارک ہو۔ یہ دن تمہاری پیدائش سے لے کر آج تک سب دنوں سے اچھا ہے۔ میں نے عرض کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ معافی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف کیا گیا ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں

2

اپنی اس نجات اور معافی کے شکر یہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خیرات نہ کر دوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھوڑا کرو اور کچھ اپنے لئے بھی رکھو کیونکہ یہ تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ میں نے عرض کیا ٹھیک ہے، میں اپنا خیبر کا حصہ روک لیتا ہوں۔ پھر میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے سچ بولنے کی وجہ سے نجات پائی ہے۔ اب میں تمام زندگی سچ ہی بولوں گا۔ اللہ کی قسم! میں نہیں کہہ سکتا کہ سچ بولنے کی وجہ سے اللہ نے کسی پر ایسی مہربانی فرمائی ہو، جیسی مجھ پر کی ہے۔ اس وقت سے جب کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی بات کہہ دی، پھر اس وقت سے اب تک میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور میں امید کرتا ہوں کہ زندگی بھر اللہ مجھے جھوٹ سے بچائے گا[1]۔

(۵)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ آپؓ ایک رات مدینہ منورہ میں گشت کر رہے تھے کہ لوگوں کے حالات سے باخبر ہوں۔ ایک گھر سے کچھ آوازیں آ رہی تھیں۔ آپؓ نے غور سے سنا کہ ایک ماں اپنی جوان لڑکی سے کہہ رہی ہے، بیٹی! آج رات اونٹنیوں نے دودھ کم دیا ہے اس لیے تم تھوڑا سا پانی ملا دو تا کہ گاہکوں کو دودھ برابر مل جائے۔ بیٹی نے جواب دیا کہ امّی جان! امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم ہے کہ فروخت کرنے کے دودھ میں پانی نہ ملایا جائے۔ ماں نے کہا، اس رات کے اندھیرے میں کون سا امیر المومنین رضی اللہ عنہ ہے جو تجھے دیکھ رہا ہے؟ بیٹی نے جواب دیا کہ اگر امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نہیں دیکھ رہا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ کا رب تو ضرور دیکھ رہا ہے۔ پس میں یہ جرم ہرگز نہیں کر سکتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس لڑکی کی یہ بات سنی تو رو پڑے۔ دوسرے دن اس لڑکی کے متعلق معلومات جمع کیں، پتہ چلا کہ لڑکی غیر شادی شدہ ہے۔ پھر اپنے بیٹوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا، میرے بچو! گذشتہ رات میں نے ایک دین دار لڑکی کی یہ باتیں سنیں۔ اللہ کی قسم! اگر مجھ میں جوانی ہوتی تو ضرور میں اسے اپنے گھر میں بیوی بنا کر لاتا لیکن میں بوڑھا ہو چکا ہوں، میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں، اب مجھ میں یہ صلاحیت نہیں کہ میں کسی جوان لڑکی سے شادی کروں لیکن میں نہیں چاہتا کہ وہ لڑکی ضائع ہو جائے۔ میری خواہش ہے کہ وہ میری بہو بن کر میرے گھر میں آئے۔

آپؓ کی یہ باتیں سن کر حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، ابّا جان! اس لڑکی سے میں شادی کروں گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس نیک لڑکی کا نکاح اپنے بیٹے سے کر دیا۔ ان سے ایک بچی ہوئی اور پھر اس بچی کی شادی عبدالعزیز سے ہوئی۔ ان سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پیدا ہوئے۔ جنہیں امت اسلامیہ نے بالاتفاق پانچواں خلیفہ راشد تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے اپنے دو ڈھائی سال کے مختصر دورِ حکومت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا[2]۔

(۶)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تو یہ بات ان کے دل پر بہت گراں گزری اور انہوں نے کہا کہ یہ واحد غزوہ ہے جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک نہ ہو سکا۔ بخدا!

۱۔ صحیح بخاری۔ جلد دوم: رقم: ۱۶۰۵

۲۔ عیون الحکایات از امام عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ۔ حکایات نمبر ۱۰، صفحہ نمبر ۲۶

اگر اللہ عزوجل نے مجھے اپنے پیارے حبیب ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک ہونے کا موقع عطا فرمایا تو میں ضرور شریک ہوں گا۔ پھر جب آئندہ سال وہ غزوہ احد میں شریک ہوئے تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان کے سامنے سے گزرے اور کہا: اے ابوعمرو رضی اللہ عنہ! کہاں کا ارادہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جنت کی ہوا کتنی عمدہ ہے، بے شک میں احد کی طرف سے یہ خوشبو محسوس کرتا ہوں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں لڑے اور شہید ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے جسم پر 80 سے زیادہ تیر، تلوار اور نیزے کے زخم تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ حضرت ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کو صرف کپڑوں کی وجہ سے پہچانا[1]۔

(۷)۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ایک دفعہ ایک قافلے کے ساتھ جو بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے جا رہا تھا، روانہ ہوئے۔ وقت رخصت آپؒ کی والدہ محترمہ نے چالیس دینار آپؒ کے لباس میں ڈال کر اوپر سے سلائی کر دی تا کہ بوقتِ ضرورت نکال کر استعمال کی جا سکے۔ روانہ ہوتے وقت والدہ محترمہ نے نصیحت کی کہ بیٹا جھوٹ نہیں بولنا بلکہ صدق سے کام لینا خواہ کچھ بھی ہو جائے۔

جب قافلہ ہمدان سے آگے نکلا تو ڈاکوؤں کے گروہ نے اسے لوٹ لیا۔ ایک ڈاکو نے حضرت عبدالقادر جیلانیؒ سے پوچھا کہ لڑکے تیرے پاس بھی کچھ ہے؟ آپؒ نے جواب دیا: ہاں، میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ ڈاکو کو یقین نہ آیا اور مذاق سمجھ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک دوسرے ڈاکو نے بھی آ کر یہی سوال کیا اور وہی جواب سن کر اپنے سردار سے سرسری طور پر اس کا ذکر کیا۔ سردار نے آپؒ کو بلوا کر پوچھا تو آپؒ نے اسے بھی سچ سچ بتا دیا۔ سردار کے پوچھنے پر بتایا کہ یہ دینار میرے کپڑوں میں سلے ہوئے ہیں۔

ڈاکوؤں کے سردار کے حکم پر جب آپؒ کے لباس کو پھاڑا گیا تو واقعتاً چالیس دینار برآمد ہوئے۔ اس پر ڈاکوؤں کا سردار احمد بدوی سخت متعجب ہو کر بولا کہ اے لڑکے! تمہیں معلوم ہے کہ ہم ڈاکو ہیں جو مسافروں کا سامان لوٹتے ہیں۔ پھر تم نے ان دیناروں کا بھید کیوں ظاہر کر دیا، جسے تم نہایت آسانی سے خفیہ رکھ سکتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے جواب دیا کہ روانگی کے وقت مجھے میری والدہ نے نصیحت کی تھی کہ بیٹا جھوٹ نہ بولنا، ہمیشہ سچ سے کام لینا۔

آپؒ کی بات سن کر ڈاکوؤں کے سردار پر رقت طاری ہو گئی اور وہ روتے ہوئے کہنے لگا: اے بچے! تو اپنی والدہ کے حکم کا اس قدر پابند ہے جبکہ ہم نجانے کتنے سالوں سے خدا تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ سردار اٹھا اور آپؒ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کی یہ کہتے ہوئے توبہ کی کہ ڈاکہ زنی میں تو ہمارا سردار تھا تو توبہ میں بھی تو ہی ہمارا قائد ہے۔ پس سردار نے لوٹا ہوا سارا سامان واپس کر دیا[2]۔

(۸)۔ ایک دن حضرت ابوعلی ثقفیؒ نے وعظ کرنا شروع کیا تو عبداللہ بن منازلؒ نے کہا کہ اے ابوعلیؒ! موت کی تیاری کرو! کیونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ ابوعلی ثقفیؒ نے کہا، اے عبداللہ بن منازلؒ تم بھی تیاری کر لو کیونکہ اس سے چھٹکارا نہیں۔ حضرت عبداللہؒ نے یہ سن

---

[1]۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۳۲۱۱

[2]۔ زبدۃ الآثار تلخیص بہجۃ الاسرار از شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ صفحہ نمبر ۱۳ - ۱۴

2

کر بازو سر کے نیچے رکھ کر فرمایا لیجیے سمجھو کہ میں مر گیا اور واقعی فوت ہو گئے [1]۔

(۹)۔ حضرت ابو عمر زجاجیؒ فرماتے ہیں کہ میری والدہ فوت ہو گئیں۔ مجھے ان کی وراثت سے ایک حویلی ملی۔ میں نے پچاس دینار میں بیچی اور حج کو روانہ ہو گیا۔ بابل پہنچا تو راستہ بتانے والا مل گیا۔ کہنے لگا تمہارے پاس کیا ہے؟ میں نے دل میں کہا کہ سچ سچ بتانا چاہیے۔ چنانچہ میں نے بتایا کہ پچاس دینار ہیں۔ اس نے کہا، مجھے دو۔ میں نے تھیلی اسے دے دی۔ اس نے گنتی کی تو پچاس دینار ہی تھے۔ وہ کہنے لگا لو تمہاری سچائی نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ پھر وہ اپنے جانور سے اترا اور کہا کہ تم اس پر سوار ہو جاؤ! میں نے کہا، ایسا تو کوئی ارادہ نہیں، وہ کہنے لگا، ضروری ہے۔ پھر اصرار کیا تو میں نے سواری کر لی۔ اس نے کہا، میں تمہارے پیچھے آؤں گا۔ پھر مرنے تک میرے ساتھ ہی رہا [2]۔

(۱۰)۔ حضرت ابو عبداللہ رملیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت منصور دینوریؒ کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اللہ پاک نے آپؒ سے کیا معاملہ فرمایا؟ حضرت منصور دینوریؒ نے جواب دیا کہ اللہ پاک نے مجھے بخش دیا اور مجھ پر رحم فرمایا اور مجھے میری توقع سے بڑھ کر عطا فرمایا۔ میں نے پوچھا: سب سے اچھی چیز کیا ہے، جس کے ذریعے بندہ اللہ پاک کی طرف متوجہ ہوتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ صدق [3]۔

(۱۱)۔ شیخ سعدیؒ بیان کرتے ہیں، ایک درویش نے بادشاہ کے سامنے کوئی سچی بات کہہ دی جس سے بادشاہ نے ناراض ہو کر اسے قید کرنے کا حکم دے دیا۔ اس درویش کے ایک دوست نے اسے کہا کہ بادشاہ کے سامنے یہ بات کہنا مناسب نہ تھا۔ درویش نے جواب دیا کہ حق بات کہنا عبادت ہے اور ہمیں اللہ عزوجل نے سچ بولنے کا حکم دیا ہے۔ میں قید و بند سے نہیں ڈرتا کیونکہ یہ تھوڑی دیر کے لیے ہے۔ کسی نے بادشاہ سے جا کر کہا کہ درویش کہتا ہے کہ میری قید تھوڑی دیر کے لیے ہے۔ بادشاہ نے طنز سے ہنس کر کہا کہ اسے غلط فہمی ہے۔ اب موت ہی اس کو قید سے چھٹکارا دلائے گی۔

بادشاہ کے غلام نے یہ پیغام درویش کو پہنچایا تو اس نے کہا کہ اے غلام بادشاہ سے کہہ دینا کہ یہ زندگی چند روزہ ہے اور دنیا آخرت کے مقابلے میں تھوڑی دیر کے لیے ہے۔ درویش کے نزدیک غم اور خوشی کی کوئی اہمیت نہیں۔ اگر آج تیرے پاس لشکر، خزانہ اور حکومت ہے اور میں اہل و عیال سے دور مصیبت میں مبتلا ہوں تو کوئی بات نہیں۔ کل جب ہم مر جائیں گے تو دونوں برابر ہو جائیں گے۔ میں بھی کیڑوں کی خوراک بن جاؤں گا اور تو بھی۔ اس چند روزہ دولت سے دل لگا کر سچ کو نہ جھٹلا۔ اس طرح زندگی گزار کہ لوگ تیرا ذکر بھلائی سے کریں [4]۔

---

[1]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۶۸

[2]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۶۸

[3]۔ احیاء العلوم الدین از امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد چہارم: صفحہ نمبر ۵۷۸

[4]۔ حکایات سعدیؒ از شیخ سعدیؒ۔ حکایت نمبر ۱۷۳

۸

مقامِ شکر

۱۔ شکر کا مفہوم

(۱)۔ شکر کا معنی اچھے سلوک پر تعریف کرنا ہے۔ جب بندہ محسوس کرتا ہے کہ وہ تمام مادی اور روحانی نعمتیں جو اس کو حاصل ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو اس کے دل حمد وثنا کا داعیہ ابھرتا ہے یہی شکر گزاری ہے۔ جب بندہ خود کو شکر کی بجا آوری سے عاجز پاتا ہے تو وہ پاش پاش اور نابود ہو کر رہ جاتا ہے اور اپنی عاجزی کے اعتراف کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں رہتا، یہ شکر گزاری کا اعلیٰ درجہ ہے۔

(۲)۔ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ نہایت عاجزی وانکساری سے بھلائی کرنے والے کا اعتراف کر لیا جائے۔ اس لحاظ سے معنی شکر میں مبالغہ پیدا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو شکور کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو شکر کی جزا دیتا ہے اور شکر کی جزا شکر ہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے شکر کے یہ معنی بھی لیے جاتے ہیں کہ تھوڑے عمل پر زیادہ انعام دے دیتا ہے۔

(۳)۔ شکر احسان کرنے والے کے احسان پر اس کی تعریف کرنا ہے لہٰذا بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے انعامات پر اس کا شکر گزار ہو جائے اور بندے کا حقیقی شکر یہ ہے کہ بندہ زبان سے اللہ کی تعریف کرے اور دل سے اس کے انعامات کا اقرار کرے، اسی کی عبادت کرے اور اسی سے مدد مانگے۔

(۴)۔ احسان کرنے والے کے بارے میں صحیح احسان مندانہ رویہ یہی ہو سکتا ہے کہ آدمی دل سے اس کے احسان کا اعتراف کرے، زبان سے اس کا اقرار کرے اور عمل سے احسان مندی کا ثبوت دے۔ انہی تین چیزوں کے مجموعہ کا نام شکر ہے۔ اس شکر کا تقاضا یہ ہے کہ:

(i)۔ انسان احسان کو اسی کی طرف منسوب کرے جس نے دراصل احسان کیا ہے۔

(ii)۔ کسی دوسرے کو احسان کے شکریہ اور نعمت کے اعتراف میں اس کا حصہ دار نہ بنائے۔

(iii)۔ انسان کا دل اپنے محسن کے لیے محبت اور وفاداری کے جذبہ سے لبریز ہو۔

(iv)۔ احسان کرنے والے کے مخالفوں سے محبت واخلاص اور وفاداری کا ذرہ برابر تعلق بھی نہ رکھے۔

(v)۔ انسان اپنے محسن کا مطیع وفرمانبردار ہو۔

(vi)۔ احسان کرنے والے کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کے منشا کے خلاف استعمال نہ کرے۔

(۵)۔ شکر گزاری کے لیے بے شمار نعمتوں کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ معمولی سے معمولی نعمت پر بھی شکر لازم ہے۔ شکر گزاری اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک انسان ماضی میں اپنے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملات کو یاد نہ کرے اور اللہ عزوجل نے جو نعمتیں ماضی میں عطا کی تھیں ان پر تاعمر احسان مند رہے، شرمندہ احسان رہے، شکر بجالاتا رہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب حج سے واپسی پر ضجنان میدان سے گزرے تو اپنا زمانہ ماضی یاد کر کے فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جس کو جو

2

چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ خدا کی قسم میں اس میدان میں اپنے والد خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا۔ وہ تندخو سخت مزاج تھے۔ میں کام کرتا تو مجھے تھکا دیتے اور کوتاہی کرتا تو مارتے۔ اب میرا صبح وشام یہ حال ہے کہ میرے اور خدا کے درمیاں کوئی نہیں جس سے میں ڈروں[1]۔

۲۔ شکر قرآن کی روشنی میں

اللہ پاک نے اپنی پاک کتاب میں بار بار شکر کا تذکرہ کیا ہے۔ بعض آیات میں شکر کرنے کا حکم ہے اور شکر کرنے کی وجہ بھی بتائی گئی ہے۔ کچھ آیات مبارکہ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ[2]

(پس تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا، اور میرا شکر ادا کرو، کفرانِ نعمت نہ کرو)

اس آیت مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ:

(i)۔ جو انسان اللہ عزوجل کو یاد رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی بدلے میں اسے یاد رکھتا ہے۔

(ii)۔ جو انسان دنیاداری میں مصروف ہو کر اپنے مالکِ حقیقی کو بھول جاتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اسے بھلا دیتا ہے۔

(iii)۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں پر ذکر و شکر کرے۔

(iv)۔ ذکر کا مطلب ہر وقت اللہ کی تسبیح اور تکبیر بلند کرنا ہے۔

(v)۔ اللہ عزوجل کی دی ہوئی قوتوں اور توانائیوں کو اس کی اطاعت میں صرف کرنا، شکر ہے۔

(vi)۔ خداداد قوتوں کو اللہ کی نافرمانی میں صرف کرنا، اللہ کی ناشکرگزاری (کفران نعمت) ہے

(vii)۔ شکر کرنے پر مزید احسانات کی نوید ہے۔

(viii)۔ ناشکری پر عذاب شدید کی وعید ہے۔

(۲)۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ[3]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم حقیقت میں اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہو تو جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں انہیں بے تکلف کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم واقعی اس کی بندگی کرنے والے ہو)

(i)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اہل ایمان کو حلال اور پاکیزہ روزی کھانے اور کمانے کا حکم دیا ہے، کیونکہ اس کے

---

[1]۔ استیعاب فی معرفتہ الاصحاب، تذکرہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ از عبد البرؒ

[2]۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۱۵۲

[3]۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۱۷۲

بغیر کوئی دعا اور عبادت قبول نہیں ہوتی۔ جب انسان کی کوئی دعا اور عبادت قبولیت حاصل نہیں کر سکتی تو شکر خداوندی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے رزق حلال کھانے سے ہی شکر گزاری کی توفیق عطا ہوتی ہے۔

(ii)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ پاک ہے، پاک اشیا کے علاوہ کچھ قبول نہیں فرماتا۔ اس نے انبیا علیہم السلام اور ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ پاکیزہ اشیا میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر کرتا ہے، بکھرے بالوں والا ہے، گرد و غبار سے اٹا ہوا ہے، آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام اور اسے جو غذا دی گئی ہے وہ بھی حرام تو بھلا اس کی دعا کیسے قبول کی جائے گی[۱]؟

(iii)۔ اللہ عزوجل کی نعمتوں کے احساس کے طور پر لازم ہے کہ انسان اللہ پاک کا شکر ادا کرے۔

(iv)۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے لازم ہے کہ انسان اس کا شکر ادا کرے۔

(۳)۔ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ[۲]

(پس اے لوگو! اللہ نے جو کچھ حلال اور پاک رزق تم کو بخشا ہے اسے کھاؤ اور اللہ کے احسان کا شکر ادا کرو، اگر تم واقعی اسی کی بندگی کرنے والے ہو)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ پاک کی بندگی کرنے والوں کو اللہ عزوجل کے احسانات کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ شکر گزاری کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ پاک نے جن اشیا کو حلال کیا ہے انہی کو استعمال کرنا چاہیے اور جن اشیا سے اللہ پاک نے منع فرمایا ہے ان سے رک جانا چاہیے۔

اس آیت پاک سے حسب ذیل نکات سمجھ آتے ہیں:

(i)۔ اللہ پاک ہی رزق دینے والے ہیں۔

(ii)۔ کھانا حلال اور پاک کھانا چاہیے۔

(iii)۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

(iv)۔ ایک اللہ پاک کی ہی عبادت کرنی چاہیے۔

(v)۔ اللہ پاک کا شکر ادا کرنا، اللہ عزوجل کی عبادت کرنے کی علامات میں سے ہے۔

(۴)۔ فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ[۳]

۱۔ صحیح مسلم۔ رقم: ۳۰۰۳

۲۔ سورۃ النحل: آیت: ۱۱۴

۳۔ سورۃ العنکبوت: آیت: ۱۷

2

(اللہ سے رزق مانگو اور اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو، اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو)

اس آیت مبارکہ سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(i)۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رزق دینے والا نہیں۔

(ii)۔ صرف ایک اللہ عزوجل سے رزق مانگنا چاہیے۔

(iii)۔ تمام نعمتیں اللہ پاک ہی کی طرف سے ملتی ہیں۔

(iv)۔ اللہ پاک ہی کی عبادت کرنی چاہیے۔

(v)۔ اللہ عزوجل کا ہی شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

(vi)۔ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر زندگی گزارنا بہترین طرزِ زندگی ہے۔

(vii)۔ ہم سب کو آخرت میں اپنے اعمال کا خدا پاک کو جواب دینا ہے۔

(۵)۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ط إِلَيَّ الْمَصِيرُ[۱]

(اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ میرا شکر کرو اور اپنے والدین کا شکر بجالاؤ، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے)

اس ارشاد خداوندی میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حق شکر کی یاددہانی فرمائی گئی ہے۔ اس کے بعد والدین کے حق شکر کی۔ سب سے پہلے انسان پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہوتا ہے۔ اللہ پاک ہی انسان کا خالق و مالک اور رب ہے۔ اللہ رب العزت کا انسان پر حق ہے کہ وہ سب سے پہلے اللہ پاک کا شکر ادا کرے، جس نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ شکر خداوندی کے بعد انسان کے لیے والدین کی شکر گزاری کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ کسی بھی انسان پر اللہ پاک کے احسانات کے بعد سب سے زیادہ احسانات والدین ہی کے ہوتے ہیں۔ اس لیے اس آیت مبارکہ میں شکر خداوندی کے فوراً بعد والدین کی شکر گزاری کو بیان کیا گیا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے حسب ذیل نکات سمجھ آتے ہیں:

(i)۔ انسان پر سب سے پہلا حق اللہ پاک کا ہے۔

(ii)۔ حقوق اللہ کے بعد والدین کے حقوق کا اولین درجہ ہے۔

(iii)۔ ہر انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۔ سورۃ لقمٰن: آیت: ۱۴

(iv)۔ والدین میں والدہ کا درجہ زیادہ ہے کہ اس نے اولاد کے لیے زیادہ تکالیف اٹھائی ہوتی ہیں۔

(v)۔ والدین کے حقوق ادا کرنے چاہییں۔

(vi)۔ والدین غیر مسلم بھی ہوں تو بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔

(vii)۔ اللہ پاک کی رحمتوں کے سبب اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیے۔

(viii)۔ والدین کے احسانات کی خاطر ہمیں ان کا شکر ادا کرنا چاہیے اور یہ شکر اچھے سلوک سے ممکن ہے۔

(ix)۔ ہم سب کو اللہ پاک کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔

(x)۔ ہمیشہ اس بات کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ آخرت میں ہمیں اللہ عزوجل کو حساب وکتاب دینا ہے۔

(۶)۔ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ [۱]

(اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر بجالاؤ، رہنے کے لیے عمدہ و پاکیزہ شہر ہے اور پروردگار بخشنے والا ہے)

اس آیت کریمہ میں یہ درس دیا گیا ہے کہ ہمیں کھلی آنکھوں سے اپنے ملک اور شہر کو دیکھنا چاہیے اور اس میں پھیلی ہوئی عظیم الشان نعمتوں کے بارے میں غور کرنا چاہیے کہ یہ کس کے کرم کا نتیجہ ہے؟ حقیقتاً اللہ پاک نے طرح طرح کی عظیم الشان نعمتوں کو بے مثال سلیقے اور اس قدر کثرت سے ہمارے لیے چن دیا ہے۔ اللہ پاک کریم اور غفور ہے جس نے بلا کسی استحقاق کے بلکہ ہماری ناقدریوں اور ناشکریوں کے باوجود ہمارے لیے ان نعمتوں کے انبار لگا دیئے ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ اللہ رب العزت کا ہم پر کیا حق بنتا ہے؟ اللہ پاک کی نعمتوں پر غور کرنے سے خود بہ خود شکر خداوندی کے شعور کا پیدا ہونا انسانی فطرت کا ایک تقاضا ہے۔ ہمیں اللہ عزوجل کی عطا کردہ نعمتوں کو استعمال کرنا ہے اور ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے۔ اگر ان نعمتوں کے صحیح استعمال میں کوئی کوتاہی ہوجائے تو ہمیں اللہ پاک سے معافی طلب کرنی چاہیے۔ وہ یقیناً معاف فرمانے والا ہے۔

(۷)۔ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ [۲]

(لہٰذا تم بس اللہ ہی کی بندگی کرو اور شکر گزار بندوں میں سے ہوجاؤ)

اس ارشاد باری تعالیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہر قسم کے شرک سے منع کرتے ہوئے صرف اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ عبادت کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے کیونکہ اللہ پاک انسان کا خالق ہونے کے ساتھ ساتھ تمام ضرورتوں کا ذمہ دار بھی ہے۔ اس لیے اس کا شکر ادا کرنا انسان پر لازم ہے۔

اس بات کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ جو انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق اور رب مانتا ہے، اس کے دل میں شکر کا جذبہ ضرور پیدا ہوتا ہے۔ جس کے دل میں شکر خداوندی کا جذبہ پیدا ہو، اسے اپنے رب کی ہر حال میں بندگی کرنی چاہیے۔

۱۔ سورۃ سباء: آیت: ۱۵

۲۔ سورۃ الزمر: آیت: ۶۶

(۸)۔ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ [۱]

(اور ہر حال میں اپنے رب کے احسان کا ذکر کیا کرو)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں حکم دیا جا رہا ہے کہ:

(i)۔ جو نعمتیں اللہ پاک نے ہمیں عطا فرمائی ہیں، ان کا ذکر اور اس کا اظہار کرنا چاہیے کیونکہ اللہ پاک اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ بندہ اللہ پاک کی طرف سے ہونے والے انعامات کا اظہار کرے۔ انعامات کا اظہار شکر خداوندی کا ایک طریقہ ہے۔

(ii)۔ نعمتوں کے ذکر و اظہار کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں اور ہر نعمت اپنی نوعیت کے لحاظ سے اظہار کی ایک خاص صورت چاہتی ہے۔ مجموعی طور پر تمام نعمتوں کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ زبان سے اللہ کا شکر ادا کیا جائے۔ اس بات کا اقرار و اعتراف کیا جائے کہ جو نعمتیں بھی ہمیں حاصل ہیں یہ سب اللہ کا فضل و احسان ہیں۔ ورنہ کوئی چیز بھی میرے کسی ذاتی کمال کا نتیجہ نہیں ہے۔

(۹)۔ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا [۲]

(اللہ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا، اگر تم شکر گزار بنو اور ایمان لے آؤ اور اللہ قدر دان، جاننے والا ہے)

(i)۔ اللہ پاک کی شانِ رحیمی کو بیان کرتے ہوئے ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ انسانوں کو عذاب دے کر کیا کرے گا؟ انسانوں کو سزا دینے سے اللہ پاک کا کوئی فائدہ نہیں۔ اللہ پاک ایسے تمام تصورات سے اعلیٰ اور ان سب چیزوں سے پاک ہے۔ اللہ پاک کا کام عذاب دینا نہیں بلکہ رحمت کرنا اور بخشش فرمانا ہے۔

(ii)۔ اللہ بڑا ہی قدر دان ہے۔ اتنا بڑا مہربان و قدر دان کہ اس کی مہربانی اور اس کی قدر دانی کی کوئی حد ہی نہیں۔ یہ اللہ پاک کی شان قدر دانی ہے کہ وہ تھوڑے کیے پر بڑے اجر سے نوازتا ہے۔ محض نیکی کرنے کے ارادے پر ہی نیکی کے اجر سے سرفراز فرما دیتا ہے۔ نیکی کر لینے پر ایک نیکی کا اجر دس گنا، سو گنا، سات سو گنا اور اس سے بھی کہیں زیادہ عطا فرماتا ہے۔ زندگی بھر کے گناہوں کو سچی توبہ کرنے پر ایک ہی بار معاف فرما دیتا ہے۔ اللہ پاک زندگی کی اس محدود فرصت میں کئے گئے مختصر عمل کے بدلے میں جنت کی ان سدا بہار نعمتوں سے نوازتا ہے جن کی کوئی انتہا نہیں۔

(iii)۔ اللہ عزوجل قدر دان ہونے کے ساتھ ساتھ علیم بھی ہے۔ اس لیے وہ پوری طرح جانتا ہے کہ کس کا عمل اور شکر گزاری کس درجے پر کس اجر کے لائق ہے اور اسی کے مطابق وہ نوازتا اور عنایت فرماتا ہے۔ پس ضرورت اس امر کی ہے کہ اس شاکر و علیم خداوند قدوس کے ساتھ اپنا معاملہ صحیح اور درست رکھا جائے۔

۱۔ سورۃ الضحیٰ: آیت: ۱۱

۲۔ سورۃ النساء: آیت: ۱۴۷

(۱۰)۔ وَسَيَجْزِی اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ[1]

(اور اللہ شکر گزاروں کو ثواب دے گا)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ:

(i)۔ اللہ پاک کا شکر ادا کرنا ایک مطلوب عمل ہے۔

(ii)۔ اللہ پاک شکر گزار بندے سے خوش ہو کر اسے کامیابی عطا فرماتا ہے۔

(iii)۔ اللہ عزوجل نیکی ضائع نہیں کرتے بلکہ اس کا اجر عطا فرماتا ہے۔

(۱۱)۔ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِی الشّٰكِرِيْنَ[2]

(اور جو شخص دنیا میں بدلہ چاہے گا ہم اسے دنیا ہی میں دے دیں گے اور جو آخرت میں بدلہ چاہے گا ہم اسے آخرت ہی میں دیں گے اور ہم شکر گزاروں کو جزا دیں گے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ انسانوں کی دو اقسام ہیں:

(i)۔ ایک تو وہ جو اللہ پاک سے صرف اور صرف دنیا کا سوال کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو اللہ پاک دنیا میں ہی جزا عطا فرما دیتے ہیں۔

(ii)۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو اپنی نیکیوں کا بدلہ آخرت میں چاہتے ہیں اور دنیا کو محض آزمائش کی جگہ سمجھتے ہیں۔ دراصل یہی لوگ شکر کرنے والے ہیں۔ ان کو اللہ پاک آخرت میں اچھی جزا عطا فرمائیں گے۔

(iii)۔ مومن صادق کو ہمیشہ صبر وشکر ہی سے کام لیتے رہنا چاہیے تاکہ اس کو اپنے مالک کی رحمت اور اس کی طرف سے سرفرازی نصیب ہو سکے۔

(iv)۔ مومن صادق کو ہمیشہ اپنے خالق کا شکر گزار رہنا چاہیے کیونکہ یہ اس مالک کا اپنے بندوں کے ذمے حق ہے۔

(v)۔ شکر ادا کرنے میں خود انسان ہی کا بھلا ہے۔

(۱۲)۔ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ شَكَرَ[3]

(ہم ہر اس شخص کو جزا دیتے ہیں جو شکر گزار ہوتا ہے)

اس آیت مبارکہ سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(i)۔ اللہ پاک ہر شکر گزار کو اچھی جزا دیتے ہیں۔

---

[1]۔ سورۃ آلِ عمران: آیت: ۱۴۴

[2]۔ سورۃ آلِ عمران: آیت: ۱۴۵

[3]۔ سورۃ القمر: آیت: ۳۵

2

(ii)۔ جو بھی کوئی اس کا شکر گزار ہوگا وہ انعام واحسان کا حق دار ہوگا۔

(iii)۔ نعمت پر شکر کرنا دنیا وآخرت میں نجات اور بچاؤ کا ذریعہ اور سبب ہے۔

(iv)۔ شکر گزار اللہ رب العزت کی خاص عنایات سے سرفراز ہوں گے۔

(۱۳)۔ وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكُمۡ لَٮِٕنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ‌ وَلَٮِٕنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِىۡ لَشَدِيۡدٌ [1]

(اور تمہارے رب نے اعلان کیا، اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب بہت سخت ہے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ:

(i)۔ نعمت کا شکر انتہائی اہم ہے۔اس کا سب سے پہلا درجہ اللہ پاک کی نعمتوں کا اقرار کرنا ہے۔نعمتوں کا اقرار اس طرح سے کیا جائے کہ دل میں بھی اس کا احساس ویقین ہو اور زبان سے بھی اس کا اظہار کہ یہ نعمت اللہ ہی کی بخشی ہوئی ہے۔ پھر اس نعمت کا استعمال بھی اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لیے اور اس کی ہدایت کے مطابق ہو۔ یہ سب شکر نعمت میں داخل ہے۔

(ii)۔ شکر نعمت بذات خود ایک عظیم الشان نعمت ہے کہ اس سے نعمتوں میں برکت نصیب ہوتی ہے اور ان کی حفاظت ہوتی اور ان کو بقا ملتی ہے۔ یوں تو مومنین پر اللہ سبحان وتعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں لیکن سب سے بڑی نعمت ہدایت کی نعمت ہے۔ جو انسان کو دونوں جہاں کی سعادت سے سرفراز کرتی ہے۔

(iii)۔ جس طرح شکر گزاری اللہ پاک کے انعامات کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے اسی طرح اللہ پاک کی عطا کردہ نعمتوں پر ناشکری وبال جان ثابت ہوتی ہے۔کفران نعمت کا انجام بہت برا ہے۔

(iv)۔ انسان کی دنیا میں آزمائش صرف اس بات پر ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتا ہے یا ناشکرا بن کر رہتا ہے۔ ایمان کی ضد بھی کفر ہے اور شکر کی ضد بھی کفر ہے۔اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ایمان اور شکر کا آپس میں گہرا تعلق ہے ویسا ہی کفر اور ناشکری میں ہے۔ جو شخص جس قدر زیادہ مضبوط ایمان والا ہوگا اس قدر وہ اللہ کا شکر گزار بندہ ہوگا اور جو شخص جس درجے کا کافر ہوگا، اتنا ہی وہ ناشکرا ہوگا۔

(۱۴)۔ وَمَنۡ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشۡكُرُ لِنَفۡسِهٖ‌ ۚ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّىۡ غَنِىٌّ كَرِيۡمٌ [2]

(جو کوئی شکر کرتا ہے اس کے شکر کا اس کو ہی فائدہ ہے اور جو کوئی ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور بزرگ ہے)

(i)۔ اللہ والے اللہ پاک کی عطا کردہ کسی نعمت پر اترانے اور فخر کرنے کی بجائے اسے اللہ پاک کی عنایت سمجھ کر اس پر اس

۱۔سورۃ ابراہیم: آیت:۷

۲۔سورۃ النمل: آیت:۴۰

کا شکر بجالاتے ہیں جو کہ اصل نعمت سے بھی بڑھ کر نعمت ہے۔ اس طرح وہ نعمت در نعمت سے فیضیاب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہمیشہ ان کے پیشِ نظر ہوتی ہے کہ اس طرح ہماری آزمائش ہو رہی ہے۔

(ii)۔ ایمان کی دولت بڑی عظیم دولت ہے جو انسان کو بدل کر کہیں کا کہیں پہنچا دیتی ہے۔ اہل ایمان کا رویہ یہ ہو جاتا ہے کہ جب بھی وہ اللہ پاک کی کسی نعمت کو دیکھتے ہیں تو فوراً پکار اٹھتے ہیں: یہ سب کچھ میرے رب کے فضل و کرم ہی سے ہے تا کہ اس کے ذریعے وہ میری آزمائش کرے کہ میں اس کا شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔

(iii)۔ جو کوئی بھی اللہ پاک کا شکر کرتا ہے تو اس کا فائدہ خود اسی کو پہنچتا ہے۔ جو کوئی ناشکری کرتا ہے، اس کا نقصان بھی خود اسی کو ہوتا ہے کیونکہ میرا رب تو بہر حال بڑا ہی غنی اور بے نیاز ہے۔ اسے بندوں کی شکر گزاری کی کسی بھی درجے میں نہ کوئی ضرورت ہے نہ حاجت۔ اللہ پاک ہر اعتبار سے بے نیاز ہے۔

(iv)۔ شکر کی خاصیت ہے کہ وہ مزید نعمتوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس کے برعکس ناشکری کی خاصیت یہ ہے کہ ناشکرا آدمی موجودہ نعمت سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ شکر احادیث کی روشنی میں

حدیث شریف میں جا بجا شکر گزاروں کی فضیلت بیان کی گئی ہے:

(ا)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ دعا مانگتے تھے:

رَبِّ أَعِنِّي وَلَا تُعِنْ عَلَيَّ وَانْصُرْنِي وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ وَامْكُرْ لِي وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ وَاهْدِنِي وَيَسِّرِ الْهُدَى لِي وَانْصُرْنِي عَلَى مَنْ بَغَى عَلَيَّ رَبِّ اجْعَلْنِي لَكَ شَكَّارًا لَكَ ذَكَّارًا لَكَ رَهَّابًا لَكَ مُطِيعًا إِلَيْكَ مُخْبِتًا إِلَيْكَ أَوَّاهًا مُنِيبًا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِي وَاغْسِلْ حَوْبَتِي وَأَجِبْ دَعْوَتِي وَاهْدِ قَلْبِي وَسَدِّدْ لِسَانِي وَثَبِّتْ حُجَّتِي وَاسْلُلْ سَخِيمَةَ قَلْبِي [1]

(اے پروردگار! میری مدد کر، میرے خلاف کسی کی مدد نہ کر، مجھے فتح دے، مجھ پر کسی کو فتحیاب نہ کر اور میری مدد کرنے کے لیے دشمنوں کے حق میں میرے لئے منصوبہ بندی کر، میرے ضرر کے لئے منصوبہ بندی نہ کر، مجھے سیدھی راہ دکھا، سیدھی راہ پر چلنا میرے لئے آسان کر اور اس کے خلاف میری مدد کر جو مجھ پر زیادتی کرے۔

اے میرے رب! مجھے ہر وقت، تیرا شکر گزار (ہر حال میں) تیرا ذکر کرنے والا، تجھ سے ڈرنے والا، تیری بہت فرمانبرداری کرنے والا بنا۔

اے اللہ! میری توبہ قبول کر، میرے گناہ دھو دے، میری دعا قبول کر، میری دلیل کو ثابت کر، میری زبان کو درست رکھ، میرے دل کو ہدایت بخش اور میرے سینہ کی سیاہی دور کر دے)

۱۔ سنن ابن ماجہ۔ جلد سوم: رقم: ۱۰۷

2

(۲)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ارشاد فرمایا: اے معاذ! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد اس دعا کو پڑھنا نہ چھوڑنا[۱]:

اللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ

(اے اللہ! میری مدد کر اپنے ذکر و شکر کرنے پر اور اچھی طرح عبادت کرنے پر)

(۳)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جب کوئی خوشی والی بات پیش آتی یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی بات کی خوشخبری سنائی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً اللہ کا شکر ادا کرنے کیلئے سجدہ میں گر پڑتے[۲]۔

(۴)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن جنت میں سب سے پہلے بے حد حمد کرنے والوں کو بلایا جائے گا۔ یہ وہ بندے ہیں جو ہر حال (خوش حالی اور تنگی) میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں[۳]۔

(۵)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: افضل ذکر لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور افضل دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ہے[۴]۔

(۶)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کھانا کھا کر شکر کرنے والا نفلی روزہ رکھ کر صبر کرنے والے کے برابر ہے[۵]۔

(۷)۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن آدمی کا بھی عجیب حال ہے کہ اس کے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے اور یہ بات کسی کو حاصل نہیں سوائے مومن آدمی کے۔ اگر اسے کوئی تکلیف بھی پہنچی، اس نے شکر کیا تو اس کے لیے اس میں بھی ثواب ہے اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچا اور اس نے صبر کیا تو اس کے لیے اس میں بھی ثواب ہے[۶]۔

(۸)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کسی مومن بندے کا کوئی بچہ مرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ تم نے میرے بندہ کے بچہ کی روح قبض کی ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم نے اس کے دل کا پھل لے لیا، وہ عرض کرتے ہیں کہ جی ہاں! پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے، اس حادثہ پر میرے بندہ نے کیا کہا؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اس نے تیری تعریف کی اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْن پڑھا۔

۱۔ سنن ابوداؤد۔ جلد اول: رقم: ۱۵۱۸

۲۔ سنن ابوداؤد۔ جلد دوم: رقم: ۱۰۰۸

۳۔ مشکوۃ شریف: رقم: ۲۳۰۸

۴۔ جامع ترمذی۔ جلد دوم: رقم: ۱۳۳۵

۵۔ صحیح بخاری۔ جلد سوم: رقم: ۴۳۹

۶۔ صحیح مسلم۔ جلد سوم: رقم: ۲۹۹۹

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کے لیے جنت میں ایک بڑا گھر بنادو اور اس کا نام بیت الحمد رکھ دیا جاتا ہے۔ اس گھر کا نام بیت الحمد اس لیے ہوتا ہے کہ وہ مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے بدلہ میں دیا جاتا ہے[1]۔

(۹)۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز میں اتنی زیادہ دیر تک کھڑے ہوتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاؤں پھول جاتے تھے۔ اس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اتنی تکلیف کیوں کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں[2]۔

(۱۰)۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک بیمار شخص کے پاس گئے اور اس کی عیادت کی۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے مریض سے پوچھا کہ تم نے صبح کیسی گزاری؟ مریض نے کہا کہ میں نے رضاء وتسلیم اور صبر وشکر کی نعمت کے ساتھ صبح کی۔ یعنی مرض و تکلیف کی وجہ سے میں کبیدہ خاطر نہیں ہوں بلکہ تقدیر پر راضی اور صبر کے دامن کو پکڑے ہوئے ہوں جس کی وجہ سے میرا دل خوش ومطمئن ہے۔

حضرت شداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: گناہوں کے جھڑنے اور خطاؤں کے دور ہونے کی بشارت سے خوش ہو جاؤ، کیونکہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ عزوجل فرماتا ہے: جب میں اپنے بندوں میں سے کسی بندہ مؤمن کو بیماری ومصیبت میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ بندہ اس آزمائش پر ناخوش نہیں ہوتا بلکہ میری تعریف کرتا ہے تو وہ اپنے بستر علالت سے ایسے گناہوں سے پاک صاف ہو کر اٹھتا ہے جیسا کہ وہ اس دن گناہوں سے پاک صاف تھا جس روز اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔ نیز پروردگار بزرگ وبرتر فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندہ کو قید میں ڈالا ہے اور اسے آزمائش میں مبتلا کیا تھا، لہٰذا تم وہ نیک اعمال لکھنا جاری رکھو جو تم اس کے زمانہ تندرستی میں لکھتے تھے[3]۔

(۱۱)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی ایسے آدمی کو دیکھے، جو مال اور شکل وصورت میں اس سے بڑھ کر ہو تو اس وقت اسے ایسے شخص کا دھیان کرنا چاہیے، جو اس سے کم درجہ ہے[4]۔

(۱۲)۔ حضرت عطارد قرشی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل اپنے بندے کو شکر کی توفیق عطا فرماتا ہے تو پھر اسے نعمت کی زیادتی سے محروم نہیں فرماتا[5]۔

(۱۳)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: جسے چار چیزیں عطا کی گئیں، اسے

۱۔ مشکوٰۃ شریف۔ رقم: ۱۷۲۳

۲۔ صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم: ۱۰۸۱

۳۔ مشکوۃ شریف۔ جلد دوم: رقم: ۵۸

۴۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۴۹۰

۵۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۴۹۰

2

دنیاوآخرت کی بھلائی عطا کی گئی۔وہ چار چیزیں یہ ہیں[1]:

(i)۔ شکر کرنے والا دل

(ii)۔ اللہ کا ذکر کرنے والی زبان

(iii)۔ مصیبت پر صبر کرنے والا بدن

(iv)۔ اس کے مال اور عزت میں خیانت نہ کرنے والی بیوی

(۱۴)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں ہوں گی، اللہ تعالیٰ اسے صابر وشاکر لکھ دے گا اور جس میں نہیں ہوں گی اسے صابر وشاکر نہیں لکھے گا۔

(i)۔ دین کے معاملات میں اپنے سے بہتر کو دیکھے اور اس کی پیروی کرنے کی کوشش کرے۔

(ii)۔ دنیاوی معاملات میں اپنے سے کمتر کی طرف دیکھے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اسے اس پر فضیلت دی ہے۔

اگر کوئی شخص دینی معاملات میں اپنے سے کم تر کی طرف دیکھے اور دنیاوی معاملات میں اپنے سے بڑے لوگوں کی طرف دیکھے اور جو کچھ اسے نہیں ملا اس پر افسوس کرے تو اللہ تعالیٰ اسے شاکر اور صابر لوگوں میں نہیں لکھتے[2]۔

(۱۵)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ پاک کا بھی شکریہ ادا نہیں کرتا[3]۔

(۱۶)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے ساتھ کوئی احسان کرے تو اسے اس کا بدلہ دینا چاہیے۔اگر بدلہ دینے کی استطاعت نہ پائے تو اس کا ذکر خیر ہی کر دے کیونکہ جس نے اس کا ذکر خیر کیا گویا کہ اس کا شکر ادا کیا۔پس اگر یہ بھی نہ کر سکے تو اسے چاہیے کہ اپنے محسن کے حق میں دعا ہی کر دے[4]۔

۴۔ شکر کی اقسام

شکر ادا کرنے کے لحاظ سے شکر کی دو قسمیں ہیں:

(۱)۔ اللہ پاک کا شکر گزار ہونا: انسان کا اللہ عزوجل کے لیے شکر گزار ہونا ایک لازمی امر ہے، جس کا حکم اللہ پاک نے اپنے بندوں کو دیا

۱۔شعب الایمان از امام البیہقیؒ۔جلد چہارم۔رقم:۴۵۲۶

۲۔جامع ترمذی۔جلد دوم: رقم:۴۱۱

۳۔جامع ترمذی: رقم: ۱۹۵۴

۴۔سنن ابوداؤد۔جلد سوم: رقم: ۱۴۰۹

ہے۔اللہ پاک نے ہمیں اپنا ذکر کرنے اور اپنا شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(i)۔ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ[1]

(پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو)

(ii)۔ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ[2]

(لہٰذا اللہ نے جو حلال پاکیزہ چیزیں تمہیں رزق کے طور پر دی ہیں، انہیں کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، اگر تم واقعی اسی کی عبادت کرتے ہو)

(۲)۔ انسان کا ایک دوسرے کا شکر ادا کرنا: انسان دوسرے انسان کا شکریہ اس وقت ادا کرتا ہے جب وہ اسے کوئی نفع پہنچاتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لوازمات میں سے ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ پاک کا بھی شکریہ ادا نہیں کرتا[3]۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جو شخص اپنی ذات پر اپنے بھائیوں کے احسانات کا شکریہ ادا نہیں کرتا تو یقیناً وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا ناشکرا ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں مثلاً:

(i)۔ جس انسان کی فطرت میں انسانوں کے احسانات کی ناقدری اور ناشکری ہو تو اس کی یہ عادت بن جاتی ہے کہ وہ اللہ پاک کی نعمتوں کی ناقدری کرتا ہے اور اس کا شکر ادا نہیں کرتا۔

(ii)۔ جب تک انسان دوسرے انسان کے احسان پر شکریہ ادا نہیں کرتا اس وقت تک اللہ پاک بھی اس کے شکر کو قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ بندے کا شکر اور اللہ عزوجل کا شکر لازم و ملزوم ہیں۔ بندے کا شکریہ یا تو اس کا بدلہ ادا کرنے کی شکل میں ہوتا ہے یا لوگوں کے درمیان اس کی تعریف کرنے یا پھر اس کے حق میں دعا کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔

(iii)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس کے ساتھ کوئی احسان کرے تو اسے اس کا بدلہ دینا چاہیے۔ اگر بدلہ دینے کی استطاعت نہ پائے تو اس کا ذکرِ خیر ہی کر دے کیونکہ جس نے اس کا ذکرِ خیر کیا گویا کہ اس کا شکر ادا کیا۔ پس اگر یہ بھی نہ کر سکے تو اسے چاہیے کہ اپنے محسن کے حق میں دعا ہی کر دے[4]۔

۵۔ شکر کی مختلف صورتیں

اللہ عزوجل کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

---

[1] ۔سورۃ البقرہ: آیت: ۱۵۲

[2] ۔سورۃ النحل: آیت: ۱۱۴

[3] ۔جامع ترمذی: رقم: ۱۹۵۴

[4] ۔سنن ابوداؤد۔ جلد سوم: رقم: ۱۴۰۹

2

(۱)۔ دل سے شکرادا کرنا: اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی اللہ عزوجل سے محبت کرے، خود کو اس کی اطاعت وفرمانبرداری کا پابند بنالے۔ اس کی نعمتوں کا اعتراف کرے اور انہیں پہچانے۔

جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے، جسے چار چیزیں عطا کی گئیں، اسے دنیا وآخرت کی بھلائی عطا کی گئی۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں[۱]:

(i)۔ شکر کرنے والا دل

(ii)۔ اللہ کا ذکر کرنے والی زبان

(iii)۔ مصیبت پر صبر کرنے والا بدن

(iv)۔ اس کے مال اور عزت میں خیانت نہ کرنے والی بیوی

(۲)۔ زبان سے شکرادا کرنا: اس کا طریقہ یہ ہے کہ زبان سے اللہ کی نعمتوں کا اعتراف کرے۔ اس کے ذکر اور حمد سے زبان تر رہے اور ان نعمتوں کو بیان کرے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(i)۔ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ[۲]

(اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرو)

(ii)۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کو کسی کی طرف سے کوئی چیز بطور عطیہ دی جائے تو اگر وہ طاقت رکھتا ہو تو اس کا بدلہ دے دے اور اگر یہ طاقت نہ رکھے تو اس کی تعریف ہی کردے کیونکہ جس نے تعریف کردی گویا کہ اس نے شکر ادا کردیا اور جس نے چھپایا (کلمہ خیر نہ کہا) تو گویا کہ اس نے ناشکری کی اور جس نے اپنے آپ کو کسی ایسی چیز سے آراستہ کیا جو فی الواقع اسے نہیں دی گئی تو وہ جھوٹ کے کپڑے پہننے والے کی طرح ہے[۳]۔

(iii)۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ عزوجل کی نعمت کا اظہار کرنا بھی اس کا شکر ادا کرنا ہے[۴]۔

اس حدیث پاک سے یہ مراد ہے اللہ پاک کی نعمتوں کا اظہار کرنا اور انہیں بیان کرنا بھی شکر ادا کرنے کی ایک قسم ہے جو کہ پسندیدہ ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اظہار نعمت میں نہ تو خود پسندی ہو اور نہ ہی فخر وغرور کا شائبہ ہو۔ اس لیے کہ غرور وتکبر انسان کے اعمال کو برباد کردیتے ہیں۔

۱۔ المعجم الکبیر از امام طبرانیؒ۔ جلد گیارہ۔ رقم: ۱۱۲۷۵

۲۔ سورۃ الضحیٰ: آیت: ۱۱

۳۔ سنن ترمذی۔ رقم: ۲۰۳۴

۴۔ مسند احمد۔ رقم: جلد چہارم: رقم: ۲۷۸

(۳)۔ دیگر طریقوں سے شکر ادا کرنا: شکر خداوندی صرف زبان سے ہی نہیں بلکہ دیگر جسمانی اعضا اور مال و دولت سے بھی ادا کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مال کی نعمت کا شکر اسے راہِ خدا میں خرچ کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ اگر انسان اپنے جسمانی اعضا کو اطاعت الٰہی میں استعمال کرے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہوگا۔ خود اللہ پاک نے عمل کرنے کو شکر کی حیثیت سے بیان کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكۡرًا ؕ وَقَلِيۡلٌ مِّنۡ عِبَادِىَ الشَّكُوۡرُ [1]

(اے آلِ داوٗد! شکر گزاری کے ساتھ عمل کرو اور میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں)

۶۔ شکر کے مدارج

شکر کا مطلب اللہ پاک کی نعمتوں کا اعتراف کرنا ہے اور اس کے تین مدارج ہیں:

(۱)۔ قلبی: انسان دل سے اللہ عزوجل کے احسانات کا اعتراف کرے۔

(۲)۔ قولی: انسان اللہ عزوجل کی نعمتوں کا زبان سے اقرار کرے اور دوسروں کے سامنے تذکرہ کرے۔

(۳)۔ عملی: اس شکر کے اثرات اس کے اعضاو جوارح سے بھی ظاہر ہوں۔

یہ تینوں مدارج لازم و ملزوم ہیں۔ انسان جب اللہ تعالیٰ کے احسانات کا خیال کرتا ہے تو اس کا دل اللہ کی محبت اور وفاداری کے جذبات سے لبریز ہوجاتا ہے۔ پھر اسی وفورِ جذبات کا ہی یہ اثر ہوتا ہے کہ خود اکیلے بھی اور دوسروں کے سامنے بھی ان احسانات کا تذکرہ کرتا ہے اور اس سے دل میں خوشی محسوس ہوتی ہے۔ پھر اسی محبت و اخلاص کا اس کی فکر پر یہ اثر ہوتا ہے کہ اللہ کے جتنے زیادہ انسان پر احسانات ہیں اتنا ہی زیادہ وہ اللہ پاک کا مطیع و فرمانبردار اور عبادت گزار بننے کی کوشش کرتا ہے۔

۷۔ ناشکری سے بچنے کے طریقے

اللہ عزوجل کی ناشکری کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس لیے انسان کو اپنے پروردگار کی ناشکری سے بچنا چاہیے اور ہر حال میں شکر گزاری کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ ہمیں ناشکری سے بچنے کے لیے درج ذیل ہدایات پر غور کرنا چاہیے:

(۱)۔ کائنات میں غور وفکر کر کے اللہ پاک کے احسانات کو تلاش کریں اور اس پر اللہ رب العزت کا شکر ادا کریں۔

(۲)۔ اپنی نفسیاتی، مادی اور دیگر کمزوریوں پر غور کریں اور ان کی اصلاح پر اللہ پاک کے شکر گذار رہیں۔

(۳)۔ جب کوئی غیر معمولی نعمت (جیسے بیماری کے بعد صحت وغیرہ) ملے تو اس پر اللہ عزوجل کا شکر ادا کریں اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ انہیں اپنی یاد میں تازہ کریں اور اللہ پاک کے احسان مند ہوں۔

(۴)۔ نعمتوں کا موازنہ کرتے وقت انسان کو ہمیشہ ان لوگوں کی طرف دیکھنا چاہیے جو اپنے سے نیچے ہوں تاکہ شکر گزاری کی عادت پیدا ہو۔

---

[1] ۔سورۃ السباء: آیت: ۱۳

2

۸۔ شکر کی مشکلات

شکر کے امتحان میں درج ذیل مشکلات پیش آسکتی ہیں:

(۱)۔ نعمت کو خدا تعالیٰ کا انعام سمجھ لینا: اگر کسی شخص پر نعمتوں کی بارش ہو رہی ہو تو اس کا نفسیاتی اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ ان نعمتوں کو اللہ عزوجل کی رضا سمجھ بیٹھتا ہے اور اس مغالطے میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اللہ پاک اس سے راضی ہے حالانکہ نعمتوں کا عطا کیا جانا انسان کی آزمائش ہے کیونکہ یہ دنیا انعام کی جگہ نہیں بلکہ آزمائش کی جگہ ہے اور انعامات کی جگہ تو آخرت ہے۔

(۲)۔ تکبر: اللہ عزوجل کی نعمتیں اگر تواتر کے ساتھ ملتی رہیں تو انسان عام طور پر خود کو دوسروں سے برتر اور دوسروں کو اپنے سے کمتر محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ برتری کا احساس ایک حد سے بڑھ جائے تو تکبر میں تبدیل ہو جاتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ نعمتیں محض آزمائش کے لئے دی جاتی ہیں۔

(۳)۔ نعمت کو حق سمجھنا: شکر کے امتحان کی ایک آفت یہ ہے کہ انسان پروردگارِ عالم کی طرف سے ملنے والی نعمتوں کو اپنا حق سمجھ لیتا ہے کہ یہ نعمتیں تو اسے ملنی ہی چاہیے تھیں۔ جب یہ سوچ پیدا ہو جاتی ہے تو انسان ان نعمتوں کو ایک معمول کی چیز سمجھ لیتا ہے۔ یوں وہ شکر کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔

(۴)۔ نعمت کا عادی ہو جانا: جب انسان مسلسل کسی نعمت کو استعمال کرتا ہے تو وہ اسے معمولی اور حقیر سمجھنے لگتا ہے بلکہ وہ اسے نعمت کی حیثیت سے قبول کرنے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھتا ہے۔ مثال کے طور پر آنکھیں بڑی نعمت ہیں لیکن ان آنکھوں کا استعمال مسلسل ہونے کی بنا پر انسان بینائی کی نعمت کو سراہنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔

(۵)۔ اسباب کو منعم سمجھ لینا: شکر کے امتحان کی ایک مشکل یہ ہے کہ اکثر اوقات انسان نعمتوں کے حصول کو اسباب کا کرشمہ سمجھنے لگتا ہے اور ان نعمتوں کے اصل مالک یعنی خدائے پروردگار کو بھول جاتا ہے۔ پس ایسا انسان اسباب میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور اسباب پیدا کرنے والے خالق کی معرفت سے محروم رہتا ہے۔

(۶)۔ نعمتوں کے حصول کو اپنی صلاحیتوں کا مرہونِ منت سمجھ لینا: ناشکری کی ایک وجہ یہ ہے کہ انسان دولت، صحت، عہدہ، ترقی اور شہرت وغیرہ حاصل کرنے کے بعد یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ سب کچھ اس کی اپنی محنت کا نتیجہ ہے اور اس میں خدائے عزوجل کا کوئی خاص کردار نہیں۔ حالانکہ انسان کو جو کچھ بھی ملتا ہے سب خداوندِ پروردگار کا عطا کردہ ہے۔

(۷)۔ نسیان یا فراموشی: انسان کی یادداشت وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ دھندلی ہوتی چلی جاتی ہے جس کی بنا پر بھی وہ نعمتوں کا بہتر طور پر شکر ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نوازا۔ وہ اولاد کی پیدائش کے وقت تو اللہ تعالیٰ کا خوب شکر ادا کرتا ہے لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ یہ اولاد اسے اللہ پاک نے دعاؤں کے ذریعے عطا کی ہے اور یہ رب العزت کا احسان ہے۔

۹۔ شکرِ خداوندی کی وجوہات

اکثر اوقات انسان کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ پاک کا شکر کیوں کیا جائے؟ کچھ لوگ شکر گزاری کو ایک رسم و روایت کے طور پر مانتے ہیں اور کچھ لوگ یہ سمجھنا ہی نہیں چاہتے کہ شکرِ خداوندی کیوں ضروری ہے۔ ایک صاحب دل انسان جب غور و فکر سے کام لیتا ہے تو شکر خداوندی کی بے شمار وجوہات نظر آتی ہیں۔ مثلاً

(۱)۔ اجتماعی نعمتوں پر شکر کی وجوہات:

(i)۔ اجتماعی شکر کرنے کی پہلی وجہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی بے پایاں شفقت اور رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا، ان میں تقاضے پیدا کیے اور پھر ان تقاضوں کو انتہائی خوبی کے ساتھ پورا کرتے ہوئے اپنی رحمت، لطف اور کرم نوازی کا اظہار کیا۔

(ii)۔ اجتماعی شکر کی دوسری وجہ خدا کی صفت ربوبیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ پاک مخلوقات کو پیدا کر کے ان سے غافل نہیں ہو گیا بلکہ دن رات ان کو ہر قسم کی سہولت فراہم کر رہا ہے۔ وہ سانس کے لئے آکسیجن، حرارت کے لئے سورج کی روشنی، نشونما کے لئے سازگار ماحول، نمو کے لئے غذا اور ذائقے کی تسکین کے لئے انواع و اقسام کے میوے اور پھل بنا کر اپنی ربوبیت و رزاقیت کا اظہار کر رہا ہے۔ اسی طرح وہ ایک نومولود کو دنیا میں آتے ہی ماں کی گود میں اس کی نشونما کا بندوبست کرتا اور دنیا کے ماحول کو اس کے لیے سازگار بنا دیتا ہے۔

(۲)۔ انفرادی نعمتوں پر شکر کی وجہ

اجتماعی شکر کے ساتھ ساتھ انفرادی طور پر شکر کرنے کی بھی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر بندے کے ساتھ انفرادی معاملہ کرتا اور خاص طور پر اسے اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے تاکہ اسے شکر کے امتحان میں ڈال کر آزمائے۔ انفرادی طور پر شکر کرنے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر:

(i)۔ صحت میں تمام اعضا کی سلامتی، بیماری سے حفاظت، یا بیماری سے صحتیابی، کسی بھی جسمانی معذوری سے مبرا ہونے پر اللہ عزوجل کا شکر گزار ہونا۔

(ii)۔ اچھے حافظہ اور عقل پر شکر گزار ہونا۔

(iii)۔ زندگی میں مادی و روحانی دونوں پہلوؤں سے سکون حاصل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بننا۔

(iv)۔ مال اور جائداد میں فراوانی پر خداوند عالم کا شکر کرنا۔

(v)۔ اولاد میں کثرت یا حسب توقع اولاد کے حصول میں کامیابی پر اللہ پاک کا شکر گزار ہونا۔

(vi)۔ شہرت اور عزت حاصل ہونے پر اظہار تشکر کرنا۔

(vii)۔ انسان کا ماں باپ کے زندہ ہونے پر اللہ عزوجل کا شکر گزار ہونا۔

(viii)۔ انسان جب تک زندہ رہتا ہے اس کے علم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ پس علم میں اضافے پر شکر گزار ہونا چاہیے۔

(ix)۔ کسی مصیبت یا بیماری سے نجات پانے پر شکر گزار ہونا۔
(x)۔ کسی گناہ سے بچنے پر یا نیکی کی توفیق ملنے پر شکر کا اظہار کرنا۔

۱۰۔ شاکر اور شکور کا فرق

(۱)۔ شاکر وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا ہے اس پر شکر کرے اور شکور وہ ہوتا ہے جو اس چیز پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت اسے عطا نہیں کی۔
(۲)۔ بعض کا خیال ہے کہ شاکر وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا پر شکر کرے اور شکور وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا کے چھن جانے پر بھی شکوہ شکایت کی بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔
(۳)۔ شاکر نفع پر شکر کرتا ہے اور شکور نفع کے روک لینے پر بھی شکر کرتا ہے۔
(۴)۔ شاکر اللہ تعالیٰ کی عطایات کو دیکھ کر شکر کرتا ہے اور شکور مصیبتوں اور تکالیف ملنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہے۔

۱۱۔ اہل رجاء اور خائفین کا شکر

ایک اہل رجا کا شکر ہے۔ دوسرا خائفین کا شکر ہے۔
(۱)۔ اہل رجاء کا شکر یہ ہے کہ وہ ظاہری نعمتوں سے امید رکھتے ہیں اور حسن معاملہ کی وجہ سے انہیں اچھی امید ہوتی ہے تو اس کو مکمل کرنے کی امید میں کام کرتے ہیں۔ ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ شکر کے طور پر تیزی سے اعمال صالحہ کی طرف دوڑتے ہیں۔
(۲)۔ خائفین کا شکر یہ ہے کہ بُرے انجام کے خوف سے شکر کرتے ہیں۔ انہیں بدبختی غالب آنے کا ڈر ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کا خوف انہیں ایمان کے انعامات ملنے کا باعث بن جاتا ہے اور یہ انعامات کا غلبہ ان کے دلوں میں اسلام کی قدر و منزلت اور عظمت پیدا کر دیتا ہے۔

۱۲۔ شکر کے طریقے

شکر باری تعالیٰ کے کئی طریقے ہیں۔ ان میں چند ایک درج ذیل ہیں:
(۱)۔ زبان سے نہات عجز و انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرنا چاہیے۔ جب دل میں کسی نعمت کا سرور محسوس ہوتا ہے تو اس کا اظہار سب سے پہلے زبان ہی سے ہوتا ہے۔ اس کے لئے ضروری نہیں کہ عربی میں ہی شکر ادا کیا جائے بلکہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ اپنے الفاظ میں شکر ادا کیا جائے۔ البتہ انبیاء علیہ السلام کی مانگی ہوئی شکر گزاری کی دعاؤں پر بھی غور کر لینا چاہیے۔ اس سے شکر گزاری کے کئی مضامین ذہن میں آجاتے ہیں۔ یہ شکر عالموں کا شکر ہے جو ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔
(۲)۔ بدن اور اعضا سے اللہ پاک سے وفاداری اور بندگی دکھانی چاہیے۔ نعمت کے ملنے پر دو رکعت نماز شکرانے کی ادا کی جائے۔ اس میں طویل قیام اور لمبے سجدے کئے جائیں اور خدا کا شکر ادا کیا جائے یا پھر اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے نفلی روزہ رکھا

جائے یا اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا جائے۔ یہ عبادت گزاروں کا شکر ہے جوان کے عملوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۳)۔ دل سے اللہ عزوجل کے احترام کا خیال کرنا چاہیے۔ ہمیشہ اللہ پاک کے احسان کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے اور اپنی خواہشات کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دینا، شکر کا سب سے مشکل لیکن مؤثر طریقہ ہے۔ یہ شکرگزاری کی حقیقی صورت ہے کہ اپنے منعم کے احسانات پر ممنون ہوتے ہوئے اس کی کامل اطاعت کی جائے۔ یہ عارفوں کا شکر ہے جو اپنے عام حالات میں اللہ کی نعمتیں دیکھتے ہیں اور ان پر کامل یقین دکھاتے ہیں۔

(۴)۔ اللہ کے احسانات اور نعمتوں کو بار بار سوچنا اور یاد کرنا چاہیے اور ہر نعمت کو صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصور کرنا چاہیے اس سے خداعزوجل سے محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت خداوندی سے شکر کا درجہ کاملہ نصیب ہوتا ہے۔

(۵)۔ انسان کی سجدہ کی حالت اللہ پاک کو انتہائی پسند ہے اس لیے جب بھی انسان اپنے اوپر اللہ تبارک وتعالیٰ کے احسانات کو دیکھے تو فوراً سجدہ شکر بجالانا چاہیے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جب کوئی خوشی والی بات پیش آتی یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی بات کی خوشخبری سنائی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً اللہ کا شکر ادا کرنے کیلئے سجدہ میں گر پڑتے[۱]۔

(۶)۔ ہمیں اپنے سے کم نعمتوں والوں کو دیکھنا چاہیے کیونکہ اپنے سے کم نعمتوں والوں کو دیکھنے سے بھی شکر خداوندی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے سے بہتر صورت یا زیادہ مالدار کی طرف دیکھے تو اسے اپنے سے کم تر آدمی کو دیکھنا چاہیے، جس پر اسے فضیلت دی گئی۔ یقیناً اس سے اس کی نظر میں اللہ کی نعمت حقیر نہیں ہوگی[۲]۔

(۷)۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا کہ اے اللہ! مجھے شکر کی توفیق عطا فرما دیجئے، مجھے اپنے شکرگزار بندوں میں شامل فرما دیجیے۔

(۸)۔ ہمیں شکر پر ملنے والے عظیم اجر پر غور وفکر کرنا چاہیے جو دنیا وآخرت میں ملتا ہے۔

(۹)۔ ہمیں قیامت کے دن نعمتوں پر جو سوال ہوگا اس سوال کی عظمت اور ہیبت کا تصور کرنا کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ شکر الٰہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۱۳۔ شکر کے بارے میں اقوال

شکر کے بارے میں صوفیاء کرامؒ سے بہت پیارے اقوال منسوب ہیں:

(۱)۔ حضرت ابوبکر وراقؒ فرماتے ہیں کہ کسی نعمت کے شکر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ احسان خداوندی پر نظر رکھے اور اس کی عزت کی حفاظت رکھے[۳]۔

۱۔ سنن ابوداؤد۔ جلد دوم: رقم: ۱۰۰۸

۲۔ جامع ترمذی۔ جلد اول: رقم: ۱۸۵۶

۳۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۲۹

(۲)۔ حضرت حمدونؒ فرماتے ہیں کہ نعمت کے شکر کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ہم اپنے نفس کو عارضی سمجھیں اور ایک طفیلی خیال کریں[۱]۔

(۳)۔ حضرت عثمانؒ فرماتے ہیں کہ شکر اس پہچان کو کہتے ہیں جو شکر سے عاجزی کی بنا پر حاصل ہوتی ہے[۲]۔

(۴)۔ حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ شکر یہ ہے کہ ہم پوری استطاعت سے انعامات کرنے والے کی اطاعت کریں[۳]۔

(۵)۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں کہ شکر انعام کرنے والے کو دیکھنے کا نام ہے نہ کہ نعمت دیکھنے کا[۴]۔

(۶)۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں کہ شکر عاجزی، نیک کاموں کا ہمیشہ کرنا، خواہشاتِ نفس کو کنٹرول کرنا، خوب اطاعت اور زمین اور آسمانوں کے مالک سے تعلق رکھنا ہے[۵]۔

(۷)۔ حضرت ابوعثمانؒ فرماتے ہیں کہ عام لوگ تو کھانے اور لباس پر شکر کرتے ہیں اور خواص ان چیزوں پر شاکر ہوتے ہیں جو دل پر وارد ہوتی ہیں یعنی رازہائے الٰہیہ پر[۶]۔

(۸)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ شکر یہ ہوتا ہے کہ انسان خود کو نعمتوں کا اہل نہ سمجھے بلکہ نعمتوں کو اللہ عزوجل کی رحمت سمجھے[۷]۔

(۹)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ شکر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نعمت عطا کرے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کبھی نہ کرے اور اس کو اپنے گناہوں کا سرمایہ نہ بنائے[۸]۔

(۱۰)۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ خدا کی نعمتوں کا بار بار تذکرہ کیا کرو کیونکہ نعمتوں کا بار بار تذکرہ کرنا ہی نعمتوں کا شکر ہے[۹]۔

(۱۱)۔ حضرت مطرف بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دو چیزوں پر غور کیا: ایک عافیت اور دوسری شکر مندی۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ ان دو چیزوں میں دنیا اور آخرت کی سب خیر سمیٹ دی گئی ہے۔ پس مجھے عافیت نصیب ہو اور میں اس پر شکر کرتا ہوں، یہ مجھے اس سے کہیں عزیز ہے کہ میں کسی آزمائش میں پڑوں اور اس پر صبر کروں[۱۰]۔

(۱۲)۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ شکر یہ ہے کہ عاجزی کرتے ہوئے نعمت دینے والے کی نعمت کا اقرار کرنا اور اسی طرح

---

[۱]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۲۹

[۲]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۲۹

[۳]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۲۹

[۴]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۳۰

[۵]۔ شکر گزار بننے کے فوائد از ڈاکٹر شہزادہ فیصل بن مشعل بن عبدالعزیز آلِ سعود۔ صفحہ نمبر ۱۶

[۶]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۳۰

[۷]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۳۰

[۸]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۲۹

[۹]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۸۱

[۱۰]۔ عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین از حافظ ابن قیمؒ۔ صفحہ نمبر ۲۲۸

عاجزی کرتے ہوئے اللہ عزوجل کے احسان کو ماننا اور یہ سمجھ لینا کہ انسان خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہے[1]۔

(۱۳)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر شکر اپنے سے بڑے کا ادا کیا جائے تو وہ اطاعت کی صورت میں ہوگا، اگر برابر والے کا ہوتو احسان کا بدلہ دینے سے اور اگر اپنے سے کم اہم شخص کا ہوتو اسے بدلہ دینے سے ہوگا[2]۔

(۱۴)۔ حضرت ابودقاقؒ فرماتے ہیں: شکر یہ ہے کہ نہایت عاجزی کے ساتھ انعام کرنے والے کی نعمت کا اعتراف کرلیا جائے[3]۔

(۱۵)۔ حضرت سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ شکر سے مراد بڑھ چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور ظاہری اور چھپی ہوئی نافرمانیوں سے بچنا ہے[4]۔

(۱۶)۔ امام قرطبیؒ فرماتے کہ کہ شکر یہ ہے کہ انعامات کرنے والے کے انعامات کا اعتراف کرنا اور ان انعامات کو منعم کی نافرمانی میں نہ لگانا[5]۔

(۱۷)۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ شکر زبان سے نعمتوں کے اقرار، دل سے ان نعمتوں کی تصدیق اور عمل سے انعام کرنے والے کی رضا کے حصول میں لگے رہنے کا نام ہے[6]۔

(۱۸)۔ حضرت محمد بن لوط انصاریؒ فرماتے ہیں کہ شکر نافرمانی ترک کردینے کا نام ہے[7]۔

(۱۹)۔ حضرت ابوسعدی خرازؒ فرماتے ہیں کہ شکر انعام کرنے والے کے انعامات کا اعتراف کرنا ہے اور اللہ عزوجل کی ربوبیت کا اقرار کرنا ہے[8]۔

(۲۰)۔ حضرت حارث محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل کی طرف سے شکر گزاروں کے لیے شکر زیادتی کا سبب ہے[9]۔

۱۴۔ شکر کے واقعات

یہاں ہم اہل شکر کے چند واقعات نقل کرتے ہیں تا کہ ان سے سبق حاصل کیا جاسکے:

۱۔ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین از حافظ ابن قیمؒ۔ صفحہ نمبر ۲۲۸
۲۔ تفسیر قرطبی از امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبیؒ۔ بحوالہ تفسیر سورۃ البقرہ: آیت: ۵۲
۳۔ تفسیر قرطبی از امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبیؒ۔ بحوالہ تفسیر سورۃ البقرہ: آیت: ۵۲
۴۔ تفسیر قرطبی از امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبیؒ۔ بحوالہ تفسیر سورۃ البقرہ: آیت: ۵۲
۵۔ تفسیر قرطبی از امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبیؒ۔ بحوالہ تفسیر سورۃ البقرہ: آیت: ۵۲
۶۔ تفسیر قرطبی از امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبیؒ۔ بحوالہ تفسیر سورۃ البقرہ: آیت: ۵۲
۷۔ تفسیر قرطبی از امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبیؒ۔ بحوالہ تفسیر سورۃ البقرہ: آیت: ۵۲
۸۔ تعرف از ابی بکر بن ابی اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب الکلاباذیؒ۔ صفحہ ۱۵۴
۹۔ تعرف از ابی بکر بن ابی اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب الکلاباذیؒ۔ صفحہ ۱۵۳

2

(۱)۔ حضور نبی کریم ﷺ رات کی نماز میں اتنی زیادہ دیر تک کھڑے ہوتے تھے کہ آپ ﷺ کے پاؤں پھول جاتے تھے اس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا جاتا کہ آپ ﷺ اتنی تکلیف اٹھاتے ہیں جب کہ آپ ﷺ کی تمام خطائیں اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے، کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں[۱]۔

(۲)۔ حضور ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ تم نے صبح کیسے کی؟ اس نے عرض کیا! خیریت سے۔ آپ ﷺ نے دوبارہ پوچھا کیسے ہو؟ اس نے عرض کیا! خیریت سے ہوں۔ آپ ﷺ نے تیسری بار پوچھا کیسے ہو؟ اس نے عرض کیا، خیریت سے ہوں، میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں اور اس کا شکر کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم سے یہی حمد وثنا چاہی تھی۔

پھر اکابرین امت کا طریقہ کار بن گیا کہ جب کسی سے ملتے تو دوسرے کا حال پوچھتے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور شکر بیان کرتا۔ وہ سب ہی حمد وثنا میں حصہ لیتے اور یہ بات اجتماعی ذکر اللہ بن جاتی۔ اگر کسی کو معلوم ہوتا کہ فلاں آدمی اپنے خداوندِ کریم کی شکایت کرتا ہے تو اسے بُرا سمجھتے اور اس سے پوچھتے ہی نہ تھے تا کہ پوچھنے والا اس کی شکایت کا باعث نہ بن جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شکایت بدترین فعل ہے[۲]۔

(۳)۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ عزوجل کے ایک جلیل القدر پیغمبر تھے۔ اللہ پاک نے آپ علیہ السلام کو بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا۔ آپ انتہائی شکر گزار نبی تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو شکر گزاری پر وہ حکومت ملی کہ اس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ آپ علیہ السلام اپنی لغزشوں پر فوراً معافی مانگ لیتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکر گزاری کا خاص مظاہرہ اس وقت ہوا جب حضرت سلیمان علیہ السلام عظیم لشکر کے ساتھ چیونٹیوں کی ایک وادی میں سے گزر رہے تھے، جس کا ذکر اللہ پاک نے اپنی پاک کتاب میں اس طرح فرمایا ہے:

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ[۳]

(یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان (علیہ السلام) اور اس کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور انہیں خبر بھی نہ ہو)

چیونٹی کی یہ بات سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فخر وغرور نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار کرتے ہوئے شکر ادا کیا اور مزید عنایات کے لیے درخواست کی۔ اللہ پاک نے بڑے فخر کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا ہے:

۱۔ صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم: ۱۰۸۱

۲۔ قوت القلوب از شیخ ابوطالب حارثی مکیؒ۔ جلد اول۔ صفحہ نمبر ۷۴۶-۷۴۷

۳۔ سورۃ النمل: آیت: ۱۸

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنۡ قَوۡلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡكُرَ نِعۡمَتَكَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰىهُ وَاَدۡخِلۡنِیۡ بِرَحۡمَتِكَ فِیۡ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیۡنَ [1]

(پھر اس کی بات سے مسکرا کر ہنس پڑا اور کہا: اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیرے احسان کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا اور یہ کہ میں نیک کام کروں جو تو پسند کرے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل کرلے)

(۴)۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو دنیا کی دولت سے بہت نوازا گیا اور پھر سب کچھ جاتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے پاس بچھانے کے لیے صرف ایک چٹائی ہی رہ گئی، مگر وہ پھر بھی اللہ پاک کی حمد وثنا میں مصروف رہا۔ ایک دوسرے مالدار شخص نے اس سے کہا کہ اب تم کس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں ان نعمتوں پر اللہ پاک کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ساری دنیا کی دولت بھی خرچ کر کے بھی وہ نعمتیں مجھے نہیں مل سکتیں۔ مالدار نے پوچھا کہ وہ کون سی نعمتیں ہیں؟ اس نے جواب دیا: کیا تم اپنی آنکھ، زبان، ہاتھوں اور پاؤں کو نہیں دیکھتے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتنی بڑی نعمتیں ہیں [2]۔

(۵)۔ حضرت اسحاق بن عبداللہؒ بیان کرتے ہیں، ایک شخص کا یہ معمول تھا کہ جب بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا سلام عرض کرتا۔ حضور پرُنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس سے دریافت فرماتے: تم نے صبح کس حال میں کی؟ وہ عرض کرتا: میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اللہ عزوجل کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے لیے دعا فرماتے۔ ایک دن وہ حاضر خدمت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حسب معمول پوچھا: اے فلاں کیسے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ اگر شکر کروں تو خیریت سے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاموش ہو گئے اور اس کے حق میں کوئی دعا نہ کی۔ اس شخص نے عرض کیا، اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرا حال دریافت فرمانے کے بعد میرے لیے دعا بھی فرمایا کرتے تھے جبکہ آج میرا حال دریافت فرمانے کے بعد میرے لیے دعا نہیں فرمائی؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پہلے جب میں تمہارا حال معلوم کرتا تھا تو تم اللہ پاک کا شکر بجالاتے تھے جبکہ آج میں نے تمہارا حال پوچھا تو تم نے شکر بجالانے میں شک کیا [3]۔

(۶)۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ! الٰہی میں کس طرح تیرا شکر ادا کروں کیونکہ میرا شکر کرنا بھی تیری طرف سے ایک نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام پر وحی فرمائی کہ اب آپؑ نے میرا شکر ادا کیا ہے کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کا اس بات کو پہچان لینا ہی شکر ادا کرنا تھا [4]۔

---

[1]۔ سورۃ النمل: آیت: ۱۹

[2]۔ شعب الایمان از امام البیہقیؒ۔ جلد چہارم۔ رقم: ۴۴۶۲

[3]۔ شعب الایمان از امام البیہقیؒ۔ جلد چہارم۔ رقم: ۴۴۰۹

[4]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر: ۳۲۹

(۷)۔ ایک آدمی نے اپنے شہر والوں سے اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی اور اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا۔ اہل شہر میں سے ایک نے جواب دیا کہ کیا تو پسند کرتا ہے کہ تو اندھا ہو اور تجھے دس ہزار مل جائیں؟ اس آدمی نے کہا نہیں۔ اس آدمی نے پوچھا کیا تو اسے پسند کرتا ہے کہ تو گونگا ہو اور تجھے دس ہزار مل جائیں؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس آدمی نے دوبارہ پوچھا کیا تو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ تیرے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں اور تجھے دس ہزار مل جائیں؟ تو شکوہ کرنے والے نے جواب دیا نہیں۔ اُس نے کہا کہ پھر تجھے اللہ تعالیٰ سے حیا کرنی چاہیے، اس کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اتنی بڑی بڑی نعمتیں عطا فرمائی ہیں [۱]۔

(۸)۔ کسی صوفی کا ایک دوست تھا، بادشاہ نے اسے قید کر دیا۔ اس قیدی نے اپنے صوفی دوست کو پیغام بھیجا تو صوفی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ پھر قیدی شخص کو مارا گیا تو اس نے صوفی کو خط لکھا، صوفی دوست نے جواب دیا کہ اللہ کا شکر ادا کرو۔

پھر ایک مجوسی کو لایا گیا جو پیٹ کی بیماری میں مبتلا تھا۔ اسے قید کر دیا گیا اور اس کی بیڑی کا ایک حلقہ اس کی بیڑی میں ڈال دیا گیا اور دوسرا مجوسی کے پاؤں میں۔ مجوسی رات کو کئی بار اٹھتا اور اس شخص کو مجوسی کے فارغ ہونے تک اس کے پاس کھڑا ہونا پڑتا۔ اب اس نے اپنے صوفی دوست کو لکھا تو اس نے جواب دیا کہ اللہ کا شکر ادا کرو۔ اس نے کہا، آپ کب تک مجھ سے یہ بات کہتے رہیں گے اور اس سے بڑھ کر کیا مصیبت ہو سکتی ہے؟

صوفی دوست نے جواب دیا کہ اگر یہ زنار جو اس کی کمر میں ہے تمھاری کمر میں ڈال دیا جاتا جس طرح اس کے پاؤں کی بیڑیاں تیرے پاؤں میں ڈالی گئی ہیں تو تم کیا کر لیتے؟

(۹)۔ ایک شخص حضرت سہل بن عبداللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ چور میرے گھر میں داخل ہوا اور میرا سامان لے گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اگر چور یعنی شیطان تمہارے دل میں داخل ہو کر تمہارے عقیدہ توحید کو خراب کر دیتا تو تم کیا کر سکتے تھے؟

(۱۰)۔ ایک صوفی بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سفر کے دوران ایک بہت بوڑھے آدمی کو عجیب حالت میں دیکھا۔ اس سے اس حالت کے بارے میں پوچھا؟ اس نے کہا کہ میں اپنی ابتدائی عمر میں اپنی چچازاد پر عاشق تھا اسی طرح اسے بھی مجھ سے عشق تھا۔ اتفاق سے وہ میرے نکاح میں آ گئی۔ شبِ زفاف کو ہم دونوں نے کہا کہ آج رات ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے عبادت کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اکٹھا کر دیا۔ پس ہم نے ساری رات نماز پڑھی۔ پھر بڑھیا کی طرف متوجہ ہو کر کہا، اے فلانی کیا ایسا نہیں؟ بڑھیا نے کہا کہ آپ نے درست فرمایا ہے۔

(۱۱)۔ حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران میرا سب زادِراہ ختم ہو گیا۔ کئی دن بھوکا رہا حتیٰ کہ پاؤں میں جوتا تک نہ تھا۔ اس حال میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں دل میں شکوہ پیدا ہوا۔ نماز کے لیے کوفہ کی جامع مسجد میں گیا تو واپسی پر دیکھا کہ مسجد کی سیڑھیوں پر ایک آدمی بھیک مانگ رہا ہے، جس کے دونوں پاؤں نہیں ہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی

۱۔ قوت القلوب از شیخ ابو طالب حارثی مکیؒ۔ جلد اول۔ صفحہ نمبر: ۶۴۷

اور شکر کیا کہ اگر پاؤں میں جوتے نہیں ہیں تو کیا ہوا کم از کم پاؤں تو ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ پاؤں بھی نہ دیتا تو پھر کیا کیا جا سکتا تھا[1]؟

(۱۲)۔ ایک وفد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان میں سے ایک نوجوان کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ ہم آپ سے کچھ لینے کی غرض سے نہیں آئے اور نہ ہی کسی سے خوفزدہ ہیں، بلکہ ہم تو محض اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ زبان سے بھی آپؒ کا شکر ادا کریں اور واپس چلے جائیں[2]۔

(۱۳)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک فقیر ہے جس کے ہاتھ پاؤں نہیں ہیں، سماعت سے محروم ہے، آنکھوں سے اندھا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ لوگ حیران ہوئے، پوچھنے لگے کہ اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کیا اس غریب و محروم فقیر کو بھی عز وجل کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا جی ہاں! یہ فقیر سانس تو لے رہا ہے، رفع حاجت تو کر لیتا ہے۔

(۱۴)۔ حضرت سلام بن ابو مطیع فرماتے ہیں کہ میں ایک مریض کی عیادت کے لیے گیا تو وہ آہ و بکا کر رہا تھا۔ میں نے اسے کہا! ان کو یاد کرو جو راستوں میں پڑے ہیں اور ان کو یاد کرو جن کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں نہ کوئی ان کا خدمت گار ہے۔ حضرت سلام بن ابو مطیع فرماتے ہیں کہ بعد میں ایک بار پھر میں اس مریض کی عیادت کے لیے گیا تو وہ سرگوشی کے انداز میں خود سے کہہ رہا تھا! اے میرے نفس ان کو یاد کرو جو راستوں میں پڑے ہیں، ان کو یاد کرو جن کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، نہ ہی کوئی ان کی دیکھ بھال کرنے والا ہے[3]۔

(۱۵)۔ حضرت بکر بن عبداللہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک قلی سے ملا جو وزن اٹھائے ہوئے تھا اور ساتھ ہی ساتھ الحمدللہ اور استغفر اللہ کہے جا رہا تھا۔ میں اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ جب اس نے اپنا بوجھ اتارا تو میں نے اس سے پوچھا: کیا تم اس سے اچھا کوئی کام نہیں کر سکتے؟ اس نے جواب دیا کیوں نہیں! میں اچھا کام کر سکتا ہوں، قرآن پاک پڑھا سکتا ہوں۔ لیکن بندہ چونکہ نعمت اور گناہ کے درمیان رہتا ہے، اس لیے میں اس کی کامل نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہاں کا قلی بھی مجھ سے زیادہ سمجھدار ہے[4]۔

(۱۶)۔ حضرت وہب بن منبہؒ ایک ایسے مصیبت زدہ کے پاس سے گزرے جو اندھا، کوڑھی اور برص میں مبتلا تھا۔ نیز اس کا لباس بھی اچھا نہ تھا۔ لیکن وہ اللہ پاک کی حمد و ثنا بیان کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اللہ کی نعمت پر اس کا شکر ہے۔ حضرت وہب بن منبہؒ کے ساتھ موجود شخص نے کہا کہ تیرے پاس کون سی نعمت باقی بچی ہے جس پر اللہ کا شکر کر رہا ہے؟ تو وہ شخص بولا: ذرا اپنی نگاہ اس شہر کے

---

[1]۔ حکایاتِ سعدیؒ از شیخ سعدیؒ۔ حکایت نمبر ۱۴

[2]۔ مکاشفۃ القلوب از امام ابو الحامد محمد الغزالیؒ۔ صفحہ نمبر، ۳۶۰

[3]۔ شکر گزار بننے کے فوائد از ڈاکٹر شہزادہ فیصل بن مشعل بن عبدالعزیز آلِ سعود۔ صفحہ نمبر ۱۲۰

[4]۔ الدر المنثور از امام جلال الدین سیوطیؒ بحوالہ تفسیر سورۃ البقرہ: آیت: ۱۵۲

رہنے والوں کی طرف اٹھا کر دیکھو اور ان کی کثرت کو ملاحظہ کرو۔ کیا میں اس بات پر اللہ عزوجل کا شکر ادا نہ کروں کہ اس نے مجھے اپنی معرفت عطا فرمائی ہے[۱]۔

(۱۷)۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ مخلوق پر اللہ عزوجل کی نعمتیں ہر وقت نازل ہوتی رہتی ہیں اس لیے انسان کو ہر وقت اللہ پاک کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے کیونکہ شکر سے نعمت زیادہ ہوتی ہے۔ انسان کے سانس کا اندر جانا بھی ایک نعمت ہے اور باہر آنا بھی ایک نعمت ہے۔ اگر ہوا اندر نہ جائے تو موت ہے اور اگر باہر نہ آئے تو بھی موت ہے۔ انسان کے ایک سانس پر دو اتنی اتنی بڑی نعمتیں ملتی ہیں اور ہر نعمت پر شکر واجب ہے۔ پس انسان پر ہر سانس پہ دو بار شکر کرنا ضروری ہے۔

۱۔ الدرالمنثور از امام جلال الدین سیوطیؒ بحوالہ تفسیر سورۃ البقرہ: آیت: ۱۵۲

۹

مقامِ تواضع

۱۔ تواضع کا مفہوم

(۱)۔ تواضع سے مراد انسان کا اپنے آپ کو دوسروں سے چھوٹا یا برابر یا عاجز سمجھنا، دوسروں کی تعظیم وتکریم کرنا، حقوق العباد کا خیال رکھنا، دوسروں کے حقوق کو اپنے حقوق پر مقدم رکھنا اور تکبر کو ترک کرنا ہے۔تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اصل میں اپنے آپ کو لاشئے اور دوسروں سے کمتر اور عاجز سمجھے۔اپنے آپ کو بلندی و سرفرازی کا اہل نہ سمجھے اور حقیقت میں اپنے آپ کو عاجز بنانے کا قصد کرے۔تواضع وانکساری اختیار کرنے والا شخص ہمیشہ تکبر کی شیطانی خصلت سے بچا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو دونوں جہاں میں سربلندی و کامیابی عطا فرماتا ہے۔

(۲)۔ تواضع کی اصل ذلت وتکبر میں اعتدال پیدا کرنا ہے۔تکبر یہ ہے کہ انسان خود کو اپنے حقیقی مرتبے سے بلند تر سمجھے اور ذلت یہ ہے کہ انسان خود کو ذلیل وخوار سمجھے۔بعض لوگوں نے تواضع اور ذلت میں فرق نہیں کیا، غالباً ان کا مقصد، سالک کے غرور و تکبر کا مکمل طور پر خاتمہ کرنا تھا، اس لیے وہ تواضع اور ذلت میں فرق نہیں کرتے اور تواضع میں مبالغے سے کام لیتے ہیں اور تواضع کو ذلت تک پہنچا دیتے ہیں۔ دوسری طرف بعض لوگوں کے ایسے اقوال ملتے ہیں جن سے تکبر یا خود پسندی کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ دونوں رویے غیر متوازن ہیں۔اللہ تعالیٰ تمام کاموں میں اعتدال کو پسند فرماتے ہیں۔

(۳)۔ دراصل تواضع یہ ہے کہ آدمی بغیر تکبر اور ذلت کے تواضع اختیار کرے۔ جو شخص اپنے برابر کے لوگوں پر خود کو مقدم رکھے وہ تکبر کرنے والا ہے اور جو خود کو ان کے برابر یا کچھ کم خیال کرے وہ تواضع کرنے والا ہے کیونکہ تواضع کا معنی ہے کہ اس نے اپنی وہ منزلت گھٹا دی جس کا وہ مستحق تھا۔

(۴)۔ اللہ عزوجل کو پسند نہیں کہ آدمی تواضع کے نام پر ذلت اختیار کرلے بلکہ اللہ عزوجل کا پسندیدہ امر اعتدال ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان ہر حق دار کو اسکا حق دے، خندہ پیشانی سے گفتگو کرے، سوال کرنے والے سے نرمی برتے، اگر دعوت دی جائے تو قبول کرے، دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کی پوری کوشش کرے، خود کو دوسروں سے مقدم خیال نہ کرے، دوسروں کو ذلیل وکمتر نہ سمجھے اور نہ ہی ان سے ایسا سلوک روا رکھے جس سے وہ خود کو ذلیل وخوار سمجھنے لگیں۔ اگر یہ تواضع اس درجے کو پہنچ جائے کہ اپنا کوئی مرتبہ اور وقار ہی نہ رہے تو پھر نوبت ذلت وخوشامد تک پہنچ جائے گی اور یہ حد سے تجاوز کرنا ہے۔مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل کرے۔

(۵)۔ بعض لوگ خودداری اور عزت نفس کو تکبر سمجھتے ہیں حالانکہ دونوں میں واضح فرق ہے۔خودداری یہ ہے کہ انسان خود کو پہچانے اور حقیقت نفس کو پہچان کر اس کا احترام اس طرح کرے کہ دنیاوی اغراض ومقاصد کے لیے خود کو ذلیل وخوار نہ کرے اور کبر یہ ہے کہ اپنے نفس سے ناواقف ہو اور اس کو اس کے مقام سے بلند سمجھے۔ کبر ایک انتہائی موذی اور عزتِ نفس اور خودداری ایک اچھی صفت ہے۔عزت نفس کے بارے میں خداوند کریم کا قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ[۱]

۱۔ سورۃ المنافقون: آیت: ۸

(عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین ہی کے لیے ہے)

(۶)۔ بعض لوگ اچھے کپڑے اور اچھی جوتی پہننے، اچھا گھر بنانے، اچھی گاڑی رکھنے کو تواضع وانکساری کے خلاف اور تکبر کی علامت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ چیزیں نہ تو تکبر کی علامت ہیں اور نہ تواضع وانکساری کے خلاف۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آدمی چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتی بھی اچھی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی ہی کو پسند کرتا ہے، تکبر تو سچ کو جھٹلانے اور دوسرے لوگوں کو کمتر سمجھنے کو کہتے ہیں [1]۔

(۷)۔ تواضع وانکساری کی اصل مجاہدہ نفس ہے کیونکہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے خاکسار، نیازمند اور فقیر کہہ دیا جائے بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی ہمیں خود پر فوقیت نہ دے تو انتقام کا جوش وجذبہ پیدا نہ ہو اور نفس کو یوں سمجھا لیا جائے کہ میں واقعتاً ایسا ہی ہوں پھر کیوں برا محسوس کیا جائے۔ تواضع کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان کے لیے مدح وتعریف اور لوگوں کا اسے عاجز ومسکین سمجھنا برابر ہو جائے۔

(۸)۔ تواضع وانکساری کا متضاد تکبر ہے۔ تواضع وانکساری کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے، تکبر کا مفہوم جاننا بے حد ضروری ہے۔ تکبر دراصل دوسروں کو حقیر سمجھتے ہوئے خود کو بڑا سمجھنا ہے۔ کسی واقعی خوبی اور فضیلت کی بنیاد پر خود کو بعض ایسے لوگوں سے بہتر سمجھنا جو وہی خوبی یا فضیلت یا تو سرے سے نہ رکھتے ہوں یا مقابلتاً کم رکھتے ہوں، نامناسب تو ہے مگر تکبر نہیں۔

(۹)۔ تکبر کی دو قسمیں ہیں:

(i)۔ مطلق تکبر یہ ہے کہ آدمی اپنی واقعی یا فرضی خوبی کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف کیے بغیر دوسروں کو تحقیر کی نظر سے دیکھے۔ یہ تکبر شرک اور کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

(ii)۔ جزوی تکبر یہ ہے کہ آدمی اپنی واقعی یا فرضی خوبی کو اللہ پاک کی عطا سمجھتا ہے مگر اس کی روح سے بیگانہ ہو کر اسے دوسروں کی توہین وتحقیر کا ذریعہ بنالیتا ہے۔

پس تکبر کی دونوں قسموں میں دو چیزیں مشترک ہیں:

(i)۔ خود کو بڑا جاننا

(ii)۔ دوسروں کی تحقیر، خواہ احساس میں ہو یا عمل میں

عاجزی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا نہ جانے اور کسی کو تحقیر کا ہرگز احساس نہ دلائے۔

۲۔ تواضع قرآن کی روشنی میں

تواضع وانکساری اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک پسندیدہ فعل ہے جس کا قرآن پاک میں نہ صرف حکم دیا گیا ہے

۱۔ صحیح مسلم۔ رقم: ۲۶۶

بلکہ تواضع وانکساری اختیار کرنے والوں کو آخرت میں اعلیٰ درجات کے ملنے کی خوشخبری بھی دی گئی ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تواضع وانکساری اور عاجزی اختیار کرنا تو انبیاء علیہم السلام کا شیوہ ہے:

(۱)۔ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ[1]

(اور ہم نے کفار کی کئی جماعتوں کو جو مالا مال کر رکھا ہے تم ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا اور نہ ان کے حال پر غم کرنا اور مومنوں سے خاطر اور تواضع سے پیش آنا)

اس آیت پاک میں حسب ذیل نکات کو بیان کیا گیا ہے:

(i)۔ ہمیں دوسروں کے اموال کی طرف للچائی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔

(ii)۔ ہمیں دوسروں کے پاس نعمتیں ہونے پر غم نہیں کرنا چاہیے۔

(iii)۔ دنیا کی زندگی صرف آزمائش کے لیے ہے اور آخرت کے مقابلے میں دنیا قلیل ہے۔

(iv)۔ ہمیں دوسروں کے ساتھ نرمی اختیار کرنا چاہیے اور عجز وانکساری سے پیش آنا چاہیے۔

(v)۔ جناحك سے مراد اپنے پر نیچے کر لینا ہے۔جیسے پرندے اپنے پر نیچے کر لیتے ہیں۔اسی طرح ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی وانکساری اختیار کرنی چاہیے۔

(۲)۔ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ[2]

(اور ایمان لانے والوں میں سے جو لوگ تمہاری پیروی اختیار کریں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ)

اس آیت پاک میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین کے ساتھ تواضع وانکساری اور نرمی سے پیش آئیں۔اس سے تواضع کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی تواضع کا حکم دیا گیا ہے۔جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یہ حکم ہے تو پھر عام مومنین کے لیے تو ازحد ضروری ہوگا کہ وہ دوسروں کے ساتھ تواضع کا برتاؤ کریں۔

(۳)۔ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ[3]

(اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین میں اکڑ کر چل۔اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔اپنی چال میں اعتدال اختیار کر، اور اپنی آواز ذرا پست رکھ)

اللہ پاک نے اس آیت مبارکہ میں ہمیں دوسروں کے ساتھ بے رخی اختیار کرنے اور زمین میں فخر وغرور سے چلنے سے منع فرمایا ہے۔انسان کو اپنے چلنے کے طریقے اور بولنے کے انداز میں عاجزی وانکساری پیدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ انسان کی چال ڈھال

۱۔سورۃ الحجر: آیت:۸۸

۲۔سورۃ الشعرا: آیت:۲۱۵

۳۔سورۃ لقمٰن: آیت:۱۸-۱۹

دراصل اس کے باطن کی کیفیت کا عکس ہوتا ہے۔متکبر اور منکسر مزاج انسان کا چلنا الگ الگ ہوتا ہے۔اللہ پاک کے پسندیدہ بندے اپنے رب کے سامنے اکڑنے کی بجائے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے عاجزانہ چلتے ہیں اور یہ انسان کی شان بندگی کا تقاضا ہے۔

درمیانہ چال یہ ہے کہ نہ اس میں مریضانہ اور تکلّفانہ عاجزی کا اظہار ہو اور نہ ہی اس میں فخر و غرور پایا جائے۔

جہاں تک انسان کی گفتار اور آواز کا معاملہ ہے تو وہ بھی حسب ضرورت اونچی یا نیچی کی جا سکتی ہے۔مثال کے طور پر امام اور خطیب اپنے مقتدی اور سامعین کی تعداد کے مطابق آواز بلند کر سکتا ہے۔

(۴)۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا[۱]

(اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ پاک کے بندوں کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ زمین پر اکڑ کے نہیں چلتے بلکہ خاکساری اور فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں۔ان کی چال ڈھال سے کبر و غرور کی بجائے تواضع اور انکساری ٹپک رہی ہوتی ہے اور یہ چال دراصل ان کے باطن کی کیفیت کا اظہار ہوتی ہے۔ان کے دلوں پر خداوند قدوس کی عظمت و کبریائی کی ہیبت ایسی چھائی ہوتی ہے کہ اس کا ظہور ان کے ہر اس قدم سے ہوتا ہے جو وہ زمین پر رکھتے ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ پاک کے بندوں کی تواضع و انکساری کو کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

(i)۔ ان چال ڈھال میں سنجیدگی اور وقار ہوتا ہے۔

(ii)۔ اللہ تعالیٰ کے بندے عاجزانہ چال چلتے ہیں۔

(iii)۔ وہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔

(iv)۔ ان کی گفتگو میں اخلاق ٹپکتا ہے۔

(v)۔ وہ جاہلوں سے الجھنے کی بجائے اچھی بات کہتے ہوئے چل دیتے ہیں۔

(vi)۔ بیہودہ حرکتوں سے اعراض کرتے ہیں۔

(vii)۔ لغویات سنتے ہیں تو باوقار طریقہ سے گذر جاتے ہیں۔

(۵)۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا[۲]

(جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ پاک ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو فضول چیزوں سے سابقہ پیش آ جانے پر عاجزی و انکساری اختیار کرتے ہوئے شریف لوگوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔وہ لغویات میں مبتلا نہیں ہوتے اور جھوٹ سے

۱۔سورۃ الفرقان: آیت: ۶۳،۷۲

۲۔سورۃ الفرقان: آیت: ۷۲

اپنا دامن بچا رکھتے ہیں۔

(۶)۔ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ [1]

(اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو۔ یہ وہ لوگ ہیں جب اللہ کا نام لیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر مصیبت آئے تو صبر کرنے والے ہیں اور نماز قائم کرنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں)

اس آیت پاک میں عاجزی کرنے والوں کے لیے خوش خبری کا اعلان کیا گیا ہے۔ دراصل بندے کی شان یہی ہے کہ وہ ہر حال میں اور دل و جان سے اپنے اس خالق و مالک کے حضور جھکا رہے اور کسی قسم کے غرور و تکبر میں مبتلا نہ ہو۔ جس نے اس کو وجود بخشا اور جس کی نعمتوں، عنایتوں اور رحمتوں میں وہ سر تا پاڈوبا ہوا ہے۔ بندہ مومن اپنی عاجزی و فروتنی کا اظہار اس کے حضور اپنے رکوع و سجود سے کرے۔

اسلام کی اصل روح یہی عاجزی و انکساری ہے۔ پس اس آیت شریفہ میں عاجزی کرنے والوں کی کچھ نشانیاں یا خصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں:

(i)۔ جب اللہ پاک کی عظمت کا اظہار کیا جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو عاجز پاتے ہیں اور ان کے دل اللہ کی عظمت سے دھل جاتے ہیں۔

(ii)۔ وہ اللہ عزوجل سے بے نیاز نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بہت اثر لیتے ہیں۔

(iii)۔ جب وہ کسی مصیبت میں گھر جاتے ہیں تو اللہ عزوجل کے فیصلے کو عاجزی سے قبول کرتے ہوئے صبر کرتے ہیں۔

(iv)۔ عاجز لوگ اللہ پاک کے سامنے اپنا سر نہایت عاجزانہ طریقے سے جھکاتے ہیں، رکوع کرتے ہیں، سجود کرتے ہیں اور دعا کے لیے اپنے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔

(v)۔ اللہ عزوجل کی طرف سے دی گئی نعمتوں پر تکبر نہیں کرتے بلکہ ان کو اللہ عزوجل کا انعام سمجھ کر دوسرے لوگوں میں عاجزی اور خاموشی سے بانٹتے ہیں۔

(۷)۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ [2]

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہیں ورنہ اگر کہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تند خُو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد و پیش سے بھاگ جاتے)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نرم مزاج اور حلم و بردباری کے پیکر تھے۔ اسی

۱۔ سورۃ الحج: آیت: ۳۴،۳۵

۲۔ سورۃ آلِ عمران: آیت: ۱۵۹

8

لیے آپ ﷺ کی ہر بات لوگوں پر بے حد اثر انداز ہوتی تھی اور وہ حضور نبی کریم ﷺ گرد جمع رہتے تھے۔ دراصل انسان کا مزاج ہے کہ بردبار، خوش اخلاق، متواضع اور منکسر مزاج کے پاس جانا اور اس سے فیض لینا اور علم ومعرفت حاصل کرنا پسند کرتا ہے۔ پس معلم، مفتی، مبلغ اور داعی حضرات کے لیے خصوصی طور پر اور ہم سب کے لیے عمومی طور پر اس آیت پاک میں بہت بڑی نصیحت ہے۔ اگر امت کو علم سکھانا اور فیض پہنچانا ہے تو نرم مزاج، نرم خو، شفیق، مہربان اور بردبار بننا چاہیے۔

اس آیت مبارکہ سے حسب ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(i)۔ عاجزی وانکساری اختیار کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

(ii)۔ حضور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بڑے نرم خو اور خلیق تھے۔

(iii)۔ کسی بھی قوم یا ادارہ کے سربراہ کو نرم مزاج ہونا چاہیے۔

(iv)۔ کوئی بھی سربراہ، عاجزی وانکساری اختیار کرنے والا اور بردبار ہو تو لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔

(v)۔ دعوت دینے والے اور قائد میں عفو ودرگزر کا جذبہ ہونا چاہیے۔

(vi)۔ داعی اور قائد کو لوگوں سے نرمی سے پیش آنا چاہیے۔

(vii)۔ لوگوں سے سخت مزاجی سخت دل سے پیش آنا حضور نبی کریم ﷺ کی سنت اور مزاج کے خلاف ہے۔

(viii)۔ اگر ہم سخت مزاجی اور سخت دل سے لوگوں سے پیش آئیں گے تو لوگ ہمارے قریب نہیں آئیں گے۔

(۸)۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ [1]

(اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور خوف سے صبح وشام یاد کریں اور بلند آواز کے بغیر بھی اور غافلوں سے نہ ہو جائیں)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ انسان کو ہر قسم کے تکبر سے بچنا چاہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہر دم عاجزی کا اظہار کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ عزوجل کی عبادت اور اللہ کے ذکر میں رہنے کے ساتھ انسان کا سر اللہ کے حضور عاجزی سے جھکا رہنا چاہیے۔ ذکر اللہ میں نمود ونمائش کا ذرہ برابر بھی شائبہ نہیں ہونا چاہیے۔

اس آیت پاک سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(i)۔ اللہ پاک کو دل میں ہر وقت یاد کرنا چاہیے۔

(ii)۔ زبان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے۔

(iii)۔ انتہائی عاجزی وانکساری سے ذکر اللہ کرنا چاہیے۔

(iv)۔ اللہ پاک اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ اس کا بندہ اسے عاجزی وانکساری سے چپکے چپکے یاد کرے۔

(v)۔ اللہ تعالیٰ کی یاد میں ظاہری نمود ونمائش سے بچنا چاہیے۔

---

[1] ۔سورۃ آلِ عمران: آیت:۱۵۹

(vi)۔ اللہ عزوجل کو غافل دل اور زبان پسند نہیں ہے۔اس لیے حضرت سلطان باھوؒ فرماتے ہیں[۱]:

جو دم غافل سو دم کافر آسانوں مرشد ایہہ پڑھایا ہو
سنیا سخن گیا کھل اکھیں اساں چت مولا ول لایا ہو
کیتی جان حوالے رب دے اساں ایسا عشق کمایا ہو
مرن تو اگے مر گئے باھو تاں مطلب توں پایا ہو

(مجھے میرے مرشد کامل نے یہ تعلیم دی ہے کہ جو لمحہ ذکر الٰہی سے غافل ہے وہ لمحہ بوجہ غفلت وترک ذکر ناشکری ہے۔ جب میں نے مرشد کا یہ فرمان سنا تو میری آنکھیں خواب غفلت سے بیدار ہو گئیں اور میں نے اپنا دل اور مکمل دھیان مالک حقیقی کی یاد اور ذکر میں لگا لیا۔اس راہ سلوک میں میں نے ایسا عشق حقیقی پایا کہ اپنی جان اور اللہ کے سوا تمام چیزوں کی محبت کو اپنے اللہ عزوجل کے حوالہ کر دیا۔ اے باھوؒ جو لوگ دنیا میں ہی اپنی تمام چیزیں اللہ عزوجل کے حوالے کر کے اس کی رضا پر راضی ہو گئے اور اپنی خواہشات نفسانی سے دستبردار ہو گئے وہی معرفت کو پا گئے)

۳۔ تواضع حدیث کی روشنی میں

ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار تواضع اختیار کرنے، نرمی سے بات کرنے اور تکبر سے بچنے کا حکم دیا ہے۔اس بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے شمار احادیث مروی ہیں، جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے کے نتیجہ میں بندے کی عزت ہی بڑھاتا ہے اور جو شخص بھی خدا کی خاطر تواضع اور انکساری اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے رفعت اور سر بلندی عطا فرماتا ہے[۲]۔

(۲)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ کو وحی بھیجی کہ آپس میں ایک دوسرے سے تواضع کرو اور کوئی دوسرے پر (ظلم) اور سرکشی نہ کرے[۳]۔

(۳)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز استسقاء کے لئے تشریف لے گئے تو انتہائی عاجزی اور انکساری کی حالت میں بغیر کسی زینت اور آرائش کے نکلے اور دو رکعت ادا فرمائی[۴]۔

(۴)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے رب نے میرے لئے وادی بطحا کو سونا بنانے کی پیشکش کی۔ میں نے عرض کیا،

۱۔ابیات باھوؒ از سلطان باھوؒ صفحہ نمبر ۲۴۱
۲۔جامع ترمذی۔جلد اول: رقم: ۲۱۱۸
۳۔سنن ابن ماجہ۔جلد سوم: رقم: ۱۰۹۴
۴۔سنن ابن ماجہ۔جلد اول: رقم: ۱۲۶۶

نہیں۔اے میرے رب! میں چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں تو دوسرے دن بھوکا رہوں، اس لئے کہ جب میں بھوکا رہوں تو تجھ سے التجا کروں اور عجز و انکساری بیان کرتے ہوئے تجھے یاد کروں اور جب سیر ہو جاؤں تو تیرا شکر کروں[1]۔

(۵)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار کی عیادت کرتے، جنازے کے ساتھ جاتے، غلام اگر دعوت دیتا تو بھی قبول کرتے، گدھے پر سوار ہو جاتے اور جس دن بنی قریظہ اور بنی نضیر کا واقعہ ہوا، اس دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گدھے پر سوار تھے۔اس کی رسی خرما کی چھال کی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کا زین خرما کے پتوں کا تھا[2]۔

(۶)۔ حضرت مکحول رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایمان رکھنے والے لوگ بردبار، نرم خو اور فرمانبردار ہوتے ہیں، اس اونٹ کی طرح جس کی ناک میں نکیل پڑی ہو کہ اگر اس کو کھینچا جائے تو چلا آئے اور اگر پتھر پر بٹھایا جائے تو پتھر پر بیٹھ جائے[3]۔

(۷)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ہمارے پیارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جوتیاں خود گانٹھ لیتے تھے، اپنا کپڑا خود سی لیتے تھے اور اپنے گھر کا کام کاج خود ہی کر لیا کرتے تھے[4]۔

(۸)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی شخص سے مصافحہ کرتے تو اپنا ہاتھ اس وقت تک علیحدہ نہ کرتے جب تک کہ وہ شخص اپنا علیحدہ نہ کر لیتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا چہرہ مبارک اس کے چہرہ کے سامنے سے اس وقت تک نہیں ہٹاتے تھے، جب تک کہ وہ شخص اپنا چہرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک کے سامنے سے نہ ہٹا لیتا تھا۔نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی کسی نے اس حال میں نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھٹنے اپنے ہم نشین کے آگے کر کے بیٹھے ہوں[5]۔

(۹)۔ حضرت اسلمؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خادم ہنی کو ایک چراگاہ پر مقرر کر کے فرمایا: اے ہنی تم مسلمانوں سے بڑی عاجزی کے ساتھ ملنا اور مظلوم کی دعا سے بچنا[6]۔

(۱۰)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ شہر میں نہایت عاجزی سے اور اپنے رب سے بخشش مانگتے ہوئے داخل ہوں[7]۔

(۱۱)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان پر فرشتوں کو کوئی حکم دیتا ہے

۱۔جامع ترمذی۔جلد دوم: رقم: ۲۳۴
۲۔المعجم الکبیر از امام طبرانیؒ۔جلد پنجم: رقم: ۴۶۱۶
۳۔سنن نسائی۔جلد اول: رقم: ۱۵۱۱
۴۔جامع ترمذی۔جلد دوم: رقم: ۲۳۴
۵۔سنن ابن ماجہ۔جلد سوم: رقم: ۱۰۵۸
۶۔مشکوۃ شریف۔جلد چہارم: رقم: ۱۰۱۵
۷۔مشکوۃ شریف۔جلد پنجم: رقم: ۴۰۵

تو وہ عاجزی کے ساتھ اپنے پروں کو پھڑ پھڑانے لگتے ہیں اور زنجیر کی سی جھنکار نکلتی ہے، غور سے سنتے ہیں۔ جب فرشتے حکم الٰہی کے خوف سے کچھ بے غم ہوتے ہیں تو آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا حکم دیا ہے؟ تو دوسرے کہتے ہیں جو کچھ فرمایا ہے وہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا بلند برتر ہے[1]۔

(۱۲)۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد مبارک ہے: سورج اور چاند کو کسی بڑے آدمی کی موت کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز پر اپنی تجلی فرماتا ہے تو وہ اس کے سامنے عاجزی کرنے لگتی ہے[2]۔

(۱۳)۔ حضرت فضل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نماز کی دو دو رکعتیں ہوتی ہیں، ہر دو رکعت پر تشہد پڑھو، خشوع وخضوع، عاجزی اور مسکینی ظاہر کرو، اپنے ہاتھوں کو پھیلاؤ، اپنے رب کے سامنے بلند کرو اور ان کے اندرونی حصے کو اپنے چہرے کے سامنے کر کے یارب! یارب! کہہ کر دعاء کرو[3]۔

(۱۴)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: ہم سے پہلی امتوں کے لیے مال غنیمت کو استعمال کرنا حلال نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری عاجزی انکساری کو دیکھتے ہوئے اسے ہمارے لئے حلال قرار دے دیا[4]۔

(۱۵)۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نرمی فرمانے والا ہے اور نرمی کرنے والے کو پسند فرماتا ہے اور نرمی کرنے والے کو وہ کچھ عطا فرماتا ہے، جو سخاوت کرنے والے کو بھی نہیں دیتا[5]۔

(۱۶)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ پاک ہر معاملے میں نرمی کو ہی پسند فرماتا ہے[6]۔

(۱۷)۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بردباری اللہ عزوجل کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے[7]۔

(۱۸)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نرمی جس چیز میں ہوتی ہے، اسے زینت عطا کرتی ہے[8]۔

۱۔ مشکوۃ شریف۔ جلد پنجم: رقم: ۴۰۷
۲۔ صحیح بخاری۔ جلد دوم: رقم: ۳۲۵
۳۔ صحیح بخاری۔ جلد دوم: رقم: ۱۶۵۹
۴۔ صحیح بخاری۔ جلد دوم: رقم: ۱۸۹۱
۵۔ سنن ابن ماجہ۔ جلد اول: رقم: ۱۲۶۲
۶۔ مسند احمد۔ جلد اول: رقم: ۱۷۰۳
۷۔ مسند احمد۔ جلد چہارم: رقم: ۱۰۳۲
۸۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۳۶۸۸

8

(۱۹)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی کی عزت اس کا دین ہے۔ اس کی مروت اس کی عقل ہے اور اس کی شرافت اس کا اخلاق ہے[۱]۔

(۲۰)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں اس شخص کے بارے میں خبر نہ دوں جس پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ کو حرام فرما دیا؟ یہ وہ شخص ہے جو نرم مزاج، نرم خو، آسانی پیدا کرنے والا، لوگوں میں گھل مل جانے والا ہے[۲]۔

(۲۱)۔ حضرت سیدنا اُمِ سلمٰی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس میں تین باتوں میں سے کوئی ایک بھی نہ پائی جائے تو وہ اپنے کسی بھی عمل کے ثواب کی امید نہ رکھے:

(i)۔ ایسا تقویٰ جو حرام کاموں سے روکے

(ii)۔ ایسا حلم جو اسے گمراہی سے روکے

(iii)۔ حسنِ اخلاق جس کے ساتھ وہ لوگوں میں زندگی بسر کرے[۳]۔

(۲۲)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رویت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: مومن اتنا نرم مزاج اور شریف ہوتا ہے کہ لوگ اس کی شرافت کی وجہ سے اسے احمق خیال کرتے ہیں[۴]۔

(۲۳)۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، اعمال میں سے سب سے افضل کام کون سا عمل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ رب العزت پر ایمان لانا، اس کی تصدیق کرنا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا اور حج بیت اللہ کرنا۔ پھر جب وہ جانے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلا کر ارشاد فرمایا: اس کے بعد کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا[۵]۔

(۲۴)۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اسلام کیا ہے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا۔ میں نے عرض کیا کہ ایمان کیا ہے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صبر کرنا اور معاف کرنا[۶]۔

(۲۵)۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کسی نیک کام کو حقیر نہ سمجھے اور اگر کوئی

۱۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۳۶۷۹

۲۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۲۰۱۹

۳۔ شعب الایمان۔ رقم: ۸۴۲۴

۴۔ کنز العمال۔ رقم: ۶۸۷

۵۔ کنز العمال۔ رقم: ۶۸۷

۶۔ کنز العمال۔ رقم: ۶۸۷

نیک کام نظر نہ آئے تو اپنے بھائی سے ہی خندہ پیشانی سے مل لیا کرو[1]۔

(۲۶)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر نیک کام صدقہ ہے اور یہ بھی نیکیوں میں سے ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دو[2]۔

(۲۷)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں کو اپنے اموال سے خوش نہیں کر سکتے، لیکن تمہاری خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی انہیں خوش کر سکتی ہے[3]۔

(۲۸)۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: جو شخص تکبر، قرض اور خیانت سے بری ہو کر فوت ہو، وہ جنت میں داخل ہوا[4]۔

(۲۹)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا: ایک آدمی چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتی بھی اچھی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ جمیل ہے اور جمال ہی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو حق کی طرف سے منہ موڑنے اور دوسرے لوگوں کو کمتر سمجھنے کو کہتے ہیں[5]۔

(۳۰)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جنت میں نہ جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر غرور ہو۔ وہ شخص دوزخ میں نہ جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو[6]۔

(۳۱)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ تکبر میری چادر ہے اور بڑائی میرا ازار۔ پھر جو کوئی ان دونوں میں سے کسی کے لئے مجھ سے جھگڑے، میں اس کو جہنم میں ڈالوں گا[7]۔

(۳۲)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص تکبر سے اپنے کپڑے کو لٹکائے گا، قیامت کے دن خداوند تعالیٰ اس کو رحمت کی نظر سے نہ دیکھے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا میرے کپڑے کا ایک کونہ خود بخود لٹک جاتا ہے۔ ہاں! اگر میں اس کی نگہداشت رکھوں تو وہ نہ لٹکے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک تم تکبر نہیں کرتے[8]۔

۱۔ کنز العمال۔ رقم: ۶۸۷

۲۔ مجمع الزوائد۔ رقم: ۲۰۱

۳۔ مجمع الزوائد۔ رقم: ۲۱۰

۴۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۲۰۵۶

۵۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۲۰۵۶

۶۔ شعب الایمان۔ رقم: ۸۰۵۴

۷۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۱۶۳۷

۸۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۱۶۳۷

(۳۳)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: جنت اور دوزخ آپس میں جھگڑا کریں گے۔ دوزخ کہے گی کہ میں متکبر اور ظالم لوگوں کے لئے مخصوص کر دی گئی ہوں اور جنت کہے گی کہ مجھ کو کیا ہو گیا ہے کہ مجھ میں صرف کمزور اور حقیر لوگ داخل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو میری رحمت ہے۔ میں تیرے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہوں گا رحمت سے نوازوں گا اور جہنم سے فرمائے گا کہ تو میرا عذاب ہے۔ میں تیرے ذریعہ سے جن بندوں کو چاہوں گا عذاب دوں گا[1]۔

(۳۴)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اللہ رب العزت آسمانوں کو لپیٹ لے گا، پھر انہیں اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زور والے بادشاہ کہاں ہیں؟ تکبر والے کہاں ہیں؟ پھر زمینوں کو اپنے بائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زور والے بادشاہ کہاں ہیں؟ تکبر والے کہاں ہیں[2]؟

۴۔ تواضع کے درجات

تواضع کے کئی درجات ہیں۔ جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ تواضع و انکساری کا پہلا درجہ یہ ہے کہ کبر انسان کے دل میں جاگزیں ہو اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ میں دوسرے انسانوں سے بہتر ہوں اور ایسے اعمال کرتا ہو جیسے وہ لوگ کرتے ہیں جو دوسروں کو خود سے افضل سمجھتے ہیں، تاہم وہ تواضع و انکساری اختیار کرنے کی پوری پوری کوشش کرے۔ ایسے شخص کا یہ حال ہے کہ اس کے دل میں کبر کا درخت موجود ہے، لیکن اس نے اس درخت کی شاخیں کاٹ ڈالیں ہیں۔ ایسا شخص تواضع و انکساری کے پہلے درجے پر ہے اور یہ عام لوگوں کی تواضع ہے[3]۔

(۲)۔ تواضع و انکساری کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان کے دل میں کسی قسم کا کبر نہ ہو۔ وہ اپنے تمام افعال میں اپنی کوشش سے تواضع و انکساری اختیار کرے۔ مجلس میں دوسروں سے منفرد ہونے کی خواہش نہ رکھے۔ اپنے دوستوں پر کسی قسم کی برتری ظاہر نہ کرے۔ جو لوگ اس کے حق ادا کرنے میں کوتاہی کریں، ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے۔ ایسا شخص دوسرے درجے کا متواضع و منکسر ہے اور یہ خاص لوگوں کی تواضع ہے۔

(۳)۔ تواضع و انکساری کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ انسان کے دل سے نہ صرف غرور و تکبر اپنی آخری حد میں نکل چکا ہو بلکہ تواضع و انکساری اور عاجزی دل میں یہ مقام حاصل کر لے کہ اسے تواضع و انکساری اختیار کرنے میں کسی قسم کی اضافی کوشش نہ کرنا پڑے۔ ایسے انسان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کے تمام افعال و اقوال میں خود بخود ہی تواضع و انکساری اور عاجزی عیاں ہونے لگتی ہے۔ یہ خاص الخواص کی تواضع ہے۔

۱۔ صحیح مسلم۔ رقم: ۲۶۶

۲۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۷۳

۳۔ احیاء العلوم الدین از امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۵۳۴

۵۔ آفاتِ تواضع

تکبر یا تواضع وانکساری آدمی کی عادتوں اور طور طریقوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے بات کرتے ہوئے منہ پھلا لینا، دوسروں کو گھور کر یا نفرت سے دیکھنا یا پھر انسان کے اقوال میں ہوتا ہے حتیٰ کہ آواز، حروف والفاظ کی ادائیگی کا طریقہ اور جواب دینے کا انداز بھی تکبر یا تواضع سے خالی نہیں ہوتا۔ تکبر چلنے پھرنے اٹھنے، بیٹھنے اور حرکات وسکنات میں بھی ہوتا ہے۔ تکبر کرنے والوں میں سے بعض تمام اقوال وافعال میں تکبر کرتے ہیں اور بعض کچھ امور میں تو تکبر کرتے ہیں اور کچھ میں تواضع اختیار کرتے ہیں۔ ذیل میں تواضع وانکساری اختیار کرنے والوں کے بارے میں کچھ اشارے دیئے جاتے ہیں:

(۱)۔ بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ان کے سامنے دست بستہ کھڑے رہیں یا انہیں دیکھ کر کھڑے ہو جایا کریں۔ یہ بات تواضع و انکساری کے برخلاف، تکبر کی علامت ہے۔

(i)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی دوزخی کو دیکھنا چاہتا ہے، وہ کسی ایسے آدمی کو دیکھ لے جو خود تو بیٹھا ہوا ہو اور بہت سے لوگ اس کی خواہش کے مطابق اس کے سامنے مؤدب کھڑے ہوں۔

(ii)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس قدر محبت تھی کسی سے نہ تھی۔ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے کیونکہ وہ یہ بات جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح کھڑا ہونا پسند نہیں ہے [۱]۔

(۲)۔ بعض لوگ اس وقت تک چلنا پسند نہیں کرتے جب تک ان کے آگے یا پیچھے چلنے والا نہ ہو۔ یہ بات بھی تکبر کی علامت اور تواضع و انکساری سے کوسوں دور ہے۔

(i)۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بندہ اس وقت تک اللہ عزوجل سے دور ہوتا رہتا ہے جب تک کوئی آدمی اس کی خواہش کے مطابق اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا ہے [۲]۔

(ii)۔ ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رویہ بالکل اس کے برعکس تھا۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سخت گرمی کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت البقیع کی طرف جا رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جوتوں کی آواز سنائی دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے محسوس کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ گئے، یہاں تک کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے نکل گئے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں ذرا سا تکبر بھی پیدا نہ ہو [۳]۔

(۳)۔ بعض انسانوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ خود کو بڑا تصور کرتے ہوئے دوسروں کی ملاقات کے لیے جانا پسند نہیں کرتے خواہ انہیں

۱۔ احیاء العلوم الدین از امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۵۴۰

۲۔ احیاء العلوم الدین از امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۵۴۰

۳۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۲۴۵

کتنا ہی ضروری کام یا دینی نفع ہی کیوں نہ ہو بلکہ دوسروں کو اپنے پاس بلا لیتے ہیں، یہ امر تواضع کی ضد ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! ایک آدمی اپنے دینی بھائی سے ملاقات کے لیے جو دوسری بستی میں رہتا تھا روانہ ہوا۔ اللہ عزوجل نے اس کے راستے میں ایک فرشتے کو بٹھا دیا۔ جب وہ فرشتے کے پاس سے گزرا تو فرشتے نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ فلاں آدمی سے ملاقات کے لیے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے پوچھا کیا تم دونوں کے درمیان کوئی رشتہ داری ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرشتے نے پوچھا کہ کیا اس کا تم پر کوئی احسان ہے جسے تم پال رہے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔

فرشتے نے پوچھا پھر تم اس کے پاس کیوں جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں اس سے اللہ پاک کی رضا کے لیے محبت کرتا ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ میں اللہ عزوجل کے پاس سے تیری طرف قاصد بن کر آیا ہوں کہ اس کے ساتھ محبت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرتا ہے [1]۔

(۴)۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ حقارت کی وجہ سے اپنے سے نچلی سطح کے لوگوں کا اپنے برابر یا پہلو میں بیٹھنا پسند نہیں کرتے، بلکہ اپنے سامنے ادب کے ساتھ بٹھلانا پسند کرتے ہیں۔ یہ عادت بھی تواضع کے خلاف اور تکبر کی علامت ہے۔

(i)۔ ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تواضع وانکساری کا یہ عالم تھا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ کی ایک لونڈی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پکڑتی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے اپنا ہاتھ نہ چھڑاتے، یہاں تک کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے کام کے لیے جہاں چاہتی لے جاتی [2]۔

(ii)۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبدالعزیز ابن ابی رواد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ میرا زانو ان کے زانو سے مس ہو گیا۔ میں ان سے ہٹ کر بیٹھنے لگا تو انہوں نے میرا دامن پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا کہ تم میرے ساتھ وہ سلوک کیوں کر رہے ہو جو محکوم حاکموں کے ساتھ کیا کرتے ہیں، میں تو شاید تم سے برا انسان ہوں [3]۔

(iii)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ عاجزی کی وجہ سے زمین پر ہی سجدہ کیا کرتے تھے [4]۔

(۵)۔ کچھ لوگ نفرت کی وجہ سے مریضوں کے پاس بیٹھنے سے بچتے ہیں حالانکہ وہ مریض کسی ایسی موذی مرض کا شکار بھی نہیں ہوتے جو وبائی ہوتی ہے اور دوسروں کو منتقل ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ یہ بات بھی تکبر کی علامت اور تواضع وانکساری سے دور ہے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل اس کے برعکس تھا جو ہمیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

۱۔ مسند احمد۔ رقم: ۸۰۷۵

۲۔ سنن ابن ماجہ۔ رقم: ۴۱۷۷

۳۔ احیاء العلوم الدین از امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۵۴۰

۴۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۰۳

خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کا چہرہ چیچک کے دانوں سے بھرا ہوا تھا اور ان سے پانی رس رہا تھا۔ آپ ﷺ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ وہ مجلس میں آیا اور کھڑا رہا۔ آپ ﷺ اٹھے اور اسے پکڑ کر اپنے برابر بٹھا لیا[1]۔

(۶)۔ بعض لوگ گھر کا کوئی کام اپنے ہاتھ سے کرنا پسند نہیں کرتے۔ یہ بھی خلاف تواضع وانکساری اور کبر کی علامت ہے۔ رسول ﷺ کا طرز عمل تو یہ تھا کہ آپ ﷺ گھر کے سارے کام اپنے ہاتھوں سے کیا کرتے تھے حتیٰ کہ اپنے جوتوں کو بھی خود ہی پیوند لگا لیتے تھے، گھر کی صفائی بھی کرتے تھے۔

(۷)۔ بعض لوگ اپنا سامان خود اٹھا کر چلنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوسرے ان کا سامان اٹھا کر چلیں۔ یہ بات بھی تواضع وانکساری کے خلاف ہے۔

(۸)۔ بعض اوقات کثرت عبادت بھی تکبر کا باعث بن جاتی ہے۔ جب انسان کو فرض عبادات کے ساتھ ساتھ نفل عبادات جیسے تہجد، اشراق، چاشت، تلاوت قرآن، نفلی روزے رکھنے، اور ذکر واذکار کی سعادت میسر ہو جاتی ہے تو بعض اوقات وہ دوسروں کو حقیر سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ جس کا بعض اوقات زبان سے اور کبھی کبھی اشاروں کنایوں سے اظہار بھی ہو جاتا ہے۔

(i)۔ عبادت بذات خود ایک نہایت ہی اعلیٰ چیز ہے۔ انسان کا خود کو نیک و پارسا اور نجات پانے والا سمجھنا اور دوسروں کو گناہگار و بدکار سمجھنا تکبر کی بدترین شکل ہے۔

(ii)۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان کو سوچنا چاہیے کہ اگر وہ عبادات کر رہا ہے تو اس میں خود اس کا کوئی کمال نہیں بلکہ یہ تو خدائے پاک کا اس پر کرم ہے کہ اس نے اسے عبادت کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ ممکن ہے کہ آخرت میں اللہ پاک غرور وتکبر کی وجہ سے اس کی عبادات کو رد کر دیں اور جنہیں وہ گناہگار سمجھتا رہا ہے، ان کی کسی چھوٹی سی نیکی کو اخلاص نیت کی بنا پر درجہ قبولیت مل جائے۔

(iii)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن نماز کی امامت کروائی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کوئی دوسرا امام تلاش کر لو یا اکیلے اکیلے نماز پڑھو کیونکہ دوران نماز میرے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ میں تمہارا امام ہونے کی وجہ سے تم سب سے افضل ہوں[2]۔

(iv)۔ حضرت بشر بن منصورؒ انتہائی عبادت گزار بندوں میں سے تھے۔ ایک دن آپؒ نے ایک طویل نماز پڑھی، ایک شخص آپؒ کے پیچھے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ حضرت بشرؒ کو یہ معلوم ہوا تو آپؒ نے نماز سے سلام پھیرا تو عاجزی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: جو کچھ تم نے مجھ سے دیکھا ہے اس سے تمہیں تعجب میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ شیطان نے فرشتوں کے ہمراہ ایک طویل عرصے تک عبادت کی پھر اس کا جو انجام ہوا وہ واضح ہے[3]۔

---

[1]۔ احیاء العلوم الدین از امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۵۴۱

[2]۔ احیاء العلوم الدین از امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۴۲۸

[3]۔ احیاء العلوم الدین از امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۴۵۳

(۹)۔ مال و دولت اور دنیاوی نعمتوں کی فراوانی بھی اکثر اوقات تکبر کا باعث بن جاتی ہے اور انسان دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ مال و دولت سے پیدا ہونے والے تکبر کے علاج کے لیے ضروری ہے کہ انسان اس بات کا یقین رکھے کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ اسے یہ سب کچھ یہیں چھوڑ کر خالی ہاتھ دنیا سے جانا ہوگا۔ یہ دولت فانی ہے۔ آج ایک کے پاس ہے تو کل کسی اور کے پاس۔ ایسی ناپائیدار شے کی وجہ سے تکبر میں مبتلا ہو کر اپنے رب ذوالجلال کو کیوں ناراض کیا جائے؟

(۱۰)۔ تکبر کا ایک سبب حسب ونسب بھی بنتا ہے کہ انسان اپنے آباؤ اجداد کے بل بوتے پر اکڑتا اور دوسروں کو حقیر جانتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ اپنے فوت شدہ آباؤ اجداد پر فخر کرنے والی قوموں کو باز آجانا چاہیے کیونکہ وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ یا وہ قومیں اللہ پاک کے نزدیک گندگی کے ان کیڑوں سے بھی حقیر ہو جائیں گی جو اپنی ناک سے گندگی کو کریدتے ہیں۔ اللہ پاک نے تم سے جاہلیت کا تکبر اور اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنا ختم فرما دیا ہے۔ اب آدمی متقی ومومن ہوگا یا بدبخت وبدکار۔ سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے [۱]۔

(۱۱)۔ بعض اوقات انسان کا حسن وجمال، فخر وغرور کا سبب بن جاتا ہے۔ کسی کا رنگ سفید ہو تو وہ کالے رنگ والے کو، کوئی قد آور ہو تو وہ چھوٹے قد والے کو، کسی کی آنکھیں بڑی بڑی ہوں تو وہ چھوٹی آنکھوں والوں کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں۔

(i)۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان اپنی ابتدا وانتہا پر غور کرے اور سوچے کہ یہ حسن وجمال ہمیشہ رہنے والی چیزیں نہیں ہیں۔ کبھی بھی کوئی حادثہ حسن کے خاتمے کا سبب بن سکتا ہے۔

(ii)۔ اگر انسان خوبصورت ہوتے ہوئے بھی عاجزی وانکساری اختیار کرے تو یہ اس کے آخرت میں نجات کا باعث ہوگی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جو حسین وجمیل اور شریف الاصل ہونے کے باوجود منکسر المزاج ہوگا تو وہ ان لوگوں میں ہوگا جنہیں اللہ عزوجل قیامت کے دن نجات عطا فرمائیں گے [۲]۔

۶۔ تواضع کے بارے میں اقوال

تواضع وانکساری کے بارے میں صوفیا کرام سے بہت اچھے اقوال منسوب ہیں، جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

(۱)۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، تواضع یہ ہے کہ جب ہم گھر سے باہر نکلیں اور ہمیں جو مسلمان نظر آئیں ہم انہیں اپنے سے برتر تصور کریں [۳]۔

(۲)۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ تواضع یہ ہے کہ انسان جس انسان سے ملے اسے خود سے بہتر سمجھے اور یہ خیال کرے کہ ہوسکتا

---

[۱]۔ جامع ترمذی۔ جلد دوم: رقم: ۱۹۲۹

[۲]۔ حلیۃ الاولیا از امام حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی شافعیؒ: رقم: ۳۷۷۷

[۳]۔ احیاء العلوم الدین از امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۵۲۱

ہے کہ وہ اللہ عز وجل کے ہاں مجھ سے بہتر اور بلند درجہ ہو[1]۔

(۳)۔ حضرت سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں تواضع وانکساری ہو، شیطان اس کے قریب نہ آئے گا۔

(۴)۔ محمد بن علی ترمذیؒ سے مروی ہے کہ تواضع وانکساری کرنے والا شخص وہ ہے، جس کی خواہشات کی آگ بجھ چکی ہو، جس کے سینہ کا دھواں ساکن ہو چکا ہو، تعظیم کا نور جس کے دل میں روشن ہو، جس کی خواہشاتِ نفسانی مرچکی ہوں، جس کا دل زندہ ہو چکا ہو اور اس کے تمام اعضا میں تواضع وانکساری سرایت کر چکی ہو[2]۔

(۵)۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر دل میں خوف لازماً موجود ہو اور ہمیشہ رہے تو یہ تواضع وانکساری ہے[3]۔

(۶)۔ حضرت ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ دل کو حق تعالیٰ کے سامنے باادب جھکا دینے کو خشوع وتواضع کہتے ہیں[4]۔

(۷)۔ حضرت ابوعلی دقاقؒ کہتے ہیں، آدمی کا نفس کبر، حرص اور حسد سے مرکب ہے، جب اللہ تعالیٰ اس کی ہلاکت کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے تواضع، نصیحت اور قناعت سے روک دیتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ انسان کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو مہربانی کا معاملہ کرتے ہیں۔ جب نفس میں کبر کی آگ بھرکتی ہے، اللہ رب العزت کی مدد سے تواضع اس پر چھا جاتی ہے۔ جب حسد کی آگ بھڑکتی ہے، نصیحت کے چھینٹے اسے ٹھنڈا کر دیتے ہیں۔ جب حرص کی آگ بھڑکتی ہے، قناعت اسے بجھا دیتی ہے[5]۔

(۸)۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ تواضع کی علامت یہ ہے کہ آدمی اپنے مقام اور حال کو اہمیت نہ دے۔ آدمی کو جس قدر اپنے رب کی اور اپنی ذات کی معرفت حاصل ہوتی ہے وہ اسی قدر تواضع وانکساری کرتا ہے[6]۔

(۹)۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے آپ کی کوئی قیمت سمجھتا ہے، اس میں ذرہ بھر تواضع نہیں ہوتی[7]۔

(۱۰)۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ تواضع یہ ہے، انسان حق بات کے سامنے جھک جائے، اسے مانے اور اس پر عمل کرے[8]۔

(۱۱)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ تواضع وانکساری یہ ہے کہ انسان مخلوقِ خدا کے سامنے جھک جائے اور اس سے نرم رویہ اپنائے[9]۔

---

[1]۔ آداب السلوک از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ صفحہ نمبر ۲۲۰

[2]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۰۲

[3]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۰۲

[4]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۰۲

[5]۔ احیاء العلوم الدین از امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۵۲۲

[6]۔ احیاء العلوم الدین از امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۵۲۱

[7]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۰۳

[8]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۰۳

[9]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۰۳

8

(۱۲)۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ مال والوں سے تکبر کرنا اور فقیروں سے عاجزی کرنا تواضع شمار ہوتا ہے[۱]۔

(۱۳)۔ حضرت ابراہیم بن شیبانؒ فرماتے ہیں کہ تواضع میں شرافت ہے، تقویٰ میں عزت ہے اور قناعت میں آزادی ہے[۲]۔

(۱۴)۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ مخلوق میں سب سے زیادہ عزت والے پانچ لوگ ہوتے ہیں[۳]:

(i)۔ زاہد عالم

(ii)۔ فقیہ صوفی

(iii)۔ تواضع وانکساری کرنے والا امیر

(iv)۔ شکر کرنے والا فقیر

(v)۔ سنت کی اتباع کرنے والا سید زادہ

(۱۵)۔ حضرت یحیٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ تواضع ہر شخص میں ہونی چاہیے لیکن امیر لوگوں میں بہت اچھی ہوتی ہے۔ تکبر ہر شخص کے لیے برا ہے لیکن فقیروں کے لیے بہت ہی بُرا ہے[۴]۔

(۱۶)۔ حضرت یحیٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ تکبر دکھانے والے سے تکبر کر کے دکھانا تواضع کہلاتا ہے[۵]۔

(۱۷)۔ حضرت ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ حق بات کو قبول کر لینا، تواضع کہلاتا ہے[۶]۔

(۱۸)۔ حضرت عبداللہ رازیؒ فرماتے ہیں کہ تواضع یہ ہے کہ بلا امتیاز ہر ایک کی خدمت کی جائے[۷]۔

(۱۹)۔ حضرت حمدون قصارؒ فرماتے ہیں کہ تواضع یہ ہوتی ہے کہ تم اپنے آپ کو ایسا سمجھو کہ دین و دنیا میں لوگوں کو تیری ضرورت ہی نہیں ہے[۸]۔

(۲۰)۔ ملا جلال الدین دوانیؒ کہتے ہیں کہ تواضع یہ ہے، انسان اپنی بڑائی اپنے سے چھوٹے عہدے والوں پر نہ جتائے[۹]۔

(۲۱)۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ تواضع یہ ہے، خندہ پیشانی سے ملے، بھلائی کے کاموں پر خرچ کرے اور تکلیف دینے

۱۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۰۳

۲۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۰۳

۳۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۰۴

۴۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۰۳

۵۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۰۵

۶۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۰۵

۷۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۰۵

۸۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۰۶

۹۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیاء از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۷۷

والی چیز کو دور کرے[۱]۔

(۲۲)۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ اصل تواضع یہ ہے، تم اس شخص کو اپنے اوپر ترجیح دو جو دنیاوی نعمتوں میں تم سے کم ہو، یہاں تک کہ وہ یقین کر لے کہ تمہیں اپنی دنیا کی وجہ سے اس پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور اس شخص سے اپنے آپ کو بدتر سمجھو جو دنیاوی نعمتوں میں تم سے زیادہ ہو یہاں تک کہ وہ یہ سمجھ لے کہ اسے دنیا کی وجہ سے کوئی برتری حاصل نہیں ہے[۲]۔

(۲۳)۔ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری ہرویؒ فرماتے ہیں کہ تواضع سے مراد اللہ تعالیٰ کے سامنے فروتنی اختیار کرنا ہے اور وہ تین چیزوں کے سلسلے میں ہے[۳]:

(i)۔ اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرنا: اللہ عزوجل کے لیے تواضع اختیار کرنا تین چیزوں سے عبارت ہے:

(ا)۔ اللہ پاک کے احکامات کے سامنے سرنگوں رہنا
(ب)۔ امرِ الٰہی کے تحت خشیت میں رہنا
(ج)۔ اللہ پاک کے ذکر میں مگن رہنا

(ii)۔ اللہ پاک کے دین کے لیے تواضع اختیار کرنا: اللہ پاک کے دین کے لیے تواضع تین چیزوں سے عبارت ہے:

(ا)۔ ارشادِ خداوندی کے مقابلے میں اپنی رائے کو اختیار نہ کرنا
(ب)۔ جناب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے بعد کسی دوسری چیز کی ضرورت محسوس نہ کرنا
(ج)۔ اپنے دشمن کے حق کو بھی پامال نہ کرنا

(iii)۔ اللہ عزوجل کے اولیا کے لیے تواضع اختیار کرنا: اولیا اللہ کے لیے تواضع تین چیزوں سے عبارت ہے:

(ا)۔ ان کی قدر و منزلت اپنے مقام سے بلند سمجھے
(ب)۔ ان کے عزیز و اقارب کا احترام کرے
(ج)۔ ان کے بارے میں بدگمانی سے بچے

(۲۴)۔ حضرت ابن عطارؒ فرماتے ہیں کہ تواضع حق بات کا قبول کرنا ہے، خواہ اسے کہنے والا کوئی بھی ہو۔[۴]

(۲۵)۔ حضرت ہمدون قصارؒ فرماتے ہیں کہ دین و دنیا میں انسان کا اپنی ذات کی کوئی قدر و قیمت نہ جاننا، تواضع ہے[۵]۔

۱۔ جامع ترمذی۔ رقم: ۲۰۹۳
۲۔ احیاء العلوم الدین از امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۵۲۰
۳۔ صدمیدان از خواجہ عبداللہ انصاری ہرویؒ۔ صفحہ نمبر ۷۵
۴۔ معدن المعانی از شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ۔ صفحہ نمبر ۴۷۸
۵۔ معدن المعانی از شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ۔ صفحہ نمبر ۴۷۸

(۲۶)۔ حضرت خواجہ فضیلؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کے لیے عاجزی اختیار کرنا، اسی کے سامنے سر جھکانا اور ہر کسی کی سچی باتوں کو قبول کرنا تواضع ہے[۱]۔

(۲۷)۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ تواضع یہ ہے کہ آدمی خود کو کسی مقام اور کسی کے لائق نہ سمجھے اور مخلوق کے سامنے خود کو بے وزن سمجھے[۲]۔

۷۔ تواضع کے واقعات

اہلِ تواضع کے کچھ نصیحت آموز واقعات نقل کیے جاتے ہیں تاکہ ہم ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

(۱)۔ ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ مجھے تم میں عبادت کی حلاوت نظر نہیں آتی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! عبادت کی حلاوت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تواضع سے عبادت میں حلاوت پیدا ہوتی ہے[۳]۔

(۲)۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تیز تیز چلتے تھے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے کام کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس طرح کام جلد سرانجام پاتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بات تکبر سے بھی دور رکھتی ہے[۴]۔

(۳)۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور ان کے کندھوں پر پانی کا مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے عرض کیا! اے امیر المومنین! یہ تو مناسب نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب سے میرے پاس وفد آنے لگے ہیں جو میری بات سنتے ہیں اور میری اطاعت کرتے ہیں تو میرے دل میں کچھ بڑائی سی پیدا ہونے لگی ہے، لہٰذا میں نے خیال کیا کہ اسے ختم کردوں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ مشکیزہ لے کر انصار کی ایک عورت کے گھر تشریف لے گئے اور پانی ان کے برتن میں ڈال دیا[۵]۔

(۴)۔ ایک دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کھجور کے باغ سے اس حال میں تشریف لا رہے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا رکھا ہوا تھا۔ کسی نے عرض کیا حضرت یہ کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ کے تو چار سو خادم ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا! میں نے چاہا کہ اپنے نفس کی آزمائش کرلوں کہ لوگوں میں جو رتبہ ہے، اس کی وجہ سے میرا نفس مجھے کام کرنے سے باز تو نہیں رکھتا[۶]؟

(۵)۔ ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کچھ لکھ رہے تھے، پاس ہی مہمان بیٹھا تھا۔ رات کا وقت تھا، چراغ بجھنے لگا تو مہمان نے عرض کی کہ اجازت ہو تو میں چراغ میں تیل ڈال دوں؟ آپؒ نے فرمایا نہیں، یہ کوئی اچھی بات نہیں کہ مہمان سے خدمت لی جائے۔

---

[۱]۔ معدن المعانی از شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ۔ صفحہ نمبر ۴۷۸

[۲]۔ معدن المعانی از شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ۔ صفحہ نمبر ۴۷۸

[۳]۔ مکاشفۃ القلوب از امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ صفحہ نمبر ۴۷۲

[۴]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۸۱

[۵]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۰۴

[۶]۔ کشف المحجوب از حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۹۶

مہمان نے عرض کیا کہ میں خادم سے کہہ دیتا ہوں؟ آپؒ نے فرمایا! نہیں وہ ابھی سویا ہے، پھر یہ کہہ کر خود تیل کے برتن کی طرف گئے اور تیل لے کر چراغ میں ڈالا۔ مہمان نے پوچھا، اے امیر المومنینؒ! آپؒ نے اتنی تکلیف کیوں اٹھائی؟ آپؒ نے جواب دیا کہ جب میں اٹھ کر چلا تب بھی عمر تھا اور تیل ڈال کر واپس آیا ہوں تب بھی عمر ہی ہوں، اس سے کیا فرق پڑا[1]۔

(۶)۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو پتہ چلا کہ ان کے بیٹے نے ایک ہزار درہم کی انگوٹھی خریدی ہے۔ اس پر انہوں نے اپنے بیٹے کو خط لکھا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ تو نے ایک ہزار درہم کی انگوٹھی خریدی ہے۔ میرے اس خط کے پہنچتے ہی انگوٹھی فروخت کر دو، اس رقم سے ہزار آدمی کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دو اور صرف دو درہم کی انگوٹھی خرید کر پہن لو۔ پھر اس کا نگینہ چینی لوہے کا ہونا چاہیے جس پر کندہ کراو، اللہ عزوجل ایسے شخص پر رحم فرمائے جو اپنی حیثیت کو پہچانتا ہے[2]۔

(۷)۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ ایک دفعہ ایسے لڑکوں کے پاس سے گزرے جس کے ہاتھ میں خشک روٹی کا ایک ٹکڑا تھا۔ لڑکوں نے دعوت دی تو آپ رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے نیچے اترے اور ان کے ساتھ مل کر کھایا اور پھر سب کو اپنے گھر لے گئے۔ انہیں کھانا کھلایا اور لباس بھی پہنایا اور ارشاد فرمایا: احسان لڑکوں کا تھا کیونکہ ان کے پاس اس کے سوا کچھ تھا ہی نہیں جو انہوں نے مجھے بھی کھلا دیا لیکن ہمارے پاس تو اس سے کہیں زیادہ موجود ہے جو کہ ہم نے انہیں دیا ہے[3]۔

(۸)۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ کی تواضع وانکساری کا یہ عالم تھا کہ حضرت شعیب بن حربؒ فرماتے ہیں کہ میں طواف کر رہا تھا، اچانک کسی شخص نے مجھے متوجہ کیا۔ میں نے دیکھا تو حضرت فضیل بن عیاضؒ تھے اور انہوں نے فرمایا اے صالح! شاید حج کے لیے آنے والوں میں سے سب زیادہ گناہگار ہم ہی ہیں، پس ہمیں اللہ تعالیٰ سے انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنے گناہوں سے توبہ کرنی چاہیے[4]۔

(۹)۔ حضرت عمر ابن شیبہؒ کہتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں صفا و مروہ کے درمیان سعی میں مصروف تھا۔ اتنے میں میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنے خچر پر سوار چلا آ رہا ہے۔ اس کے آگے آگے نوکر چل رہے تھے۔ جو لوگوں کو بُرا بھلا کہتے اور انہیں راستہ چھوڑنے پر مجبور کرتے تھے۔ چند روز بعد میں مکہ مکرمہ سے واپس آ کر بغداد پہنچا۔ وہاں میں نے اسی شخص کو دیکھا، ننگے پاؤں اور ننگے سر پھر رہا تھا، سر اور داڑھی کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ میں اسے غور سے دیکھنے لگا، اس نے مجھ سے پوچھا کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا ایک شخص تم سے بڑی مشابہت رکھتا ہے، میں نے اسے مکہ مکرمہ میں دیکھا تھا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ میں وہی شخص ہوں۔ میں نے اس کی موجودہ حالت پر تعجب کیا تو اس نے کہا، میں نے ایسی جگہ برتری کا مظاہرہ کیا تھا جہاں لوگ تواضع و انکساری کرتے ہیں، اس لیے اللہ پاک نے مجھے ایسی جگہ گرا دیا جہاں لوگ سر اٹھا کر چلتے ہیں[5]۔

---

[1]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۰۳

[2]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۰۵

[3]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۰۶

[4]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۸۴

[5]۔ احیاء العلوم الدین از امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۵۲۲

(۱۰)۔ حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو میرے پیر روشن دل شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃاللہ علیہ نے دریائی سفر میں کشتی پر یہ دو نصیحتیں فرمائیں:

(i)۔ اپنے کو اچھا اور بڑا نہ سمجھو

(ii)۔ دوسروں کو بُرا اور کمتر نہ سمجھو

سب کو اپنے سے بہتر اور اپنے کو سب سے کمتر سمجھ کر دوسروں کے سامنے تواضع و انکساری کا مظاہرہ کرتے رہو اور خبردار ہرگز ہرگز کبھی بھی تکبر کی شیطانی ڈگر پر چل کر دوسروں کو اپنے سے حقیر نہ سمجھو۔

(۱۱)۔ ابن سماکؒ ہارون الرشیدؒ کے دربار میں تشریف لے گئے تو خلیفہ ان کی تعظیم میں اٹھ کھڑا ہوا اور آداب بجالایا۔ ابن سماکؒ نے کہا اے بادشاہ! بادشاہی میں تیرا تواضع اختیار کرنا تیری بادشاہی سے عظیم تر ہے۔ خلیفہ نے کہا آپؒ نے اچھی بات کہی ہے، مزید کچھ اور ارشاد فرمایئے۔ آپؒ نے فرمایا جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے دولت عطا کی، حسن و جمال بخشا اور بزرگی و اقتدار سے نوازا، وہ مال و دولت میں خدا کے بندوں کے ساتھ نیک سلوک کرے اور اپنے حسن و جمال میں پارسائی اختیار کرے اور عظمت و اقتدار میں انکسار کو پیشہ بنائے تو حق تعالیٰ ایسے شخص کو اپنے مخلصین میں شامل کر لیتا ہے[۱]۔

(۱۲)۔ ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامیؒ عید کے دن حمام سے غسل کر کے نکلے۔ آپؒ گلی میں جا رہے تھے کہ کسی نے ایک گھر سے بے خبری کے عالم میں ان کے سر پر بہت سی راکھ گرادی۔ حضرت کا لباس چہرہ، ریش مبارک اور سر کے بال راکھ آلود ہو گئے لیکن آپؒ کی پیشانی پر شکن تک نہ آئی۔ آپؒ نے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر کر بار بار خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا: جو آگ کا سزاوار تھا، اس پر صرف راکھ پھینکی گئی[۲]۔

(۱۳)۔ حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ بارش کا قطرہ جب بادل سے ٹپکا تو نیچے دریا کی وسعت دیکھ کر شرمندہ سا ہو گیا اور اپنے آپ کو حقیر سمجھنے لگا کہ دریا کے سامنے میری کیا حقیقت ہے۔ اللہ عزوجل کو اس کی عاجزی پسند آگئی۔ سیپ نے اپنا منہ کھولا تو یہ قطرہ سیپ کے منہ میں چلا گیا اور قدرت نے اس قطرہ آب کو بادشاہ کے تاج کا موتی بنا دیا۔ جو عاجزی اختیار کرتا ہے وہ سربلند کر دیا جاتا ہے۔

اللہ پاک نے انسان کو خاک سے بنایا ہے تو اس کو خاکساری اور عاجزی ہی مناسب ہے۔ خاک والے کو متکبر بننا مناسب نہیں کیونکہ شیطان کو آگ سے بنایا گیا اور اس نے اسی کو دلیل بنا کر خدا سے بحث کرنے لگا اور ذلیل ہو گیا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام نے بھول کر خطا ہونے کو بھی اپنے لیے عیب سمجھا اور عاجزی و زاری کرنے لگے۔ اللہ پاک نے خلافت کا تاج پہنا دیا۔ گویا عاجزی نہ کرنے نے عزازیل کو شیطان بنا دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو عاجزی نے ابوالانبیاء علیہ السلام بنا دیا۔

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزان لعنت گرفتار کرد

۱۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیاء از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۷۸

۲۔ حکایات سعدی از شیخ سعدی شیرازیؒ۔ حکایت نمبر ۵۹

خاکساری انسان کی عظمت میں اضافہ کرتی ہے اور تکبر اس کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ بدمزاج مغرور شخص سر کے بل گرتا ہے۔ اگر انسان بلندی چاہتا ہے تو اسے بلندی تلاش نہیں کرنی چاہیے[1]۔

(۱۴)۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل صنعاء میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک دن حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور آپ رضی اللہ عنہ کے رفقا کو بلایا۔ جب وہ بادشاہ سلامت کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ بادشاہ ایک گھر میں پرانے اور سادہ کپڑے پہنے زمین پر بیٹھا ہوا ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم بادشاہ کو اس حالت میں دیکھ کر ڈر گئے۔ جب بادشاہ نے ہمارا خوف دیکھا تو کہا کہ میں تمہیں ایک ایسی بات بتاتا ہوں جو تمہیں خوش کر دے گی۔ وہ یہ کہ تمہارے ملک سے میرا پیغامبر آیا ہے اور اس نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد فرمائی اور ان کے دشمنوں کو ہلاک فرما دیا ہے۔ نیز فلاں فلاں کو قیدی بنا لیا گیا ہے اور فلاں فلاں مارا گیا ہے۔ مسلمانوں اور کفار کا مقابلہ بدر میں ہوا ہے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے ان سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ آپ چٹائی کے بغیر زمین پر بیٹھے ہیں اور پرانے کپڑے پہن رکھے ہیں؟ تو نجاشی نے جواب دیا کہ اللہ عزوجل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو کلام نازل فرمایا، اس میں یہ بھی تھا کہ اللہ پاک کا بندوں پر حق ہے کہ جب انہیں کوئی نعمت عطا فرمائے تو وہ اس کے لیے تواضع اختیار کریں۔ چونکہ اللہ پاک نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی صورت میں مجھے نعمت عطا فرمائی ہے، اس لیے میں نے تواضع اختیار کی ہے[2]۔

(۱۵)۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا، جسے اس کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے فاسق و فاجر کہا جاتا تھا۔ ایک دن وہ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرا جسے قوم نبی اسرائیل میں عابد کے نام سے شہرت حاصل تھی۔ اس فاجر و فاسق کی شہرت رکھنے والے نے اپنے دل میں سوچا کہ میں گناہگار ہوں اور یہ شخص قوم کا عابد ہے، اس کے پہلو میں اگر بیٹھوں تو اس کی برکت سے شاید اللہ پاک مجھے بخش دے۔ اس خیال کے آتے ہی وہ اس عابد کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ عابد کے دل میں خیال آیا کہ میں قوم کا عابد اور یہ فاسق ہے، یہ کیسے میرا ہمنشیں ہوسکتا ہے، اس سے کہا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔

اللہ جل شانہ نے اس زمانے کے پیغمبر علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اس عابد سے کہہ دیجیے کہ میں نے غرور کے سبب اس کے تمام نیک اعمال کو ختم کر دیا ہے اور اس مفسد کو اس کی عاجزی وانکساری کے سبب بخش دیا ہے۔

یہ قصہ اللہ پاک کی طرف سے اپنے بندوں کو تنبیہ و ہدایت ہے کہ اللہ پاک کو اپنے بندوں سے نیک اعمال کے ہوتے ہوئے بھی تواضع وانکساری مطلوب ہے۔ جاہل گناہ گار نے جب تواضع کی تو اس نے خود کو کمتر سمجھا اور اللہ پاک کے خوف سے اس کی اطاعت کی تو اللہ پاک کے نزدیک عابد سے زیادہ فرماں بردار بن گیا[3]۔

---

[1]۔ حکایات سعدی از شیخ سعدی شیرازیؒ۔ حکایت نمبر ۹۱

[2]۔ شکر اللہ عزوجل از امام ابوبکر عبداللہ بن محمد قرشی المعروف امام ابن ابی دنیاؒ۔ صفحہ نمبر ۶۷

[3]۔ معدن المعانی از حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ۔ صفحہ نمبر ۴۸۲

(۱۶)۔ ایک دفعہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی آدمی نے کوئی مسئلہ پیش کیا۔آپ رضی اللہ عنہ اس کا جواب دے رہے تھے کہ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے ابوالحسن (رضی اللہ عنہ) آپ رضی اللہ عنہ جو کچھ فرما رہے ہیں اس سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی بات نہایت تحمل کے ساتھ سنی اور انتہائی انکساری سے فرمایا کہ اچھا تمہارے پاس اس مسئلہ کا کیا حل ہے؟ اس آدمی نے اپنی رائے ظاہر کی۔آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب کو پسند کیا اور فرمایا کہ ہاں! اس مسئلے کا یہی زیادہ بہتر حل ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ باب العلم تھے لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے انتہائی تواضع وانکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس آدمی کا مشورہ خندہ پیشانی سے قبول فرمایا[۱]۔

(۱۷)۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے اپنے استاد حضرت ضیاء الدین ابونجیب سہروردیؒ کے ساتھ شام جانے کا اتفاق ہوا۔شہر کے امیر نے کھانے کی کچھ اشیا قیدیوں کے سروں پر رکھوا کر شیخ کی خدمت میں بھجوائیں۔ان قیدیوں کے پاؤں بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔جب دسترخوان بچھایا گیا تو آپؒ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ ان قیدیوں کو بلاؤ تا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیں۔لہٰذا ان سب قیدیوں کو لایا گیا اور ایک ہی دسترخوان پر بٹھا دیا گیا۔شیخ ابونجیبؒ اپنی جگہ سے اٹھے اور ان قیدیوں کے ساتھ اس طرح بیٹھ گئے گویا کہ آپؒ انہی میں سے ہوں۔ان سب نے آپؒ کے ہمراہ بیٹھ کر کھانا کھایا۔اس وقت آپؒ کی طبیعت کی عاجزی وانکساری ہمارے سامنے ظاہر ہوئی کہ اس قدر علم وفضل اور مرتبہ ومقام کے باوجود خود کو تکبر سے بچائے رکھا[۲]۔

(۱۸)۔ ایاز، سلطان محمود غزنوی کا ایک ادنیٰ خادم تھا، پھر ترقی کرتے کرتے اس کا محبوب ترین وزیر بن گیا۔ایاز کی کامیابیاں حاسد درباریوں کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں۔وہ موقع کی تلاش میں رہتے تھے کس طرح ایاز کو محمود کی نظروں سے گرا دیں۔

ایاز کا معمول تھا کہ روزانہ مخصوص وقت میں ایک کمرے میں چلا جاتا اور کچھ دیر گزار کر واپس آجاتا۔درباریوں نے سلطان محمود سے شکایتیں کرنا شروع کر دیں کہ ضرور ایاز نے شاہی خزانے میں خرد برد کر کے مال جمع کر رکھا ہے جسے دیکھنے کے لیے کمرہ خاص میں جاتا ہے۔وہ کمرے کو تالا لگا کر رکھتا ہے۔کسی اور کو اندر داخل نہیں ہونے دیتا۔

محمود غزنوی کو ایاز پر مکمل اعتماد تھا مگر درباریوں کے مطمئن کرنے کے لیے ایک وزیر کو کہا کہ اس کمرے کا تالا توڑ ڈالو، وہاں جو کچھ ملے وہ تمہارا ہے۔وزیر اور دیگر درباری خوشی خوشی ایاز کے کمرے میں جا گھسے، مگر انہیں وہاں ایک پرانے بوسیدہ لباس اور چپلوں کے سوا کچھ بھی نہ ملا۔سلطان محمود غزنوی نے ایاز سے ان کپڑوں اور چپلوں کے بارے میں پوچھا تو ایاز نے جواب دیا کہ یہ میری غلامی کے دور کی یادگار ہیں، جنہیں دیکھ کر میں اپنی اوقات یاد رکھتا ہوں اور خود کو موجودہ عروج پر تکبر میں مبتلا نہیں ہونے دیتا[۳]۔

---

[۱]۔حکایات سعدی از شیخ سعدی شیرازیؒ۔حکایت نمبر ۱۱۰

[۲]۔تکبر از دعوت اسلامی۔صفحہ نمبر ۵۰

[۳]۔مثنوی از مولانا جلال الدین رومیؒ۔جلد پنجم: صفحہ نمبر ۴۵

۱۰

مقامِ سخاوت

۱۔ سخاوت کا مفہوم

(۱)۔ سخاوت کے معنی یہ ہیں کہ مناسب موقعوں پر انسان اپنا ہاتھ اور دل کھلا کر لے اور وہ مادی وسائل جو اس کے اختیار میں ہیں انہیں صرف اپنی ذات تک محدود نہ رکھے بلکہ ان سے دوسروں کو فقر اور بیچارگی سے نکالے اور غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرے، دوسروں کی مشکلات کو حل کرے۔ دوسروں کو ان نعمتوں سے جو خدا نے اسے عطا کی ہیں فائدہ پہنچائے۔ سخاوت کو دوسرے لفظوں میں صدقات وخیرات اور انفاق فی سبیل اللہ بھی کہتے ہیں۔ سخاوت وایثار، بخل اور کنجوسی کا متضاد ہے۔

(۲)۔ ہم جب سخاوت کا لفظ بولتے ہیں تو اِس سے مراد فقط وہ مال مراد ہوتا ہے جو اللہ کی رضا اور خوشنودی کیلئے خرچ کیا جاتا ہے۔ یہ وہ مال ہوتا ہے جو اللہ کی محبت اور اس کا تقرب حاصل کرنے کیلئے نکالا جاتا ہے۔ اِس سے مراد رفاہی اور فلاحی اداروں کے وہ عطیات نہیں جو فقط نمود ونمائش کے لئے خرچ کیے جاتے ہیں۔ اللہ عزوجل صرف ان صدقات کو ہی قبول کرتا ہے جو فی سبیل اللہ ہوں یعنی فقط اللہ کی رضا اور محبت کو حاصل کرنے کیلئے ہوں۔ انفاق فی سبیل اللہ سے مراد وہ مال ودولت ہے جو ایک مومن صرف اللہ کیلئے اپنی حلال اور پاکیزہ کمائی سے خرچ کرتا ہے اور اس کا مقصد کسی پر احسان کرنا یا شہرت حاصل کرنا نہیں ہوتا۔

(۳)۔ انسان کا کسی چیز کو اپنی شدید ضرورت واحتیاج کے باوجود کسی دوسرے شخص کو دے دینا ایثار کہلاتا ہے۔ اپنے مال یا اپنی کسی چیز کو جس کی خود اس کو بھی ضرورت ہو، لیکن اپنے ضرورت پر دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہوئے وہ چیز دوسروں کو دینا ایثار ہے۔

(۴)۔ سخاوت وایثار صرف خطیر رقم خرچ کرنے کا ہی نام نہیں یہ تو غربت میں بھی ممکن ہے۔ انفاق درحقیقت اللہ تعالیٰ سے متعلق ایک قلبی جذبے کا نام ہے جس کا اظہار امارت اور غربت دونوں میں ہوسکتا ہے۔ غریب آدمی کا اللہ تعالیٰ کی چاہت کے لیے اپنی ضروریات کو نظر انداز کر کے صرف چند روپے سخاوت کرنا بھی انتہائی پسندیدہ ہے۔ اللہ عزوجل اس معمولی قربانی پر بہت خوش ہوتے ہیں۔

(۵)۔ سخاوت کسی بے ہنگم اور بے قید خرچ کا نام نہیں۔ اِنفاق فی سبیل اللہ کرنے والا ایک منظم سوچ اور مرتب لائحہ عمل کا مالک ہوتا ہے کیونکہ موجودہ دور میں جو انسان خواہ جتنا بھی امیر ہو لیکن اخراجات کو صحیح طور پر منظم نہ کرے تو انفاق اور صدقات کیلئے کچھ نہیں بچ سکتا، اس لیے اپنے وسائل کو سخاوت وایثار کے احساس کے ساتھ تقسیم کرنا پڑتا ہے۔

(۶)۔ ایثار وسخاوت کے بے شمار مصارف ہیں لیکن ان سب مصارف کا خلاصہ صرف دو ہی جذبے ہیں۔

(i)۔ سسکتی ہوئی اِنسانیت کی خدمت کرنا، چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم

(ii)۔ دِین کے احیا وغلبہ کی جدوجہد کے لئے ذرائع فراہم کرنا۔

(۷)۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ سخاوت کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے میں بنیادی فرق ہے۔ تزکیہ نفس اور احسان کے نقطہ نظر سے دین میں جس چیز کی اہمیت ہے وہ سخاوت ہے، زکوٰۃ کی نہیں ہے۔ زکوٰۃ تو کم سے کم مطالبہ ہے جو اسلام میں ایک صاحب مال سے کیا گیا ہے۔ اسلام کا اصلی مطالبہ تو سخاوت یا انفاق کے لیے ہے جو پوشیدہ بھی ہو، اعلانیہ بھی ہو، تنگی میں بھی ہو، فراخی میں بھی

8

ہو، دوست اور عزیز کے لیے بھی ہو، مخالف اور دشمن کے لیے بھی۔

(۸)۔ زکوٰۃ ادا کر دینے سے اسلامی حکومت کے مطالبہ سے تو آدمی ضرور بری ہو جاتا ہے، قانون اس پر کوئی گرفت نہیں کر سکتا لیکن جہاں تک اللہ تعالیٰ کے مطالبہ کا تعلق ہے وہ صرف زکوٰۃ ادا کر دینے سے پورا نہیں ہوتا بلکہ یہ اس وقت پورا ہوتا ہے جب آدمی اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ناگزیر ضروریات کے سوا ہر مصرف سے اپنا مال بچا کر اس کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی پوری پوری کوشش کرے۔ جو شخص اس اہتمام سے اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے وہی درحقیقت سخاوت کا حق ادا کرتا ہے اور وہی ہے جو اس زندگی میں روح کی بادشاہی کا جلوہ دیکھتا ہے اور آخرت میں اپنے رب کی خوشنودی کی بہاریں دیکھے گا۔

۲۔ سخاوت قرآن کی روشنی میں

قرآن میں سخاوت کا لفظ استعمال نہیں ہوا لیکن یہ معنی دوسری مختلف تعبیرات مثلاً صدقہ، دوسروں کی مدد کرنا، انفاق فی سبیل اللہ اور بخل کی مذمت وغیرہ کے ذریعہ زیر بحث آیا ہے۔ جیسا کہ:

(۱)۔ وَاَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَيۡرٌ لَّـكُمۡ [۱]

(اور تم صدقہ کرو، یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے)

اس آیت مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے ہے کہ

(i)۔ دوسروں پر اپنا مال خرچ کرنا چاہیے۔

(ii)۔ بخل و کنجوسی سے کام نہیں لینا چاہیے۔

(iii)۔ صدقہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس پر عمل نہ کرنے سے انسان گناہ گار ہو سکتا ہے۔

(iv)۔ صدقہ کرنا مال کی بچت کرنے سے بہتر ہے اگرچہ بظاہر اس میں نقصان نظر آتا ہے۔

(۲)۔ اِنَّ اللّٰهَ يَجۡزِى الۡمُتَصَدِّقِيۡنَ [۲]

(اللہ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے)

اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقہ وخیرات کرنے والوں کے صدقات کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ان کو اجر دیتا ہے۔ یہ اجر صدقات کرنے والوں کی نیت کے خلوص کے اعتبار سے دس گنا سے لے کر سو گنا تک دیا جاتا ہے بلکہ بعض روایات کے مطابق سات سو گنا سے بھی زیادہ اجر دیا جائے گا۔

۱۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۸۰

۲۔ سورۃ یوسف: آیت: ۸۸

(۳)۔ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ [1]

(مردوں اور عورتوں میں سے جو لوگ صدقات دینے والے ہیں اور جنہوں نے اللہ کو قرض حسنہ دیا ہے، ان کو یقینا کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے بہترین اجر ہے)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ بلاشبہ صدقہ دینے والے کی حیثیت بالکل ایسی ہی ہے جیسے کسی کو قرض دیا جاتا ہے اور اس قرض کی واپسی لازمی ہوتی ہے۔ صدقہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیا گیا قرضہ حسنہ ہے، جو دینے والے کو بڑھا کر واپس کیا جائے گا اور ان کے لیے بہت عمدہ اور پسندیدہ اجر ہوگا۔

(۴)۔ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [2]

(پس رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین و مسافر کو۔ یہ طریقہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوں اور وہی فلاح پانے والے ہیں)

اس آیت مبارکہ میں رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو خیرات دینے کا نہ صرف حکم دیا گیا ہے بلکہ یہ ارشاد ہوا ہے کہ یہ ان کا حق ہے جو ہمیں دینا چاہیے۔ ان کو دیتے ہوئے یہ خیال انسان کے دل میں نہ آنے پائے کہ یہ کوئی احسان ہے جو میں ان پر کر رہا ہوں اور میں کوئی بڑی ہستی ہوں اور وہ میرا دیا ہوا کھانے والی کوئی حقیر مخلوق ہے۔ یہ بات اچھی طرح انسان کے ذہن نشین رہے کہ مال کے مالک حقیقی نے اگر ہمیں زیادہ دیا ہے اور دوسرے بندوں کو کم عطا فرمایا ہے تو یہ زائد مال دوسروں کا حق ہے جو ہماری آزمائش کے لیے ہمارے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے تاکہ ہمارا مالک دیکھے کہ ہم ان کا حق ادا کرتے ہیں یا نہیں۔

اس آیت سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فلاح پانے والے وہ ہیں جو خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے یہ حقوق پہچانتے اور ادا کرتے ہیں اور انسانوں میں سے جو لوگ ان حقوق کو ادا نہیں کرتے وہ فلاح پانے والے نہیں ہیں۔

(۵)۔ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ [3]

(اور ان کے مالوں میں سوال کرنے والے اور محتاج کا حق ہے)

اس آیت میں اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اہل ایمان اور انسانوں کے اموال میں سائل اور محروم کا بھی حق ہے اور یہ وہ حق ہے جو زکوٰۃ (ٹیکس) ادا کرنے کے بعد بھی ایک صاحب استطاعت انسان اپنے مال میں خود محسوس کرتا ہے اور اپنی خوشی اسے ادا کرتا ہے بغیر اس کے کہ شریعت یا قانون نے اسے لازم کیا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا خیال ہے درحقیقت اس ارشاد الٰہی کی اصل روح یہ ہے کہ ایک متقی و محسن انسان کبھی اس

---

[1]۔ سورۃ الحدید: آیت: ۱۸

[2]۔ سورۃ الروم: آیت: ۳۸

[3]۔ سورۃ الذاریات: آیت: ۱۹

غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوتا کہ خدا اور اس کے بندوں کا جو حق میرے مال میں تھا، زکوٰۃ ادا کر کے میں اس سے بالکل سبکدوش ہو چکا ہوں، اب میں نے اس بات کا کوئی ٹھیکہ نہیں لے لیا ہے کہ ہر ننگے، بھوکے، مصیبت زدہ آدمی کی مدد کرتا پھروں۔اس کے برعکس جو اللہ کا بندہ واقعی متقی و محسن ہوتا ہے وہ ہر وقت ہر اس بھلائی کے لیے جو اس کے بس میں ہو، دل و جان سے تیار رہتا ہے اور جو موقع بھی اسے دنیا میں کوئی نیک کام کرنے کے لیے ملے اسے ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔اس کے سوچنے کا یہ انداز نہیں ہوتا کہ جو نیکی مجھ پر فرض کی گئی تھی وہ میں کر چکا ہوں، اب مزید نیکی کیوں کروں؟ نیکی کی قدر جو شخص پہچان چکا ہو وہ اسے بار سمجھ کر برداشت نہیں کرتا بلکہ اپنے ہی نفع کا کام سمجھ کر زیادہ سے زیادہ ثواب کا طلب گار ہوتا ہے[۱]۔

(۶)۔ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ [۲]

(مانگنے والوں اور تنگدستوں کا)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ عزوجل ہمیں بتاتا ہے کہ مومنین اور اچھے انسانوں نے خود اپنے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک حصہ طے کر رکھا ہے جسے وہ ان کا حق سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔

سائل سے مراد پیشہ ور بھیک مانگنے والا نہیں بلکہ وہ حاجت مند شخص ہے جو کسی سے مدد مانگے۔اور محروم سے مراد ایسا شخص ہے جو بے روزگار ہو، یا روزی کمانے کی کوشش کرتا ہو مگر اس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں، یا کسی حادثے یا آفت کا شکار ہو کر محتاج ہو گیا ہو، یا روزی کمانے کے قابل نہ ہو۔ایسے لوگوں کے متعلق جب معلوم ہو جائے کہ وہ واقعی محروم ہیں تو ایک خدا پرست انسان اس بات کا انتظار نہیں کرتا کہ وہ اس سے مدد مانگیں بلکہ ان کی محرومی کا علم ہوتے ہی وہ خود آگے بڑھ کر ان کی مدد کرتا ہے۔

(۷)۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ [۳]

(ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو ان چیزوں میں سے جن پر اس نے تم کو جانشین بنایا ہے۔جو لوگ تم میں سے ایمان لائیں گے اور مال خرچ کریں گے ان کے لیے بڑا اجر ہے)

اس آیت میں خداوند کریم فرماتا ہے:

(i)۔ جو مال تمہارے پاس ہے یہ دراصل تمہارا ذاتی مال نہیں بلکہ اللہ کا بخشا ہوا مال ہے۔تم بذات خود اس کے مالک نہیں ہو، اللہ نے اپنے خلیفہ کی حیثیت سے یہ تمہارے تصرف میں دیا ہے۔لہٰذا مال کے اصل مالک کی خدمت میں اسے صرف کرنے سے دریغ نہ کرو۔نائب کا یہ کام نہیں ہے کہ مالک کے مال کو مالک ہی کے کام میں خرچ کرنے سے جی چرائے۔

(ii)۔ یہ مال نہ ہمیشہ سے تمہارے پاس تھا نہ ہمیشہ تمہارے پاس رہنے والا ہے۔کل یہ کچھ دوسرے لوگوں کے پاس تھا۔

۱۔تفہیم القرآن از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی بحوالہ تفسیر سورۃ الذاریات: آیت:۱۹

۲۔سورۃ المعارج: آیت:۲۵

۳۔سورۃ الحدید: آیت:۷

پھر اللہ نے تم کو ان کا جانشین بنا کر اسے تمہارے حوالہ کیا، پھر ایک وقت ایسا آئے گا جب یہ تمہارے پاس نہ رہے گا اور کچھ دوسرے لوگ اس پر تمہارے جانشین بن جائیں گے۔ اس عارضی جانشینی کی تھوڑی سی مدت ہے۔ لہٰذا اسے اللہ کے کام میں خرچ کرو تاکہ آخرت میں اس کا مستقل اور دائمی اجر حاصل ہو سکے۔

(۸)۔ وَاَنۡفِقُوۡا خَيۡرًا لِّاَنۡفُسِكُمۡ [1]

(اور اپنے مال خرچ کرو، یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے)

اس آیت مبارکہ میں نصیحت فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے کاموں میں مال خرچ کریں۔ یہاں اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو کچھ بھی خرچ کرے گا وہ انسان کے اپنے ہی کام آئے گا اس میں اپنی ہی جانوں کا بھلا ہوگا۔

(۹)۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ [2]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو کچھ مال و متاع ہم نے تم کو بخشا ہے، اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آئے، جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی، نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی)

اس آیت شریفہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ جو مال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے خرچ کیا جاتا ہے، یہ اللہ عزوجل کا ہی دیا ہوا ہے۔ جس نے مال دیا، اس کو پورا پورا حق ہے کہ وہ مال خرچ کرنے کا حکم بھی فرمائے۔

قیامت کا دن بہت سخت ہوگا۔ ہر انسان پریشان ہوگا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ قیامت کے دن کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کے بدلے عذاب بھگتنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ دنیا کی کوئی دوستی کسی کو کام نہ دے گی۔ یہاں جو محبتیں ہیں اور دوستی کے مظاہرے ہیں، یہ وہاں بالکل نہ رہیں گے۔ کوئی دوست کسی کی مدد نہ کر سکے گا، اس دن کوئی سودے بازی نہیں ہوگی اور سفارش کام نہیں آئے گی۔

اس دن صرف ایمان اور اعمال صالحہ ہی انسان کے کام آئیں گے۔ لہٰذا اس دن نجات پانے اور عذاب سے بچنے کے لیے اعمال صالحہ کرتے رہنا چاہیے۔ اعمال صالحہ میں اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کرنا بھی شامل ہے۔ جس کا خداوندِ کریم نے اپنی پاک کتاب مین جابجا حکم فرمایا ہے۔

(۱۰)۔ قَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ وَّمَغۡفِرَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ صَدَقَةٍ يَّتۡبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَلِيۡمٌ [3]

(ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر ذرا سی چشم پوشی اس خیرات سے بہتر ہے، جس کے پیچھے دکھ ہو۔ اللہ بے نیاز ہے اور برد باری اس کی صفت ہے)

۱۔ سورۃ التغابن: آیت: ۱۶

۲۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۵۴

۳۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۶۳

8

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ:

(i)۔ انسان کو ہر حال میں اپنی زبان میٹھی رکھنی چاہیے۔

(ii)۔ جو چیز ناپسند ہو اس پر غصہ یا جھنجلانا نہیں چاہیے۔

(iii)۔ صدقہ دے کر کسی کو تکلیف نہیں دینی چاہیے، احسان نہیں جتلانا چاہیے۔

(iv)۔ اللہ ہماری سخاوت کا حاجت مند نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ چونکہ خود بردبار ہے، اس لیے اسے ایسے لوگ ہی محبوب ہیں جو چھچھورے اور کم ظرف نہ ہوں بلکہ فراخ حوصلہ اور بردبار ہوں۔

(v)۔ جو خدا ہم پر زندگی کے وسائل کا بے حساب فیضان کر رہا ہے اور ہمارے قصوروں کے باوجود ہمیں بار بار بخشتا ہے، وہ ایسے لوگوں کو کیونکر پسند کر سکتا ہے، جو کسی غریب کو ایک روٹی کھلا دیں تو احسان جتا جتا کر اس کی عزت نفس کو خاک میں ملا دیں۔

(vi)۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو قیامت کے روز شرف ہم کلامی اور نظر عنایت سے محروم رکھے گا، جو اپنے عطیے پر احسان جتاتا ہو[1]۔

(۱۱)۔ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمۡ اَنۡ تَكُوۡنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُۙ لَهٗ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِۙ وَاَصَابَهُ الۡكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَآ اِعۡصَارٌ فِيۡهِ نَارٌ فَاحۡتَرَقَتۡ[2]

(بھلا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہ رہی ہوں اور اس میں اس کے لیے ہر قسم کے میوے موجود ہوں اور اسے بڑھاپا آ پہنچے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہوں تو اس باغ پر اچانک آگ کا بگولا چلے اور وہ جل جائے)

اس آیتِ مقدسہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ کیا انسان یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی عمر بھر کی کمائی ایک ایسے نازک موقع پر تباہ ہو جائے، جبکہ اس سے فائدہ اٹھانے کے شدید ضرورت ہو اور دوبارہ سے کمائی کرنے کا موقع بھی باقی نہ رہا ہو۔ تو یہ بات کیسے پسند کی جا سکتی ہے کہ دنیا میں کام کرنے کے بعد آخرت کی زندگی میں اس طرح قدم رکھا جائے کہ وہاں پہنچ کر معلوم ہو کہ پورا کارنامہ حیات یہاں کوئی قیمت نہیں رکھتا؟ جو کچھ دنیا کے لیے کمایا تھا، وہ دنیا ہی میں رہ گیا، آخرت کے لیے کچھ کما کر لائے ہی نہیں کہ یہاں اس کا اجر مل سکے۔

آخرت میں سخاوت کرنے کا کوئی نیا موقع نہیں دیا جائے گا۔ جو کچھ بھی موقع ہے، اسی دنیا میں ہے۔ یہاں اگر آخرت کی فکر کیے بغیر ساری عمر دنیاداری میں ضائع کر دی اور اپنی تمام قوتیں اور کوششیں دنیاوی فائدے تلاش کرنے ہی میں خرچ دیں

۱۔ مشکوۃ شریف۔ جلد سوم: رقم: ۳۶۰

۲۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۶۶

تو زندگی ختم ہونے پر حالت بالکل اس بوڑھے کی طرح حسرت ناک ہوگی، جس کی عمر بھر کی کمائی اور جس کی زندگی کا سہارا ایک باغ تھا اور وہ باغ عین اس کے بڑھاپے میں جل گیا جبکہ نہ وہ خود نئے سرے سے باغ لگا سکتا ہے نہ اس کی اولاد ہی اس قابل ہے کہ اس کی مدد کر سکے۔

(۱۲)۔ اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ‌ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ‌ؕ[۱]

(اگر اپنے صدقات اعلانیہ دو، تو یہ بھی اچھا ہے لیکن اگر چھپا کر حاجت مندوں کو دو، تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے)

اس آیتِ مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ

(i)۔ صدقات وخیرات یا سخاوت اعلانیہ طور پر کی جائے یا پھر چھپا کر، دونوں صورتوں میں جائز ہے لیکن چھپا کر دینا زیادہ بہتر ہے۔

(ii)۔ بعض علما کا خیال ہے کہ جو صدقہ فرض ہو، اس کو علانیہ دینا افضل ہے اور جو صدقہ فرض کے ماسوا ہو، اس کو چھپا کر چپکے سے دینا زیادہ بہتر ہے۔

(iii)۔ یہی اصول تمام اعمال کے لیے ہے کہ فرائض کا علانیہ انجام دینا افضلیت رکھتا ہے اور نوافل کو چھپا کر کرنا افضل ہے۔

(iv)۔ چھپا کر نیکیاں کرنے سے انسان کے نفس واخلاق کی اصلاح ہو جاتی ہے اور ریا کاری کا اندیشہ نہیں رہتا۔ انسان کے اوصاف حمیدہ خوب نشونما پاتے ہیں۔ بری صفات رفتہ رفتہ مٹ جاتی ہیں۔ یہ چیز بندہ کو اللہ کے ہاں اتنا مقبول بنا دیتی ہے کہ جو تھوڑے بہت گناہ اس کے نامہ اعمال میں ہوتے بھی ہیں انہیں اس کی خوبیوں پر نظر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔

(۱۳)۔ وَيَسۡـئَلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ قُلِ الۡعَفۡوَ[۲]

(اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دیجیے جو ضرورت سے زائد ہو)

اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ

(i)۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کے رستے میں بھی خرچ کرنے میں غور وفکر سے کام لینا چاہیے۔ ایسا بھی نہ ہو کہ خرچ ہی نہ کیا جائے کہ ضروریات سے جس قدر بھی زائد ہو وہ پڑا ہی رہے اور جمع ہی ہوتا رہے اور ایسا بھی نہ ہو کہ انسان سب خرچ کر کے فقر وفاقہ میں مبتلا ہو جائے اور دوسروں سے مانگنے کی نوبت آ جائے۔

(ii)۔ سخاوت وایثار کرتے ہوئے اپنی دنیاوی ضروریات کو سمجھنا چاہیے۔ جوش سخاوت میں ایسا بھی نہ ہو کہ اہل وعیال جن کے حقوق واجب ہیں ان کا کوئی حق ضائع ہو جائے۔

۱۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۷۱

۲۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۱۹

8

(iii)۔ اگر کوئی شخص فرائض اور واجبات ادا کرنے کے بعد زائد مال میں سے اللہ کے راستے میں کچھ خرچ کر دے اور کچھ رکھ لے تو اس کی بھی گنجائش ہے جیسا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اللہ عزوجل کی راہ میں بہت زیادہ خرچ کرتے تھے لیکن ان کے پاس مال جمع بھی رہتا تھا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی معلوم تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

(iv)۔ ضرورت سے زیادہ جو مال جمع ہو جائے اگر اس میں سے فرض زکوۃ اور صدقات ونفقات ادا ہوتے رہیں تو اس کا جمع کرنا جائز تو ہے لیکن خرچ کر دینا افضل ہے۔

(۱۴)۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ[۱]

(اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے ستھری چیزیں خرچ کرو اور اس چیز میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہے اور اس میں سے بیکار چیز کا ارادہ نہ کرو کہ اس کو خرچ کرو حالانکہ تم اسے کبھی نہ لو مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ)

اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ سخاوت کی قبولیت کے لئے جس طرح ضروری ہے کہ ریاکاری سے پاک ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حلال اور پاکیزہ کمائی سے ہو۔ چاہے وہ کاروبار کے ذریعے سے ہو یا فصل اور باغات کی پیداوار سے۔ جو چیزیں حرام کی غلط کمائی سے ہوں، اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے، پاک اور حلال چیز ہی قبول فرماتا ہے۔ ردی، فضول اور نکمی چیزیں بھی اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرنی چاہییں کیونکہ ہم خود بھی نکمی چیزیں لینے پر تیار نہیں ہوتے تو اللہ پاک کی راہ میں ایسی نکمی اور ردی چیزیں کیوں دی جائیں؟

(۱۵)۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ[۲]

(ہرگز نیکی میں کمال حاصل نہ کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز سے کچھ خرچ کرو)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ نیکی کی اصل روح خدا کی محبت ہے۔ ایسی محبت کہ رضائے الٰہی کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی چیز عزیز تر نہ ہو۔ جس چیز کی محبت بھی آدمی کے دل پر اتنی غالب آجائے کہ وہ اسے خدا کی محبت پر قربان نہ کرسکتا ہو، وہ بت ہے اور جب تک اس بت کو آدمی توڑ نہ دے، نیکی کے دروازے اس پر بند رہتے ہیں۔

(۱۶)۔ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ[۳]

(اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے)

۱۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۶۷

۲۔ سورۃ آلِ عمران: آیت: ۹۲

۳۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۱۹۵

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ

(i)۔ اگر مومنین خدا کے دین کو سر بلند کرنے کے لیے اپنا مال خرچ نہیں کریں گے اور اس کے مقابلے میں اپنے ذاتی مفاد کو عزیز رکھیں گے، تو یہ ان کے لیے دنیا میں بھی موجب ہلاکت ہوگا اور آخرت میں بھی۔

(ii)۔ صدقات احسان کے جذبے کے ساتھ ادا کرنے چاہییں۔ احسان کے معنی کسی کام کو خوبی کے ساتھ کرنے کے ہیں۔ عمل کا ایک درجہ یہ ہے کہ آدمی کے سپرد جو خدمت ہو، اسے بس کر دے۔ اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ اسے خوبی کے ساتھ کرے، اپنی پوری قابلیت اور اپنے تمام وسائل اس میں صرف کر دے اور دل و جان سے اس کی تکمیل کی کوشش کرے۔ پہلا درجہ محض طاعت کا درجہ ہے، جس کے لیے صرف تقویٰ اور خوف کافی ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا درجہ احسان کا درجہ ہے، جس کے لیے محبت اور گہرا قلبی لگاؤ درکار رہتا ہے۔

(۱۷)۔ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ[۱]

(آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ

(i)۔ یہ مال انسان کے پاس ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے۔ ایک دن اسے چھوڑ کر ہی جانا ہے اور اللہ ہی اس کا وارث ہونے والا ہے۔ پھر کیوں نہ اپنی زندگی میں اسے اپنے ہاتھ سے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے تاکہ اللہ کے ہاں اس کا اجر ثابت ہو جائے۔

(ii)۔ اگر انسان مال دولت کو خدا کے حکم کے مطابق خرچ نہ بھی کرے، تب بھی یہ اللہ ہی کے پاس واپس جا کر رہے گا، البتہ فرق یہ ہے کہ اس پر کوئی اجر کا مستحق نہ ہوگا۔

(iii)۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہوئے کسی فقر اور تنگ دستی کا اندیشہ لاحق نہ ہونا چاہیے کیونکہ جس خدا کی خاطر اسے خرچ کیا جائے گا، وہ زمین و آسمان کے سارے خزانوں کا مالک ہے، اس کے پاس دینے کو بس اتنا ہی کچھ نہ تھا جو اس نے آج انسان کو دے رکھا ہے بلکہ کل وہ اس سے بہت زیادہ دے سکتا ہے۔

(۱۸)۔ وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِيْ إِلٰى أَجَلٍ قَرِيبٍ[۲]

(جو رزق ہم نے تمھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے اور اس وقت وہ کہے کہ اے میرے رب، کیوں نہ تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ دیتا)

اس آیت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ

۱۔ سورۃ الحدید: آیت: ۱۰

۲۔ سورۃ المنافقون: آیت: ۱۰

8

(i)۔ جب مال و دولت آتی ہے تو خرچ بھی ہوتی ہے۔

(ii)۔ مومنین صالحین اسے اللہ کی رضا میں خرچ کرتے ہیں اور جن لوگوں کو مال سے محبت ہوتی ہے دین پر چلنے کا شوق نہیں ہوتا وہ مال لے کر بیٹھے رہتے ہیں روپیہ پیسہ کے غلام بنے رہتے ہیں، فرض زکوٰۃ اور تھوڑا سا صدقہ دینا بھی انہیں گوارہ نہیں ہوتا۔

(iii)۔ موت کے آنے سے پہلے مال خرچ کرنا چاہیے۔ اگر زندگی میں اللہ کے لیے مال خرچ نہ کیا تو موت کے وقت یہ آرزو کام نہیں آئے گی کہ تھوڑی سی اور زندگی مل جاتی، تو اللہ کے لیے خرچ کرتا۔ ہر انسان کی موت کا ایک وقت مقرر ہے۔

(iv)۔ اجل پر تو مرنا ہی مرنا ہے۔ اس لیے انسان کو جو کچھ عمل کرنا ہے موت سے پہلے ہی کر لے۔ موت کے وقت حسرت کام نہ دے گی اور زندگی واپس نہ ملے گی۔

(v)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کے پاس اتنا مال ہو جس سے بیت اللہ کا حج ہو سکتا ہو اور زکوٰۃ فرض ہوگئی ہو، پھر اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی نہ ہی بیت اللہ کا حج کیا، تو وہ موت کے وقت اسے شدید خواہش پیدا ہوگی کہ کاش مجھے زندگی دی جائے تا کہ میں صدقہ دے دوں[1]۔

(۱۹)۔ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ[2]

(اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور دل کی تسکین و یقین کے لیے خرچ کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی زمین پر ہو، اس پر زوردار بارش برسے تو وہ دوگنا پھل دے، اگر اس پر تیز بارش نہ بھی برسے تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے)

اس آیت مبارکہ میں ایسے لوگوں کی مثال دی گئی ہے جو اپنے مال اللہ پاک کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ اس کی مثال اس باغ جیسی ہے جو بلند اور ہموار زمین پر ہو جس پر بارش نہ بھی ہو تو اسے شبنم ہی کفایت کرتی ہے۔

رضائے الٰہی کے لیے کیے جانے والے صدقہ میں اگر کوئی کمی و کمزوری رہ بھی جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی تلافی فرما دیتے ہیں۔ کیونکہ صدقہ کرنے والا اس نیت کے ساتھ کر رہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ہی مال تھا جو میں نے اس کے کمزور بندوں پر خرچ کیا ہے اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ ایسا شخص نمود و نمائش، احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے اجتناب کرتا ہے۔ اس کی نیت صرف اور صرف رضائے الٰہی کا حصول ہوتی ہے۔

پس اس آیت کریمہ سے ہمیں درج ذیل نکات سمجھ آتے ہیں:

۱۔ تفسیر مظہری از قاضی ثناء اللہ پانی پتی بحوالہ تفسیر سورۃ المنافقون: آیت: ۱۰

۲۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۶۵

(i)۔ اپنے مال کو صرف اللہ پاک کی رضا کے لیے خرچ کرنا چاہیے۔

(ii)۔ اپنے مال کو خوشی خوشی یقین کامل کے ساتھ خرچ کرنا چاہیے۔

(iii)۔ اللہ کی رضا کے متلاشیوں کا انجام بہترین ہوگا۔

(iv)۔ اہل ایمان کے تمام اعمال ریا کاری اور دکھلاوے سے پاک ہوتے ہیں۔

(v)۔ اہل رضا لوگوں کے شکریہ اور جزا سے بے نیاز ہوتے ہیں۔

(vi)۔ آخرت میں اجر صرف انہیں لوگوں کو دیا جائے گا جو اعمال خدا کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔

(vii)۔ اہل رضا کی بظاہر چھوٹی سی نیکی بھی ضائع نہیں ہوتی۔

(viii)۔ اہل رضا کے لیے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے۔

(ix)۔ اہل رضا کی مثال اس شاداب باغ کی سی ہے جو ہر حال میں پھل دیتا ہے۔

(x)۔ ریا کاری اور دکھلاوے سے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں۔ ایسے اعمال کا کوئی فائدہ نہیں۔

(۲۰)۔ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا [۱]

(اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو)

اس آیت میں حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا کیلئے جو کچھ بھی خرچ کیا جاتا ہے وہ کسی دوسرے کے لئے نہیں بلکہ خود اپنے لیے ہی کیا جاتا ہے۔ اس کا اجر بہر حال خرچ کرنے والے کو ہی ملے گا، اور اس کو اپنے رب کے یہاں نہایت عمدہ اور بڑے ہی بہتر ثواب کی صورت میں دیا جائے گا۔ پس یہ کوئی خسارے کا سودا نہیں بلکہ نہایت ہی نفع بخش کام ہے۔

(۲۱)۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا [۲]

(اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو، جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے، نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک چٹان تھی، جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اس پر جب زور کا مینہ برسا، تو ساری مٹی بہہ گئ اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کرکے جو نیکی کماتے ہیں، اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا)

۱۔ سورۃ: المزمل: آیت: ۲۰

۲۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۶۴

8

اس آیت کریمہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ:

(i)۔ صدقات احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے ضائع ہوجاتے ہیں۔

(ii)۔ صدقات دے کر ان کو احسان جتلا کر یا تکلیف دے کر ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

(iii)۔ جو آدمی دوسروں کو دکھانے کے لیے سخاوت کرتا ہے، اس کی یہ ریاکاری خود ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خدا اور آخرت پر مکمل یقین نہیں رکھتا۔ اس کا محض لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ مخلوق ہی اس کی خدا ہے جس سے وہ اجر چاہتا ہے، اللہ سے اس کو اجر کی توقع ہے نہ اسے یقین ہے کہ ایک روز اعمال کا حساب ہوگا اور اجر عطا کیے جائیں گے۔

(iv)۔ اس آیت میں جو مثال دی گئی ہے اس میں بارش سے مراد خیرات ہے۔ چٹان سے مراد اس نیت اور اس جذبے کی خرابی ہے جس کے ساتھ خیرات کی گئی ہے۔ مٹی کی ہلکی تہہ سے مراد نیکی کی وہ ظاہری شکل ہے جس کے نیچے نیت کی خرابی چھپی ہوئی ہے۔ بارش کا فطری طور پر اثر تو یہی ہوتا ہے کہ اس سے کھیتی نشونما پائے لیکن جب روئیدگی قبول کرنے والی زمین محض برائے نام اوپر ہی اوپر ہو اور اس اوپری تہہ کے نیچے پتھر کی ایک چٹان رکھی ہوئی ہو، تو بارش مفید ہونے کے بجائے الٹی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس سے مٹی کی ہلکی تہہ اتر جاتی ہے اور خالص پتھر نکل آتا ہے جس پر فصل نہیں اگتی۔ اسی طرح خیرات بھی اگرچہ بھلائیوں کو نشوونما دینے کی قوت رکھتی ہے مگر اس کے فائدہ مند ہونے کے لیے خلوص نیت شرط ہے۔

(v)۔ اس آیت میں اس ناشکرے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے انکار کرنے والے کو کافر کہا گیا ہے جو شخص اللہ کی دی ہوئی نعمت کو اس کی راہ میں اس کی رضا کے لیے خرچ کرنے کے بجائے مخلوق کی خوشنودی کے لیے صرف کرتا ہے، یا اگر خدا کی راہ میں کچھ مال دیتا بھی ہے تو اس کے ساتھ تکلیف بھی دیتا ہے۔ وہ دراصل ناشکرا اور اپنے خدا کا احسان فراموش ہے۔

(vi)۔ صدقات کے قبول ہونے کے لیے دو شرائط ہیں:

(ا)۔ صدقہ دے کر احسان نہیں جتلانا چاہیے، تکلیف نہیں دینی چاہیے۔

(ب)۔ صدقہ صرف اور صرف اللہ عزوجل کی رضا کے لیے دینا چاہیے۔

(۲۲)۔ مَثَلُ مَا يُنۡفِقُوۡنَ فِىۡ هٰذِهِ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَثَلِ رِيۡحٍ فِيۡهَا صِرٌّ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَاَهۡلَكَتۡهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰـكِنۡ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ[۱]

(اس دنیا کی زندگی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جس طرح ایک ہوا ہو جس میں تیز سردی ہو، وہ ایسے لوگوں کی کھیتی کو لگ جائے جنھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا پھر اس کو برباد کر گئی اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں)

ا۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۶۴

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ

(i)۔ اس مثال میں کھیتی سے مراد دنیاوی زندگی ہے جس کا پھل آخرت میں ملے گا۔ ہوا سے مراد ریا کاری اور نمود و نمائش ہے جس کی بنا پر کچھ لوگ رفاہ عامہ کے کاموں اور خیرات وغیرہ میں دولت صرف کرتے ہیں اور سخت سردی سے مراد صحیح ایمان اور ضابطہ خداوندی کی پیروی کا نہ ہونا ہے، جس کی وجہ سے ان کو پوری زندگی غلط ہو کر رہ گئی ہے۔

(ii)۔ قیامت والے دن ریا کاروں کے مال کچھ کام نہ آئیں گے حتیٰ کہ رفاہی اور بظاہر بھلائی کے کاموں پر جو بھی خرچ کرتے ہیں وہ بیکار جائیں گے اور ان کی مثال اس سخت سردی کی سی ہے جو ہری بھری کھیتی کو خراب کر دیتی ہے۔ وہ اس کھیتی کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہوتے ہیں اور اس سے نفع کی امید رکھے ہوتے ہیں کہ اچانک ان کی امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں۔

(iii)۔ جب تک اخلاص نہیں ہوگا، رفاہی کاموں پر رقم خرچ کرنے والوں کی چاہے دنیا میں کتنی ہی شہرت ہو جائے آخرت میں انہیں ان کا کوئی صلہ نہیں ملے گا۔ وہاں تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔

۳۔ سخاوت احادیث کی روشنی میں

ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومنین کو بار بار سخاوت کرنے کا حکم دیا، اس کے اجر و ثواب کی خبر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان بے شمار احادیث میں چند حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں کون ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پیارا ہو؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم میں کوئی ایسا نہیں جسے اپنا مال زیادہ پیارا نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر اس کا مال وہ ہے جو اس نے پہلے خرچ کیا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو وہ چھوڑ کر مرا[۱]۔

(۲)۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں ہر فرد سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس طرح کلام کرے گا کہ اللہ اور بندے کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ پھر وہ فرد دیکھے گا، تو اس کو آگے کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔ پھر وہ اپنے سامنے دیکھے گا اور اس کے سامنے آگ ہوگی۔ پس تم میں سے جو شخص چاہے کہ وہ آگ سے بچے تو وہ راہ خدا میں خیرات کرتا رہے خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ سے ہی ممکن ہو[۲]۔

(۳)۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہنم سے بچو! پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرہ پھیر لیا۔ پھر فرمایا کہ جہنم سے بچو! اور پھر اس کے بعد چہرہ مبارک پھیر لیا۔ پھر فرمایا کہ جہنم سے بچو! تین مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی

۱۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۵۳۹

۲۔ صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم: ۱۳۵۴

8
کیا۔ہم نے اس سے یہ خیال کیا کہ آپ ﷺ جہنم کو دیکھ رہے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جہنم سے بچو! خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی کے ذریعہ ہو سکے اور جسے یہ بھی نہ ملے، تو اسے کسی اچھی بات کہنے کے ذریعہ سے ہی (جہنم سے) بچنے کی کوشش کرنی چاہیے[۱]۔

(۴)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندہ کہتا ہے میرا مال حالانکہ اس کے مال میں سے اس کی صرف تین چیزیں ہیں:

(i)۔ جو کھایا اور ختم کر لیا

(ii)۔ جو پہنا اور پرانا کر لیا

(iii)۔ جو اس نے اللہ کے راستہ میں دیا۔ یہ اس نے آخرت کے لیے جمع کر لیا۔

اس کے علاوہ تو صرف جانے والا اور لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے[۲]۔

(۵)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے۔

۱)۔ کوڑھی ۲)۔ گنجا ۳)۔ اندھا

اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ تینوں کو آزمایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا۔ وہ فرشتہ کوڑھی آدمی کے پاس آیا اور اس سے کہا! کہ تجھے کس چیز سے زیادہ پیار ہے؟ وہ کوڑھی کہنے لگا، میرا خوبصورت رنگ ہو، خوبصورت جلد ہو کیونکہ لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فرشتے نے اس کوڑھی کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو اس سے وہ بیماری چلی گئی اور اس کو خوبصورت رنگ اور خوبصورت جلد عطا کر دی گئی۔ فرشتے نے کہا تجھے مال کون سا زیادہ پسند ہے؟ وہ کہنے لگا، اونٹ۔ اسے دس مہینہ کی گابھن اونٹنی دے دی گئی۔ پھر فرشتے نے کہا کہ اللہ تجھے اس میں برکت عطا فرمائے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فرشتہ گنجے آدمی کے پاس آیا اور اسے کہا، تجھے کون سی چیز سب سے زیادہ پیاری ہے؟ وہ کہنے لگا خوبصورت بال اور مجھ سے گنجے پن کی یہ بیماری چلی جائے کہ جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس سے وہ بیماری چلی گئی اور اسے خوبصورت بال عطا کر دیے گئے۔ فرشتے نے کہا، تجھے سب سے زیادہ مال کون سا پسند ہے؟ وہ کہنے لگا، گائے۔ پھر اسے حاملہ گائے عطا کر دی گئی اور فرشتے نے کہا: اللہ تجھے اس میں برکت عطا فرمائے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر فرشتہ اندھے آدمی کے پاس آیا اور اس سے کہا، تجھے کون سی چیز سب سے زیادہ پیاری ہے؟ وہ اندھا کہنے لگا، اللہ تعالیٰ مجھے میری بینائی واپس لوٹا دے تاکہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فرشتے

۱۔صحیح بخاری۔جلد سوم: رقم: ۱۴۸۷

۲۔صحیح مسلم۔رقم: ۲۹۲۵

نے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو اللہ نے اس کی بینائی اسے واپس لوٹا دی۔ فرشتے نے کہا! تجھے مال کون سا سب سے زیادہ پسند ہے؟ وہ کہنے لگا، بکریاں۔ تو پھر اسے ایک گابھن بکری دے دی گئی۔ پھر ان نے بچے جنے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوڑھی آدمی کے اونٹوں سے جنگل بھر گیا اور گنجے آدمی کی گایوں سے ایک وادی بھر گئی اور اندھے آدمی کی بکریوں کا ریوڑ بن گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر کچھ عرصہ بعد وہی فرشتہ اپنی دوسری شکل میں کوڑھی آدمی کے پاس آیا اور اس سے کہا، میں ایک مسکین آدمی ہوں اور سفر میں میرا سارا زادِراہ ختم ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے میں آج اپنی منزل مقصود پر سوائے اللہ تعالیٰ کی مدد کے نہیں پہنچ سکتا۔ میں تجھ سے اسی کے نام پر سوال کرتا ہوں کہ جس نے تجھے خوبصورت رنگ اور خوبصورت جلد اور اونٹ کا مال عطا فرمایا! (مجھے صرف ایک اونٹ دے دے) جو میرے سفر میں میرے کام آئے۔ وہ کوڑھی کہنے لگا، (میرے اوپر) بہت زیادہ حقوق ہیں۔ فرشتے نے کہا کہ میں تجھے پہچانتا ہوں۔ کیا تو کوڑھی اور محتاج نہیں تھا؟ تجھ سے لوگ نفرت کرتے تھے پھر اللہ پاک نے تجھے یہ مال عطا فرمایا؟ وہ کوڑھی کہنے لگا کہ یہ مال تو مجھے میرے باپ دادا سے وراثت میں ملا ہے۔ فرشتے نے کہا کہ اگر تو جھوٹ کہہ رہا ہے تو اللہ تجھے پھر اسی طرح کر دے جس طرح کہ تو پہلے تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر فرشتہ اپنی اسی شکل میں گنجے آدمی کے پاس آیا اور اس سے بھی وہی کچھ کہا کہ جو کوڑھی سے کہا تھا۔ پھر اس گنجے نے بھی وہی جواب دیا کہ جو کوڑھی نے دیا تھا۔ فرشتہ نے اس سے بھی یہی کہا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے اس طرح کر دے، جس طرح کہ تو پہلے تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر فرشتہ اپنی اسی شکل میں اندھے آدمی کے پاس آیا اور کہا کہ میں مسافر آدمی ہوں اور میرے سفر کے تمام اسباب وغیرہ ختم ہو گئے ہیں اور میں آج سوائے اللہ کی مدد کے اپنی منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔ میں تجھ سے اسی اللہ کے نام پر کہ جس نے تجھے بینائی عطا کی، ایک بکری کا سوال کرتا ہوں جو کہ مجھے میرے سفر میں کام آئے۔ وہ اندھا کہنے لگا کہ میں بلاشبہ اندھا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے میری بینائی واپس لوٹا دی۔ اللہ کی قسم! میں آج تمہارے ہاتھ نہیں روکوں گا۔ تم جو چاہو میرے مال میں سے لے لو اور جو چاہو چھوڑ دو۔ فرشتے نے اندھے سے کہا، تم اپنا مال رہنے دو کیونکہ تم تینوں آدمیوں کو آزمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو گیا اور تیرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہو گیا ہے[1]۔

(۶)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک آدمی ایک جنگل میں تھا کہ اس نے بادلوں سے ایک آواز سنی کہ فلاں باغ کو پانی لگاؤ۔ پھر ایک بادل ایک طرف چلا اور اس نے ایک پتھریلی زمین پر بارش برسائی اور وہاں نالیوں میں سے ایک نالی بھر گئی۔

وہ آدمی برستے ہوئے پانی کے پیچھے پیچھے گیا۔ اچانک اس نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنے باغ میں کھڑا ہوا اپنے پھاوڑے سے پانی ادھر ادھر کر رہا تھا۔ اس آدمی نے باغ والے آدمی سے کہا، اے اللہ کے بندے تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا فلاں اور اس نے

۱۔ صحیح مسلم۔ رقم: ۲۹۳۴

وہی نام بتایا کہ جو اس نے بادلوں میں سنا تھا۔ باغ والے آدمی نے اس سے کہا تو نے میرا نام کیوں پوچھا ہے؟ اس نے کہا، میں نے ان بادلوں میں سے جس سے یہ پانی برسا ہے، ایک آواز سنی ہے کہ کوئی تیرا نام لے کر کہتا ہے کہ اس کے باغ کو سیراب کر۔ تم اس باغ میں کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا جب تو نے یہ کہا ہے تو سنو! میں اس باغ میں پیداوار پر نظر رکھتا ہوں اور اس میں سے ایک تہائی صدقہ خیرات کرتا ہوں اور ایک تہائی اس میں سے میں اور میرے گھر والے کھاتے ہیں جبکہ ایک تہائی میں اسی باغ میں لگا دیتا ہوں[1]۔

(۷)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور اس نے عرض کیا، میں فاقہ سے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازدواج مطہرات رضی اللہ عنہما میں سے کسی کی طرف ایک آدمی بھیجا تو زوجہ مطہرہ نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میرے پاس سوائے پانی کے اور کچھ نہیں ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دوسری زوجہ مطہرہ کی طرف بھیجا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب ازواج مطہرات نے یہی کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میرے پاس سوائے پانی کے اور کچھ نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی آج رات اس مہمان کی مہمان نوازی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔

انصار میں سے ایک آدمی نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ پھر وہ انصاری اس مہمان کو لے کر اپنے گھر کی طرف چلے اور اپنی بیوی سے کہا کہ کیا تیرے پاس کھانے کے لیے کچھ ہے؟ وہ کہنے لگی کہ سوائے میرے بچوں کے کھانے کے میرے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ انصاری نے کہا: ان بچوں کو کسی چیز سے بہلا دو اور جب مہمان اندر آجائے تو چراغ بجھا دینا اور اس پر یہ ظاہر کرنا گویا کہ ہم بھی کھانا کھا رہے ہیں۔ مہمان کے ساتھ سب گھر والے بیٹھ گئے اور کھانا صرف مہمان نے ہی کھایا۔ پھر جب صبح ہوئی اور وہ دونوں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے آج رات اپنے مہمان کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے تعجب کیا ہے[2]۔

(۸)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصہ کو بجھاتا اور بری موت کو دور کرتا ہے[3]۔

(۹)۔ حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے پاکی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہایت صاف ستھرا ہے، صفائی ستھرائی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کرم کرنے والا ہے، کرم کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہایت سخی اور عطا کرنے والا ہے، سخاوت و عطا کو پسند کرتا ہے[4]۔

۱۔ صحیح مسلم۔ رقم: ۲۹۸۴

۲۔ صحیح مسلم۔ رقم: ۲۰۵۴

۳۔ جامع ترمذی۔ جلد اول۔ رقم: ۶۴۵

۴۔ مشکوۃ شریف۔ جلد چہارم۔ رقم: ۴۱۴

(۱۰)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیوہ عورت اور مسکینوں کی مدد کرنے والا، اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور میں گمان کرتا ہوں کہ وہ مسلسل نماز پڑھنے والے اور ہمیشہ روزہ رکھنے والے کی طرح ہے[۱]۔

(۱۱)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: دو آدمیوں کے سوا کسی پر رشک کرنا جائز نہیں۔ ایک وہ آدمی کہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا علم عطا فرمایا ہو اور وہ رات دن اس پر عمل کرنے کے ساتھ اس کی تلاوت کرتا ہو۔ دوسرا وہ آدمی کہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہو اور وہ رات اور دن اسے اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا ہو[۲]۔

(۱۲)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابن آدم! تم اگر اپنی ضرورت سے زائد مال کو اچھائیوں میں خرچ کردو گے تو تمہارے لئے بہتر ہوگا اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو یہ تمہارے لئے بدتر ہوگا، حاجت کے بقدر اپنے اوپر خرچ کرنے پر ملامت نہیں کی جائے گی اور صدقات وخیرات کی ادائیگی میں ابتدا اس سے کرو جس کی تم کفالت کرتے ہو اور جان لو کہ دینے والا ہاتھ، لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے[۳]۔

(۱۳)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے پاس ایک دینار ہے، جسے میں خرچ کرنا چاہتا ہوں اسے کہاں خرچ کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ اس نے عرض کیا، میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے اپنے اہل پر خرچ کرو۔ اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے اپنے خادم پر خرچ کرو۔ پھر اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اب تم اس بارے میں زیادہ جان سکتے ہو[۴]۔

(۱۴)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی بھی اپنی پاکیزہ کمائی میں سے ایک کھجور بھی صدقہ کرتا ہے تو اللہ اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے اس کی پرورش کرتا ہے جیسا کہ تم میں کوئی اپنے بچھڑے یا اونٹنی کے بچے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ پہاڑ یا اس سے بھی بڑا ہو جاتا ہے[۵]۔

(۱۵)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مری ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس روز اپنے سائے میں رکھے گا، جس روز اللہ کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا:

۱۔ صحیح مسلم۔ جلد سوم۔ رقم: ۲۹۶۷

۲۔ صحیح مسلم۔ جلد اول۔ رقم: ۱۸۸۸

۳۔ جامع ترمذی۔ جلد دوم۔ رقم: ۲۲۹

۴۔ مشکوۃ شریف۔ جلد دوم۔ رقم: ۴۳۹

۵۔ صحیح مسلم۔ جلد اول۔ رقم: ۲۳۳۶

8

(i)۔ انصاف کرنے والا حاکم

(ii)۔ وہ جوان جو اپنی جوانی کو اللہ کی محبت میں صرف کردے۔

(iii)۔ وہ آدمی جو مسجد سے نکلتا ہے تو جب تک وہ دوبارہ مسجد میں نہیں چلا جاتا، اس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہے۔

(iv)۔ وہ دو آدمی جو محض اللہ کے لئے آپس میں محبت رکھتے ہیں اگر یکجا ہوتے ہیں تو اللہ کی محبت میں اور جدا ہوتے ہیں تو اللہ کی محبت میں۔

(v)۔ وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

(vi)۔ وہ آدمی جس کو کسی شریف النسب اور حسین عورت نے بلایا اور اس نے کہہ دیا ہو کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

(vii)۔ وہ آدمی جس نے اس طرح مخفی طور پر صدقہ دیا ہو کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی نہ معلوم ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے[۱]۔

(۱۶)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو نصیحت فرمائی اور انہیں صدقہ دینے کا حکم دیا۔ عورتیں اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں صدقہ کرنے لگیں[۲]۔

(۱۷)۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور صدقہ شروع کر ان لوگوں سے جو تیری نگرانی میں ہوں اور بہتر صدقہ وہ ہے جو ان لوگوں پر کیا جائے جن کی کفالت کا ذمہ دار انسان خود ہوتا ہے[۳]۔

(۱۸)۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خیرات نہ روکو، ورنہ تم سے روک لیا جائے گا[۴]۔

(۱۹)۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (روپیہ پیسہ) تھیلی میں بند کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ بھی بند کر رکھے گا اور جہاں تک ہو سکے خیرات کرتی رہو[۵]۔

(۲۰)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ فرماتا ہے کہ خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے اور رات دن کی فیاضی سے اس میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس نے آسمان وزمین کے پیدا کرنے سے کتنی فیاضی کی ہے لیکن اس کے دائیں ہاتھ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی[۶]۔

۱۔ مشکوۃ شریف۔ جلد اول۔ رقم: ۶۶۲
۲۔ کشف المحجوب از سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۳۲
۳۔ کشف المحجوب از سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۳۲
۴۔ صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم: ۱۳۷۶
۵۔ صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم: ۱۳۷۸
۶۔ کشف المحجوب از سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۳۲

(۲۱)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر دن جس میں بندے صبح کرتے ہیں دو فرشتے اترتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے، اے اللہ! خرچ کرنے والوں کو اچھا بدلہ عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے، اے اللہ! بخیل کو ہلاک کرنے والا مال عطا کر[۱]۔

۴۔ سخاوت کے درجات

سخاوت کے کئی درجات ہیں۔ سخاوت کرنا ابتدائی مرتبہ ہے، اس کے بعد جود اور اس کے بعد ایثار کا مرتبہ آتا ہے۔

(۱)۔ جو شخص اپنے مال میں سے کچھ خرچ کرے اور کچھ اپنے لیے بچا کر رکھ لے، اسے سخی کہتے ہیں اور اس کا یہ عمل سخاوت کہلائے گا۔ یہ عوام کا مرتبہ ہے۔

(۲)۔ جو شخص اپنے مال کا زیادہ حصہ راہِ خدا میں خرچ کر دے اور اپنے لیے تھوڑا بچا کر رکھے، تو ایسے شخص کو جواد کہا جائے گا اور اس کا یہ عمل جود کہلائے گا۔ یہ خاص لوگوں کا مرتبہ ہے۔

(۳)۔ جس نے مال مشکل سے کمایا اور پھر بھی لوگوں پر بے دریغ خرچ کر دیا، یہ ایثار ہے اور یہ خاص الخواص کا مرتبہ ہے۔

۵۔ سخاوت کی برکات

سخاوت کی بہت برکات ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ سخاوت کی سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ یہ آدمی کے دل کو خدا کے ساتھ اس طرح جوڑ دیتی ہے کہ اس کے لیے خدا سے غافل رہنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ آدمی کو مال سے جو محبت ہے اس کا فطری نتیجہ یہ ہے کہ وہ جس جگہ اپنا مال رکھتا ہے یا جس کام میں اپنا سرمایہ لگاتا ہے، اسی جگہ یا اسی کام کے ساتھ اس کا دل بھی اٹکا رہتا ہے۔ اگر وہ اپنا مال کسی خفیہ جگہ میں دفن کرتا ہے تو اس کا دل ہر وقت اسی خرابے میں گردش کرتا رہتا ہے اگر وہ کسی بنک میں رکھتا ہے تو اس بنک کے ساتھ اس کا دل بندھ جاتا ہے۔ اگر کسی کاروبار میں اپنا سرمایہ لگاتا ہے تو رات دن اس کاروبار کی فکر اس کے سر پر سوار رہتی ہے۔ الغرض جہاں آدمی اپنا سرمایہ لگاتا ہے، تجربہ شہادت دیتا ہے کہ وہیں اس کا دل بھی رہتا ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں دیکھیے تو یہ بات بالکل واضح معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص اپنا مال خدا کے راستے میں خرچ کرے گا، اس کا دل بھی خدا ہی کے ساتھ رہے گا۔

(۲)۔ صاحب سخاوت کا اپنے معاشرے کے ساتھ بھی صحیح ربط قائم ہو جاتا ہے۔ یہ چیز بھی کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ فلسفہ شریعت کے اعتبار سے یہ دین کی دو بنیادوں میں سے ایک ہے۔ بندے کے صحیح بندہ بننے کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں:

(i)۔ رب کے ساتھ اس کا تعلق ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے۔ یہ چیز آدمی کو نماز سے حاصل ہوتی ہے۔

(ii)۔ خلق کے ساتھ وہ صحیح طور پر مربوط ہو جائے۔ یہ چیز انسان کو خدا کے رستے میں خرچ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

۱۔ کشف المحجوب از سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۳۲

(۳)۔ نماز اور سخاوت، دونوں چیزیں درحقیقت وہ دو بنیادیں ہیں جن پر خالق مخلوق کے ساتھ آدمی کے سارے تعلقات کی عمارت قائم ہوتی ہے۔اس وجہ سے یوں سمجھنا چاہیے کہ انہی دو چیزوں پر درحقیقت پورے دین وشریعت کی عمارت قائم ہے۔گو ظاہر میں یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں لیکن ذرا گہری نظر سے دیکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے دوسری چیز درحقیقت پہلی چیز کا اثر اور نتیجہ ہے جو آدمی خالق سے محبت کرے گا وہ اس کی مخلوق سے ضرور محبت کرے گا۔اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اپنی عیال سے تعبیر فرمایا ہے۔انسان کی یہ فطرت ہے کہ اگر اس کو کسی سے محبت ہو جائے تو اس سے تعلق رکھنے والوں سے بھی محبت ہو جاتی ہے۔اپنی اس فطرت کے تقاضے سے جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ اس کی مخلوق سے بھی محبت کرنے لگتا ہے اور یہ محبت قدرتی طور پر مخلوق سے ہمدردی اور ان کے لیے مالی ایثار کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔

(۴)۔ سخاوت دین کے دوسرے تمام عقائد واعمال کے لیے غذا اور پانی کی مانند ہے۔اس سے آدمی کی وہ نیکیاں جڑ پکڑ لیتی ہیں جو کمزور و ناتواں ہوتی ہیں اور اس کے وہ عقائد مستحکم اور پائیدار ہو جاتے ہیں جو ابھی اچھی طرح دل میں راسخ نہیں ہوئے ہوتے ہیں۔دین کے عقائد اور اعمال کا یہی رسوخ واستحکام ہے جس کو قرآن مجید میں حکمت سے تعبیر کیا گیا ہے اور قرآن کے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکمت کے خزانہ کی کلید درحقیقت اللہ تعالیٰ کے رستے میں خرچ کرنا ہی ہے۔

(۵)۔ سخاوت کرنے سے مال میں دنیا وآخرت میں برکت ہوتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کے بے شمار بندے جو اس کے مال سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔یہ دعائیں کرنے والے عام طور پر اہل حاجت ہوتے ہیں جو اپنی حاجت مندی کے سبب سے اس بات کے مستحق ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرمائے۔

برکت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے کی تجوریاں بھر جاتی ہیں یا اس کے بنک بیلنس میں اضافہ ہو جاتا ہے یا اس کی جائیداد کی مقدار کہیں سے کہیں جا پہنچتی ہے بلکہ برکت کا مفہوم یہ ہے کہ مال کا حقیقی فائدہ اور نفع جس مقدار میں وہ حاصل کرتا ہے، اس کے مقابل میں دوسرے حاصل نہیں کر پاتے۔جو فراغ خاطر، سکون قلب، اعتماد علی اللہ، قلبی مسرت اور دل اور روح کی بادشاہی اس کو حاصل ہوتی ہے وہ بخیلوں کے حصہ میں نہیں آتی۔

۶۔ سخاوت کی شرائط

سخاوت (انفاق فی سبیل اللہ) کی بہت سی شرائط ہیں جن کا ہمیں بہت خیال رکھنا چاہیے:

(۱)۔ سخاوت کی اہم ترین شرط یہ ہے کہ وہ فقط اللہ کی رضا اور آخرت کی طلب کے لئے ہو۔یہ صرف سخاوت کی ہی شرط نہیں بلکہ ہر عبادت کی شرط ہے کہ عبادت فقط اللہ کے لئے ہو۔نہ دُنیاوی شہرت اور نمود ونمائش مقصد ہو اور نہ کوئی دوسری دُنیاوی غرض۔اسی کے بارے میں اللہ پاک نے اپنی کتاب قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ [1]

(ان کو نہیں حکم دیا گیا مگر یہ کہ وہ خالص اللہ کیلئے دین کو اختیار کرتے ہوئے عبادت کریں)

(۲)۔ سخاوت کی شرط ہے کہ وہ حلال مال سے ہو۔ حرام مال کا دیا ہوا صدقہ اللہ قبول نہیں فرماتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ [2]

(اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو)

اسی طرح حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ وحلال چیز کو ہی قبول کرتا ہے [3]۔

(۳)۔ سخاوت وہی قابلِ قبول ہوتی ہے جو بلند اخلاق کے ساتھ کی جائے۔ سخاوت کر کے احسان جتلانے اور ذہنی اذیت دینے سے اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا [4]

(اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو، جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے، نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک چٹان تھی، جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اس پر جب زور کا مینہ برسا، تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی، ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں، اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا)

(۴)۔ سخاوت کی یہ بھی شرط ہے کہ مال صرف انہی پر خرچ کرے جو اس کے مستحق ہوں۔ جو شخص جان بوجھ کر اپنا صدقہ کسی غیر مستحق کو دیتا ہے وہ اپنا صدقہ ضائع کر دیتا ہے۔ صدقہ اللہ کی رضا کیلئے ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خرچ کرنا چاہیے ہو۔ اپنے ذاتی اغراض کے لئے جانب داری سے کام لیتے ہوئے غیر مستحق کو نوازنا صدقہ کو ضائع کر دیتا ہے۔ سخاوت کا اصل محرک انسانیت کی غم گساری اور احیائے دین ہے اور یہی محرک نظروں کے سامنے رہنا چاہیے۔

۷۔ سخاوت کے بارے میں اقوال

سخاوت کے بارے میں بزرگانِ دین سے بہت اعلیٰ اقوال منسوب ہیں، جو سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں:

۱۔ سورۃ البینۃ: آیت: ۵

۲۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۶۷

۳۔ مشکوٰۃ شریف: رقم: ۱۸۸۸

۴۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۶۴

(۱)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں دنیا کی دولت مل رہی ہو تو اس میں سے کچھ نہ کچھ سخاوت کرتے رہا کرو[۱]۔

(۲)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سخی آدمی نے جب کسی سے اپنا حق لینا ہوتا ہے تو اپنی سخاوت کی وجہ سے اپنے حق میں سے کچھ معاف کر دیتا ہے[۲]۔

(۳)۔ حضرت علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو انسان مانگنے پر کسی کی مدد کرتا ہے وہ سخی نہیں ہوتا بلکہ سخی وہ ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے حقوق پہلے ہی انجام دے لے نہ کہ مانگنے اور توجہ دلانے کے بعد ادا کرے۔ کسی کی مدد کرنے کے بعد دل میں بھی یہ خواہش نہیں رکھنی چاہیے کہ لینے والا اس کا شکریہ ادا کرے۔ یہ بات صرف اور صرف اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے، جب انسان کو اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب پر پورا پورا یقین ہو[۳]۔

(۴)۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جو انسان سخی نہیں ہوتا، وہ زندگی میں کبھی بھی انصاف نہیں کر پاتا کیونکہ وہ اپنی بخیلی کی وجہ سے ہمیشہ اپنے حق سے زیادہ لینے کی کوشش کرتا ہے[۴]۔

(۵)۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ راہِ خدا میں مال خرچ کرنا سخاوت ہے[۵]۔

(۶)۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ موجود مال کو اللہ کے رستے میں خرچ کرنے کی پوری کوشش کرنا ہی سخاوت کا کمال ہے[۶]۔

(۷)۔ حضرت حسین واعظ کاشفیؒ فرماتے ہیں کہ سخاوت نیک نامی اور دوستی کا سبب بنتی ہے۔ کوئی صفت سخاوت سے بہتر نہیں ہے۔ انسان سخاوت سے شریف اور عبادت سے نیک بنتا ہے اور جس شخص میں یہ دونوں اوصاف نہ ہوں اس کی زندگی اور موت دونوں برابر ہیں[۷]۔

(۸)۔ حضرت سفیان ابن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا اور مال دینا سخاوت ہے[۸]۔

(۹)۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے نفس کا دوسروں کی چیزوں کی طرف توجہ نہ کرنا، مال کی سخاوت کرنے سے بہتر ہے[۹]۔

(۱۰)۔ حضرت بشر بن حارثؒ فرماتے ہیں کہ سخی کو دیکھنے سے دل میں نرمی، بردباری، درگزر کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور بخیل کو دیکھنے

۱۔ احیاء العلوم الدین از امام ابو الحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۳۸۳-۳۸۴

۲۔ احیاء العلوم الدین از امام ابو الحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۳۹۸

۳۔ احیاء العلوم الدین از امام ابو الحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۳۸۴

۴۔ احیاء العلوم الدین از امام ابو الحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۳۹۸

۵۔ احیاء العلوم الدین از امام ابو الحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۳۸۴

۶۔ احیاء العلوم الدین از امام ابو الحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۳۸۵

۷۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیا از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۸۲

۸۔ احیاء العلوم الدین از امام ابو الحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۳۸۴

۹۔ رسالہ قشیریہ از امام ابو القاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۷۴۴

سے دل میں سختی آتی ہے[1]۔

(۱۱)۔ حضرت ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ سخاوت یہ نہیں ہے کہ غیر ضروری چیزیں دوسروں کو دی جائیں بلکہ سخاوت تو یہ ہے کہ باوجود اپنی ضرورت کے دوسروں کی مدد کی جائے[2]۔

(۱۲)۔ حضرت جلال الدین دوانیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کا اپنے مال کو اللہ کے راستے میں بے دریغ خرچ کرنا سخاوت کہلاتا ہے[3]۔

(۱۳)۔ حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ خود حاجت مند ہونے کے باوجود دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھنا سخاوت وایثار ہے[4]۔

۸۔ اہلِ سخاوت کے واقعات

نصیحت حاصل کرنے کے لئے بزرگانِ دین کی سخاوت کے چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

(۱)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت میں بے شمار بکریاں تھیں جن سے ایک جنگل جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا، پُر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ سب بکریاں اس شخص کو عطا فرمادیں۔ جب وہ شخص اپنی قوم کے پاس گیا تو اس نے کہا: اے میری قوم! مسلمان ہو جاؤ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اتنی بخشش کرتے ہیں کہ انہیں اپنے مفلس ہو جانے کا بھی کچھ خیال نہیں ہوتا[5]۔

(۲)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بحرین کا مال آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو مسجد میں پھیلا دو۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے بھی کچھ عنایت کیجئے کیونکہ مجھ پر اپنا اور فلاں رشتہ دار کا فدیہ آیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا لے لو اور انہوں نے دونوں ہاتھوں سے مال و دولت سمیٹ کر اپنے کپڑے میں رکھ لی اور جب اس کو اٹھانے لگے تو وہ گٹھڑ نہ اٹھ سکا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کسی کو کہہ دیں کہ وہ اس کو اٹھا کر میرے سر پر رکھوا دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ تو نہیں ہو سکتا۔ اس صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اسے اٹھانے میں میری مدد کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ بھی مناسب نہیں ہے۔ اس کے بعد انہوں نے کچھ کم کر کے اٹھانا چاہا تب بھی وہ نہ اٹھا سکے۔ وہ صحابی رضی اللہ عنہ کم کرتے رہے یہاں تک کہ جب اس گٹھڑ کو وہ اٹھا سکے تو وہ اس کو اٹھا کر لے گئے۔ یہ تمام مال

---

[1]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۰۳

[2]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۸۳

[3]۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیا از پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۸۲

[4]۔ صحیح مسلم۔ جلد سوم: رقم: ۱۵۱۹

[5]۔ کشف المحجوب از حضرت سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۱۹

8

وزر تقسیم ہونے تک رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ نفس نفیس وہاں تشریف فرما رہے حتیٰ کہ ایک درہم بھی وہاں باقی نہیں رہا [۱]۔

(۳)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک فقیر آیا۔ آپ رضی اللہ عنہا روزہ دار تھیں۔ گھر میں ایک روٹی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی ملازمہ سے کہا کہ یہ روٹی فقیر کو دے دو۔ وہ بولی آپ رضی اللہ عنہا کے افطار کے لئے کچھ نہیں ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے کہا، دیدو۔ ملازمہ نے وہ روٹی فقیر کو دے دی [۲]۔

(۴)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ابولولو مجوسی نے شدید زخمی کر دیا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے اجازت طلب کرو کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونا چاہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے وہ جگہ اپنے لئے منتخب کی تھی، میں اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے ایثار کر رہی ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرما دی اور خود بعد میں جنت البقیع میں مدفون ہوئیں [۳]۔

(۵)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے اس وقت میرے پاس مال تھا۔ میں نے سوچا کہ میں آج حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سبقت حاصل کر کے رہوں گا۔

لہٰذا اس خیال کے تحت میں اپنا نصف مال لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ میں نے جواب دیا کہ اتنا ہی اور ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے پاس موجود سارا مال لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ان سے بھی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان کے لیے میں اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ میں کبھی بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سبقت حاصل نہیں کر سکتا [۴]۔

(۶)۔ روایات میں آتا ہے کہ جب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو مسلمانوں کو بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ مدینہ شریف میں میٹھے پانی کا صرف ایک ہی کنواں تھا۔ اس کنوے کا مالک ایک یہودی تھا۔ جو ایک انتہائی سنگدل آدمی تھا۔ اکثر مہنگے داموں پانی بیچتا اور دوسروں کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آتا تھا۔ مسلمانوں سے اسے خاص طور پر ضد تھی۔ اس لیے مسلمان اس کے رویے سے خصوصی طور پر بہت پریشان تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ جو آدمی اس کنویں کو خرید کر وقف کر دے، اللہ پاک اسے جنت میں جگہ عطا فرمائے گا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس یہودی سے کنویں کی خریداری کے لیے بات چیت شروع کی تو وہ بڑی مشکل سے کنوے کا آدھا حصہ بیچنے پر آمادہ ہوا۔ طے پایا کہ ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پانی

۱۔ صحیح بخاری۔ جلد دوم: رقم: ۴۲۵

۲۔ موطا امام مالک۔ جلد اول: رقم: ۱۷۲۸

۳۔ طبقات ابن سعد از محمد بن سعدؒ۔ جلد دوم۔ صفحہ نمبر ۱۰۱

۴۔ جامع ترمذی۔ جلد دوم: رقم: ۱۶۴۱

بھرنے کے مجاز ہوں گے اور دوسرے دن اس یہودی کی باری ہوگی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ بیان کر دیا اور اپنی باری کے دن کو تمام لوگوں کے لیے وقف کر دیا کہ کوئی بھی بلا معاوضہ پانی بھر سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لیے جنت کی دعا فرمائی۔ چنانچہ مدینہ شریف کے تمام لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باری والے دن ہی پانی جمع کر لیتے اور یہودی کی باری کے دن کوئی بھی پانی خریدنے نہ جاتا۔ بالآخر اس نے تنگ آ کر خود ہی دوسرا حصہ بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ حضرت عثمان غنی ذولنورین رضی اللہ عنہ نے کنوے کا دوسرا حصہ بھی خرید کر وقف عام کر دیا[1]۔

(۷)۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ کسی نے آپ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے پانچ ہزار پانچ سو درہم دے دیئے اور فرمایا کہ کسی بار بردار کو لے آؤ جو تمہاری یہ دولت لے جائے۔ وہ سائل بار بردار لے آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے سر سے اپنا کھیس اتار کر اس بار برار کو معاوضہ کے طور پر دے دیا اور فرمایا کہ بار بردار کا کرایہ بھی میں ہی ادا کروں گا[2]۔

(۸)۔ ایک دفعہ ایک شخص حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: اے ابن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں ایک ضرورت مند آدمی ہوں اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ آج رات کی خوراک آپ سے چاہتا ہوں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جو غالباً خود اسی حالت میں مبتلا تھے، اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، میرا رزق چلا آ رہا ہے، آجائے تو آپ کو دیتا ہوں۔ کچھ دیر بعد ایک شخص ایک ہزار دینار کی پانچ تھیلیاں لایا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے وہ پانچوں تھیلیاں اس حاجت مند کو دے دیں اور ساتھ ہی معذرت کرتے ہوئے فرمایا: بھائی ہم سخت آزمائش میں مبتلا ہیں۔ ہم نے دنیا کی تمام خوشیاں ترک کر دی ہیں اور اپنی مرادیں اور ضروریات کم کر لی ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو اتنی دیر انتظار کی رحمت دی اور اس سے زیادہ کچھ نہ دے سکا[3]۔

(۹)۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ ایک شخص آپ رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آیا اور اس نے کہا: اے فرزند پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے چار سو درہم کی ضرورت ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فوراً چار سو درہم گھر سے منگوا کر اسے دے دیئے اور خود رونے لگے۔ لوگوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں اس بات پر رو رہا ہوں کہ مجھے چاہیے تھا کہ سوال سے پہلے ہی اس کی حاجت اس پوچھتا اور پوری کر دیتا اور اس بات کی نوبت ہی نہ آتی ہے کہ وہ میرے روبرو آ کر سوال کرتا اور مدد کے لیے ہاتھ پھیلاتا[4]۔

(۱۰)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کو بکری کا سر بطور ہدیہ دیا گیا تو اس نے کہا کہ میرا بھائی اس کا مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے۔ اس نے اسے اپنے بھائی کے پاس بھیج دیا۔ یہ ایک دوسرے کو اسی طرح

۱۔ تفسیر حدیث سنن نسائی۔ جلد دوم: رقم: ۱۵۴۹

۲۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۰۲

۳۔ کشف المحجوب از حضرت سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۳۳

۴۔ کشف المحجوب از حضرت سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۵۱

بھیجتے رہے، یہاں تک کہ وہ سات گھروں سے گھوم کر پھر واپس پہلے صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا[1]۔

(۱۱)۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی۔ میں نے سارے شہر میں تلاش کی مگر کہیں سے دستیاب نہ ہوئی۔ چند روز کے بعد مچھلی ملی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے کباب تیار کرنے کا حکم دیا۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے کباب تیار کر کے آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھے تو آپ رضی اللہ عنہ اس قدر خوش ہوئے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی خوشی آپ رضی اللہ عنہ کے چہرے سے صاف نمایاں ہو رہی تھی۔ اتنے میں ایک سائل نے دروازے پر آ کر صدا دی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ یہ کباب اس سائل کو دے دو۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے بہت کہا کہ اتنے روز سے آپ رضی اللہ عنہ کو مچھلی کا شوق تھا، بڑی مشکل سے دستیاب ہوئی ہے، سائل کو اور کوئی چیز دے دیتے ہیں لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جس کسی کو کوئی خواہش ہو اور وہ اس خواہش کو پالے اور پھر اس سے اپنا ہاتھ روک کر دوسرے کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دے کر وہ چیز اسے دے دے تو اللہ پاک اس کو بخش دے گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد پیش کر کے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس مچھلی کی خواہش کو اپنے دل سے نکال دیا ہے اور اب اس کا کھانا میرے لیے اچھا نہیں ہے، اسے اس سائل ہی کو دے دو[2]۔

(۱۲)۔ ایک غزوہ میں حضرت عکرمہ، حضرت حارث بن ہشام، حضرت سہیل بن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین زخم کھا کر زمین پر گرے اور اس حالت میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے پانی مانگا۔ پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت سہیل رضی اللہ عنہ پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پہلے ان کو پانی پلاؤ۔ حضرت سہیل رضی اللہ عنہ کے پاس پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت حارث رضی اللہ عنہ پانی کے لیے کہہ رہے ہیں۔ حضرت سہیل رضی اللہ عنہ نے بھی ایثار سے کام لیتے ہوئے پہلے انہیں پانی پلانے کی درخواست کی۔ پانی پلانے والا جب حضرت حارث رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو وہ وفات پا چکے تھے۔ وہ واپس حضرت سہیل رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو وہ زندگی کی بازی ہار چکے تھے۔ پانی پلانے والا دوڑتا ہوا حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو وہ بھی اپنی جان خدا عزوجل کے سپرد کر چکے تھے[3]۔

(۱۳)۔ حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کبھی اپنے سے زیادہ کوئی سخی دیکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا، ہاں دیکھا ہے۔ ایک دفعہ ہم جنگل میں ایک خاتون کے ہاں ٹھہرے، اتنے میں اس کا شوہر بھی آن پہنچا۔ خاتون نے کہا، آپ کے پاس یہ دو مہمان آئے ہیں۔ چنانچہ وہ گیا اور ایک اونٹنی لا کر ذبح کر ڈالی اور پھر کہا کہ خوب کھاؤ۔ اگلا دن ہوا تو دوسری اونٹنی لا کر ذبح کر دی اور پھر کہا، کھائیے۔ اس پر ہم نے کہا کہ کل ذبح ہونے والی اونٹنی سے تو ہم نے تھوڑا سا کھایا تھا۔ اس نے کہا کہ میں اپنے مہمانوں کو پرانا کھانا نہیں کھلایا کرتا۔ اس کے بعد ہم ان کے پاس دو تین دن تک ٹھہرے رہے، بارش بھی جاری رہی لیکن وہ ہر دن یونہی کرتا رہا۔

۱۔ شعب الایمان۔ رقم: ۳۴۷۹

۲۔ کشف المحجوب از سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۵۱

۳۔ شعب الایمان۔ رقم: ۳۴۸۳

جب ہم نے واپسی کا رادہ کیا تو ایک سو دینار اس کے گھر میں رکھ کر اس خاتون سے کہا کہ ہماری طرف سے معذرت کر دینا اور پھر چل پڑے۔ راستے میں ہم نے ایک آدمی کو اپنے پیچھے آتے ہوئے دیکھا۔ ہم نے دیکھا تو یہ ہمارا وہی میزبان تھا۔ اس نے کہا کہ تم اپنے پیسے واپس لے لو۔ جو کچھ میں تمہیں دے چکا ہوں اگر اس کا معاوضہ لوں تو یہ اپنی نیکی برباد کرنے والی بات ہے[1]۔

(۱۴)۔ ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو ان کے عزیز واقارب تیمارداری کے لیے نہ آسکے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے مقروض ہیں، اس شرمندگی کی وجہ سے نہیں آئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فوراً حکم دیا کہ اعلان کر دیا جائے سعد (رضی اللہ عنہ) کا جو بھی مقروض ہے، اسے سارا قرض معاف کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد عیادت کے آنے والوں کی قطاریں بند گئیں[2]۔

(۱۵)۔ حضرت ابوالحسن بوشنجیؒ ایک مرتبہ بیت الخلاء میں تھے، اسی دوران ایک شاگرد کو آواز دی کہ میری قمیض فلاں شخص کو دے دو۔ عرض کیا گیا، اتنی جلدی کیا تھی، باہر آکر دے دیتے؟ آپؒ نے فرمایا، مجھے اپنے نفس پر بھروسہ نہیں، کیا معلوم میرا ارادہ ہی بدل جاتا[3]۔

(۱۶)۔ اہل منج[4] میں سے ایک آدمی اہلِ مدینہ سے ملا اور پوچھا، تمہارا کس سے تعلق ہے؟ اس نے بتایا کہ اہلِ مدینہ سے۔ منج والے نے کہا کہ تمہارا ایک آدمی حکم بن مطلب ہمارے پاس آیا، اس نے ہمیں غنی کر دیا۔ مدنی نے پوچھا، وہ کیسے؟ وہ تو ایک جبہ لے کر تمہارے پاس گیا تھا۔ اس نے کہا کہ حکم نے ہمیں مال کے ذریعے غنی نہیں کیا بلکہ ہم میں سخاوت کی عادت پیدا کر دی۔ ہم اس پر عمل کرنے لگے اور غنی بن گئے[5]۔

(۱۷)۔ ایثار نہ صرف انسان کے ساتھ بلکہ حیوان کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ اپنی ایک زمین میں گئے۔ وہاں ایک کھجور کے باغ میں ٹھہرے۔ آپؓ نے ایک حبشی ملازم کو دیکھا جو باغ میں کام کر رہا تھا۔ باغ میں ایک کتا داخل ہوا، اس ملازم کے قریب آیا۔ ملازم نے اس کتے کی جانب کھانے کا ایک لقمہ ڈال دیا، پھر دوسرا اور پھر تیسرا لقمہ، حتیٰ کہ وہ ڈالتا رہا اور کتا کھاتا رہا اور سارا کھانا ختم ہو گیا۔ حضرت عبداللہؓ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ آپؓ نے پوچھا اے خادم! تمہاری روزانہ کتنی خوراک ہے؟ اس نے کہا: یہی جو آپؓ نے دیکھی۔ آپؓ نے فرمایا: تم نے اسے کتے کو کیوں ڈال دیا۔ ملازم نے جواب دیا کہ یہاں کتے نہیں ہوتے، شاید یہ دور دراز علاقہ سے آیا تھا۔ مجھے یہ اچھا نہیں لگا کہ میں تو آسودہ ہوں اور یہ بھوکا رہ جائے۔ آپؓ نے پوچھا کہ تم آج کیا کھاؤ گے؟ اس نے کہا: میں ایسے ہی گزارا کر لوں گا۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا، یہ سخاوت اور ایثار کی حد ہے۔ یہ خادم تو مجھ سے بھی زیادہ سخی ہے[6]۔

---

[1]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۰۳

[2]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۰۳

[3]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۰۲

[4]۔ ایک شہر ہے جو دریائے فرات سے تقریباً 24 کلومیٹر اور حلب سے تقریباً 80 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

[5]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۰۱

[6]۔ کشف المحجوب از حضرت سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۲۰

(۱۸)۔ حضرت ابوالحسن مدائنیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امام حسن، حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ اجمعین حج کے لیے نکلے تو راستے میں آپ کے مال بردار جانور آپ سے بچھڑ گئے۔ اب انہیں بھوک اور پیاس کی شدت محسوس ہوئی۔ اس دوران ان کا گزر ایک خیمہ نشین بوڑھی عورت کے پاس سے ہوا تو انہوں نے اس بوڑھی عورت سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ پینے کو ہے؟ اس نے جواب دیا، جی ہاں۔ پھر خیمے کے کنارے بندھی ایک لاغر بکری کی طرف اشارہ کر کے کہا: آپ اس کا دودھ دوھ کر پی سکتے ہیں۔ آپ نے اسی طرح کیا۔ پھر بوڑھی عورت سے کھانے کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا کہ اس بکری کے سوا کچھ نہیں۔ آپ میں سے کوئی اسے ذبح کر دے تا کہ میں آپ کے کھانے کا بندوبست کر سکوں۔ چنانچہ ان حضرات میں سے ایک نے بکری ذبح کر کے اس کی کھال اتار دی۔ بوڑھی عورت نے ان کے لیے کھانا تیار کیا۔ تینوں نے کھایا اور دھوپ کی شدت کم ہونے تک ٹھہرے رہے۔ جب جانے لگے تو بوڑھی عورت سے فرمایا: ہم قریشی لوگ ہیں حج کے لیے جا رہے ہیں۔ اگر ہم صحیح سلامت واپس اپنے گھروں کو لوٹ آئے تو ہمارے پاس آنا ہم تمہارے ساتھ حسن سلوک کریں گے۔

کچھ مدت کے بعد اس بوڑھی عورت کو اپنے میاں کے ساتھ مدینہ طیبہ جانے کی ضرورت پڑی۔ وہ وہاں پہنچے اور اونٹوں کی مینگنیاں بیچ کر گزارہ کرنے لگے۔ ایک دن وہ خاتون مدینہ منورہ کی ایک گلی سے گزری تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اسے پہچان لیا لیکن وہ عورت آپ کو نہ پہچان سکی۔ آپ نے اپنے خادم کو بھیج کر اس خاتون کو بلوایا اور اس سے فرمایا: اے اللہ عزوجل کی بندی! مجھے پہچانتی ہو؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں فلاں دن تمہارے پاس مہمان تھا۔ بوڑھی عورت نے کہا: میرے ماں باپ آپ رضی اللہ عنہ پر قربان ہوں، کیا آپ رضی اللہ عنہ وہی ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اسے ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار دیئے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بھائی کی تقلید میں اسی قدر مال دینے کا حکم دیا، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا خادم اس بوڑھی خاتون کو لے کر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار عطا فرمائے۔ وہ بوڑھی عورت چار ہزار بکریاں اور چار ہزار دینار لے کے اپنے خاوند کے پاس لوٹ گئی[۱]۔

(۱۹)۔ حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہیے کہ سخاوت میں اللہ پاک کی شان کریمی کو سامنے رکھے۔ چنانچہ اس میں اپنے اور بیگانے، مسلم اور غیر مسلم کی تمیز بھی نہیں ہونی چاہیے۔ روایات میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ تین روز تک کوئی مہمان نہ آیا۔ پھر ایک بوڑھے آتش پرست کا آپ علیہ السلام کے دروازے پر سے گزر ہوا۔ آپ علیہ السلام نے اس پوچھا کہ تو کون ہے؟ جب اس نے بتایا کہ وہ ایک آتش پرست ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تو میرے ہاں مہمانی کے لائق نہیں ہے۔ اس پر اللہ عزوجل نے وحی فرمائی کہ اے ابراہیم (علیہ السلام)! میں تو ستر برس سے اس کی پرورش کر رہا ہوں اور تجھ سے اتنا بھی نہیں ہو سکا کہ ایک وقت ہی روٹی کا ایک ٹکڑا اسے دے دیتے[۲]؟

۱۔ احیاء العلوم الدین از امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۷۴۷

۲۔ کشف المحجوب از حضرت سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۲۱

(۲۰)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک عابد نے ستر سال تک اللہ عزوجل کی عبادت کی، پھر وہ ایک گناہ میں مبتلا ہوگیا تو اللہ پاک نے اس کے تمام اعمال ضائع کردیئے۔ کچھ دنوں بعد اسے ایک ایسی بیماری لاحق ہوگئی جس کے باعث وہ چلنے پھرنے سے معذور ہوگیا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ ایک شخص روٹیاں تقسیم کررہا ہے، کوشش کرکے اس نے بھی ایک روٹی حاصل کرلی۔ ابھی اس نے روٹی کھانا شروع بھی نہ کی تھی کہ اسے ایک مسکین نظر آیا، چنانچہ اس نے وہ روٹی اس مسکین کو دے دی اور خود بھوکا ہی رہا۔ اللہ پاک کی بارگاہ میں اس کا یہ عمل ایسا مقبول ہوا کہ اس کی مغفرت کردی گئی اور اسے ستر سالہ عبادت کا ثواب بھی لوٹا دیا گیا[1]۔

(۲۱)۔ حضرت امام حسنؓ ایک روز کوفہ میں اپنے مکان کے باہر تشریف فرما تھے کہ ایک بدوی آیا اور اس نے آتے ہی آپؓ کے والدین کے بارے میں بازیبا کلمات کہنے شروع کردیئے۔ آپؓ نے صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس بدوی سے پوچھا: اے اعرابی! کیا تجھے بھوک لگی ہے یا پیاس یا تجھے کوئی اور تکلیف پہنچی ہے؟ اس کے باوجود وہ اعرابی آپؓ کو یہی کہتا رہا کہ تمہارے والدین ایسے ایسے تھے (نعوذ باللہ من ذلک)۔ حضرت حسنؓ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ گھر سے اشرفیوں کا تھیلا لاکر اس بدوی کو دے دو۔ اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ برادر! مجھے معاف کیجیے گا کہ گھر میں اس کے سوا کوئی مال موجود نہ تھا ورنہ وہ بھی آپ کی نظر کردیتا۔ بدوی نے یہ سنا تو فوراً مسلمان ہوگیا[2]۔

(۲۲)۔ حضرت سیدنا احمد بن ناصح المصیصیؒ فرماتے ہیں کہ ایک غریب شخص بہت عبادت گزار اور کثیر العیال تھا۔ گھر کا خرچ اس طرح چلتا تھا کہ گھر والے اون کی رسیاں بناتے اور وہ انہیں فروخت کرکے کھانے پینے کا سامان خرید لاتا، جتنا مل جاتا اسی کو کھا کر اللہ پاک کا شکر ادا کرتے۔

حسبِ معمول ایک مرتبہ وہ نیک شخص اون کی رسیاں بیچنے بازار گیا۔ جب رسیاں بک گئیں تو وہ گھر والوں کے لیے کھانے کا سامان خریدنے لگا۔ اتنے میں اس کا ایک دوست اس کے پاس آیا اور کہا کہ میں سخت حاجت مند ہوں، مجھے کچھ رقم دے دو۔ اس رحم دل عبادت گزار شخص نے وہ ساری رقم اس غریب حاجت مند سائل کو دے دی اور خود خالی ہاتھ گھر لوٹ آیا۔

جب گھر والوں نے پوچھا کہ کھانا کہاں ہے تو اس نے جواب دیا، مجھ سے ایک حاجت مند نے سوال کیا وہ ہم سے زیادہ حاجت مند تھا لہٰذا میں نے وہ ساری رقم اس کو دے دی۔ گھر والوں نے کہا کہ اب ہم کیا کھائیں گے ہمارے پاس تو گھر میں کچھ بھی نہیں۔ اس نیک شخص نے گھر میں نظر دوڑائی تو اسے ایک ٹوٹا ہوا پیالہ اور گھڑا نظر آیا۔ اس نے وہ دونوں چیزیں لیں اور بازار کی طرف چل دیا کہ انہیں بیچ کر کچھ کھانے پینے کا بندوبست کیا جاسکے۔

چنانچہ وہ بازار پہنچا لیکن کسی نے بھی اس سے وہ ٹوٹا ہوا پیالہ اور گھڑا نہ خریدا۔ اتنے میں ایک شخص گزرا جس کے پاس ایک پرانی مچھلی تھی۔ مچھلی والے نے کہا، تو میرا خراب مال اپنے خراب مال کے بدلے خرید لے۔ پس اس نیک دل آدمی نے وہ

---

[1] ۔عیون الحکایات از امام عبدالرحمٰن ابن جوزی۔ حکایت نمبر ۱۱، صفحہ نمبر ۴۸

[2] ۔کشف المحجوب از سید علی ہجویریؒ۔ صفحہ نمبر ۱۳۲

مچھلی اس ٹوٹے ہوئے پیالے کے بدلے خرید لی۔

جب گھر والوں نے اس پرانی مچھلی کو دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم اس بے کار مچھلی کا کیا کریں گے؟ اس عابد شخص نے کہا کہ تم اسے ہی بھون لو، ہم اسے ہی کھا لیں گے۔ اللہ عزوجل کی ذات سے امید ہے کہ وہ مجھے رزق ضرور عطا کرے گا۔ چنانچہ گھر والوں نے مچھلی کو کاٹنا شروع کیا۔ جب اس کا پیٹ چاک کیا تو اس کے اندر سے ایک نہایت قیمتی موتی نکلا۔ گھر والوں نے عابد کو خبر دی۔ اس نے کہا کہ دیکھو اس موتی میں سوراخ ہے یا نہیں۔ اگر سوراخ ہے تو یہ کسی کا استعمال شدہ موتی ہے اور ہمارے پاس امانت ہے۔ اگر اس میں سوراخ نہیں تو پھر یہ رزق ہے جسے اللہ رب العزت نے ہمارے لیے بھیجا ہے۔ جب موتی کو دیکھا گیا تو اس میں سوراخ نہیں تھا۔ ان سب نے اس پر اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا۔

اگلی صبح وہ عابد شخص اس موتی کو لے کر جوہری کے پاس گیا اور اس سے اس موتی کی قیمت پوچھی؟ بالآخر اس نے موتی کو ستر ہزار درہم کے عوض بیچ دیا۔ جب وہ عابد رقم لے کر واپس گھر پہنچا تو ایک سائل آیا اور اس نے کچھ مال کا سوال کیا؟ تو اس نیک شخص نے کہا کہ ہم بھی کل تک تمہاری طرح محتاج اور غریب تھے، یہ لو تم اس میں سے آدھا مال لے جاؤ۔ پھر اس نے مال تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر اس سائل نے کہا کہ اللہ عزوجل تمہیں برکتیں عطا فرمائے، میں تو اللہ عزوجل کا ایک فرشتہ ہوں، مجھے تمہاری آزمائش کے لیے بھیجا گیا تھا[1]۔

---

[1]۔ عیون الحکایات از امام عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ۔ حکایت نمبر ۱۰۱، صفحہ نمبر ۲۱۲

۱۱

مقامِ اخلاص

ا۔ اخلاص کا مفہوم

(۱)۔ اخلاص کا معنی صاف اور ملاوٹ کے زائل ہو جانے کے ہیں۔ دل کو اللہ پاک کے علاوہ ہر شے سے پاک کر لینا اخلاص ہے۔ انسان زندگی میں جو بھی عمل کرے اور جس سطح کی اور جس شکل کی بھی عبادت کرے، اس کا دل اس عمل اور عبادت میں اس بات پر مطمئن ہو کہ میں یہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کر رہا ہوں۔ اپنے دل کو ہر قسم کی نفسانی، ظاہری و باطنی خواہشات سے پاک کرنے اور اپنی بندگی کو دنیا کے مفاد سے ہٹا کر صرف اللہ کی رضا میں خود کو گم کر دینا اخلاص کہلاتا ہے۔

(۲)۔ جب بندے کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ صرف اللہ پاک کی بندگی کرنے سے قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے اور اخروی ثواب ملتا ہے، تو اس سے انسان کے اعمال میں اخلاص پیدا ہونے لگتا ہے۔

(۳)۔ اخلاص یہ ہے کہ انسان کی تمام عبادات کا مقصود اللہ پاک کی رضامندی ہو نہ کہ مال کا حصول، ریاست و سرداری کی طلب، جاہ ومنصب کی خواہش، عزت ووجاہت کی آرزو، ہمعصروں پر فوقیت، لوگوں کے نزدیک تعریف وستائش، لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنا، خدمت کی تمنا، ہدیہ وتحفہ کی طمع، شہرت کی طلبو غیرہ۔

(۴)۔ اخلاص تمام اعمال کی روح ہے اور وہ عمل جس میں اخلاص نہ ہو اس جسم کی مانند ہے جس میں روح نہ ہو۔ اخلاص عبادات واعمال میں روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسان کا بنیادی مطمع نظر یہی ہونا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرے اور یہی اخلاص ہے۔ انسان کے اعمال کی قبولیت اور اس پر اجر وثواب کے حصول کے لیے کثرت اعمال کی بجائے نیت کا اخلاص ضروری ہے۔

(۵)۔ ہر وہ فعل اور عمل جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں اور راضی ہوتے ہیں خواہ ظاہر ہو یا باطن وہ عبادت ہے اور ہر عبادت میں اخلاص وللّٰہیت لازم ہے، اگر چہ عمل تھوڑا اور دشوار ہو۔ اخلاص تمام عبادات میں مطلوب ہے۔ خواہ عبادت ہو، صلہ رحمی ہو یا والدین کے ساتھ حسن سلوک۔ حتیٰ کہ معاملات میں بھی جیسے بیع وشرا میں سچ گوئی، بیوی کے ساتھ حسن معاشرت وغیرہ۔

(۶)۔ اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے اقوال، افعال، نیتوں اور ارادوں میں خلوص کے ساتھ اللہ کا ہو جائے۔ یہی وہ دین ابراہیمی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے اور یہی حقیقت اسلام ہے۔

(۷)۔ حاصل کلام یہ ہے کہ انسان کا اپنے تمام اعمال میں اپنی طرف سے صرف اللہ تعالیٰ کے تقرب ورضا کی نیت رکھنا اور مخلوق کی خوشنودی ورضامندی یا اپنی کسی نفسانی خواہش کو اپنی نیت میں نہ ملنے دینا اخلاص ہے۔

(۸)۔ اخلاص کا متضاد ریاکاری ہے۔ جب تک ریاکاری کا مفہوم انسان کے ذہن میں نہ ہو اس وقت تک اخلاص نیت کو اچھی طرح نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس لیے ریاکاری کو صحیح طور پر سمجھ لینا چاہیے۔ ریاکاری دراصل یہ ہے کہ انسان عبادات میں اللہ پاک سے بالکل غافل ہو کر مخلوق کی نگاہ میں اچھا اور بڑا بننے کی کوشش کرے۔ دوسرے لفظوں میں انسان کا اعمال خالق کی خوشنودی کی بجائے مخلوق کو خوش کرنے کے لیے سرانجام دینا ریاکاری کہلاتا ہے۔

2

۲۔ اخلاص قرآن کی روشنی میں

اللہ عزوجل نے اپنی پاک کتاب میں بار بار اخلاص اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔حسب ذیل آیات قرآنی اس بات کی شاہد ہیں:

(۱)۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ [1]

(مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو وعدہ انہوں نے خدا سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔ تاکہ خدا سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور منافقوں کو چاہے تو عذاب دے یا تو ان پر مہربانی کرے، بیشک خدا بخشنے والا مہربان ہے)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ

(i)۔ مومنین میں کچھ لوگ اللہ عزوجل سے محبت رکھتے ہیں۔اس کی مکمل اطاعت کرتے ہیں اور اس سے کیے گئے وعدے پورے کرتے ہیں۔

(ii)۔ کچھ مومنین اس سلسلے میں کچھ سستی بھی کرتے ہیں۔اللہ عزوجل سے ان کا تعلق کچھ کمزور ہوتا ہے۔وہ اللہ عزوجل کی اطاعت میں کچھ کوتاہی کرتے ہیں۔

(iii)۔ کچھ لوگ اللہ کی محبت میں، اللہ عزوجل کی راہ میں کوشش کرتے کرتے فوت ہو جاتے ہیں۔ان کی زندگی حق کے لیے صرف ہو جاتی ہے۔وہ اپنا وعدہ پورا کر دکھاتے ہیں۔

(iv)۔ کچھ ایسے مومنین ہیں جو ابھی بھی حق کے لیے شب و روز کوشش کر رہے ہیں۔جان اور مال لگا رہے ہیں اور اس امید پر ہیں کہ وہ اپنی پوری زندگی اللہ کی راہ میں لگا کر اپنے حقیقی مالک سے جلد جا ملیں گے اور اپنے آقا سے اپنی غلامی کا وعدہ پورا کر کے دکھائیں گے۔

(v)۔ اللہ عزوجل ان مومنین کی اس پاک زندگی کا ضرور بدلہ دے گا۔ان سے اس دنیا میں اور آخرت میں خوش ہوگا۔ان کو فلاح عطا کرے گا۔غم و تکلیف سے دور رکھے گا۔ان کو سلامتی عطا کرے گا۔ان کے کسی بھی عمل کو ضائع نہیں کرے گا۔

(vi)۔ سچے مومن کی زندگی خیر ہی خیر ہے، اس کے لئے ناکامی و نامرادی کسی بھی حالت میں نہیں ہو سکتی۔وہ زندہ رہتا ہے تو خیر و برکت والی زندگی گزارتا ہے اور مرتا ہے تو اجر و ثواب کی دولت کے ساتھ مرتا ہے۔جبکہ ایمان و یقین کی دولت سے محرومی ہر خیر سے محرومی کا پیش خیمہ ہے اور خسارہ ہی خسارہ ہے۔اس دنیا میں بھی خسارہ ہے، آخرت میں بھی خسارہ

ا۔سورۃ الاحزاب: آیت: ۲۳-۲۴

ہے۔گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔خسارہ ہی خسارہ ہے۔

(۲)۔ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ [1]

(کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک مرد کو حکم بھیجا کہ لوگوں کو ڈراؤ اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے پروردگار کے ہاں ان کا سچا درجہ ہے)۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلوص نیت والے لوگ دو کام کرتے ہیں:

(i)۔ اللہ کی مخلوق کو اللہ سے ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔انہیں خدا پاک کا تعارف کراتے ہیں۔اللہ عزوجل پر ایمان نہ لانے کے برے نتائج سے آگاہ کرتے ہیں۔

(ii)۔ مومنین کو خوشخبریاں دیتے ہیں کہ ان کا اللہ پر ایمان لانا اور اعمال صالحہ کرنا ان کے لیے بہت زیادہ نفع کا باعث ہے۔ ان کو یہاں سکون وامن ملے گا، برکت ملے گی اور آخرت میں جنت عطا ہوگی، جہاں دنیا کی ہر نعمت عطا ہوگی اور من چاہی زندگی ہوگی اور یہ کہ ان کا اللہ عزوجل کے ہاں بہت اعلیٰ مقام ہوگا۔

(۳)۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ [2]

(وہ مال ان غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال باہر کیے گئے ہیں۔یہ لوگ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی حمایت پر کمربستہ رہتے ہیں، یہی سچے لوگ ہیں)۔

اس آیت کریمہ سے مخلصین کی یہ صفات معلوم ہوتی ہیں:

(i)۔ وہ مقام فقر پر فائز ہوتے ہیں۔اپنا مال و دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

(ii)۔ وہ اللہ پاک کے راستے میں مہاجر بنتے ہیں۔اگر کسی ایک مقام پر اللہ و رسول علیہ السلام کی اطاعت ممکن نہ ہو تو وہ اس علاقے سے ہجرت کر جاتے ہیں اور اگر ضرورت پڑے تو وہ اپنا وطن چھوڑ کر دور دراز علاقوں میں اللہ کے دین کی دعوت کے لیے تشریف لے جاتے ہیں۔اسی لیے ہمیں صحابہ اکرام رضوان اللہ اجمعین اور اولیاء کرامؒ کی قبریں اپنے آبائی وطنوں سے بہت دور ملتی ہیں جہاں وہ اللہ پاک کے دین کے لیے ہجرت کر کے گئے اور وہاں اپنی پوری زندگیاں صرف کر دیں اور فوت ہو کر دیارِ غیر میں دفن ہو گئے۔

(iii)۔ وہ اپنے وطن سے اس لیے نکال دیئے گئے کہ وہ اللہ کا نام لیتے تھے۔ان کے لیے اپنے گھر میں زندگی تنگ کر دی

۱۔سورۃ یونس: آیت:۲

۲۔سورۃ الحشر: آیت:۸

2

گئی اور وہ اپنا دین اور جان بچا کر اپنے وطن سے ہجرت کر کے کہیں دور جا بسے۔ ہجرت حبشہ اور ہجرتِ مدینہ اس کی واضح مثالیں ہیں۔

(iv)۔ جب وہ وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں تو اپنا مال و دولت بھی پیچھے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے۔

(v)۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے ہر عمل سے اللہ عزوجل کا فضل اور خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا کوئی اور مقصود نہیں ہوتا۔ نہ تو وہ مال و دولت چاہتے ہیں، نہ ہی شہرت اور نہ ہی کوئی دنیاوی عہدہ۔ وہ صرف اور صرف اللہ پاک کی رضا چاہتے ہیں۔ وہ اللہ سے خوش اور اللہ ان سے خوش ہوتا ہے۔

(vi)۔ وہ صرف دین کے لیے جیتے ہیں اور ہر لحہ اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کی مدد کے لیے تیار رہتے ہیں۔ دین کے ہر کام کے لیے تیار رہتے ہیں۔ دن ہو یا رات، صبح و یا شام، سردی ہو گرمی۔ وہ ان مشکلات سے بے نیاز ہو کر ہر گھڑی اور ہر پل بے چین رہتے ہیں کہ کہیں انہیں دین کی نصرت کا موقع ملے اور وہ اپنی جان و مال وسہولت اس کے لیے خرچ کریں۔

(۴)۔ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ [۱]

(اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ کام آئے گا، ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ ان سے اللہ راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے، یہی بڑی کامیابی ہے)

اس آیت شریفہ میں بتایا گیا ہے کہ:

(i)۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی کام دے گی اور وہ اس کا اجر پائیں گے۔ ان کے لئے ان کے صدق وصفا کے بدلے میں جنت کی ایسی بے مثال کامیابی اور دائمی نعمتوں سے سرفرازی ہوگی، جس کا اس دنیا میں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

(ii)۔ جو لوگ زندگی بھر حق وصدق کی راہ پر رہے ہوں گے، وہ اس روز اپنی اس سچائی کا پھل ابدی کامیابی کی صورت میں پائیں گے۔ حساب وکتاب اور عدل وانصاف کا وہ دن سچوں اور راست بازوں کے لئے کامیابیوں اور خواہشات کے پورا ہونے کا دن ہوگا۔

(iii)۔ اصل اور حقیقی کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے جو کہ حقیقی، ابدی اور دائمی کامیابی ہوگی۔ اس جیسی اور کوئی کامیابی ممکن ہی نہیں۔ جن کو یہ سب سے بڑی کامیابی نصیب ہوگی وہی حقیقی معنوں میں کامیاب لوگ ہوں گے۔ یہی وہ حقیقی کامیابی ہے جسے انسان کو ہر وقت اور ہر حال میں پیشِ نظر رکھنا چاہیے اور اسی کے لئے کوشش اور محنت کرنی چاہیے۔

(iv)۔ اس دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے ہمیشہ کے لیے راضی ہو جائے گا اور مومنین اللہ تعالیٰ سے خوش ہوں گے۔ جیسا کہ

۱۔ سورۃ المائدہ: آیت: ۱۱۹

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا کہ اے جنت والو! جنتی جواب دیں گے ہم حاضر ہیں اے ہمارے پروردگار! تیری سعادت حاصل کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا، کیا اب تم لوگ خوش ہوئے؟ وہ کہیں گے اب بھی بھلا ہم راضی نہ ہوں گے کیونکہ اب تو تو نے ہمیں وہ سب کچھ دے دیا، جو اپنی مخلوق کے کسی آدمی کو نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہیں اس سے بھی بہتر چیز دوں گا۔ جنتی کہیں گے، اے رب! اس سے بہتر اور کیا چیز ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا! کہ اب میں تمہارے لیے اپنی رضامندی کو ہمیشہ کے لیے دائمی کر دوں گا، یعنی اس کے بعد کبھی تم پر ناراض نہیں ہوں گا[1]۔

(۵)۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ‌ؕ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ[2]

(دوسری طرف انسانوں ہی میں کوئی ایسا بھی ہے، جو رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتا ہے اور ایسے بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے)

اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ مومنین میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کا اصل مقصد اور نصب العین رضاء خداوندی کا حصول اور خلق خداوندی کی حقیقی خیر خواہی ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اپنے رب کی رضا کے لئے اپنی جانوں کا بھی سودا کر دیتے ہیں۔ ایسے بندوں کو خداوند کریم ضرور اپنی خاص عنایات سے نوازے گا کہ وہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔

(۶)۔ قُلۡ اِنَّ صَلَاتِىۡ وَنُسُكِىۡ وَمَحۡيَاىَ وَمَمَاتِىۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ[3]

(کہہ دو بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے)

اس آیت کریمہ میں توحید خالص کا نمونہ پیش کیا گیا ہے جس پر تمام انبیاء علیہ السلام اور اکابرین امت عمل پیرا تھے اور جس کا تقاضا یہ ہے کہ مومن کی تمام بدنی عبادات بھی اللہ کے لیے ہیں اور مالی عبادات بھی اللہ عزوجل کے لیے ہیں۔ اس آیت میں سب سے پہلے نماز کا ذکر کیا، کیونکہ وہ تمام اعمالِ صالحہ کی روح اور دین کا بنیادی ستون ہے۔ اس کے بعد تمام اعمال و عبادات کا اجمالی ذکر فرمایا، اور پھر اس سے ترقی کر کے پوری زندگی کے اعمال و احوال کا ذکر کیا اور آخر میں موت کا۔ ان سب کا ذکر کر کے فرمایا کہ ہماری یہ سب چیزیں صرف اللہ رب العالمین کے لئے ہیں، جس کا کوئی شریک نہیں۔ یہی ایمان کامل اور اخلاص کامل کا نتیجہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کے ہر حال میں اور ہر کام میں اس کو پیش نظر رکھے کہ میرا اور تمام جہان کا ایک رب ہے۔ میں اس کا بندہ ہوں اور ہر وقت اس کی نظر میں ہوں۔ میرا قلب، دماغ، آنکھ، کان، زبان اور ہاتھ پیر، قلم اور قدم اس کی مرضی

۱۔ صحیح بخاری۔ رقم: ۶۵۴۹

۲۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۰۷

۳۔ سورۃ انعام: آیت: ۱۶۲

کے خلاف نہ اٹھنا چاہیے۔ یہ وہ مراقبہ ہے کہ اگر انسان اس کو اپنے دل دماغ میں بٹھالے تو صحیح معنی میں کامل انسان ہو جائے اور گناہ و معصیت اور جرائم کا اس کے آس پاس بھی گزر نہ ہو۔

(۷)۔ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ [1]

(اے محمد ﷺ، ان سے کہو، میرے رب نے تو راستی اور انصاف کا حکم دیا ہے اور اس کا حکم تو یہ ہے کہ ہر عبادت میں اپنا رخ ٹھیک رکھو اور اسی کو پکارو، اپنے دین کو اس کے لیے خالص رکھو)

اس آیت کریمہ میں

(i)۔ انسان کو سچ بولنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(ii)۔ انسان کو انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(iii)۔ خلوصِ نیت سے اللہ عزوجل کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(iv)۔ انسان کو نیکیوں اور برائیوں کا پورا پورا بدلہ دیا جائے۔

(۸)۔ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ [2]

(بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے ایک مسجد بنائی اس غرض کے لیے کہ دعوتِ حق کو نقصان پہنچائیں اور خدا کی بندگی کرنے کے بجائے کفر کریں، اور اہل ایمان میں پھوٹ ڈالیں، اور اس بظاہر عبادت گاہ کو اس شخص کے لیے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے خدا اور اس کے رسول کے خلاف برسرِ پیکار ہو چکا ہے۔ وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کے سوا دوسری چیز کا نہ تھا۔ مگر اللہ گواہ ہے وہ قطعی جھوٹے ہیں)

کچھ لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے مسجد ضرار بنائی تھی۔ اس غرض کے لیے کہ دعوتِ حق کو نقصان پہنچائیں، اور خدا کی بندگی کرنے کے بجائے کفر کریں، اور اہل ایمان میں پھوٹ ڈالیں، اور اس بظاہر عبادت گاہ کو اس شخص کے لیے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے خدا اور اس کے رسول کے خلاف برسرِ پیکار ہو چکا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس مسجد کو مسمار کر دیا۔

اس واقعہ سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ اصل نیکی، نیت کا خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے ہونا ہے۔ خواہ انسان کوئی بھی کام کرے وہ اس وقت تک نیکی کے زمرے میں نہیں آئے گا جب تک اس کام کے کرنے والی کی نیت درست نہ ہو۔ مسجد بنانا جو کہ بظاہر ایک نیکی کا کام ہے اگر اس کے بنانے میں بھی نیت درست نہ ہو تو یہ بھی نیکی نہیں بلکہ برائی شمار ہو گی۔

ا۔ سورۃ اعراف: آیت: ۲۹

۲۔ سورۃ التوبہ: آیت: ۱۰۷

(۹)۔ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ [۱]

(کیا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا متلاشی ہے اس شخص جیسا ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی لے کر لوٹتا ہے اور جس کی جگہ جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے؟)

اس آیت مبارکہ میں دو قسم کے کرداروں کا موازنہ کیا جارہا ہے:

(i)۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب

(ii)۔ اس کے غضب کا سزاوار

دونوں کردار کے حامل انسان ہرگز برابر نہیں ہوسکتے۔ جو انسان سراپا سمع واطاعت ہے اور اس کے ہر کام کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی رضا کارفرما ہوتی ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین درجات، اعلیٰ مقامات اور ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ جو کفر اور نافرمانی میں آگے ہی بڑھتا چلا جائے اور آخر دم تک اللہ تعالیٰ کی بغاوت میں ہی سرگرم عمل رہے، اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ پس یہ اہل رضا اور اہل ریا اپنے انجام کے حوالے سے کبھی بھی برابر نہیں ہوسکتے۔

اس آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے:

(i)۔ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والے اور اللہ کی ناراضگی مول لینے والے برابر نہیں ہوسکتے۔

(ii)۔ اللہ کی رضا چاہنے والے اور ریاکار کبھی بھی برابر نہیں ہوسکتے۔

(iii)۔ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والوں کے لیے بڑے درجات ہیں۔

(iv)۔ اللہ پاک کی رضا چاہنے والوں سے اللہ عزوجل خوش ہوتا ہے۔

(v)۔ ریاکاری سے اللہ پاک ناراض ہوتا ہے۔

(vi)۔ اہل ریا کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

(vii)۔ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا جہنم میں جائے گا۔

(viii)۔ اللہ عزوجل کو خوش کرنے والا جنت میں جائے گا۔

(ix)۔ مومن اور نافرمان برابر نہیں ہیں۔

(x)۔ جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہوسکتے۔

(۱۰)۔ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ [۲]

۱۔ سورۃ آلِ عمران: آیت: ۱۶۲

۲۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۶۵

2

(اوران لوگوں کی مثال جواپنا مال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور دل کی تسکین ویقین کے لیے خرچ کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی زمین پر ہو، اس پر زوردار بارش برسے تو وہ دوگنا پھل دے اگر اس پر تیز بارش نہ بھی برسے تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے)

اس آیت مبارکہ میں ایسے لوگوں کی مثال دی گئی ہے جو اپنے مال کو اللہ پاک کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ اس کی مثال اس باغ جیسی ہے جو بلند اور ہموار زمین پر ہو۔ جس پر بارش نہ بھی ہو تو اسے شبنم ہی کفایت کرتی ہے۔

رضائے الٰہی کے لیے کیے جانے والے صدقہ میں اگر کوئی کمی و کمزوری رہ بھی جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی تلافی فرما دیتا ہے۔ کیونکہ صدقہ کرنے والا اس نیت کے ساتھ کر رہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ہی مال تھا جو میں نے اس کے کمزور بندوں پر خرچ کیا ہے، اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ ایسا شخص نمود و نمائش، احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے اجتناب کرتا ہے۔ اس کی نیت صرف اور صرف رضائے الٰہی کا حصول ہوتی ہے۔

پس اس آیت کریمہ سے ہمیں درج ذیل نکات سمجھ آتے ہیں:

(i)۔ اپنے مال کو صرف اللہ پاک کی رضا کے لیے خرچ کرنا چاہیے۔

(ii)۔ اپنے مال کو خوشی خوشی یقین کامل کے ساتھ خرچ کرنا چاہیے۔

(iii)۔ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے والا خسارہ نہیں اٹھاتا۔

(iv)۔ اللہ کی رضا کے متلاشیوں کا انجام بہترین ہوگا۔

(v)۔ اہل ایمان کے تمام اعمال ریاکاری اور دکھلاوے سے پاک ہوتے ہیں۔

(vi)۔ اہل رضا لوگوں کے شکریہ اور جزا سے بے نیاز ہوتے ہیں۔

(vii)۔ آخرت میں اجر صرف انہیں لوگوں کو دیا جائے گا جو اعمال خدا کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔

(viii)۔ اہل رضا کی بظاہر چھوٹی سی نیکی بھی ضائع نہیں ہوتی۔

(ix)۔ اہل رضا کے لیے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے۔

(x)۔ اہل رضا کی مثال اس شاداب باغ کی سی ہے جو ہر حال میں پھل دیتا ہے۔

(xi)۔ ریاکاری اور دکھلاوے سے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں۔ ایسے اعمال کا کوئی فائدہ نہیں۔

(۱۱)۔ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝۳۶ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۷ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۝۳۸ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۳۹ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۴۰ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۴۱ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۝۴۲ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۴۳ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ [1]

(اور کہتے تھے کیا ہم ایک شاعر اور مجنون کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ حالانکہ وہ حق لے کر آیا تھا اور اس نے پہلے رسولوں کی

[1] ۔سورۃ الصافات: آیت: ۳۶-۴۴

تصدیق کی تھی۔تم ضرور دردناک سزا کا مزا چکھنے والے ہو۔اور تمہیں جو سزا دی جارہی ہے وہ انہی اعمال کی ہے جو تم کرتے رہے ہو۔ اللہ کے مخلص بندے اس عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ان کے لیے طے شدہ رزق ہے۔میوے ہیں،ان کی پوری پوری عزت ہوگی۔ اور نعمت بھرے باغات ہیں۔وہ اونچی نشستوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے)

ان آیات مبارکہ میں اللہ عزوجل نے اہل اخلاص پر کیے جانے والے انعامات کا ذکر فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنے تمام اعمال میں اخلاص کو مدنظر رکھتے ہوئے ریاکاری سے بچتے رہیں گے، اللہ پاک ان کو بروز قیامت عذاب سے محفوظ رکھے گا اور جنت میں جگہ عطا فرمائے گا۔اس آیت مبارکہ میں حسب ذیل نکات کا ذکر فرمایا گیا ہے:

(i)۔ اہل اخلاص کو اللہ پاک عذاب جہنم سے محفوظ رکھے گا۔

(ii)۔ جنت میں داخل ہونے والے لوگ عقیدہ اور کردار کے اعتبار سے خالص اور مخلص ہوں گے۔

(iii)۔ جنتیوں کو بڑی تکریم کے ساتھ ان کی چاہت کے مطابق پھل اور میوہ جات پیش کیے جائیں گے۔

(iv)۔ اہل جنت ایک دوسرے کے سامنے صوفوں پر آرام فرما ہوں گے۔

(v)۔ اپنے پسندیدہ مشروبات جام نوش فرمائیں گے۔

(vi)۔ جنت کے مشروبات میں کسی بھی قسم کی تلخی یا نشہ نہیں پایا جائے گا۔

(vii)۔ اہل ریا کو اللہ پاک عذاب دے گا۔

(۱۲)۔ فَادعُوا اللهَ مُخلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَو كَرِهَ الكَافِرُونَ[۱]

(اللہ کو اس طرح پکارو کہ تمہاری تابعداری خالص اسی کے لیے ہو، چاہے کافروں کو کتنا برا لگے)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ انسان کے تمام اعمال میں نیت خالصتاً اللہ پاک کی رضا وخوشنودی کی ہونی چاہیے اور ریاکاری سے پاک ہونی چاہیں۔ہمیں ریاکاری، ظاہرداری اور خودنمائی سے بچتے رہنا چاہے۔اعمال کی انجام دہی میں لوگوں کی پسند اور غیر پسند کو نظرانداز کردینا چاہیے بلکہ اعمال اس لیے کرنے چاہییں کہ اللہ پاک کی رضا حاصل ہو اور اللہ پاک کے احکامات کو مدنظر رکھ کر ہر کام کرنا چاہیے۔

(۱۳)۔ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُم فِي البَرِّ وَالبَحرِ حَتّىٰ إِذَا كُنتُم فِي الفُلكِ وَجَرَينَ بِهِم بِرِيحٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ المَوجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُم أُحِيطَ بِهِم دَعَوُا اللهَ مُخلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِن أَنجَيتَنَا مِن هٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ[۲]

(وہی ہے جو تمھیں خشکی اور سمندر میں چلاتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ انھیں لے کر موافق ہوا کے ساتھ چل

۱۔سورۃ غافر: آیت:۱۴

۲۔سورۃ یونس آیت:۲۲

پڑتی ہیں اور وہ اس پر خوش ہوتے ہیں تو ان کشتیوں کے مخالف ہوا آجاتی ہے اور ان پر ہر مقام سے موجیں چھا جاتی ہیں اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یقیناً ان کو گھیر لیا گیا ہے، تو اللہ کو اس طرح پکارتے ہیں کہ ہر قسم کی عبادت اس کیلئے خالص کرنے والے ہوتے ہیں یقیناً اگر تو نے ہمیں اس سے نجات دے دی، تو ہم ضرور شکر کرنے والوں سے ہوں گے)

اس آیت مبارکہ میں تمثیلاً انسان کے عمومی رویے کو بیان کیا گیا ہے کہ جب اس پر مشکلات آتی ہیں تو وہ ریا کاری و ظاہری نمود و نمائش کو چھوڑ کر خالصتاً ایک خدائے عزوجل کو مدد کے لیے پکارنے لگتا ہے۔ اپنی تمام عبادات میں خلوص نیت کا خاص طور پر اہتمام کرتا ہے اور یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ ضرور بہ ضرور اللہ پاک کا شکر گزار بندہ بن کر زندگی گزارے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ خواہ مشکلات ہوں یا آسانیاں، ہمیں ہر حال میں ایک اللہ پاک ہی کی رضا و خوشنودی کے لیے تمام اعمال کو سرانجام دینا چاہیے اور ریا کاری اور دکھلاوے سے دور رہنا چاہیے۔

(۱۴)۔ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ[۱]

(جب کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس سے مانگتے ہیں)

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ:

(i)۔ مومن تنگی و کشادگی ہر حال میں خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتا ہے۔

(ii)۔ مشکلات میں تمام انسان مدد کے لیے خلوص نیت سے اللہ عزوجل کو ہی مدد کے پکارتے ہیں۔

(iii)۔ ہمیں ہر حال میں صرف ایک اللہ کو پکارنا چاہیے۔

(۱۵)۔ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ[۲]

(اور انہیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ یکسو ہو کر اور اطاعت کی نیت سے اللہ کی عبادت کریں)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ تمام امتوں کو ایک ہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک اللہ عزوجل کی عبادت کریں، جو ہر قسم کے شرک اور ریا کاری سے پاک اور خالص اللہ کے لیے ہو۔ باطل پر چلنے والے تمام گروہوں سے ہٹ کر ایک اللہ کی طرف یکسو ہو جائیں۔ تمام عبادتوں کو صرف اللہ کے لیے خالص کرنا ہی اللہ کا صحیح دین ہے، جو آدمی کو اللہ کی رضا تک پہنچا دیتا ہے۔ اخلاص نیت اختیار کرنا اور نمود و نمائش اور ریا کاری سے بچنا انسان کے تمام اعمال کی بنیاد ہے۔

(۱۶)۔ قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ[۳]

(آپ فرما دیں کہ کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو جو ہمارا اور تمہارا رب ہے، ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور

۱۔ سورۃ العنکبوت: آیت: ۶۵

۲۔ سورۃ البینۃ: آیت: ۵

۳۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۱۳۹

تمہارے لیے تمہارے اعمال، ہم تو اسی کے لیے خالص ہو چکے ہیں)

اس آیت مبارکہ سے مندرجہ ذیل نکات سمجھ آتے ہیں:

(i)۔ ہم سب کا رب ایک اللہ ہے۔

(ii)۔ ہر کوئی اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔

(iii)۔ سچا مسلمان وہ ہے جو اپنے رب کے لیے مخلص ہو جائے۔

(iv)۔ مومن کی عبادات ریا کاری سے پاک ہوتی ہیں۔

(v)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اخلاص کا حکم دیا گیا ہے۔

(vi)۔ تمام امتوں کو اخلاص کا حکم دیا گیا تھا۔

(vii)۔ مخلص بندوں پر شیطان قابو نہیں پا سکتا۔

(۱۷)۔ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا[۱]

(ان کی اکثر سرگوشیاں خیر سے خالی ہیں۔ سوائے اس کے جو صدقہ یا نیک بات کا، یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے، جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کی نیت سے یہ کرے، اسے ہم یقیناً اجر عظیم عطا فرمائیں گے)

اس آیت پاک میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ:

(i)۔ ہمیں سرگوشیاں نہیں کرنی چاہیں۔

(ii)۔ صدقہ دینے کے بارے میں سرگوشی کی جا سکتی ہے۔

(iii)۔ کسی نیک کام میں سرگوشی کرنے کی اجازت ہے۔

(iv)۔ دوسروں کے درمیان صلح کروانے کے لیے سرگوشی سے کام لیا جا سکتا ہے۔

(v)۔ ہمیں ہر نیکی صرف اور صرف اللہ پاک کی رضا کے لیے کرنی چاہیے۔

(vi)۔ جو انسان بھی مندرجہ بالا کام اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے کرے گا اللہ پاک اسے اس کا اجر عطا فرمائیں گے۔

(vii)۔ ریا کاری اور دکھاوے کے لیے کی گئی کسی بھی نیکی کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔

(۱۸)۔ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ[۲]

(میں نے اپنا رخ یکسو ہو کر اس کی طرف پھیر لیا ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں سے نہیں)

۱۔ سورۃ النساء: آیت: ۱۱۴

۲۔ سورہ الانعام: آیت: ۷۹

2

اس آیت پاک میں اللہ عزوجل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان بیان فرمارہے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ اعلان کردیا تھا کہ میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف موڑ دیا ہے اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کردیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی اس پوری کائنات کی خالق و مالک ہے۔ جب کائنات کی تخلیق اور حکومت میں کوئی اس کا شریک نہیں، تو پھر اس کے حق بندگی میں کوئی اس کا شریک آخر کس طرح اور کیوں کر ہوسکتا ہے؟ پس میں ہر طرف سے یکسو ہو کر اسی کا ہوگیا ہوں۔ اور میرا ریاکاروں اور مشرکوں سے کسی بھی طرح کا کوئی لگاؤ نہیں۔

اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان کے بعد انہیں اپنا دوست کہا۔ دنیا کے تین بڑے مذاہب آپ علیہ السلام کو اپنا قائد مانتے ہیں۔ حج اور اس کے شعائر اس کی یاد دلاتے ہیں۔ ان کے اخلاص کے سبب اللہ عزوجل نے ان کو ہمیشہ کے لیے دنیا کی امامت عطا فرمائی۔

پس ہم سب کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول پر عمل پیرا ہونے اور اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کرنا چاہیے اور ریاکاری سے ہر صورت بچنا چاہیے۔ اس کے بدلے میں اللہ عزوجل ہمیں عزت عطا اور قبولیت عطا فرمائے گا۔

(۱۹)۔ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ [1]

(اور یہ کہ آپ اپنا چہرہ یکسو ہو کر اسی دین کی طرف سیدھا رکھیں اور مشرکوں سے ہرگز نہ ہونا)

اس آیت کریمہ میں ہمیں رب کی عبادت و بندگی کے لیے یکسوئی کا حکم دیا گیا ہے اور یہ فرمایا گیا ہے کہ ہمیں اپنے اعمال سرانجام دیتے وقت اللہ پاک کی رضا و خوشنودی کی نیت رکھنی چاہیے۔ ریاکاری سے بچنا چاہیے۔

(۲۰)۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ [2]

(اللہ کو ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے)

اس آیت پاک میں اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اصل قدر و قیمت صدق و اخلاص ہی کی ہے۔ لہٰذا جب صدق نیت کے ساتھ کسی جانور کو اللہ تعالیٰ کے نام پر اور اس کی رضا کیلئے قربان کیا جاتا ہے تو اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں ثابت ہوجاتا ہے ورنہ جانوروں کے گوشت اور ان کی کھالوں وغیرہ میں سے کوئی بھی چیز اللہ عزوجل کے یہاں نہیں پہنچتی۔ یہ سب کچھ یہیں رہ جاتا ہے۔ اس کے یہاں تو صرف انسان کی نیت اور ارادہ پہنچتا ہے۔ جن کے ایمان و عقیدے بھی درست اور پختہ ہوں اور وہ عمل و کردار کے لحاظ سے بھی صاف اور کھرے ہوں اور وہ صدق و اخلاص کی دولت سے بھی سرشار و مالا مال ہوں، وہی لوگ کامیاب ہیں۔

حقیقی کامیابی اہل اخلاص کو ہی ملتی ہے خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں کے بھی ہوں کہ ایسوں کو اپنے اخلاص اور کردار کی

۱۔ سورۃ یونس: آیت: ۱۰۵

۲۔ سورۃ الحج: آیت: ۳۷

بنا پر دارین کی سعادت نصیب ہوگی۔ اس سے ان کو دنیاوی زندگی میں خیر و برکت والی پاکیزہ زندگی نصیب ہوگی اور آخرت میں یہ جنت کی سدابہار نعمتوں سے ہوں گے۔

(۲۱)۔ خداعزوجل کی پاک کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ سچ بولنا انبیا علیہم السلام کی سنت ہے۔ انبیا علیہم السلام اور ان کے اصحاب سب کے سب صادق تھے۔ ہر امتی کو اپنے نبی علیہ السلام سے خصوصی محبت ہوتی ہے اور انسان کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ جس سے محبت کرتا ہے، اس کے ہر عمل کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لیے اللہ عزوجل نے بعض انبیا علیہم السلام کا نام لے کر یاد دہانی کروائی ہے کہ وہ تو صادق تھے۔ اگر تم واقعتاً ان سے سچی محبت کے دعویدار ہو تو ان کی پیروی کرو۔ خدا پاک نے جن انبیا علیہ السلام کا نام لے کر قرآن پاک میں ان کے صادق ہونے کی گواہی دی ہے ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

(i)۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا[۱]

(اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بیشک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے)

(ii)۔ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا[۲]

(ان کو اپنی رحمت سے نوازا اور ان کو سچی ناموری سے نوازا)

(iii)۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا[۳]

(اور کتاب میں اسمعیل کا بھی ذکر کرو وہ وعدہ کے سچے اور بھیجے ہوئے نبی تھے)

(iv)۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا[۴]

(اور کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کرو وہ بھی نہایت سچے نبی تھے)

(v)۔ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ[۵]

(ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ مخلص مسلمان تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے)

۳۔ اخلاص احادیث کی روشنی میں

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اخلاص کی اہمیت کو کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

(۱)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ ہر آدمی کو وہی ملے گا

۱۔ سورۃ مریم: آیت: ۴۱

۲۔ سورۃ مریم: آیت: ۵۰

۳۔ سورۃ مریم: آیت: ۵۴

۴۔ سورۃ مریم: آیت: ۵۶

۵۔ سورۃ آل عمران: آیت: ۶۷

جس کی وہ نیت کرے۔ جس آدمی نے اللہ ورسول کیلئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ ورسول کے لئے ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کمانے کی نیت سے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی ہو اس کی ہجرت انہی چیزوں کی طرف ہوگی[1]۔

(۲)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے دن جن کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا، وہ تین طرح کے لوگ ہوں گے، شہید، عالم اور سخی:

(i)۔ سب سے پہلے شہید کو لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر اپنے انعامات گنوائے گا، وہ ان سب کا اعتراف کرے گا۔ اللہ پاک پوچھے گا کہ پھر تو نے کیا عمل سرانجام دیا؟ وہ عرض کرے گا کہ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ میں شہید ہو گیا۔ اللہ فرمائے گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے اس لئے قتال کیا تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے، سو وہ کہا جا چکا۔ اس کے بعد حکم ہوگا اور اسے چہرے کے بل گھسیٹتے ہوئے لے جا کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(ii)۔ دوسرا وہ آدمی جس نے علم سیکھا اور سکھایا ہوگا اور قرآن پڑھ رکھا ہوگا، اسے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے اپنے انعامات شمار کروائے گا اور وہ ان سب کا اعتراف کرے گا۔ اللہ پوچھے گا کہ تو نے کیا عمل سرانجام دیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے علم حاصل کیا اور تیری رضا کے لئے دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کے لئے قرآن پڑھا۔ اللہ فرمائے گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے علم اس لئے حاصل کیا تھا کہ تجھے عالم کہا جائے، سو وہ کہا جا چکا اور تو نے قرآن اس لئے پڑھا تھا کہ تجھے قاری کہا جائے، سو وہ کہا جا چکا۔ اس کے بعد حکم ہوگا اور اسے بھی چہرے کے بل گھسیٹتے ہوئے لے جا کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(iii)۔ تیسرا وہ آدمی ہوگا جس پر اللہ نے کشادگی فرمائی اور اسے ہر قسم کا مال عطا فرمایا ہوگا، اسے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے اپنے انعامات شمار کروائے گا اور وہ ان سب کا اعتراف کرے گا۔ اللہ پوچھے گا کہ پھر تو نے ان میں کیا عمل سرانجام دیا؟ وہ عرض کرے گا کہ میں نے تیرے راستہ میں تیری رضا حاصل کرنے کے لیے مال خرچ کیا۔ اللہ فرمائے گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ تو نے یہ کام اس لئے کیا تھا کہ تجھے بڑا سخی کہا جائے، سو وہ کہا جا چکا۔ اس کے بعد حکم ہوگا اور اسے بھی چہرے کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں جھونک دیا جائے گا[2]۔

(۳)۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دین اخلاص ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کس کے ساتھ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ (اس کی عبادت کرے سچے دل سے نہ کہ ریا کاری کے ساتھ) اور اس کی کتاب کے ساتھ یقین رکھے (اس پر اخلاص کے ساتھ عمل کرے) اور اس کے رسول کے ساتھ یقین رکھے اور تمام مسلمانوں اور امام کے ساتھ[3]۔

۱۔ صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم: ۱

۲۔ صحیح مسلم۔ جلد سوم: رقم: ۴۲۶

۳۔ سنن نسائی۔ جلد سوم: رقم: ۵۰۶

(۴)۔ حضرت معقل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو آدمی مسلمانوں کا حکمران ہو اور پھر ان کی بھلائی کے لئے جدوجہد نہ کرے اور خلوص نیت سے ان کا خیر خواہ نہ ہو تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا[۱]۔

(۵)۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پیارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص فلاح یاب ہوا جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے نفاق کی آمیزش سے پاک کر کے ایمان کے لئے خالص کر دیا، اس کے دل کو بغض وحسد اور تمام برے کاموں و برے احوال اور دنیا کی محبت سے محفوظ رکھا، اس کی زبان کو سچا بنایا، اس کے نفس کو مطمئن کیا، اس کی طبیعت کو باطل کی طرف مائل اور افراط وتفرط میں مبتلا ہونے سے بچا کر سیدھا رکھا، اس کے کانوں کو سننے والا بنایا اور اس کی آنکھوں کو وحدانیت کے دلائل اور پروردگار کے نظام قدرت کا دیکھنے والا بنایا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ شخص فلاح یاب ہوا جس کے دل کو اللہ نے یا خود اس شخص نے اپنے دل کو محافظ بنایا[۲]۔

(۶)۔ حضرت سعید بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے وہ علم کہ جس سے اللہ تبارک تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے اس لئے سیکھا کہ اس کے ذریعہ اسے دنیا کا کچھ مال ومتاع مل جائے تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو کو بھی نہیں پا سکے گا[۳]۔

(۷)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بندہ کھلے طور پر سب کے سامنے نماز پڑھتا ہے اور خوبی کے ساتھ پڑھتا ہے اور جب پوشیدہ طور پر (یعنی تنہائی میں) پڑھتا ہے تو اس وقت بھی اسی خوبی کے ساتھ پڑھتا ہے جس خوبی کے ساتھ کہ سب کے سامنے پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا یہ بندہ صدق کا حامل ہے، اس کی طاعت وعبادت ریا کاری سے پاک ہے[۴]۔

(۸)۔ حضرت مہاجر بن حبیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں عقلمند کی ہر بات کو قبول نہیں کرتا بلکہ میں اس کے ارادہ کو اور اس کی محبت ونیت کو قبول کرتا ہوں۔ پس اگر اس کی نیت ومحبت میری فرمانبرداری کی ہوتی ہے تو میں اس کی خاموشی کو بھی اپنی حمد وثنا کے مترادف قرار دیتا ہوں اگر چہ وہ کوئی بات نہ کہے[۵]۔

(۹)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے ایمان کو اچھا بنالیتا ہے تو وہ جو بھی نیک عمل کرتا ہے اس کے اعمالنامہ میں اس جیسی دس سے لے کر سات سو تک نیکیوں کا اجر لکھا جاتا ہے اور وہ جو برا عمل کرتا

۱۔ صحیح مسلم۔ جلد اول: رقم: ۳۶۶
۲۔ مشکوۃ شریف۔ جلد چہارم: رقم: ۱۱۲۶
۳۔ سنن ابوداؤد۔ جلد سوم: رقم: ۲۷۲
۴۔ مشکوۃ شریف۔ جلد چہارم: رقم: ۱۲۵۸
۵۔ مشکوۃ شریف۔ جلد چہارم: رقم: ۱۲۶۷

2

ہےاس پراس کے نامہ اعمال میں اس ایک ہی عمل کا گناہ لکھا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ سے ملاقات کرے[1]۔

(۱۰)۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص ایک نیکی کرتا ہے اس کو اس جیسی دس نیکیوں کے برابر ثواب ملتا ہے اور اس سے بھی زیادہ دیتا ہوں جس کو چاہتا ہوں۔ اس کو اس کے اخلاص کے مطابق سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ ثواب دیتا ہوں۔ جو شخص کوئی برائی کرتا ہے تو اس کو اسی برائی کے برابر سزا ملتی ہے یا میں اسے بھی معاف کر دیتا ہوں۔ جو شخص اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعے ایک بالشت میری طرف آتا ہے تو میں ایک گز اس کی طرف آتا ہوں۔ جو شخص میری طرف ایک گز آتا ہے میں اس کی جانب دونوں ہاتھوں کے پھیلانے کے برابر بڑھتا ہوں۔ جو شخص میری طرف چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ جو شخص زمین کے برابر بھی گناہ لے کر مجھ سے ملے گا بشرطیکہ اس نے میرے ساتھ شریک نہ کیا ہو تو اگر میں چاہوں گا تو اس کو زمین کے برابر ہی مغفرت عطا کروں گا[2]۔

(۱۱)۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگوں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔ اس سے مقصد صرف اللہ کی رضا تھی۔ ہمارا اجر اللہ کے ذمہ رہا۔ ہم میں سے بعض لوگ ایسی حالت میں مرے کہ اجر کا کوئی حصہ نہ کھا سکے۔ انہی میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے اور ہم میں کتنے لوگ وہ ہیں جن کے لئے اس کا پھل پک گیا اور کھاتے ہیں۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جنگ احد کے دن شہید ہوئے تو ہمیں ان کے کفن کے لئے صرف ایک ایسی چادر ملی کہ ان کے سر کو ڈھانپا جاتا تو دونوں پاؤں کھل جاتے اور جب دونوں پاؤں چھپاتے تو ان کا سر کھل جاتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ان کے سر کو چھپائیں اور دونوں پاؤں پر اذخر (گھاس) ڈال دیں[3]۔

(۱۲)۔ حضرت ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے سال میری اس بیماری میں عیادت کی جو اس سال مجھے بہت زیادہ ہوگئی تھی۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے بیماری ہوگئی اور میں مالدار ہوں۔ میرے وارث سوائے میری بیٹی کے اور کوئی نہیں۔ کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ نہ کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ نصف؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تہائی اور تہائی بھی بڑی ہے۔ تو اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑے اس سے بہتر ہے کہ انہیں محتاج چھوڑے کہ لوگوں سے سوال کرتے پھریں۔ تم جو بھی اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہو اس پر تمہیں اجر دیا جائے گا، یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو اس پر بھی تمہیں اجر دیا جائے گا[4]۔

(۱۳)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بعض وقت بندہ اللہ کی رضا

۱۔ مشکوۃ شریف۔ جلد اول: رقم: ۴۰۰

۲۔ مشکوۃ شریف۔ جلد دوم: رقم: ۷۸۶

۳۔ صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم: ۱۲۲۲

۴۔ صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم: ۱۲۳۸

مندی کی بات کرتا ہے اوراس کی خبر بھی نہیں ہوتی لیکن اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند کرتا ہے اور بعض وقت بندہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی بات بولتا ہے اوراس کی پرواہ نہیں کرتا لیکن اس کے سبب سے وہ جہنم میں گرجاتا ہے[1]۔

(۱۴)۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تجھ پر اللہ کی رضا کے لئے سجدوں کی کثرت لازم ہے تو جب بھی کوئی سجدہ کرتا ہے تو اللہ اس سجدہ کے سبب سے تیرا ایک درجہ بڑھا دیتے ہیں اوراس کے ذریعہ تیری ایک خطا مٹا دیتے ہیں[2]۔

(۱۵)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ اگر کوئی آدمی شہرت یا پھر مزدوری کے لالچ میں کے لیے جہاد کرے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو کسی قسم کا ثواب نہ ملے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا مگر وہ عمل جو کہ خالص اسی کے واسطے ہو اوراس کے کرنے سے خالص اللہ کی رضا مقصود ہو اور مال دولت اور نام اور شہرت حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کی نیکی بیکار بلکہ باعث عذاب ہوگی[3]۔

(۱۶)۔ حضرت ابوکبشہ انماری رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تین چیزوں کے متعلق قسم کھاتا ہوں اورتم لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہوں تم لوگ یاد رکھنا:

(i)۔ کسی صدقہ یا خیرات کرنے والے کا مال صدقے یا خیرات سے کبھی کم نہیں ہوتا۔

(ii)۔ کوئی مظلوم ایسا نہیں کہ اس نے ظلم پر صبر کیا ہو اور اللہ تعالیٰ اس کی عزت نہ بڑھائیں۔

(iii)۔ جو شخص اپنے اوپر سوال کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے فقر ومحتاجی کا دروازہ کھول دیتے ہیں

(iv)۔ چوتھی بات یادرکھو کہ دنیا چار اقسام کے لوگوں پر مشتمل ہے:

(ا)۔ ایسا شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال اور علم دونوں دولتوں سے نوازا ہو اور وہ اس میں تقویٰ اختیار کرتا ہو، صلہ رحمی کرتا اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہو، یہ سب سے افضل ہے۔

(ب)۔ وہ شخص جسے علم تو عطا کیا گیا لیکن دولت سے نہیں نوازا گیا، چنانچہ وہ صدق دل کے ساتھ اپنی اس تمنا کا اظہار کرے کہ کاش میرے پاس دولت ہوتی جس سے میں فلاں شخص کی طرح عمل کرتا۔ ان دونوں شخصوں کے لیے برابر اجر وثواب ہے۔

(ج)۔ ایسا مالدار جو علم کی دولت سے محروم ہو اور اپنی دولت کو ناجائز جگہوں پر خرچ کرے، نہ اس کے کمانے میں خدا کے خوف کو ملحوظ رکھے اور نہ اس سے صلہ رحمی کرے اور نہ ہی اس کی زکوٰۃ وغیرہ ادا کرے یہ شخص سب سے بدتر ہے۔

(د)۔ ایسا شخص جس کے پاس نہ دولت ہے اور نہ علم لیکن اس کی تمنا ہے کہ کاش میرے پاس دولت ہوتی تو میں فلاں کی

۱۔ صحیح بخاری۔ جلد سوم: رقم: ۱۴۲۵

۲۔ صحیح مسلم۔ جلد اول: رقم: ۱۰۸۸

۳۔ صحیح بخاری۔ جلد سوم: رقم: ۱۳۷۱

2

طرح خرچ کرتا یہ شخص بھی اپنی نیت کا مسئول ہے اوران دونوں کا گناہ بھی برابر ہے[۱]۔

(۱۷)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب دومسلمان لڑتے ہیں اور ایک دوسرے کوقتل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جاتے ہیں۔صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قاتل کا جہنم میں جانا توسمجھ میں آتا ہے لیکن مقتول کیوں جہنم میں جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس لیے کہ اس نے بھی تو اپنے حریف کوقتل کرنے کا ارادہ کیا تھا[۲]۔

(۱۸)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے: تین باتوں پر مسلمانوں کے دل میں خیانت پیدانہیں ہوتی[۳]:

(i)۔ اللہ عزوجل کے لیے خالص عمل کرنا۔

(ii)۔ اپنے حکام کی خیرخواہی کرنا۔

(iii)۔ مسلمانوں کی جماعت کا ساتھ دینا۔

(۱۹)۔ حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک قیامت کے دن جب لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دے گا تو ریا کاروں سے فرمائے گا: دنیا میں جنہیں دکھانے کے لیے تم اعمال کیا کرتے تھے انہی کے پاس جاؤ، دیکھو ان کے پاس تمہیں بدلہ ملتا ہے[۴]۔

(۲۰)۔ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی سچے دل کے ساتھ اللہ عزوجل سے شہادت کی تمنا کرتا ہے اللہ عزوجل اس کو مقام شہدا تک پہنچا ہی دیتا ہے اگر چہ اس کو بستر پر ہی موت آئے[۵]۔

(۲۱)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کی سعادت سب سے زیادہ کون شخص حاصل کرے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) میرا خیال تھا کہ تم سے پہلے کوئی شخص مجھ سے اس بات کے متعلق سوال نہیں کرے گا۔اس سبب سے کہ میں نے تم کو حدیث پر بہت زیادہ حریص دیکھا۔قیامت کے دن میری شفاعت کا سب سے زیادہ حق حاصل کرنے والا وہ شخص ہوگا جس نے لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللّٰهُ خلوص دل سے کہا ہو[۶]۔

۱۔جامع ترمذی۔رقم:۲۱۴۲

۲۔مسند احمد۔جلد ہشتم:رقم:۱۳۷۵۰

۳۔مسند امام احمد۔رقم:۱۶۷۳۸

۴۔مسند امام احمد۔رقم:۲۳۶۳۰

۵۔سنن نسائی۔جلد دوم:رقم:۱۰۷۵

۶۔صحیح بخاری۔جلد سوم:رقم:۱۵۱۴

(۲۲)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: جب تم میت پر نماز پڑھوتو اس کے لئے خلوص دل سے مغفرت کی دعا کرو[۱]۔

(۲۳)۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وضو کرنے کا کس قدر اجر و ثواب ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم نے وضو کر لیا اور صاف کر کے تم نے دونوں ہاتھ دھوئے تو تمہارے تمام گناہ نکل (معاف ہو) گئے، تمہارے ناخنوں اور ہاتھ کے پوروں سے۔ پھر جب تم نے کلی کر لی اور ناک کے دونوں سوراخوں کو تم نے صاف کر لیا اور چہرہ اور ہاتھ دھوئے دونوں کہنیوں تک اور تم نے سر پر مسح کر لیا اور دونوں پاؤں دھوئے ٹخنوں تک، تو تم اکثر گناہوں سے نکل گئے۔ اب اگر تم نے رضائے الٰہی کے لیے اپنا چہرہ زمین پر رکھ لیا تو تم اپنے گناہوں سے اس طریقہ سے نکل گئے جیسے تم اس دن کے تھے کہ جس دن تمہاری ماں نے تم کو جنم دیا۔ یعنی جس دن تمہاری ولادت ہوئی[۲]۔

(۲۴)۔ حضرت عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس بندے نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے کہا، قیامت کے دن اس پر جہنم کی آگ حرام ہوگی[۳]۔

(۲۵)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے جس کو میں نے اس بندے کے دل میں رکھا ہے جس سے میں محبت کرتا ہوں[۴]۔

۴۔ اخلاص کے درجات

اخلاص نیت کے تین درجے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ اخلاص کا پہلا درجہ یہ ہے کہ کسی کام کے انجام دیتے وقت انسان کی نیت صرف اور صرف رضائے خداوندی ہو۔ مثلاً ہم نماز پڑھیں اور نیت یہ ہو کہ اللہ پاک ہم سے راضی ہوں گے، اس کے سوا اور کوئی نیت نہ ہو۔ اخلاص کا یہ درجہ غایت اخلاص کہلاتا ہے اور یہی مقصود اور مرتبہ کمال ہے۔

(۲)۔ اخلاص کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ کسی کام کے سرانجام دیتے وقت کچھ بھی نیت نہ ہو بلکہ یونہی معمول کے مطابق کام کر لیا جائے۔ یہ اخلاص کا دوسرا درجہ ہے۔ مثلاً معمول کے موافق نماز پڑھ لیں، نہ رضائے خداوندی کا خیال دل میں ہو اور نہ ہی دوسروں کو دکھانے کا۔ یہ درجہ بین بین ہے۔

۱۔ صحیح بخاری۔ جلد سوم: رقم: ۱۵۱۴

۲۔ صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم: ۱۲۳۸

۳۔ صحیح بخاری۔ جلد سوم: رقم: ۱۳۷۱

۴۔ مسند الفردوس بماثور الخطاب از الدیلمی۔ رقم: ۴۵۱۳؛ غنیۃ الطالبین از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ صفحہ نمبر ۵۵۴

اخلاص کا یہ درجہ کمال کا نہیں تو اخلاص کے منافی بھی نہیں۔ اس کو اخلاص سے قرب ضرور ہے۔ بعض دفعہ ہم کوئی کام کرتے ہیں اور نیت کوئی بھی نہیں ہوتی۔ جب کسی کام کی عادت ہو جاتی ہے تو وہ خود بخود صادر ہونے لگتا ہے، اس کے لیے بار بار ارادہ اور عزم نہیں کرنا پڑتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کام کرنے کی نیت بھی نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی خاص مقصد پر نظر نہیں ہوتی۔ تکرار کی وجہ سے عادت بن جاتی ہے۔

(۳)۔ اخلاص کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ انسان کسی کام کو سرانجام دیتے وقت دوسروں کو اپنا عمل دکھانے کی نیت کرے۔ دوسرے لفظوں میں یہ ریاکاری ہے، جس سے اللہ پاک نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ انسان نماز اس نیت سے پڑھے کہ ہمارے خشوع و خضوع کو دیکھ کر لوگ ہمارے معتقد ہو جائیں گے۔ اسے غایت اخلاص فاسدہ کہتے ہیں اور یہ اخلاص کے بالکل خلاف ہے۔

۵۔ اخلاص کے اعمال کی تفصیل

اخلاص کے حوالے سے اعمال کی بہت سی اقسام ہیں: جیسے فعل، قول، حرکت و سکون، فکر و ذکر وغیرہ۔ یہ قسمیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا لیکن بحیثیت مجموعی ان کی تین قسمیں کی جا سکتی ہیں: معاصی، طاعات اور مباحات۔ نیت کے اخلاص کی بنا پر ان تینوں اقسام میں جو تغیر واقع ہوتا ہے وہ حسب ذیل ہے:

(۱)۔ معاصی (گناہ کے کام)

نیت کے اخلاص سے گناہ کے اعمال میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ حضور نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد مبارک سے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے[۱]، یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اگر نیک نیتی کے ساتھ کوئی گناہ کیا جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہوگا یا پھر وہ گناہ نیکی میں تبدیل ہو جائے گا۔ اگر کوئی شخص ایسا سوچتا ہے تو یہ اس کی بہت بڑی غلطی ہے۔

مثلاً ایک شخص کی دل جوئی کے لیے کسی دوسرے کی غیبت کرنا یا کسی فقیر کو غیر کا مال دے دینا یا حرام مال سے مسجد، مدرسہ یا ہسپتال تعمیر کرانا اور یہ سمجھنا کہ میں اچھے کام کر رہا ہوں اور مجھے ان کاموں پر ثواب ملے گا۔ یہ سب باتیں جہالت ہیں۔ نیت سے کوئی ظلم انصاف میں نہیں بدلتا اور نہ حرام چیز حلال میں تبدیل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف اعمال پر خیر کی نیت کرنا غلطی ہے۔ شریعت ہمیں خیر و شر کا فرق بتلاتی ہے اور ان اعمال کی نشاندہی کرتی ہے جو خیر ہیں یا شر ہیں۔ نیکی اور گناہ میں بڑا فرق ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ شر خیر میں بدل جائے۔ جب انسان ظاہری شان و شوکت کا طالب ہوتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ لوگوں کے دل اپنی طرف مائل کرے تو شیطان اس موقع سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کے دل میں یہ خیال ڈال دیتا ہے کہ اگر نیت اچھی رکھی جائے تو برے اعمال بھی اچھے ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے حضرت سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل کی کوئی معصیت جہالت سے بڑھ کر نہیں ہے[۲]۔

۱۔ صحیح بخاری۔ جلد اول: رقم:۱

۲۔ احیاء العلوم الدین از امام ابو الحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد چہارم۔ صفحہ نمبر ۵۵۲

(۲)۔ طاعات

طاعات میں خلوص نیت کا تعلق دو باتوں سے ہے:(i)۔اصولِ صحت اور(ii)۔ثواب کی زیادتی

(i)۔ اصول صحت میں خلوص نیت کے معنی یہ ہیں کہ ہر عمل میں خالصتاً اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت کی جائے۔

(ii)۔ ثواب کی زیادتی کی صورت یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ اچھی نیتیں کی جائیں۔ایک عمل سے بہت سی نیتیں کی جاسکتی ہیں۔ہر نیت کا ثواب الگ الگ ملتا ہے۔کیونکہ ہر نیت بذات خود نیکی ہوتی ہے۔پھر ہر نیکی کا اجر دس گناہ ہوتا ہے۔ مثلاً مسجد میں بیٹھنا ایک عبادت ہے۔اس عبادت میں بہت سی نیتیں کی جاسکتی ہیں۔مثلاً

(ا)۔ مسجد اللہ عزوجل کا گھر ہے اور اس میں داخل ہونے والا اللہ تعالیٰ کا زائر ہے

(ب)۔ مسجد میں بیٹھنے سے زیارت الٰہی کی نیت

(ج)۔ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کی نیت

(د)۔ اعتکاف کی نیت وغیرہ

(۳)۔ مباحات

تمام مباحات کا نیت کے اخلاص سے گہرا تعلق ہے۔کوئی بھی مباح کام نیت کے درست ہونے سے ثواب کا حامل بن جاتا ہے اوراسی طرح نیت کے غلط ہونے سے گناہ کا موجب ہوجاتا ہے۔مثلاً اچھے اور صاف ستھرے کپڑے پہننا انسان کو پسند ہے۔اگر انسان اچھے کپڑے اس نیت سے پہنے کہ دوسروں پر اس کا رعب ہو،لوگ اس کی شان وشوکت سے مرعوب ہوں تو اس نیت کی بنا پر اس کا یہ عمل ریا بن جائے گا۔اگر اس کی نیت یہ ہو کہ اللہ پاک نے صاف ستھرے کپڑے پہننے کا حکم دیا ہے،تو انسان کا یہ عمل نیکی شمار ہوگا۔

اگر کوئی شخص بے نمازی کو اس نیت سے صدقہ دے کہ جب میں اس کو دوں گا تو یہ مجھ سے مانوس ہوجائے گا اور پھر اس کو نماز کے لیے ترغیب دے دوں گا تو اس کا اجر بھی بڑھ جائے گا۔اسی طرح دکان کھولنا،خوشبو لگانا،مکان بنانا وغیرہ، یہ سب کام مباح ہیں۔نہ ان کے کرنے میں کچھ گناہ ہے نہ ثواب۔لیکن اگر دکان اس نیت سے کھولی کہ اس کے ذریعے سے روپیہ کماؤں گا اور غربا اور مساکین کی مدد کروں گا،مسلمانوں کو ضروریات مہیا کروں گا اور اس کی وجہ سے مجھے دنیا والوں سے استغنا ہوجائے گا تو یہ سب کاروبارِ دنیا اخلاص کی وجہ سے عبادت بن جائے گی۔

۶۔ اخلاص کے ثمرات

اخلاص کے ثمرات عظیم اور بڑے فوائد ہیں۔ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(ا)۔ اہل اخلاص میں یہ تین باتیں پائی جاتی ہیں یعنی اللہ عزوجل صادق کو ان تین نعمتوں سے ضرور نوازتا ہے:

(i)۔ ان کی باتوں میں حلاوت پائی جاتی ہے۔

(ii)۔ دوسرے کے دل میں ان کا رعب ہوتا ہے۔

(iii)۔ ان کا چہرہ پر رونق ہوتا ہے۔

(۲)۔ اخلاص سے دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں ملتی ہیں۔

(۳)۔ اخلاص اعمال کی قبولیت کا سبب ہے، بشرطیکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی اتباع کی جائے۔

(۴)۔ اخلاص سے بندے کو اللہ عزوجل اور فرشتوں کی محبت حاصل ہوتی ہے۔

(۵)۔ اہل زمین کے دلوں میں اس کی مقبولیت لکھ دی جاتی ہے۔

(۶)۔ اخلاص تمام اعمال کی اساس اور روح ہے۔

(۷)۔ اخلاص سے تھوڑے عمل اور معمولی دعا پر بھی بیش بہا اجر ملتا ہے۔

(۸)۔ مخلص کا ہر عمل جس سے اللہ کی خوشنودی مقصود ہو، لکھا جاتا ہے خواہ وہ عمل مباح ہی ہو۔

(۹)۔ اخلاص والا بندہ جس عمل کی بھی نیت کرتا ہے اس کا ثواب لکھ لیا جاتا ہے اگرچہ وہ اسے سرانجام نہ دے سکے۔

(۱۰)۔ اخلاص کے سبب اللہ عزوجل انسانوں کی مدد فرماتا ہے۔

(۱۱)۔ اخلاص آخرت کے عذاب سے نجات دلاتا ہے۔

(۱۲)۔ اخلاص کے سبب اللہ عزوجل کے ہاں درجات میں بلندی حاصل ہوتی ہے۔

(۱۳)۔ اخلاص کے سبب گمراہی سے نجات ملتی ہے۔

(۱۴)۔ اخلاص ہدایت میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔

(۱۵)۔ اخلاص سے دل کو اطمینان اور نیک بختی کا احساس ہوتا ہے۔

(۱۶)۔ اخلاص سے انسان کے دل میں ایمان کی تزئین و آرائش ہوتی ہے۔

(۱۷)۔ مخلص لوگوں کی صحبت و ہم نشینی کی توفیق ملتی ہے۔

(۱۸)۔ اخلاص سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

(۱۹)۔ اخلاص سے حسن خاتمہ نصیب ہوتا ہے۔

(۲۰)۔ صدق و اخلاص سے جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات عطا ہوتی ہے۔

۷۔ اخلاص کے بارے میں اقوال

اخلاص کے بارے میں صوفیائے اکرامؒ سے بہت مفید اقوال منسوب ہیں:

(۱)۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے کہ بندہ اپنے دین اور عمل کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کر دے، اپنے

دین میں کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرائے اور نہ کسی کو دکھانے کے لیے عمل کرے[1]۔

(۲)۔ حضرت رویمؒ فرماتے ہیں: اخلاص عمل سے ریا کاری کو ختم کر دینے کا نام ہے[2]۔

(۳)۔ حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص وہ چیز ہے جس سے حق و صداقت مقصود ہو[3]۔

(۴)۔ حضرت حذیفہ مرعشیؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے کہ انسان کے ظاہری و باطنی اعمال ایک جیسے ہوں[4]۔

(۵)۔ حضرت ابویعقوب مکفوفؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے کہ انسان جس طرح چاہتا ہے کہ اس کے گناہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہیں اسی طرح اس بات کو بھی پسند کرے کہ اس کی نیکیاں بھی دوسروں کی نظر سے پوشیدہ رہیں[5]۔

(۶)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص صرف صداقت اور اس پر صبر کے ذریعے مکمل ہوتا ہے اور صدق اس صورت میں پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے کہ اس میں اخلاص ہو اور اس پر مداومت اختیار کی جائے[6]۔

(۷)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ تین باتیں اخلاص کی نشانی ہیں[7]:

(i)۔ عمل کا ثواب آخرت میں چاہنا۔

(ii)۔ اعمال میں ریا کاری کو بھول جانا۔

(iii)۔ عام لوگوں کی طرف سے تعریف و مذمت کی برابری۔

(۸)۔ حضرت ابوعثمانؒ فرماتے ہیں کہ انسان کا ہمیشہ اپنے اعمال کی بجائے اپنے خالق پر نظر رکھنا اخلاص ہے[8]۔

(۹)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ جو اعمال محض اللہ عزوجل کے لیے کئے گئے ہوں، وہ اخلاص ہے[9]۔

(۱۰)۔ حضرت ابوعثمان مغربیؒ فرماتے ہیں کہ

(i)۔ اخلاص یہ ہوتا ہے کہ انسان کی ایسی حالت ہو جس میں نفسانی خواہش کا دخل نہ ہو۔

---

[1]۔ غنیۃ الطالبین از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ صفحہ نمبر ۵۵۴

[2]۔ غنیۃ الطالبین از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ صفحہ نمبر ۵۵۴

[3]۔ غنیۃ الطالبین از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ صفحہ نمبر ۵۵۴

[4]۔ غنیۃ الطالبین از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ صفحہ نمبر ۵۵۴

[5]۔ غنیۃ الطالبین از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ صفحہ نمبر ۵۵۵

[6]۔ غنیۃ الطالبین از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ صفحہ نمبر ۵۵۵

[7]۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۶۸

[8]۔ غنیۃ الطالبین از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ صفحہ نمبر ۵۵۵

[9]۔ غنیۃ الطالبین از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ صفحہ نمبر ۵۵۶

2

(ii)۔ انسان اپنی تمام تر توقعات مخلوق کی بجائے خالق سے وابستہ کرے[۱]۔

(۱۱)۔ حضرت ابوسلیمانؒ فرماتے ہیں کہ جب بندہ مخلص ہوجائے تو اس سے وسوسوں کی کثرت اور ریا ختم ہوجاتی ہے[۲]۔

(۱۲)۔ حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ چالیس دن تک اخلاص کا مظاہر کرنے والے بندے کے دل سے حکمت و دانائی زبان پر آجاتی ہے[۳]۔

(۱۳)۔ حضرت عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ عمل کے ذریعے حقوق اللہ کی ادائیگی و اخلاص ہے[۴]۔

(۱۴)۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مطابق اخلاص یہ ہے کہ انسان کوئی بھی عمل کسی بدلہ حاصل کرنے کے لیے نہ کرے بلکہ خالصتاً اللہ عزوجل کی رضا کے حصول کے لیے کرے[۵]۔

(۱۵)۔ حضرت اردشیر العبادیؒ فرماتے ہیں کہ

(i)۔ جس طرح بدن کے بغیر جان کی کوئی قدر نہیں ہوتی، اسی طرح عبادت بھی بغیر اخلاص کے مقبول نہیں ہوتی۔

(ii)۔ وہ عمل جو بغیر اخلاص کے ہو اس عمارت کی طرح ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں اور وہ جلد ہی منہدم ہوجاتی ہے۔

(iii)۔ جب انسان کا عمل اخلاص پر مبنی ہو تو اس کے درجات کی بلندی کا سبب بنتا ہے کیونکہ اخلاص تو اللہ عزوجل کی نظر میں سب سے عزیز ہے[۶]۔

(۱۶)۔ حضرت ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص مخلوق کی نگاہوں سے بچنے کا نام ہے[۷]۔

(۱۷)۔ خواجہ عبداللہ انصاری ہرویؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص کا مفہوم کسی چیز کا ممتاز کرنا ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں[۸]:

(i)۔ اخلاص شہادت کے تین گواہ ہیں:

(ا)۔ احکام الٰہی کی بجا آوری کرنا

(ب)۔ اللہ کے نواہی سے پرہیز کرنا

(ج)۔ رضائے خداوندی سے سکون پانا

۱۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۲۶۵

۲۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۸۲

۳۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۸۲

۴۔ تصوف اور تصورات صوفیا از پروفیسر ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۸۴

۵۔ تصوف اور تصورات صوفیا از پروفیسر ظہیر احمد صدیقی۔ صفحہ نمبر ۳۸۴

۶۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۸۰

۷۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۸۰

۸۔ رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیریؒ۔ صفحہ نمبر ۳۸۰

(ii)۔ اخلاص خدمت کے تین گواہ ہیں:

(ا)۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مخلوق کو نہ دیکھنا

(ب)۔ کارحق میں سنت مطہرہ کی پاسداری کرنا

(ج)۔ اطاعت الٰہی میں حلاوت پانا

(iii)۔ اخلاص معرفت کے بھی تین گواہ ہیں:

(ا)۔ وہ خوف جو گناہ سے روکنے والا ہو

(ب)۔ وہ امید جو طاعت پر ثابت قدم رکھے

(ج)۔ وہ محبت جو حکم الٰہی کے ساتھ موافقت کرنے والی ہو

(۱۸)۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ نام ونمود کے بغیر قرب خداوندی حاصل کرنے کے لیے یا اخروی ثواب کی امید سے اللہ پاک کی خوشنودی کے لیے عمل کرنا اخلاص ہے[۱]۔

(۱۹)۔ حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص خلق کو حق کے معاملہ سے نکالنا ہے[۲]۔

(۲۰)۔ ایک صوفی کا قول ہے کہ صدق واخلاص یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کا گواہ اللہ کے سوا کسی اور کو نہ بنائے[۳]۔

۸۔ اہل اخلاص کے واقعات

شرعی اعمال واقوال میں خلوص کو شرط قرار دینے پر قرآن وسنت کے دلائل واضح ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے کسی عمل کو قبول نہیں کرتا جو خلوص اور اللہ کی خوشنودی کے بغیر ہو۔ اسی باعث بزرگان دین نیتوں کی درستگی کے لئے سخت جدوجہد کیا کرتے تھے۔ ان کے نزدیک اخلاص تمام اشیا سے عزیز تر تھا۔ سلف الصالحین اعمال کی اتنی فکر نہیں کرتے تھے جتنی وہ خلوص نیت کی کیا کرتے تھے کیونکہ اگر نیت عیب دار ہوجائے تو اجروثواب کے ضائع ہونے کا باعث بنتا ہے۔ نصیحت حاصل کرنے کے لیے اہل اخلاص کے چند واقعات درج کیے جاتے ہیں:

(ا)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اعزہ کو صدقہ دینے کے بارے میں ایک اصول اور ضابطہ بنا رکھا تھا۔ وہ یہ کہ بعض رشتہ دار تو انسان سے کسی وجہ سے ناخوش رہتے ہیں اور بعض خوش اور راضی ہوتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ ان رشتہ داروں کو دینا زیادہ پسند کرتے تھے، جو ناخوش رہتے تھے کیونکہ روٹھے ہوئے رشتہ داروں سے شکرگزاری کی توقع نہیں ہوتی اور کسی کو صدقہ دینے کے بعد شکرگزاری کی امید رکھنا بھی صدق واخلاص کے خلاف ہے۔

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔ جلد چہارم۔ صفحہ نمبر ۴۴۵

۲۔ صد میدان از خواجہ عبداللہ انصاری ہرویؒ۔ صفحہ نمبر ۶۱-۶۲

۳۔ حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔ جلد چہارم۔ صفحہ نمبر ۴۴۵

(۲)۔ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ ہجرت کے ارادے سے مکہ مکرمہ سے نکلے تو کفار قریش نے ان کا راستہ روک لیا اور کہا کہ تم مدینہ نہیں جا سکتے ۔آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ دیکھو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تم میں سب سے بڑا تیر انداز ہوں۔ جب تک ایک بھی تیر میرے ترکش میں باقی رہا تم لوگ میرے قریب نہیں آسکو گے۔ جب تیر ختم ہو جائیں گے تو میں تمہارے ساتھ اپنی تلوار سے لڑونگا۔ جب مجھ میں تلوار اٹھانے کی سکت نہ رہی تو تم جو چاہو میرے ساتھ سلوک کر لینا، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اگر تم لوگ مال چاہتے ہو، تو آؤ میں تم کو اپنے مال کا پتہ دے دیتا ہوں، جا کر لے لو، اور میرا راستہ خالی کر دو تا کہ میں اپنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کر سکوں۔ ان لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی یہ بات مان لی۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی خاطر اپنا سب مال و دولت ان کے حوالے کر کے خالی ہاتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر اپنا سب ماجرا رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابو یحیی تمہارا یہ سودا کامیاب ہو گیا، ابو یحیی تمہارا یہ سودا کامیاب ہو گیا[۱]۔

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی شان میں خصوصی طور پر اور تمام اہل رضا کی شان میں عمومی طور پر قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ[۲]

(اور بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے)

پس اللہ پاک کی راہ میں اور اس کی رضا کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دینا خسارے کا نہیں سراسر نفع کا سودا ہے کہ اس خالق کی رضاء، دارین کی فلاح کی ضامن ہے۔

(۳)۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جنگ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک مقام پر اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ راستے میں ایک شخص ملے گا، جس نے تین دن سے شیطان کی مخالفت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ چنانچہ صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ابھی تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ اس بیابان میں ایک شخص کو دیکھا، جس کا گوشت ہڈیوں سے چپکا ہوا تھا، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں، ہونٹ جنگل کی گھاس کھانے کی وجہ سے سبز ہو چکے تھے۔ جیسے ہی وہ شخص آگے بڑھا، اس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں پوچھا؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعارف کرایا۔ چنانچہ اس شخص نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے اسلام کی تعلیم دی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کہو! اشهد ان لا اله الا الله، و انی رسول الله۔ چنانچہ اس نے ان دونوں شہادتوں کا اقرار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھنا، ماہ رمضان المبارک میں روزے رکھنا۔ اس نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں بیت اللہ شریف کا حج کرنا، صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ ادا کرنا اور غسل جنابت کرنا۔ اس شخص نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔

۱۔ تفسیر الدر المنثور از امام جلال الدین سیوطی، بحوالہ تفسیر سورۃ البقرہ: آیت: ۲۰۷

۲۔ سورۃ البقرہ: آیت: ۲۰۷

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آگے بڑھ گئے، وہ شخص بھی ساتھ تھا، لیکن اس کا اونٹ پیچھے رہ گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ٹھہر گئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس شخص کو تلاش کرنے لگے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دیکھا کہ اس شخص کے اونٹ کا پاؤں جنگلی چوہوں کے بِل میں دھنس گیا اور اونٹ گر گیا، گرنے کی وجہ سے اونٹ اور اس سوار کی گردن ٹوٹ گئی اور دونوں ہی ختم ہو گئے۔ چنانچہ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچا دی گئی۔

جیسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فوراً حکم دیا کہ ایک خیمہ لگایا جائے اور اس سوار کو غسل دیا جائے۔ غسل کے بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خیمہ میں تشریف لائے اور اس کو کفن پہنایا، خیمہ سے باھر نکلے اور صحابہ کرام سے فرمایا کہ یہ دیہاتی شخص بھوکا اس دنیا سے گیا ہے۔ یہ وہ شخص تھا جس نے توبہ کی اور ایمان لایا، اس نے ایمان کے بعد کسی پر ظلم وستم نہیں کیا، خود کو گناہوں سے آلودہ نہ کیا، جنت کی حوریں بہشتی پھلوں کے ساتھ اس کی طرف آئیں اور پھلوں سے اس کا منہ بھر دیا۔ ان میں ایک حور کہتی تھی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! مجھے اس کی زوجہ قرار دیں اور دوسری کہتی تھی کہ مجھے اس کی زوجہ قرار دیں[1]۔

(۴)۔ جب مکہ فتح ہوا تو عکرمہ ابن ابوجہل یہ سوچ کر بھاگ نکلا کہ مجھے کسی صورت بھی معافی نہیں مل سکتی۔ جدہ کی بندرگاہ پر پہنچا اور بیڑے میں سوار ہو گیا۔ لیکن اللہ کی قدرت کہ جوں ہی بیڑے نے ساحل چھوڑا تو وہ اتنے شدید بھنور میں پھنسا کہ ملاح اور مسافروں کو یقین ہو گیا کہ اب نجات کی کوئی صورت باقی نہیں ہے۔ یہ صورت حال دیکھ کر عکرمہ لات، منات اور عزیٰ کو پکارنے لگا۔ ملاح نے مسافروں سے کہا کہ جب کبھی بیڑے کو ایسے طوفان سے واسطہ پڑتا ہے تو خلوص نیت سے اللہ عزوجل کو پکارا جاتا ہے۔ اس لیے صرف اللہ پاک ہی کے حضور فریادیں کرو اور ریاکاری چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بیڑا پار لگانے والا نہیں۔

یہ بات عکرمہ کے دل پر اثر کر گئی اور اس نے سوچا کہ اسی بات کی تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) دعوت دیتے ہیں۔ پس عکرمہ نے اس خیال کے آتے ہی یہ نیت کر لی کہ اگر اللہ پاک نے یہاں سے بچا لیا تو ضرور اسلام قبول کر لوں گا۔ اللہ عزوجل کی مہربانی سے یہ سمندری قافلہ سلامتی سے خشکی پر اترا۔ عکرمہ واپس مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اپنے پچھلے گناہوں کی معافی مانگی اور سچے دل سے توبہ کر کے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے باقی زندگی دین اسلام کی سربلندی کے لیے خلوص نیت سے جدوجہد کی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ انتہائی مخلص رہے[2]۔

(۵)۔ حضرت شداد بن الہاد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع کی۔ پھر اس نے کہا، میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ چلوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس دیہاتی صحابی رضی اللہ عنہ کو دوسروں کی دیکھ بھال کرنے کی وصیت فرمائی اور جہاد پر ساتھ نہ لیا۔ سفر جہاد سے واپسی پر مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اخلاص نیت کی بنا پر اس دیہاتی صحابی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی حصہ نکالا۔ اس وقت یہ ساتھیوں کے جانور چرانے گیا ہوا تھا، اس لیے اس

۱۔ بحار الانوار۔ صفحہ نمبر ۲۸۲

۲۔ تفسیر الدر المنثور از امام جلال الدین سیوطی، بحوالہ سورۃ یونس: آیت: ۲۲

کا حصہ اس کے ساتھیوں کے سپرد کر دیا گیا۔ جب وہ وہاں سے واپس آیا اور ساتھیوں نے اس کو اس کا حصہ دیا تو اس نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ ساتھیوں نے کہا، یہ غنیمت کا حصہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقسیم میں تمھیں دیا ہے۔

اس دیہاتی صحابی رضی اللہ عنہ نے وہ مال لیا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ میں نے مال غنیمت میں سے تمھارا حصہ نکالا ہے۔ اس نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے مال کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع نہیں کی تھی بلکہ میں نے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اس وجہ سے کی تھی کہ میں اپنی زندگی کو دین حق کی سربلندی کے لیے وقف کر دوں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو اپنی نیت میں سچا ہے تو اللہ عزوجل ضرور تجھے سچا کر دکھائے گا۔ پھر یہ دیہاتی صحابی رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتا رہا اور آخرکار ایک غزوہ میں شہید ہو گیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اٹھا کر لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس نے اللہ پاک کے ساتھ خلوص نیت کا معاملہ رکھا تو اللہ عزوجل نے اسے بھی سرفرازی کے لیے چن لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے جبہ مبارک میں کفن دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے بڑھ کر اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی نماز جنازہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز میں پڑھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے، ہجرت کر کے تیرے راستے میں نکلا تھا اور اب تیرے راستے میں، تیرے دین کی سربلندی کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے شہید ہو گیا ہے اور میں اس پر گواہ ہوں[1]۔

(۶)۔ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص قحط کے زمانے میں ریت کے ٹیلے کے پاس سے گزرا۔ اس نے دل میں سوچا اگر یہ ریت کا ٹیلہ غلہ بن جائے تو میں اللہ پاک کی رضا کے لیے سب لوگوں میں تقسیم کر دوں تا کہ قحط زدہ لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچے۔ اللہ پاک نے اس زمانے کے نبی علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اس شخص سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے تیرا صدقہ قبول کر لیا ہے اور تیری حسن نیت کا شکریہ ادا کیا ہے۔ تجھے اسی غلے کے مطابق اجر و ثواب عطا فرمایا گیا ہے جو تو نے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تھا[2]۔

(۷)۔ امام غزالیؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا اور ان سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے اعمال کو کیسا پایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے ہر اس عمل کا ثواب مل گیا جو میں نے اللہ کے لیے کیا تھا، یہاں تک کہ انار کے اس دانے کا بھی جو میں نے راستے سے بطور احترام اٹھایا تھا اور میں نے اپنی مردہ بلی کو بھی نیکیوں کے پلڑے میں دیکھا، میری ٹوپی میں ریشم کا ایک دھاگہ تھا وہ مجھے برائیوں کے پلڑے میں ملا۔ مجھے اپنے ایک گدھے کا جس کی قیمت سو دینار تھی، کوئی ثواب نہیں ملا کیونکہ اس کے مرنے کی خبر سن کر میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنے کی نیت نہیں کی تھی۔ اس لیے مجھ سے کہا گیا کہ گدھے میں تیرا ثواب

۱۔ سنن نسائی۔ رقم: ۱۹۵۵

۲۔ احیاء العلوم الدین از امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد چہارم۔ صفحہ نمبر ۵۴۴

ضائع ہوگیا، اگر تو یہ کہتا کہ اللہ پاک کی راہ میں گیا تو تجھے اس میں بھی ثواب دیا جاتا[1]۔

(۸)۔ بنی اسرائیل کی روایات میں ہے کہ ایک عابد بڑی مدت سے اللہ عزوجل کی عبادت میں مصروف تھا۔ ایک مرتبہ اس کے پاس کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ یہاں ایک قوم ایسی بھی ہے جو اللہ عزوجل کے بجائے درخت کی پرستش کرتی ہے۔ عابد کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا اور وہ اسی حالت میں کلہاڑی لے کر چلا تاکہ درخت کو جس کی عبادت کی جاتی ہے جڑ سے کاٹ دے۔

راستے میں ایک بوڑھے آدمی کی شکل میں شیطان ملا۔ شیطان نے اس سے پوچھا اللہ تجھ پر رحم کرے، کہاں کا ارادہ ہے؟ اس عابد نے جواب دیا کہ وہ درخت کاٹ دینا چاہتا ہوں۔ شیطان نے کہا کہ تجھے اس سے کیا مطلب؟ تو نے خواہ مخواہ اپنی عبادت چھوڑی۔ اپنی مشغولیت ختم کی اور بلاوجہ دوسرے کاموں میں پڑ گیا۔ عابد نے کہا یہ بھی عبادت ہے۔ شیطان نے کہا، میں تجھے ہرگز یہ درخت کاٹنے نہیں دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ دونوں برسرِ پیکار ہوگئے۔ عابد نے شیطان کو گرالیا اور اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

شیطان نے کہا اچھا مجھے چھوڑ دے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ عابد کھڑا ہوگیا۔ ابلیس نے اس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر اس درخت کا کاٹنا فرض نہیں کیا ہے اور نہ اس قوم کی ذمہ داری تجھ پر ہے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بے شمار نبی علیہم السلام ہیں۔ اگر اللہ عزوجل کو منظور ہوگا تو اپنے کسی نبی کو بھیج کر یہ درخت کٹوا دے گا۔ عابد نے کہا کہ میں یہ درخت ضرور کاٹوں گا۔ جب ابلیس نے دیکھا کہ افہام وتفہیم سے معاملہ نہیں بن رہا تو اس نے لڑائی جھگڑا شروع کر دیا۔ عابد دوبارہ اسے شکست دے کر اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

جب ابلیس نے یہ صورت حال دیکھی تو کہنے لگا کہ میں تمہیں ایک صورت حال بتاتا ہوں جو تیرے لیے بہت بہتر ہے۔ عابد نے شیطان کو چھوڑ دیا۔ ابلیس نے کہا کہ تو ایک محتاج اور تنگدست انسان ہے، تیرے پاس کچھ نہیں ہے، تو لوگوں پر بوجھ ہے، وہ تیری کفالت کرتے ہیں اور تیری دلی خواہش ہے کہ تیرے پاس اس قدر مال ہو کہ تو اپنے دینی بھائیوں پر خرچ کر سکے۔ عابد نے کہا کہ ہاں یہ میری دلی خواہش ہے۔ ابلیس نے کہا، تو اپنے گھر چلا جا اور درخت کو کاٹنے کا خیال دل سے نکال دے، میں روزانہ تیرے تکیے کے نیچے دینار رکھ دیا کروں گا۔ تم وہ دینار اپنے اور اپنے اہل خانہ پر خرچ کرنا۔ یہ تیرے اور دیگر اہل دین کے حق میں درخت کاٹنے سے بہتر ہے۔

عابد نے شیطان کی تجویز تسلیم کر لی اور درخت کاٹنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر عابد اپنی عبادت گاہ میں واپس آیا۔ صبح کو اس نے دیکھا کہ حسب وعدہ دینار اس کے سرہانے رکھے ہوئے ہیں۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا لیکن تیسرے دن وہاں کچھ نہ ملا۔ عابد کو بڑا غصہ آیا اور وہ پھر کلہاڑی لے کر درخت کو کاٹنے کے لیے چل پڑا۔

راستے میں ابلیس نے بوڑھے شخص کی شکل میں ملاقات کی اور پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ عابد نے کہا کہ میں درخت کاٹنے جا رہا ہوں۔ ابلیس نے کہا، خدا کی قسم تو جھوٹا ہے نہ تو اس درخت تک پہنچ سکتا ہے اور نہ اسے کاٹ سکتا ہے۔ یہ سن کر عابد نے چاہا کہ پہلے کی طرح پھر بوڑھے کو پکڑ کر زمین پر گرا دے۔ ابلیس نے کہا اب اس گمان میں مت رہنا۔ یہ کہہ کر ابلیس نے

---

[1]۔ احیاء العلوم الدین از امام ابوالحامد محمد الغزالیؒ۔ جلد چہارم۔ صفحہ نمبر ۵۶۶

2

عابد کو پکڑا اور زمین پر پٹخ دیا۔ عابد نے بڑا زور مارا لیکن شیطان سے آزاد نہ ہو سکا۔ عاجز آکر بولا کہ مجھے چھوڑ دے اور یہ بتلا کہ پہلے میں تجھ پر کیسے غالب آ گیا تھا اور اس مرتبہ تو کیسے مجھ پر غالب ہو گیا؟ ابلیس نے کہا پہلی مرتبہ تو خالصتاً اللہ کے لیے درخت کو کاٹنے چلا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے تجھے مجھ پر غلبہ عطا فرما دیا جبکہ اس مرتبہ تو اپنے نفس اور دنیا کے لیے درخت کو کاٹنا چاہ رہا تھا اس لیے میں تجھ پر غالب آ گیا[1]۔

(۹)۔ عبداللہ بن سنان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک جہاد میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے ساتھ تھا۔ اچانک دشمن کے ساتھ لڑائی شروع ہو گئی تو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بھی لشکر میں نکل کھڑے ہوئے۔ جب مسلمانوں اور دشمنوں کی صفیں آمنے سامنے آ گئیں تو رومیوں کی طرف سے ایک شخص نے نکل کر مقابلے کی دعوت دی۔ ایک مسلمان آگے بڑھا مگر رومی نے شدید حملہ کر کے اسے شہید کر دیا اور پھر مقابلے کی دعوت دی۔ اسی طرح سے اس نے یکے بعد دیگرے چھ مسلمان شہید کر دیئے۔ وہ رومی دونوں لشکروں کے درمیان اکڑ کر چل رہا تھا اور بار بار مقابلے کی دعوت دے رہا تھا مگر کوئی اس کے مقابلے میں نہیں نکل رہا تھا۔

یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے اگر میں شہید ہو گیا تو تم فلاں فلاں کام کر لینا۔ پھر آپؒ نے اس رومی سے مقابلہ کیا اور اس کو قتل کر دیا۔ رومیوں پر اس قتل کا اس قدر رعب طاری ہوا کہ کسی نے حضرتؒ کے مقابلے کی ہمت نہ کی۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ جب دوبارہ مجھے ملے تو فرمانے لگے کہ میں نے یہ جہاد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے کیا تھا نہ کہ ریاکاری و دکھلاوے کے لیے۔ پس تم یہ واقعہ کسی کو ہرگز نہ بتانا۔ عبداللہ بن سنانؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان کی زندگی میں یہ واقعہ کسی کو نہیں سنایا۔

(۱۰)۔ مسلمہ بن عبدالملک (ولید بن عبدالملک کا بھائی) نے دشمن کے ایک قلعے کا محاصرہ کیا مگر انہیں سخت مشقت اور تکلیف اٹھانی پڑی۔ اچانک لوگوں نے قلعے میں ایک سوراخ دیکھ لیا مگر کوئی اس میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ لشکر میں سے ایک شخص اس سوراخ میں داخل ہو گیا اور اس نے قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ مسلمانوں نے قلعہ فتح کر لیا۔

جنگ کے بعد مسلمہ بن عبدالملک نے اعلان کروایا کہ وہ شخص جس نے یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے آگے آئے تا کہ اسے انعام دیا جائے مگر تین بار اعلان کے باوجود کوئی نہیں آیا۔ جب چوتھی بار منادی کرائی گئی تو ایک شخص آیا اور کہنے لگا، امیر صاحب! میں وہ شخص ہوں۔ پھر وہ قسمیں دے کر کہنے لگا اللہ کے لیے مجھے کوئی انعام نہ دیجئے اور نہ ہی مجھے اپنے کام سے ہٹائیے۔ میں نے تو یہ کام خالصتاً اللہ کی رضا جوئی کے لیے کیا ہے۔ مسلمہ بن عبدالملک نے کہا ٹھیک ہے ہم ایسا ہی کریں گے پھر وہ شخص غائب ہو گیا اور اس کے بعد نظر نہ آیا۔

(۱۱)۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اخلاص ایک حجام سے سیکھا۔ وہ ایسے کہ ایک دفعہ میں ایک حجام کے پاس گیا اور اس سے درخواست کی کہ میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ پس تم اللہ کے واسطے میرے بال بنا دو۔ اس وقت وہ مکہ

[1]۔ احیاء العلوم الدین از ابو الحامد محمد الغزالی۔ جلد چہارم۔ صفحہ نمبر ۵۶۴

معظّمہ میں ایک رئیس کے بال بنا رہا تھا۔ اس نے فوراً رئیس کا کام چھوڑ کر مجھے کہا کہ تم بیٹھ جاؤ۔ اس طرز عمل پر رئیس نے اعتراض کیا تو حجام نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ جب درمیان میں اللہ کا نام اور واسطہ آجاتا ہے تو میں باقی سب کام چھوڑ دیتا ہوں۔

حجام کے اس جواب پر مجھے بڑا تعجب ہوا۔ پھر وہ میرے قریب آیا اور میرے سر پر بوسہ دیا۔ میرے بال بنانے کے بعد اس نے مجھے ایک پُڑیا دی جس میں کچھ رقم تھی اور مجھ سے درخواست گزار ہوا کہ اس رقم کو بھی اپنے استعمال میں لائیے۔ حجام کے لہجے میں بڑا اخلوص تھا۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حجام سے وہ رقم قبول کر لی اور دل میں عہد کیا کہ مجھے جو پہلی آمدنی حاصل ہوگی، وہ اس خلوص دل رکھنے والے حجام کی نذر کروں گا۔ پھر کچھ دنوں بعد مجھے کچھ رقم ملی تو میں اسے لے کر حجام کے پاس آیا اور وہ رقم اس کی خدمت میں پیش کر دی۔ حجام نے حیران ہو کر پوچھا تو میں نے پورا واقعہ بیان کر دیا۔ میری نیت کا حال سن کر حجام کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھر آئے۔ اس نے کہا کہ اے شخص! تو نے مجھے اللہ کے واسطے بال بنانے کے لیے کہا، میں نے بنا دیئے اور اب اس کا معاوضہ دے رہا ہے۔ تم نے کسی انسان کو دیکھا ہے کہ وہ اللہ کے واسطے کام کرتا ہے اور پھر اس کی مزدوری لیتا ہے۔

(۱۲)۔ ایک بزرگ کو حکومت وقت نے جیل میں بند کر دیا۔ جیل میں بزرگ نے معمول بنا لیا کہ جب جمعہ کا دن آتا تو غسل کرتے، کپڑے بدلتے اور جب اذان کی آواز آتی تو جیل خانے کے دروازے تک تشریف لے جاتے، پھر لوٹ آتے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ فرمایا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ[1]

(اے ایمان والو! جب تمہیں جمعہ کے دن والی نماز کے لئے پکارا جائے (اس کی اذان دی جائے) تو تم اللہ کی یاد کی طرف دوڑو)

سو میں اس حکم کی تعمیل کرنے کے لیے تیاری کرتا ہوں اور جہاں تک جا سکتا ہوں چلا جاتا ہوں۔

(۱۳)۔ انسان کے اخلاص کا اس کے معاملات پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ مسجد بنائے جیسا اچھا کام بھی انسان کی بری نیت کی وجہ سے گناہ بن جاتا ہے۔ اس کی واضح مثال مسجد ضرار ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ہجرت مدینہ سے پہلے مدینے میں ایک شخص ابو عامر راہب تھا۔ یہ خزرج کے قبیلے میں سے تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں نصرانی بن گیا تھا۔ اہل کتاب کا علم بھی پڑھا تھا۔ عابد بھی تھا اور لوگ اس کی بزرگی کے قائل تھے۔ جب حضور نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو لوگ جوق در جوق آپ ﷺ کے پاس جمع ہو کر اسلام قبول کرنے لگے۔ اس سے اس راہب کی ظاہری نمود و نمائش میں کمی آ گئی، جس سے حسد میں مبتلا ہو گیا اور کھلم کھلا مسلمانوں کی مخالفت کرنے لگا۔

---

[1]۔ سورۃ الجمعہ: آیت: ۹

یہ شخص اسلام کی کامیابیاں دیکھ کر شاہ روم ہرقل کے پاس پہنچا اور اسے حضور نبی کریم ﷺ سے لڑائی کے لئے آمادہ کیا۔ ہرقل نے بھی مدینہ شریف پر حملہ کرنے کا وعدہ کرلیا۔ اس وقت ابو عامر راہب نے اپنے ہم خیال لوگوں کو خط لکھا کہ اب میں مسلمانوں کی جڑیں کاٹ دونگا میں نے ہرقل کو آمادہ کرلیا ہے وہ لشکر جرار لے کر چڑھائی کرنے والا ہے۔ تم میرے لیے ایک مسجد تعمیر کرو تا کہ میرے قاصد جو آئیں وہ وہیں ٹھہریں، وہیں مشورے ہوں، ہمارے لئے وہ پناہ کی اور گھات لگانے کی محفوظ جگہ بن جائے اور مسلمانوں میں اس سے گروہ بندی پیدا ہو۔

چنانچہ منافقین نے مسجد قبا کے پاس ہی ایک اور مسجد کی تعمیر شروع کر دی اور تبوک کی لڑائی کے لئے حضور نبی کریم ﷺ کی روانگی سے پہلے ہی اسے خوب مضبوط اور پختہ بنالیا۔ اس مسجد کی تعمیر کے بعد منافقین حضور نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ضعیف اور کمزور لوگوں کو دور جانے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے، خصوصاً سردیوں کی راتوں میں کمزور، بیمار اور معذور لوگ دور دراز کی مسجد میں بڑی دقت سے پہنچتے ہیں۔ اس لئے ہم نے قریب ہی یہ مسجد بنالی ہے۔ پس آپ ﷺ ہماری مسجد میں تشریف لایئے اور نماز ادا کیجئے تا کہ ہمارے لئے یہ بات حجت ہو جائے اور ہم وہاں نماز شروع کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تو سفر درپیش ہے واپسی پر سہی، جو اللہ پاک فیصلہ فرمائیں۔

حضور نبی کریم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو راستے میں ہی اللہ پاک نے بذریعہ وحی آپ ﷺ پر منافقین کی بنائی گئی مسجد کی حقیقت ظاہر فرمادی اور بتایا گیا کہ دراصل منافقین چاہتے ہیں کہ لوگوں کو مسجد قبا میں جانے سے روک دیں اور اسلام کو نقصان پہنچائیں۔ پس حضور نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین مسجد قبا میں نماز پڑھیں اور منافقین کی بنائی گئی اس مسجد کو تباہ کر دیں۔

پس اللہ پاک کے حکم کے مطابق اس مسجد کو اس کے بنانے والوں کی نیت کی خرابی کی وجہ سے آگ لگا دی گئی۔ تاریخ میں منافقین کی بنائی گئی یہ مسجد مسجدِ ضرار کے نام سے مشہور ہے[1]۔

وہ مساجد جن کو تقویٰ کی نیت سے بنایا جاتا ہے اور وہ جن کو منافقت کی نیت سے بنایا جاتا ہے، ایک جیسی نہیں ہوسکتیں۔ اللہ پاک نے اپنی پاک کتاب قرآن مجید میں اس اصول کا ان الفاظ میں تذکرہ فرمایا ہے:

اَفَمَنۡ اَسَّسَ بُنۡیَانَهٗ عَلٰی تَقۡوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانٍ خَیۡرٌ اَمۡ مَّنۡ اَسَّسَ بُنۡیَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانۡهَارَ بِهٖ فِیۡ نَارِ جَهَنَّمَ [2]

(بھلا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈرنے اور اس کی رضامندی پر رکھی ہو وہ بہتر ہے یا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایک کھائی کے کنارے پر رکھی جو گرنے والی ہے؟ پھر وہ اسے دوزخ کی آگ میں لے گری)

---

[1] تفسیر الدرالمنثور از امام جلال الدین سیوطی بحوالہ تفسیر سورۃ التوبہ: آیت ۱۰۷

[2] سورۃ التوبہ: آیت: ۱۰۹

کتابیات

۱۔ احمد بن حنبلؒ، حضرت امام، 'مسند امام احمد بن حنبلؒ' ترجمہ مولانا محمد ظفر اقبال، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۴

۲۔ احمد شہیدؒ، سید، 'صراط مستقیم'، سنی اکیڈمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۸

۳۔ ابن ماجہؒ، حضرت حافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید، 'سنن ابن ماجہ' ترجمہ مولانا محمد قاسم امین، مکتبہ العلم، لاہور، ۲۰۱۰

۴۔ القشیریؒ، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن، 'الرسالہ القشیریہ فی علم التصوف' ترجمہ شاہ محمد چشتی، ادارہ پیغام القرآن، لاہور، ۲۰۰۷

۵۔ ابوالخیرؒ، شیخ ابوسعید، 'رباعیات' ترجمہ مولانا حامد حسن قادری، قادری اکادمی، کراچی، ۱۹۹۰

۶۔ انصاریؒ، خواجہ عبداللہ، 'صد میدان' ترجمہ حافظ محمد افضل فقیر، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۸

۷۔ ابن جوزیؒ، امام عبدالرحمٰن، 'عیون الحکایات'، مکتبہ المدینہ، کراچی، ۲۰۰۷

۸۔ ابن جوزیؒ، امام عبدالرحمٰن، 'منہاج القاصدین' ترجمہ محمد سلیمان کیلانی، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، ۱۹۸۵

۹۔ ابن جوزیؒ، امام عبدالرحمٰن، 'تلبیس ابلیس'، مکتبہ الاسلامیہ، لاہور، ۲۰۰۹

۱۰۔ البیرونی، ابوریحان محمد بن احمد، 'تحقیق ماللہند من مقولۃ فی العقل اومرذولۃ: کتاب الہند'، بک ٹاک، لاہور، ۲۰۱۱

۱۱۔ ابن کثیرؒ، حافظ عماد الدین ابوالفدا، 'تفسیر ابن کثیر' ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۶

۱۲۔ ابن خلدون، علامہ عبدالرحمٰن، 'تاریخ ابن خلدون' ترجمہ حکیم احمد حسین الہ آبادی، نفیس اکیڈیمی، کراچی، ۲۰۰۳

۱۳۔ ابن ابی دنیاؒ، امام ابوبکر عبداللہ بن محمد قرشی، 'شکر اللہ عزوجل: شکر کے فضائل'، مکتبہ المدینہ، کراچی، ۲۰۱۰

۱۴۔ ابن سعدؒ، محمد، 'طبقات ابن سعد: طبقات کبیر' ترجمہ علامہ عبداللہ العمادی، نفیس اکیڈیمی، کراچی، ۲۰۰۶

۱۵۔ ابن قیمؒ، علامہ حافظ، 'عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین'، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۸

۱۶۔ ابن قیمؒ، علامہ حافظ، 'مدارج السالکین'، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۸

۱۷۔ ابن تیمیہؒ، شیخ الاسلام، 'جلاء العینین'، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۸

۱۸۔ ابن تیمیہؒ، شیخ الاسلام، 'فی السماع والرقص'، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۸

۱۹۔ ابوالمعالی، عبداللہ بن محمد بن علی بن حسن بن علی ہمدانی، 'رسالہ لوائح'، منوچہری، تہران، ۱۹۸۵

۲۰۔ اسکندریؒ، شیخ ابن عطاء، 'تدبیر وتقدیر' ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۲۰۰۶

۲۱۔ اسمٰعیل شہیدؒ، شاہ، 'ایضاح الحق الصریح'، زمزم پبلشرز، کراچی، ۲۰۰۵

۲۲۔ احمد شہیدؒ، سید، 'صراط مستقیم'، سنی اکیڈمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۸

7

۲۳۔ الدیلمیؒ، شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ، 'مسند الفردوس بماثور الخطاب'، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۷

۲۴۔ ارسلان، شکیب، 'حاضر العالم الاسلامی'، دارالفکر، بیروت، ۱۹۷۱

۲۵۔ امداد اللہؒ، حضرت مہاجر مکی، 'رجوم المزنبین'، دارالفکر، بیروت، ۱۹۷۱

۲۶۔ آلِ سعود، ڈاکٹر شہزادہ فیصل بن مشعل، 'شکر گزار بننے کے فوائد' ترجمہ طاہر صدیق بن محمد صدیق، دارالابلاغ، لاہور، ۲۰۱۰

۲۷۔ بخاریؒ، حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، 'صحیح بخاری' ترجمہ حضرت مولانا محمد داؤد راز، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، دہلی، ۲۰۰۴

۲۸۔ بخاریؒ، حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، 'آداب المفرد' اسلامک اکیڈمی، لندن، ۲۰۰۶

۲۹۔ باہوؒ، حضرت سخی سلطان، 'انوار سلطانی'، فقیر عبدالحمید، لاہور، ۱۹۹۹

۳۰۔ باہوؒ، حضرت سخی سلطان، 'ابیات باہوؒ' فقیر عبدالحمید، لاہور، ۱۹۹۹

۳۱۔ البیہقیؒ، حضرت امام ابی بکر احمد بن حسین، 'شعب الایمان' ترجمہ مولانا قاضی ملک محمد اسماعیل، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۷

۳۲۔ پانی پتیؒ، قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی، 'تفسیر مظہری'، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۹۹

۳۳۔ ترمذیؒ، حضرت امام محمد بن عیسیٰ، 'جامع ترمذی' ترجمہ مولانا افضل احمد، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۶

۳۴۔ تھانویؒ، مولانا اشرف علی، 'سکون قلب'، مکتبہ انعامیہ، کراچی، ۱۹۸۶

۳۵۔ جیلانیؒ، شیخ عبدالقادر، 'فیوض یزدانی: فتح الربانی' ترجمہ مولانا عاشق الٰہی، اعتقاد پبلشنگ ہاوس، نئی دہلی، ۱۹۸۶

۳۶۔ جیلانیؒ، شیخ عبدالقادر، 'غنیۃ الطالبین' ترجمہ مولانا علامہ محمد صدیق ہزاروی سعیدی، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، ۱۹۸۸

۳۷۔ جیلانیؒ، شیخ عبدالقادر، 'آداب السلوک' ترجمہ ظفر اقبال کلیار، زاویہ فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۰

۳۸۔ چلپیؒ، ملا کاتب، 'کشف الظنون'، مکتبہ شرف، پٹنہ، ۲۰۱۱

۳۹۔ الخطیب التبریزیؒ، حضرت شیخ ولی الدین، 'مشکوٰۃ' ترجمہ مولانا محمد صادق خلیلؒ، مکتبہ محمدیہ، لاہور، ۲۰۰۵

۴۰۔ دہلویؒ، شاہ ولی اللہ محدث، 'ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء' ترجمہ مولانا محمد عبدالشکور، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۹۹۹

۴۱۔ دہلویؒ، شاہ ولی اللہ محدث، 'حجۃ اللہ البالغۃ: رحمۃ اللہ واسعۃ' ترجمہ مولانا محمد سعید پالن پوری، زمزم پبلشرز، کراچی، ۲۰۰۵

۴۲۔ رومیؒ، مولانا جلال الدین، 'مثنوی معنوی' ترجمہ قاضی سجاد حسین، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۶

۴۳۔ سعدیؒ، شیخ شرف الدین مصلح، 'حکایات سعدی: بوستان سعدیؒ انسائیکلو پیڈیا' ترجمہ مولانا غلام حسن قادری، مشتاق بک کارنر، لاہور، ۱۹۹۸

۴۴۔ سعدیؒ، شیخ شرف الدین مصلح، 'مواعظ سعدی'، مشتاق بک کارنر، لاہور، ۲۰۰۶

۴۵۔ سہروردیؒ، شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر، 'آداب المریدین' ترجمہ محمد عبدالباسط، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۸

۴۶۔ سراجؒ، شیخ ابونصر، 'کتاب اللمع فی التصوف' ترجمہ سید اسرار بخاری، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۰

۴۷۔ سیوطیؒ، امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، 'تفسیر درالمنثور فی التفسیر بالماثور' ترجمہ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ، ضیاء القرآن، لاہور، ۲۰۰۶

۴۸۔ شافعیؒ، امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی، 'حلیۃ اولیاء وطبقات الاصفیاء' ترجمہ مولانا محمد اصغر مغل، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۶۔

۴۹۔ الشافعیؒ، امام ابوالحسن الشطنوفی، 'زبدۃ الآثار تلخیص بھجۃ الاسرار' تلخیص شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۲۰۰۱

۵۰۔ صدیقی، ابوحمزہ عبدالخالق، 'علم اور تقویٰ'، انصار السنہ پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۰

۵۱۔ صدیقی، پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد، 'تصوف اور تصورات صوفیہ'، سیٹھی بکس، لاہور، ۲۰۰۸

۵۲۔ طبرانیؒ، حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد، 'طبرانی کبیر'، مکتبہ ابنِ تیمیہ، قاہرہ، ۲۰۰۰

۵۳۔ العبادیؒ، قطب الدین ابوالمظفر منصور بن اردشیر، 'صوفی نامہ: التصفیۃ فی احوال المتصوفۃ'، انتشارات، تہران، ۱۹۷۱

۵۴۔ علیؓ، حضرت، 'نہج البلاغۃ' ترجمہ سید ذیشان حیدر جوادی، محفوظ بک ایجنسی، کراچی، ۱۹۹۹

۵۵۔ علی متقی بن حسام الدینؒ، حضرت علامہ علاء الدین، 'کنز العمال' ترجمہ مولانا مفتی احسان اللہ شائق، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۹

۵۶۔ عثمانی، مولانا محمد تقی، 'تقدیر پر راضی رہنا چاہیے'، میمن اسلامک پبلشرز، کراچی، ۲۰۰۶

۵۷۔ عبدالبر، لابی عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد، 'الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'، دارالجبل، بیروت، ۱۹۷۱

۵۸۔ الغزالیؒ، امام ابوالحامد محمد، 'احیاء العلوم الدین' ترجمہ مولانا ندیم الواجدی، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۹۹

۵۹۔ الغزالیؒ، امام ابوالحامد محمد، 'مکاشفۃ القلوب' ترجمہ محمد الیاس عادل، مشتاق بک کارنر، لاہور، ۲۰۰۰

۶۰۔ قرطبیؒ، امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر، 'تفسیر قرطبی' ترجمہ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ، ضیاء القرآن، لاہور، ۲۰۱۲

۶۱۔ الکلاباذیؒ، امام ابوبکر بن ابواسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری، 'تعرف' ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۸

۶۲۔ منیریؒ، شیخ شرف الدین احمد یحییٰ، 'معدن المعانی' ترجمہ شاہ قسیم الدین احمد شرفی البلخی، مکتبہ شرف، پٹنہ، ۲۰۱۱

۶۳۔ المصری، ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن عمیرہ، 'مقامات سلوک' ترجمہ محمد اکرم الازہری، ضیاء القرآن، لاہور، ۱۹۹۹

۶۴۔ المکیؒ، شیخ ابوطالب محمد بن عطیہ حارثی، 'قوت القلوب' ترجمہ محمد منظور الوجیدی، شیخ غلام اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۹

۶۵۔ مالک بن انسؒ، حضرت امام، 'موطا امام مالک' ترجمہ حافظ زبیر علی، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۰۹

۶۶۔ مبارکپوری، مولانا صفی الرحمٰن، 'الرحیق المختوم'، مکتبہ سلفیہ، لاہور، ۲۰۰۰

۶۷۔ مودودیؒ، سید ابوالاعلیٰ، 'تفہیم القرآن'، الاصلاح کمیونیکیشن نیٹ ورک، لاہور، ۱۹۹۹

۶۸۔ مجلسی، ملامحمد باقر، 'بحارالانوار' ترجمہ سید طیب آغا موسوی، محفوظ ایجنسی، کراچی، ۱۹۸۰

۶۹۔ مسلمؒ، حضرت امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج، 'صحیح مسلم' ترجمہ علامہ وحید الزمان، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، دہلی، ۲۰۰۴

۷۰۔ مجدد الف ثانیؒ، شیخ احمد سرہندی، 'مکتوبات امام ربانی'، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۷۶

۷۱۔ ندویؒ، شیخ ابوالحسن علی، 'تزکیہ واحسان'، مجلس نشریات، کراچی، ۲۰۰۴

۷۲۔ نسائیؒ، حضرت امام احمد بن شعیب، 'سنن نسائی' ترجمہ مولانا فضل احمد، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۱

۷۳۔ نقشبندی، مولانا ذوالفقار احمد، 'گناہوں سے توبہ کیجیے' مکتبہ الفقیر، فیصل آباد، ۲۰۰۹

۷۴۔ الہیتمیؒ، امام علی بن ابوبکر، 'مجمع الزوائد ومنبع الفوائد'، مکتبہ العلماء والحکما، مدینہ شریف، ۱۹۸۴

۷۵۔ ہجویریؒ، سید علی، 'کشف المحجوب' ترجمہ میاں طفیل محمد، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۸

۷۶۔ Arnold، W. T، 'Preaching of Islam' ترجمہ مولوی عنایت اللہ، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۸

۷۷. Iqbal, Dr. Muhammad, 'The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam', Standford University Press, California, 2013



بیرسٹر ظفراللہ خان نے ابتدائی دینی تعلیم صوفیائے کرام کے شہر ملتان میں حاصل کی۔ ایف اے اور بی اے کے امتحانات پرائیویٹ طور پر ملتان ایجوکیشن بورڈ اور بہاؤالدین زکریاؒ یونیورسٹی ملتان سے امتیازی پوزیشنوں میں پاس کیے۔ قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے ایم ایس سی (بین الاقوامی تعلقات) کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ کچھ عرصہ تک انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں درس وتدریس کے شعبے سے منسلک رہنے کے بعد 1987ء میں سول سروس آف پاکستان کے ڈسٹرکٹ مینجمنٹ گروپ میں شمولیت اختیار کرلی۔ 1997ء میں سٹی یونیورسٹی لندن سے ایل ایل بی کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ یونیورسٹی آف ویسٹ آف انگلینڈ (برطانیہ) سے قانون میں پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ حاصل کیا اور لنکنز ان (لندن) سے 1998ء میں بار ایٹ لاء کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے سوئزرلینڈ، ہالینڈ اور اٹلی میں قانون کی تعلیم پائی۔ آپ 2002 میں ملازمت سے استعفیٰ دے کر قانون کے شعبے سے منسلک ہو گئے۔ آپ اسلام، قانون اور حقوقِ انسانی پر کئی کتابوں اور تحقیقی مقالات کے مصنف ہیں۔ آپ وفاقی سیکریٹری قانون، انصاف اور حقوق انسانی بھی رہے ہیں۔ آج کل آپ وزیراعظم کے خصوصی معاون اور وزیرمملکت برائے کابینہ امور کے طور پر کام کر رہے ہیں۔

ایمل مطبوعات
www.emel.com.pk
9 789699 556159
Rs.740